Jamia Nagar
محدث

شمارہ نمبر (۱) • جنوری ۱۹۹۰ء • جمادی الاخریٰ ۱۴۱۰ھ • جلد ۸

اس شمارہ میں

مدیر:-

عبدالوہاب حجازی

پتہ:-

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ ریوڑی تالاب، وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بَدلِ اشتراک

سالانہ: تیس روپئے • فی پرچہ: تین روپئے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس قرآن

شیطانی وسوسوں اور شرور سے بچنے کی احتیاطی تدابیر

ڈاکٹر عبد الرحمن بن عبد الجبار فریوائی

گزشتہ شمارہ کے درس قرآن میں شیطانی وساوس وخطرات اور شرور وفتن سے بچنے کے لیے دس اسباب پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہ سطریں اسی موضوع کا تکملہ ہیں جو ابن قیم کے کلام سے ماخوذ ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ دسواں حرز یہ ہے کہ آدمی کھانے پینے، گفتگو اور نظر کے استعمال اور لوگوں سے میل جول میں محتاط رویہ اختیار کرے اور اس کا فضول بے جا استعمال نہ کرے۔ اس لیے کہ انھیں راہوں سے شیطان انسان پر اپنا تسلط واقتدار جماتا اور اس کو اپنے لیے استعمال کرتا ہے۔ نظر کے بیجا استعمال سے انسان کا دل ودماغ دیکھی ہوئی پسندیدہ چیز میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور وہ اس کے حصول کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ نظر کا بیجا استعمال منبع فساد ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ نظر بازی ابلیس کے تیروں میں سے ایک مسموم تیر ہے جس نے رب کی رضا کی خاطر اپنی نگاہ نیچے رکھی اللہ اس کے لیے ایسی مٹھاس عطا کرے گا، جس کو بندہ رب سے ملاقات کے وقت اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

حسن وعشق کی دنیا کے بڑے بڑے واقعات وحوادث نظر کے بیجا استعمال کے نتیجے میں رونما ہوئے ہیں خلاصۂ کلام یہ کہ نگاہوں کا غلط استعمال ہی مصائب وفتن کی اصل ہے۔

۲۔ فضول گفتگو: یاوہ گوئی انسان پر شر وفساد کے دروازوں کو کھول دیتی ہے جو سب کے سب شیطان کے دروازے ہیں، فضول گفتگو سے اجتناب اس کا سد باب ہے۔ ایک ایک جملے کتنی جنگوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ انسانوں کا نار جہنم میں منہ کے بل گرنے کا سبب ان زبانوں سے نکلے ہوئے جملوں کے علاوہ کیا اور کچھ ہے۔

سنن ترمذی میں ہے کہ ایک انصاری صحابی کی وفات ہوگئی۔ بعض صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اس کو مبارک ہو

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ اس نے لایعنی گفتگو کی ہو یا کسی ایسی چیز میں بخل سے کام لیا ہو، جس سے اس کے مال میں کوئی کمی نہ ہوتی۔

اکثر گناہوں کا منبع زبان اور نگاہ کا بے جا استعمال ہے۔ یہ دونوں شیطان کے لیے سب سے وسیع دروازے ہیں۔ یہ دونوں تھکنے یا اکتانے کا نام نہیں لیتے۔ اس کے برعکس پیٹ کی شہوت کہ پیٹ بھرتے ہی کھانے کی مزید خواہش باقی نہیں رہتی۔ لیکن اگر زبان اور نگاہ کو چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنے فعل سے باز نہیں آئیں گی۔ اس لیے کہ ان کی حشر سامانیوں کا دامن وسیع اور متنوع ہے اور اس سے بڑے بڑے مصائب و آفات پیدا ہوتے ہیں۔

سلف صالحین نظر بازی اور بے جا گفتگو سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ زبان سے زیادہ کنٹرول کی چیز اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

۲۔ ضرورت سے زیادہ خورد و نوش: فضول خورد و نوش بہت سی برائیوں کو دعوت دینے والی چیز ہے۔ یہ اعضاء و جوارح کو معاصی کے لیے متحرک کرتی ہے۔ اور رب کی اطاعت کو اس کے لیے گراں بنا دیتی ہے۔ اور یہ دونوں شر ہیں۔ خورد و نوش میں کثرت اور آسودگی شکم سے کتنی معصیتوں کا صدور ہوتا ہے اور کتنی طاعت و نیکی سے آدمی باز رہتا ہے۔ اس لیے جو شخص اپنے شکم کے شر سے محفوظ رہا وہ بہت بڑے شر سے بچا رہا۔

انسان کی شکم سیری کی حالت میں شیطان کا عمل دخل اور کنٹرول اس پر بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ حدیث نبوی ہے کہ کسی آدمی نے پیٹ سے زیادہ شر کی اور کوئی چیز نہیں بھری۔

شکم سیری انسان کو اللہ کے ذکر اور اس کی یاد سے غافل کر دیتی ہے اور ایک ساعت بھی اگر انسان کا دل ذکر اللہ سے غافل ہو، شیطان کی وسیسہ کاری اور اس کا عمل دخل اس پر شروع ہو جاتا ہے اور وہ اسے ہر طرح کی وادیوں میں لیے پھرتا ہے۔

بے جا اختلاط اور میل جول: بے جا اور فضول میل جول اور اختلاط لاعلاج مرض اور ہر شر کو دعوت دینے والا ہوتا ہے۔ اس نے کتنی نعمتوں کو سلب کر لیا اور کتنی عداوتوں کو جنم دیا اور دلوں میں ایسی کتنی گرہیں ڈال دیں جس سے بڑے بڑے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں اور یہ نہ ٹلے۔ بے جا اختلاط میں دنیا و آخرت کے لیے خسارہ ہے۔ [illegible]

میل جول کے لیے یہ ضابطہ بنا لینا چاہیے کہ لوگوں کو چار اقسام میں تقسیم کرلے ۔ اگر ایک قسم کو دوسرے میں ملا دے گا اور دونوں میں تمیز نہ کرسکے گا تو اس پر شر کا حملہ ہو جائے گا ۔

۱- پہلی قسم ایسے لوگوں کی ہے جن سے اختلاط غذا کی طرح ہے ، جس سے چوبیس گھنٹوں میں استغنا نہیں اس لیے ہمیشہ ضرورت کے وقت میل جول اختیار کرے اور ضرورت پوری کرنے کے بعد اسے چھوڑ دے ۔ یہ نادر قسم عارف باللہ علماء حق کی ہے جو شریعت کا علم رکھتے ہیں اور اعداء اللہ کے مکر و فریب سے آگاہ ہوتے ہیں اور جنھیں دلوں کی بیماریوں اور ان کے علاج کا علم ہے ، جو اللہ ، رسول ، قرآن اور خلق خدا کے لیے خیر خواہ ہیں ۔ اس قسم کے لوگوں سے ربط و ضبط اور میل جول میں فائدہ ہی فائدہ ہے ۔

۲- دوسری قسم ایسے انسانوں کی ہے جن سے اختلاط دوا کی طرح ہے جس کی ضرورت انسان کو بیماری کے وقت ہوتی ہے ۔ صحت کی حالت میں اس کے استعمال کی ضرورت نہیں ۔ لیکن زندگی کے پیش آمدہ معیشت و معاشرت اور علاج و بیماری کے مسائل میں ان سے اختلاط کے بغیر چارہ نہیں ۔ جب اس قسم کے لوگوں کے اختلاط سے اپنی ضرورت پوری کرلو تو ان سے کنارہ کشی اختیار کرلو ۔

۳- اب صرف تیسری قسم کے لوگوں سے اختلاط کی بات رہ جاتی ہے ۔ اور وہ تیسرا گروہ ایسا ہے کہ جس سے میل جول کا معاملہ بیماریوں کی طرح ہے ۔ جن میں سے بعض وہ ہیں جن سے اختلاط مزمن اور لا علاج مرض کی طرح ہے جس کا دین و دنیا میں کوئی فائدہ نہیں ، لیکن بایں ہمہ دین و دنیا یا کسی ایک کا خسارہ برداشت کرنا ہی پڑتا ہے ۔ اگر انسان اس اختلاط میں مبتلا ہو گیا تو گویا وہ خوفناک مرض الموت میں مبتلا ہو گیا ۔

اور بعض وہ جن سے اختلاط کا معاملہ پھوڑی کے درد کی طرح ہے ، جس کی تکلیف برابر بڑھتی رہتی ہے اور اس کے ختم ہونے کے بعد ہی سکون نصیب ہوتا ہے ۔

اور بعض وہ جن سے اختلاط کا معاملہ روحانی بخار کی طرح ہے جو کہ بوجھل ہے اور گراں ۔ کم عقل ، جس کی بات سے کوئی تمھارا فائدہ نہ رہا ہو اور خاموشی بھی نہ جانتا ہو کہ تم سے استفادہ ہی کرسکے ۔ جو نہ اپنی قدر و قیمت کو جانتا ہو اور اس کا احترام کرتا ہو ، بلکہ اس کی گفتگو سامعین کے دل پر لاٹھی کی طرح اثر کرے اور وہ اپنی گفتگو سے فرحاں و شاداں ہو اور خود پسندی کا بھی شکار ہو ۔ وہ ہر واقعہ و حادثہ پر رائے زنی کرے اور خوش فہمی میں مبتلا ہو کر مجلس کو وہ زعفران زار بنائے ہوئے ہے ۔ وہ جب خاموش ہو جائے تو بوجھل

اور اٹھانے اور گھسیٹنے چلانے والے چکی کے پاٹ سے زیادہ بوجھل معلوم ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس طرح کے ثقیل آدمی سے اختلاط اور میل جول بہت بڑی مصیبت ہے جس سے حسن سلوک کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں، حتی کہ اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے۔

۴۔ چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جن سے اختلاط ہلاکت ہی ہلاکت ہے اور زہر کھانے کے برابر ہے۔ اگر اس کے لیے تریاق فراہم ہو جاتی ہے تو ٹھیک ورنہ اللہ تعالیٰ اس کی اچھی تقریب کرے، اس طرح کے لوگوں کی بہتات ہے۔ اہل بدعت و ارباب ضلالت و گمراہی ہیں جو اللہ اور رسول کے راستہ سے لوگوں کو روکنے والے اور اس کے خلاف کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ یہ سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت، معروف کو منکر اور منکر کو معروف کرنے والے لوگ ہیں۔

اگر ان کے سامنے توحید خالص بیان کرو تو یہ اولیا و صالحین کی شان میں گستاخی کا الزام لگا دیتے ہیں اگر خالص اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کرو تو کہتے ہیں کہ ائمہ متبوعین کی قدر و منزلت گھٹاتے ہو۔ اگر تم اللہ کی تعریف و توصیف بغیر غلو و تقصیر کے ان الفاظ میں کرو جن میں خود اللہ نے اور رسول اللہ نے کی ہے تو الزام دیتے ہیں کہ تم مشبہ ہو۔ اور اگر معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو تو کہتے ہیں کہ تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے والے ہو۔ اور اگر سنت کی اتباع کرو اور خلاف سنت امور کو ترک کردو تو کہتے ہیں کہ تم گمراہ اور بدعتی ہو۔ اگر تم اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلو تو کہتے ہیں کہ تم پھیر پھار کرنے والوں میں سے ہو گئے ہو۔

اور اگر اپنی روش کو چھوڑ کر ان کے خواہشات کی پیروی کرلو تو اللہ کے یہاں تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤگے، اور اللہ کے یہاں تمھارا شمار منافقین میں ہوگا۔

اس لیے کامل احتیاط کے ساتھ ان کو غصہ کرکے اللہ اور اس کے رسول کی رضا و خوشنودی تلاش کرو اور ان کی چوکھٹوں کا سجدہ نہ کرو، اور ان کی مذمتوں اور بغض کی پرواہ بھی نہ کرو۔ بلکہ تمھارا کمال یہ ہوگا کہ کوئی ناقص تمھاری مذمت کرے، اس لیے کہ تمھارے فضل و شرف کے لیے یہی سند ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تمام مصیبتوں کے سرچشمہ مذکورہ چاروں دروازوں یعنی زبان، نگاہ، پیٹ اور اختلاط کے بیجا و فضول استعمال پر جو شخص چوکس رہا اور شیطان کے شر سے اجتناب کے مذکورہ ابواب

باقی صفحہ ۴۵ پر

ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالجبار الفریوائی

درسِ حدیث

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ.

(صحیح مسلم)

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی جگہ اترے اور یہ دعا پڑھے : اعوذ بکلمات اللہِ التامات من شرما خلق (میں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے شر و فساد سے اللہ رب العزت کے کامل اور نقص و عیب سے پاک کلام کی پناہ مانگتا ہوں) تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، حتی کہ وہ اس جگہ سے کوچ کر جائے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ تم میں سے کوئی جب کسی جگہ پر نزول کرے تو یہ دعا پڑھے : ......

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور گویا ہوا کہ رات مجھے بچھو نے ڈس لیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم نے شام کو یہ دعا پڑھ لی ہوتی۔ (اعوذ بکلمات اللہِ التامات من شرما خلق. تو تم کو بچھو نقصان نہ پہنچاتا۔ (صحیح مسلم)

ہمارا ملجا و ماویٰ اللہ رب العزت ہے۔ اس لیے ہر شرپسند اور موذی کے شر ۔ اور ایذا سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ رب العزت کی طرف رجوع کریں اور ہر طرح کے فتنہ و فساد سے اپنے کو بچانے میں اس کے اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے طریقوں پر عمل کرتے ہوئے مشروع وسائل اپنا کر اپنا تحفظ حاصل کریں۔ جب سے انسانی تاریخ محفوظ ہے، انسان نے اپنے دفاع اور اپنی حفاظت کے لیے ہر طرح کے حکمت وسائل اختیار کیے اور اسی دلیل سے دنیا آج اسلحہ کی دوڑ میں ہلاکت و تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔ بہت قدیم زمانے سے انسان نے اپنی حفاظت کے لیے طرح طرح کے ٹونے ٹوٹکے اور تعویذ و گنڈوں کا سہارا لیا اور شیاطین و جن اور پیروں اور فقیروں کی چوکھٹ پر سجدہ کیا۔ زمانۂ جاہلیت میں مشرکین و کفار جنوں کو اپنا ملجا و ماویٰ بناتے تھے۔ اسلام نے یہ تعلیم دی کہ غیراللہ کو ملجا و ماویٰ بنانا، شرک ہے۔ اس لیے کہ ملجا و ماویٰ صرف اللہ رب العزت ہے اور ...

جس کا حکم قرآن و حدیث میں صریح طور پر آیا ہے۔ اس لیے غیر اللہ کو پکارنا اور اسے ملجا و ماوی بنانا شرک فی العبادۃ ہے۔ خولہ بنت حکیم کی مرفوع حدیث میں اس اہم عبادت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ مخلوقات کے شر و فتنہ سے اپنے کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ رب العزت کے عیب و نقص سے مبرا کلام (جو اللہ کی ایک صفت ہے) کی پناہ میں آنے کی التجا کریں اور اہلِ جاہلیت کی طرح جنوں کو اپنا ملجا و ماوی نہ بنائیں مخلوقات کے شر سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو اسماء حسنیٰ اور صفاتِ باری تعالیٰ کی پناہ میں آنے کا حکم صریح طور پر حدیث میں موجود ہے۔ اس حدیث اور اس طرح کے دوسرے نصوص سے معلوم ہوا کہ مخلوقات میں سے کسی کو اپنا ملجا و ماوی بنانا ناجائز اور شرکیہ فعل ہے۔

حدیث میں مذکورہ دعا کے پڑھنے کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے پڑھنے والے کو کوئی چیز گزند نہیں پہنچا سکتی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات بے حد و حساب ہیں۔ ہر طرح کے انسان ، جنات ، حیوانات ، چوپائے ، پرندے ، چرندے ، آگ ، پانی، ہوا ، بجلی اور دنیا کی آخرت کی دوسری تمام چیزیں ، معلوم ہوا کہ اس دعا میں ہر طرح کی مخلوقات کے ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھنے کی تاثیر ہے ۔ اس لیے برادرانِ اسلام کو چاہیے کہ اس مختصر دعا کو زبانی یاد کرلیں، اور اس کو ہر وقت پڑھتے رہیں ۔

امام قرطبی اس دعا کی تاثیر اور صداقت کے بارے میں اپنا تجربہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سچی بات ہے ، دلیل و تجربہ سے اس کے صدق کا علم ہمیں ہوا ہے ۔ اس دعا کے بارے میں میں نے جب سنا تو اس وقت سے اس کو پڑھنے لگا اور اس وقت تک مجھے کسی چیز نے گزند نہیں پہنچائی ، حتیٰ کہ میں نے ایک دن اس کو نہیں پڑھا اور رات میں بچھو نے مجھے ڈنک مار دیا ۔ میں نے اپنے جی میں اس پر جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں اس تعویذ کو پڑھنا آج بھول گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دعا کو پڑھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے ۔ •••

افتتاحیہ

اسلامی روحانیت

وحدتِ دین میں ہے نہ کہ وحدتِ ادیان میں !

یہ بات ہر موحد مسلمان کو معلوم ہے کہ تمام انبیاء مسلم ، مومن اور موحد تھے اور نوع انسانی کے کسی دور میں اسلام کے علاوہ کوئی ایسا دین نہیں رہا ہے جو اللہ کے نزدیک قابل قبول ہو ۔ وہ دینِ اسلام کیا ہے ؟ ایک اللہ کی عبادت کرنا ، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ۔ اسلام کی ساری تعلیمات اسی حقیقتِ عظمیٰ کے برگ و بار ہیں ۔ قرآن حکیم اس حقیقت کے بیان سے پُر ہے شرائع و مناہجِ سماویہ کا فرق صرف راستے اور دروازے کا فرق ہے ۔ سب کی منزل یہی حقیقتِ عظمیٰ ہے ۔ صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث موجود ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کا دین ایک ہے ۔ جو لوگ سرے سے اللہ کی عبادت نہیں کرتے یا اللہ کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کرتے ہیں ، وہ بدترین کافر ہیں اور جو اللہ کی عبادت کے ساتھ غیروں کی بھی عبادت کرتے ہیں وہ شرک اکبر کے مرتکب ہیں ۔ اللہ ان کی مغفرت کبھی نہیں فرمائے گا ۔ یہ حقیقتِ عظمیٰ اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ خاتم الانبیاء والرسل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سیرت میں عملی طور پر دکھا دی گئی ہے ۔ اس آخری آسمانی نمونہ کے بعد جو گزشتہ تمام شرائع و مناہج سماویہ کا جامع ہے ، کوئی شریعت و منہاج معتبر نہیں اور نہ ہی انسان کی صحیح روحانیت کے لیے نفع بخش ہے ۔ اس لیے کہ گزشتہ تمام شرائع کو انسانی افکار ، خیالات اور خود ساختہ اعتقادات نے مسخ کر کے رکھ دیا ہے ۔ مسخ شدہ شرائع سے مسخ روحانیت جنم لیتی ہے اور مسخ روحانیت سے مسخ شدہ انسانیت پیدا ہوتی ہے ۔ والذی خبث لایخرج الا نکدا ۔ اور انسانی معاشرت اور تمدن و اجتماع میں فساد و بگاڑ یا خیر و صلاح اور امن و آشتی کے چشمے اسی روحانیت کے صلاح و فساد سے پھوٹتے ہیں ۔

روحانیت خواہ انبیاء سابقین سے انتساب رکھنے والوں کی ہو یا خود مسلمانوں کی اگر وہ توحید

اور خاتم الانبیاء رسول کی رسالت اور آپ کے عملی نمونہ کے اصل مرکز سے ہٹی ہوئی ہے تو اسے فساد اور فساد انگیزی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اگر مسلمانوں کی موجودہ ذلت و خواری کا آپ تجزیہ کریں تو مختلف چھوٹے بڑے اسباب کے ساتھ سب سے آخر میں جو سبب نظر آئے گا اور جو تمام اسباب ذلت و خواری کی اصل ہے وہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کی روحانیت اپنے اصل مرکز سے ہٹ گئی ہے اور یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی بغیر اس اصل کی طرف لوٹے ہوئے نہیں ہو سکتی، ذرا غور فرمائیے سیکڑوں سال سے امت اسلامیہ کی اکثریت ہزاروں غوث، قطب، ابدال اور اولیاء کو مدد کے لیے پکار رہی ہے۔ پورے عالم اسلام کی مقدس سرزمین کو عظیم المصارف تربتوں، مشاہد، مقابر اور مزارات کے مردہ عجائب گھروں میں تبدیل کر کے ان پر سجدے کرتی، روتی، گڑگڑاتی، ان کے لیے قربانیاں کرتی اور وہ سب کچھ کرتی ہے جو صرف اللہ کے لیے کرنا چاہیے، لیکن روز بروز ذلت و خواری میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس کا علاج خود اس کے گھر میں موجود ہے وہ کیا ہے؟ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی بلا کسی کمی بیشی کے ٹھیک ٹھیک پیروی۔ اس اتباع سے جو روحانیت پیدا ہوتی ہے وہی اس ذلت و خواری کا اصل علاج ہے۔

مسلمانوں میں یہ اصل روحانیت جب تک قائم رہی وہ دنیا کے لیے خیر و برکت اور عزت و ترقی کا حقیقی ذریعہ رہے، لیکن اصل مرکز سے جب ان کی وابستگی کم ہو گئی یا ختم ہو گئی اور دیگر اقوام کے افکار و خیالات، فلسفیانہ نظریات اور روحانی عادات و اطوار سے ان کی شیفتگی بڑھ گئی تو اسلام کی اصلی روحانیت کم ہو گئی یا بالکل چھن گئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اسلام جیسے آخری حقیقی مذہب سماوی کو اقوام عالم کے مسخ شدہ مذاہب کی صف میں کھڑا کر دیا گیا، بلکہ بشمول اسلام کے وحدت ادیان کی باتیں ہونے لگیں، اسلام اور مسلمانوں کی یہ حالت زار آج بھی برقرار ہے۔ بلکہ نصرانیوں اور یہودیوں کا نمائندہ امریکہ عالمی پیمانہ پر اور خود عالم اسلام کے حساس خطوں میں نصرانیت یہودیت اور اسلام کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی منظم تحریک چلا رہا ہے، جس کا کلی فائدہ یقینی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے بجائے نصرانیت و یہودیت اور نصرانیوں اور یہودیوں کو پہنچے گا۔ تقارب کے اس عمل کے لیے نصرانیوں نے جن نام نہاد مسلمانوں کو منتخب کیا ہے، ان کے بہت سے مراتب ہیں، لیکن جو لوگ کھل کر یہ خدمت انجام دے رہے ہیں وہ رفض و تشیع باطنیت اور اس کی مختلف شاخوں سے وابستہ ہیں۔ وحدۃ الوجودی فلسفی صوفیاء، اور حلولی اس تقارب کی راہیں ہموار کر رہے ہیں۔ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی یہ کہتے ہیں

کہ زمانہ بدل چکا ہے۔ نئے حالات اور نئے مسائل در پیش ہیں، ہمیں اپنی توانائیاں ان کے حل میں صرف کرنی چاہئیں لیکن اسلام کی یہ حالتِ زار اور مسلمانوں کی یہ مصیبت عظمیٰ ہمارے لیے اسلام اور مسلمانوں کے اصل دورِ عز و تمکین کو "لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار" کی شکل میں پیش کرتی ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ نئے مسائل اور نئے حالات کو بغیر اصل مرکز سے وابستگی کے بدلا جا سکتا ہے۔ ہماری نظر میں سبائیت، رفض و تشیع، اعتزال و جہمیت، فتنۂ تاتار و تباہی بغداد وغیرہ ابھی صبح کی باتیں ہیں۔

زمانہ ایک، حیات ایک کائنات بھی ایک

دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم

آج اسلام اور مسلمانوں کو اور عالم اسلام کو نئے حالات، نئے مسائل اور نئے چیلنجوں کا سامنا ہے، ان چیلنجوں کے اصل ذمہ دار کون ہیں ہم انگلی رکھ کر انھیں بتا سکتے ہیں اور یہ بھی کہ ان چیلنجوں کو وہ نیا رُخ دیتے رہیں گے وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے اصل مرکز سے وابستگی اختیار کرنے میں اپنی انانیت فنا ہو جائے گی۔ سنتِ رسول کو اپنا شیوۂ زندگی بنا لینے کے بعد گندی روحوں کا نچوڑ ان کے لیے جام روحانیت نہ بن سکے گا۔ اس لیے انھوں نے طے کر رکھا ہے کہ اپنا خرابات الگ رکھیں گے۔ اپنی شراب کہن میں ولایتی بھی مل جائے تو دو آتشہ ہو جائے یعنی کیا شبہ؟ نئے چیلنجوں کے یہ ذمہ دار اپنی بقاء حیات کے لیے اپنے پرانے افکار و اعتقادات اور تاریخ ماضی کو آواز دے رہے ہیں اور ہم ہیں کہ نئے حالات میں اس قدر الجھ گئے کہ اپنے اصل مرکز مرکز کتاب وسنت اور اپنی اصل روحانیت روحانیتِ اصحاب خیر القرون کی طرف رجوع کرنے کو ماڈرنزم کے خلاف سمجھ رہے ہیں۔

اگر ہمارا اس بات پر یقین ہے کہ ہمارا دین بس وہی دینِ اسلام ہے جو ہمیشہ تمام انبیاء کا دین رہا ہے۔ اگر ہمیں اس میں شک نہیں کہ کائناتِ انسانی کے لیے نفع بخش روحانیتِ صادقہ صرف اور صرف رسولِ عربی خاتم الانبیاء والرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، تو ہمیں اس میں بھی شک نہیں ہونا چاہیے کہ جو لوگ تقارب کی خدمت انجام دیتے ہوئے اسلام کو یہودیت، نصرانیت اور دیگر مسخ شدہ مذاہب کے قدموں میں ڈال دینا چاہتے ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ وہ اپنے ان پیشروؤں کی بتائی ہوئی راہ سے سرمو انحراف نہیں کرنا چاہتے، جنھوں نے صدیوں پہلے اس تقارب کے خاکے تیار کیے تھے، جو یہ کہا کرتے تھے کہ اسلام کی اتباع واجب نہیں، ایک مسلمان، یہودی یا نصرانی یا بت پرست مشرک ہو سکتا ہے۔

یہودی یا نصرانی یا مشرک بن جانا حرام نہیں ہے۔ بعینہ یہی بات اکثر علمارالنصاری و یہود بھی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمان، یہود اور نصاریٰ ایسے ہی ہیں جیسے مسلمانوں کے مختلف مذہبی فرقے، وہ دینی یا دنیاوی مصلحت کے پیش نظر ان میں سے کسی مذہب کو اختیار کرلینا جائز قرار دیتے ہیں۔ جیسے ایک مسلمان کسی امام کا مسلک چھوڑ کر دوسرے کا مسلک اختیار کرلے، تقارب کے ان جدید خدمتگاروں کے پیشرو یہ بھی کہتے تھے کہ یہود ونصاریٰ کافر نہیں ہیں، یہ ضرور ہے کہ مسلمان ان سے اچھے ہیں، جبکہ کتاب وسنت اور علمار اسلام کا اجماع ہے کہ یہ کافر ہیں۔ اس لیے کافر کا مذہب اختیار کرنا کفر ہے۔ ان کے پیشرو شریعت کے تمام امور کی باطنی تاویلات کرتے تھے جو باتفاق علمار اسلام کفر محض ہے۔ ان باطنی تاویلات کے ذریعہ وہ دنیا کے تمام مسخ شدہ مذاہب سے قربت کی راہیں ہموار کرتے تھے اور ظاہری طور پر رفض وتشیع اختیار کرکے ایک موہوم تعلق کے ساتھ تمام مسلمانوں کو کافر گردانتے تھے۔

مسلمانو! دین اسلام جب کمزور ہوتا ہے تو اس کا لہو پی کر باطل مذاہب تن وتوش والے ہوجاتے ہیں۔ ایک کی موت دوسرے کی زندگی ہے۔ حق اور باطل کبھی مصالحت کے ساتھ زندہ و پائندہ نہیں رہتے ہماری اور ساری نوع انسانی کی فلاح وکامرانی اور عروج وازدہار اسی میں ہے کہ اسلام کا بول بالا ہو۔ اسلام، حق اور انسانیت اور آشتی ہے، بگڑے ہوئے مذاہب، باطل اور شیطنت بالکل دوسری شے ہے۔ دو متضاد چیزیں کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا و الیہ یرجعون •

کیا یہ لوگ اللہ کے دین اسلام کے سوا اور دین چاہتے ہیں، حالانکہ آسمان وزمین کی سبھی مخلوقات چارو ناچار اسی کے تابع فرمان ہیں اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

مجلس ھیئۃ کبار العلماء
سعودیہ عربیہ

"اس جماعت نے جو کارروائی کی ہے وہ عظیم جرم ہے"

اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والی اس جماعت کے ختم کر دینے کے لیے تنفیذ حکم پر ہم اور ساری دنیا کا ہر مسلمان خوش ہے۔

مجلس ہیئۃ کبار العلماء سعودیہ عربیہ نے خادم حرمین شریفین ملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود حفظہ اللہ کے اس حکم شرعی کی تنفیذ کے متعلق اپنی تائید کا اعلان کیا ہے، جس کا تعلق ایک ایسے گروہ سے ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی ہے اور بیت اللہ العتیق میں امن وامان کو سلب کر لیا ہے۔

گزشتہ جمعہ کو صادر اپنے ایک بیان میں مجلس نے اس جماعت کی کارروائی کو عظیم جرم فساد فی الارض اور بلد حرام میں اللہ کے بندوں پر ظلم سے تعبیر کیا ہے۔

مجلس نے اس آرزو کا اظہار کیا کہ اللہ اعداء اسلام کو جہاں کہیں بھی وہ ہوں رسوا کرے، ان کی سازشوں کو ناکام بنائے۔ اپنے بلد امین، حرم رسول کریم اور مسلمانوں کے تمام بلاد وامصار کو ہر برائی و آفت سے محفوظ فرمائے۔

بیان کا متن درج ذیل ہے:

"الحمد للہ وحدہ، والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ۔ اما بعد!

اس گروہ سے متعلق تنفیذ حکم قتل سے ہم سب رئیس وارکان مجلس ھیئۃ کبار العلماء سعودیہ عربیہ اور جملہ مسلمانان عالم خوش ہیں جس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی اور ماہ حرام میں بیت اللہ الحرام میں امن وامان کو غارت کیا اور ۱۴۰۹ھ کے موسم حج میں مسجد حرام سے متصل بم اندازی کی کارروائی سے مسلمان حجاج اور بلد امین کے رہنے والوں کو خوفزدہ کیا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ عظیم جرم ہے، فساد فی الارض ہے اور اللہ کے بلد حرام میں اللہ کے بندوں پر ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حکم کی تنفیذ پر خادم حرمین شریفین ان کے ولی عہد اور ان کی موحد حکومت کو جزا خیر عطا فرمائے۔

اس گروہ سے متعلق شرعی حکم کی تنفیذ پر مجلس خادم حرمین شریفین کی تائید و توثیق کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہے کہ آپ کے ذریعہ حرمین شریفین اور سعودیہ عربیہ کے تمام اکناف و اقطاع کو مفسدین کے فتنہ و فساد سے محفوظ رکھے۔

قضاۃ کو اللہ تعالیٰ ان کے فیصلہ پر جزا خیر عطا فرمائے۔ یقیناً انھوں نے کتاب اللہ کی اس آیت کے مطابق فیصلہ کیا ہے: انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فی الارض فساداً ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفوا من الارض ذلك لهم خزی فی الدنيا ولهم فی الآخرة عذاب عظيم۔

نیز اس آیت کے مطابق: ومن يرد فيه بالحاد بظلم نذقه من عذاب اليم

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کے مطابق جو آپ نے عرینیوں کے متعلق صادر فرمایا تھا، جنھوں نے راعی کی آنکھیں پھوڑ کر قتل کر دیا تھا اور مسلمانوں کے اونٹ ہانک لے گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تعاقب کرایا، انھیں گرفتار کر کے لایا گیا اور ان کے ہاتھ پیر مخالف سمت میں کاٹ دیے گئے، ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں اور حرۃ کی کنکریلی گرم زمین میں ڈال دیے گئے، وہ پانی طلب کرتے تھے تو انھیں پانی نہیں پلایا جاتا تھا اور وہ اسی حال میں مر گئے۔

ہم اللہ عز وجل کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ان مجرمین کو رسوا کن سزا کے انجام تک پہنچا کر احسان فرمایا اور قوت امن کو ان کی گرفتاری کے وسائل بخشے، ہم دوبارہ خادم حرمین شریفین کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان کے متعلق انھوں نے اللہ کا حکم نافذ کیا جس سے ہر مسلمان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

اس بات پر ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اللہ سبحانہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اعداء اسلام کو خواہ وہ کہیں بھی ہوں رسوا کرے، وہ ان کی سازشیں میٹ دے۔ اپنے بلد امین، اپنے رسول کریم کے حرم اور مسلمانوں کے تمام بلاد و امصار کو ہر نوع کے فتنہ و فساد سے محفوظ فرمائے اور خادم حرمین شریفین

ان کے امین ولی عہد اور ان کی حکومت کے تمام ذمہ داروں کو ایسی تمام باتوں کی توفیق بخشے جس میں بندگان الٰہی اور بلاد و امصار کی خیر و صلاح ہو، یقیناً اللہ بڑا ہے عوض بخشنے والا اور بڑا کرم گستر ہے،
صلی اللہ علی عبدہ و رسولہ نبینا محمد وآلہ وصحبہ وکل من سار علی نہجہ انہ سمیع قریب۔

هيئة كبار العلماء

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، عبدالرزاق عفیفی، سلیمان بن عبید، عبدالعزیز بن صالح، عبدالمجید حسن، صالح بن غصون، صالح بن محمد اللحیدان، راشد بن خنین، محمد بن جبیر، ابراہیم بن محمد آل الشیخ، عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ، محمد بن صالح العثیمین، عبداللہ بن عبدالرحمن الغدیان، عبداللہ بن سلیمان المنیع، حسن بن جعفر العتمی، عبداللہ بن عبدالرحمن البسام، صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان۔

(جریدۃ الدعوۃ ریاض ۲۸ صفر ۱۴۱۰ھ / ۲۸ ستمبر ۱۹۸۹ء)

•••

قارئین محدث کی خدمت میں..

ماہنامہ محدث ہر ماہ پابندی سے آپ کی خدمت میں آپ کے پتہ پر ارسال کیا جاتا ہے۔ اس لیے آپ سے مودبانہ گزارش ہے کہ پرچہ تاخیر سے پہنچنے یا نہ پہنچنے کے سلسلہ میں اولین فرصت میں ادارہ سے رجوع کریں۔

اگر آپ کے ذمہ ماہنامہ کی خریداری کی رقم باقی ہے تو برائے کرم اپنی پہلی فرصت میں بھیجنے کی زحمت فرمائیں۔

(ادارہ)

اسلامی ثقافت اور مسلمان

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن یاسین ازہری

مسلم قوم کی کمزوری و پسماندگی کی تلخ داستان کے پہلو متعدد اور متنوع ہیں۔ دین و سیاست اور اقتصاد و ثقافت ہر میدان میں اس قوم پر پسماندگی کا حکم مختلف اوقات میں لگتا رہا ہے۔ اس پسماندگی کے اسباب و علاج پر علماء و مصلحین نے مفصل لکھا ہے۔ موضوع کے اس پہلو پر روشنی ڈالنا ہمارا مقصود نہیں۔

اسی طرح فی الحال اس سوال سے بھی بحث مقصود نہیں کہ مذکورہ میدانوں میں سے کس میدان کی پسماندگی دوسرے میدان کی پسماندگی کا سبب ہے۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرنے والے مصلحین میں سے ہر ایک اپنے اختصاص اور رجحان کے مطابق کسی ایک میدان کی پسماندگی کو دوسری پسماندگی کا سبب قرار دیتا ہے اور پھر اسی روشنی میں اصلاح کا خاکہ تجویز کرتا ہے۔ ایک طبقہ اقتصاد کو دوسرا سیاست کو اور تیسرا تعلیم کو بنیاد قرار دیتا ہے۔ بہت کم لوگ دین کو بنیاد مانتے ہیں۔

پسماندگی کے بنیادی سبب کی دریافت سے صرف نظر کرتے ہوئے فی الحال ہم ایک ایسے پہلو پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں، جس کی اہمیت ملت کی تعمیر و ترقی کے باب میں سب کے نزدیک مسلم ہے اور وہ ہے دینی ثقافت و تعلیم کا پہلو۔ ہمارا خیال ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے افراد دینی ثقافت کی توسیع و ترقی کے لیے بہت کم پڑھتے ہیں اور جو لوگ پڑھتے ہیں ان کی ایک معتدبہ تعداد دین کے نام پر ایسا لٹریچر پڑھتی ہے جسے دین کی تعمیر و استواری کا نہیں بلکہ تخریب و بگاڑ کا ذریعہ کہا جا سکتا ہے۔

واقعات کی دنیا میں اس کی مثال اگر دیکھنا ہو تو آپ دہلی کی جامع مسجد کے سامنے فٹ پاتھ پر بکنے والی کتابوں پر ایک نگاہ ڈال لیجیے۔ آپ کو غیر صالح لٹریچر کا ایک انبار نظر آئے گا۔ فحش فلمی رسائل جرائم پیشہ کرداروں پر مشتمل جاسوسی ناول مخرب اخلاق داستانیں، عقیدۂ ایمان کو غارت کرنے والی

صوفیانہ حکایتیں مشکل کشائی اور مقصد برآری کے لیے گوں ناگوں نسخہ جات اور متنوع عملیات یہ سب کچھ آپ کو فٹ پاتھ پر سجے ہوئے کتب خانوں میں مل جائے گا۔ جہاں ہر وقت خریداروں کی بھیڑ اکٹھا رہتی ہے اور وہ کچھ نہ کچھ خریدتے رہتے ہیں اور جو نہیں خریدتے وہ رنگارنگ عریاں تصویروں اور فلمی ستاروں کے جاذب نظر پوز سے قلب و نگاہ کو تسکین دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

فٹ پاتھ پر سجی کتابوں کی عارضی دکانوں سے اوپر اُٹھ کر ان مستقل کتب خانوں پر نظر ڈالیے، جہاں وسیع پیمانے پر کتب فروشی کا کام ہوتا ہے اور کتابوں کی تجارت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا ہے۔ ان کتب خانوں کی مشتملات میں دین وادب کے موضوع پر بلاشبہ ایک اچھا ذخیرہ نظر آئے گا جسے ہم صالح لٹریچر سے تعبیر کرسکتے ہیں، لیکن ساتھ ہی فن وادب کے نام پر ایسی کتابیں بھی نظر آئیں گی جن کا بنیادی مقصد دینی اقدار کی بیخ کنی اور معاشرہ میں آزادی و بے راہ روی کا فروغ ہے۔ ان کتب خانوں میں دین کے نام پر ایسا لٹریچر بھی وافر مقدار میں ملے گا جس میں شرکیہ اعمال اور صوفیانہ بدعات وخرافات کی کھلی دعوت ہوگی۔ ایسی داستانیں اور کہانیاں ملیں گی جس کا نہ تو اسلامی تاریخ سے کوئی تعلق ہوگا نہ اسلاف کی ان خدمات اور قربانیوں سے جو دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے انھوں نے پیش کیں۔ عملیات وطلسمات کے ذریعہ زندگی کے مسائل کو حل کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا گر بتانے والی کتابوں کی بھی ان کتب خانوں میں بہتات ہوتی ہے جن میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انسانی زندگی کے مسائل عمل کے بجائے عملیات سے حل ہوتے ہیں۔

کتب خانوں کی جن دو قسموں کا تذکرہ گزشتہ سطور میں ہوا ہے ان کے مالکین عام طور پر مسلمان ہوتے ہیں، چونکہ ملت کے افراد کا ایک طبقہ ان "ماڈرن کتب خانوں" سے بھی مربوط ہے جو غیر مسلموں کی ملکیت ہیں۔ اس لیے ان کی جانب بھی سرسری اشارہ مناسب ہوگا۔

یہ کتب خانے اپنی وسعت وترتیب اور بیع وشراء کے لحاظ سے یقیناً "ماڈرن" ہوتے ہیں۔ یہاں پر پہنچ کر لازمی طور پر انسان مبہوت ہوجاتا ہے۔ کتابوں کی تزئین وآراستگی اور دیدہ زیب طباعت وخوشنمائی اسے اپنی طرف مائل کرلیتی ہے۔ لیکن موضوعات ومشتملات کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو ان کتابوں میں خدا پرستی وانسانیت آموزی کے علاوہ سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ کتابیں انسان کو متمدن اور ترقی یافتہ تو بناسکتی ہیں

لیکن سیرت و کردار اور اخلاق و عادات کی تعمیر و آراستگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جاذب نظر کتابوں کے اس ڈھیر میں شاید ہی آپ کو کوئی ایسی کتاب نظر آئے جس میں اسلام کی تمدنی "ثقافتی حیثیت کو موضوع بحث بنایا گیا ہو اور مسلمانوں نے اپنی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں انسانیت کو جو کچھ دیا ہے، اس کا مناسب تعارف کرایا گیا ہو۔ ان کتب خانوں میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اگر کوئی کتاب مل بھی جائے گی تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ اسلام کی تاریخ اور مسلمانوں کے کارناموں کو مسخ کیا جائے۔
دینی فکر رکھنے والے افراد کو "بنیاد پرستی" وغیرہ القاب سے نوازا جائے اور مذاہب کی ایسی تصویر قاری کے سامنے پیش کی جائے جس کا خلاصہ یہ نکلے کہ ان تعلیمات کے لیے موزوں زمانہ آج کا ترقی یافتہ دور نہیں بلکہ پچھلی صدیاں تھیں جب انسان فکر و شعور اور ایجاد و انکشاف کی اس منزل پر نہیں پہنچا تھا جس پر آج وہ فائز ہے۔

٭　٭　٭

گزشتہ سطور سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحیح اور معیاری دینی لٹریچر کا بحران کس مقام تک پہنچا ہے؟ اب اس پہلو پر توجہ کیجیے کہ مسلمان اپنی دینی ثقافت کے لیے کس حد تک مطالعہ و معلومات کا شوق رکھتا ہے۔ ہندوستان میں اس سوال کا جواب بہت تلخ ہے۔ دین سے وابستہ لوگوں کی ایک بہت مختصر تعداد کو چھوڑ کر ملت کا بڑا طبقہ دینی لٹریچر کے مطالعہ سے بے نیاز و گرداں ہے۔ بچے اگر اسکول سے وابستہ ہیں تو وہ کورس کی کتابیں پڑھ لیتے ہیں۔ آگے ان کے مطالعہ کا کوئی بامقصد پروگرام نہیں۔ نوجوان طبقہ اگر تعلیم سے وابستہ ہے تو کورس کی چیزیں اس کے لیے بہت ہیں۔ دینی ثقافت کے لیے اور اپنے مذہب کے بنیادی اصول اور اس کی تاریخ پر مطالعہ کے لیے اس کے پاس نہ تو وقت ہے نہ شوق۔ کورس کے علاوہ اگر اس کو کچھ پڑھنے کی توفیق ہوئی تو پھر وہ فلمی رسائل اور کھیل کود سے متعلق لٹریچر کو ترجیح دیتا ہے۔ اس طبقہ کے وہ افراد جو متوسط یا مالدار گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی سرکاری کالج یا یونیورسٹی سے وابستہ ہیں ان کی دینی ثقافت قابل افسوس حد تک کمزور ہوتی ہے۔ عمل سے قطع نظر مسلمان ہونے کے لیے جن چیزوں کا علم ضروری ہے ان سے یہ لوگ ناآشنا ہوتے ہیں۔ انھیں ملک کی اور دنیا کی تاریخ اور قدیم شخصیات کا کچھ علم ہو سکتا ہے، لیکن اسلام کی تاریخ اور اس کے قابل ذکر ائمہ، علماء اور ملوک و سلاطین کے بارے میں یہ کچھ نہیں جانتے اور یہ لاعلمی اس وقت زیادہ بھیانک ہو جاتی ہے جب وہ اپنے کورس میں یا اس سے متعلق لٹریچر میں ایسے موضوعات پر پڑھتے ہیں جن میں اسلام اور مسلمانوں کی غلط تصویر پیش کی جاتی ہے۔ نبیوں اور رسولوں کا تعارف

عام لیڈروں اور مصلحین کی طرح کرایا جاتا ہے اور دین کے نام پر عرس و تعزیہ اور دیگر رسم و رواج کو پیش کیا جاتا ہے۔ ملت کی ترقی کے لیے نوجوان طبقہ کی اہمیت غیر معمولی ہے اور کسی بھی ترقی کے لیے فکری و ثقافتی سطح کا بلند ہونا ضروری ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ تعمیر و ترقی کے لیے جو طبقہ ریڑھ کی ہڈی ثابت ہو سکتا تھا وہی فکر و شعور کے لحاظ سے مفلس و تہی مایہ ہو گیا ہے۔

نوجوانوں کے بعد ادھیڑ اور معمر لوگوں پر نظر ڈالیے اس طبقہ کی دینی ثقافت مضبوط ہوتی تو اس سے ملت کی تعمیر اور نوجوانوں کی رہنمائی کا عظیم کارنامہ انجام پاتا، لیکن اس کا کل ثقافتی سرمایہ چند دینی کتابیں اور علماء کی صحبتوں سے حاصل شدہ معلومات ہیں جن کا دین کے نام اور صحیح تصور سے بہت گہرا تعلق نہیں بلکہ اس کے مقابلہ میں مسلکی و گروہی نوعیت کا رجحان ہے جس کی حد بندی جو زاویہ نظری سے ملتی محسوس ہوتی ہیں۔ اس طبقہ کی ثقافتی استواری کی راہ میں اقتصادی حالات بھی رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ چھوٹی موٹی تجارت یا محنت مزدوری کے ذریعہ اپنے کنبہ کی کفالت کرتا ہے۔ مشکل حالات میں کسب معاش کی فکر اس پر اس طرح چھائی رہتی ہے کہ مزید کچھ سوچنے یا کرنے کا موقع اسے بہت کم ملتا ہے۔ اقتصادی الجھنوں کے باعث یہ طبقہ دینی لٹریچر نہ تو خرید پاتا ہے، نہ اس کے مطالعہ کے لیے وقت نکال پاتا ہے۔ معمولی و متوسط تاجروں کے علاوہ ملت کا جو طبقہ بڑے پیمانہ پر تجارت کرتا ہے۔ اس کا اقتصادی حال یقیناً اچھا ہوتا ہے۔ اور ملت کے ان مسائل کو حل کرنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے، لیکن اس طبقہ کی دینی ثقافت کا حال بھی حوصلہ افزا نہیں۔ اس طبقہ کی اکثریت تجارتی مشاغل میں اس طرح مصروف و منہمک ہوتی ہے کہ اس کو مطالعہ کا موقع ہی نہیں مل پاتا اور جو لوگ کچھ وقت نکالتے بھی ہیں تو اپنی دلچسپی کے تفریحی لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں۔ دینی کتب کی طرف توجہ کم ہوتی ہے کیوں کہ انہیں عام طور پر خشک اور غیر دلچسپ تصور کیا جاتا ہے۔

⁂

گزشتہ سطور کے بعد سنجیدہ طبیعت اور سلیم عقل رکھنے والے مسلمان پوچھیں گے کہ دینی ثقافت کے حصول و تقویت کے لیے انسان کو کیا پڑھنا چاہیے؟

اس سوال کا جواب بھی مسلک و منہج اور اصول و مقاصد کے لحاظ سے مختلف ہوگا۔ لیکن اگر قاری فکر و فہم سے کام لے تو اس کی مشکل حل ہو جائے گی۔ ہمارے لیے اس سلسلہ میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم جس کلمہ

کو پڑھ کر مسلمان بنے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت و توحید اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و توقیر کا صاف اعلان ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنی احادیث کا مجموعہ چھوڑا ہے اوران کی پابندی کا بصراحت حکم فرمایا ہے۔ مزید یہ کہ آپ نے اس روشنی میں صحابہ کرام کی تربیت فرمائی اوران کی جماعت کو بعد کے تمام مسلمانوں سے افضل قرار دیا۔ پھر اس سلسلہ کو تابعین کرام اور ائمہ اسلام نے کتاب وسنت ہی کی روشنی میں آگے بڑھایا اور اب تک یہ سلسلہ قائم ہے۔ مختلف دور میں بڑے بڑے اہلِ فکر و فلسفہ اور اصحابِ فہم و دانش آئے لیکن دین کے معاملہ میں کسی نے بھی مذکورہ راہ سے انحراف کی جرأت نہ کی۔ اور اگر کسی طرف سے اس طرح کی کوئی کوشش کبھی ہوئی بھی تو امت نے اسے قبول نہیں کیا۔

اس روشنی میں ہم مطالعہ کے لیے اپنی کتابیں اور مواد منتخب کر سکتے ہیں۔

۱۔ مسلمان کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت قرآن کریم کی ہے، ہمیں ترجمہ اور تفسیر کی ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جن میں قرآن کریم کی آیات کے معانی و مطالب تحریف و تاویل کے بغیر سلف کے مسلک کے مطابق بیان کیے گئے ہوں اور نفس کے تزکیہ کے لیے ان طریقوں کی نشاندہی کی گئی ہو جو عصر نبوی و عصر صحابہ میں معروف رہے ہوں ورنہ اہلِ بدعت، اہلِ تصوف اور اہل تشیع نے قرآن کریم کے معانی و مطالب میں ایسی ایسی تحریف کی ہے جس سے یہود و نصاریٰ بھی شرماتے ہیں۔ ہر طرح کے فاسد عقائد اور باطل اعمال کو (نعوذ باللہ) قرآن کریم سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی کتابیں کھلے عام بازاروں میں فروخت ہوتی ہیں، اس لیے ہمیں تنبہ کی ضرورت ہے۔

جماعت اہل حدیث کے نامور عالم مولانا محمد جوناگڈھی رحمہ اللہ نے بڑی محنت و کاوش سے تفسیر ابن کثیر کا اردو میں ترجمہ "تفسیر محمدی" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اردو خواں طبقہ کے لیے یہ بہترین تحفہ ہے۔ آج اسی ترجمہ کو نام بدل کر اور بعض مقامات پر حسب منشا رد و بدل کر کے مفاد پرست ناشرین بازار میں فروخت کر رہے ہیں۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ قرآن کی تفسیر و ترجمہ کی اشاعت کے نیک کام میں بھی ان پر حق تلفی و مادہ پرستی کا رجحان اس طرح غالب رہا کہ وہ کتاب پر مترجم کا نام نہ دے سکے جس نے بے حد عرق ریزی اور دلجمعی کے ساتھ آزادی سے قبل اردو قارئین کے سامنے تفسیر کا یہ بیش قیمت تحفہ پیش کیا تھا۔

اس وقت بازار میں اردو زبان میں متعدد تراجم و تفاسیر آپ کو نظر آئیں گی۔ میں نے ابن کثیر کے ترجمہ کا نام تعصب یا جانبداری سے نہیں لیا ہے بلکہ جس منہج کی طرف پہلے اشارہ کر چکا ہوں، یہ اس کی تطبیق ہے۔ صحیح بات

آپ کہیں سے بھی لے کر عمل کر سکتے ہیں، لیکن تفسیر قرآن کی راہ بے حد دشوار گزار ہے، اس میں اس طرح لغزش ہو جاتی ہے کہ مفسر کو احساس بھی نہیں ہو پاتا۔ اس لیے سب سے محفوظ و قابلِ اعتماد طریقہ یہ ہے کہ قرآن فہمی کے باب میں انسان خود پسندی و عقلیت پرستی کی دلدل سے بچا رہے اور سلف کی معتبر تفسیروں کو ہمیشہ پیش نظر رکھے، پھر حالات و زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے تفسیر کی خدمت انجام دے اگر اس نے تجدد و عقلیت کے زعم میں سلف کی تفسیر سے اور بالخصوص احادیث نبویہ سے بے نیازی اختیار کی تو کبھی صحیح تفسیر نہیں کر سکتا اور چونکہ ابن کثیرؒ کی تفسیر اس باب میں سب سے بہتر تسلیم کی گئی ہے اس لیے اس کے مطالعہ کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ پچھلے پچاس ساٹھ سال میں اردو کی جو تفسیریں مسلک سلف سے بے نیاز ہو کر لکھی گئی ہیں ان کے طفیل امت آج تک فکری الجھن میں مبتلا ہے اور تا ہنوز رد و قدح کا سلسلہ جاری ہے۔ قرآن کریم کتابِ رحمت و ہدایت ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے اپنی بے توفیقی سے اس کے معانی و مطالب سے متعلق جدل و اختلاف کا ایک ناخوشگوار اور غیر مفید سلسلہ شروع کر دیا ہے۔

۲۔ دینی ثقافت کے لیے دوسری اہم بنیاد حدیث شریف ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعمال و اقوال کے ذریعہ اسلام کی وہ شکل متعین فرمادی ہے جو مسلمانوں سے مطلوب ہے۔ اس نمونہ کو چھوڑ کر کسی اور جانب دیکھنا انسان کی کوتاہ فہمی اور بدبختی ہے۔ ہماری زندگی کی سب سے گراں بہا متاع یہی سیرت طیبہ ہے، اسی کی پیروی کے لیے ہمارے دل میں تڑپ ہونی چاہیے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگی میں حدیث نبوی کو وہ اہمیت نہ مل سکی جس کی وہ مستحق تھی۔ بدقسمتی سے برصغیر میں حدیث کے خلاف باقاعدہ محاذ آرائی بھی رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس اہم اور عظیم دینی و علمی سرمایہ سے امت محروم رہی۔ لوگوں نے کوتاہ نظری و بدذوقی کے باعث حدیث کو غیر مفید سمجھا، حالانکہ اس کے اندر وہ تمام رہنمائیاں موجود ہیں جن سے انسانی تہذیب و تمدن کو ترقی دی جا سکتی ہے اور اخلاق و کردار کو سنوارا جا سکتا ہے۔ آج کی متمدن دنیا نے ذہنی کاوشوں اور قانونی موشگافیوں کے بعد جو راہِ عمل متعین کی ہے اس کی پیروی کے بھیانک نتائج ہمارے سامنے ہیں اور مسلم معاشروں میں احادیث نبویہ کے اتباع سے جو خوشگوار تبدیلیاں رونما ہوئیں ان سے بھی زمانہ واقف ہے اسلامی تاریخ کے عہدِ زریں میں دنیا کے وسیع خطہ پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی انھوں نے تہذیب و تمدن کے

بڑے بڑے مسائل کو قرآن و سنت کی فراہم کردہ بنیادوں ہی پر حل کیا تھا۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم احادیث نبویہ کا مطالعہ اس یقین کے ساتھ کریں کہ ان کے ذریعہ عبادات و معاملات، اخلاق و کردار اور تہذیب تمدن کے جملہ مسائل میں مکمل رہنمائی ملے گی۔

حدیث کے نام پر ضعیف و موضوع روایات کا امت میں رواج ہوگیا ہے، اس سے احتراز بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کی توفیق سے ایسی کتابیں معتد بہ تعداد میں سامنے آگئی ہیں جن سے احادیث کی صحت و ضعف کو بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے علمار توجہ کریں اور مشقت اٹھاکر عوام کو آگاہ کریں کہ جب "حدیث پر عمل کی ضرورت" کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے کیا چیز مراد ہوتی ہے؟

احادیث نبویہ کی مذکورہ اہمیت و افادیت ہی کے پیش نظر جماعت اہل حدیث کے علمار نے فن حدیث کی سب سے بنیادی چھ کتابوں (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) کو اردو زبان میں منتقل کردیا تاکہ ہر پڑھا لکھا آدمی ان سے مستفید ہوسکے۔ متدین طبقہ کے دلوں میں اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا شوق ہے تو اسے کتب حدیث کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ دین کے احکام کا صحیح علم حاصل ہو اور ادھر اُدھر کی باتوں سے ذہن میں جو الجھن پیدا ہو جاتی ہے اس سے نجات ملے۔

ہمیں یقین ہے کہ اگر امت صحیح جذبہ اور نیت سے اپنے آپ کو احادیث نبویہ سے وابستہ کرے گی تو اس کی تمام مشکلات دور ہو جائیں گی۔ اور اسی طرح ان باطل افکار و نظریات کا بھی قلع قمع ہو جائے گا جو صحیح دینی معلومات نہ ہونے کے باعث مسلمانوں کے مابین رواج پا جاتے ہیں اور ان سے امت کے بہت سے افراد فکر و عمل کے انحراف و انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۳۔ کتاب و سنت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، صحابہ کرام ؓ کے احوال و سوانح، مجاہدین اسلام کے تذکروں اور ائمہ دین کی خدمات کے تعارف پر مشتمل مستند اور معتبر کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ ہماری دینی تاریخ کے اہم اور بنیادی عناصر ہیں۔ ان سے غفلت یا ناواقفیت ہمارے مستقبل کو بری طرح متاثر کرسکتی ہے۔ ہم اپنے ماضی سے کٹ کر مستقبل کو کبھی بھی تعمیر نہیں کرسکتے۔ اسلامی تاریخ کے نشیب و فراز اور حق و باطل کی کش مکش نیز اس کے نتائج سے ہمیں پوری بصیرت کے ساتھ واقف ہونا ضروری ہے۔ تاریخ کا یہ حصہ اگر ہماری نظروں سے اوجھل رہے گا تو موجودہ حالات کے مقابلہ میں ہم صبر و استقامت کا ایسا مظاہرہ نہیں

کر سکتے جس سے کامیابی کی ضمانت مل سکے۔ اردو زبان میں ان موضوعات پر صالح لٹریچر وافر مقدار میں نہ سہی لیکن ضرورت کی حد تک موجود ہے اور مزید کام کا سلسلہ جاری ہے۔ مگر کتابوں کے انتخاب میں یہاں بھی بصیرت و بالغ نظری کی ضرورت ہے، ورنہ مطالعہ وبال جان بن سکتا ہے۔ ہم اگر دینی ثقافت کے لیے مطالعہ کی ضرورت کو صحیح طور پر محسوس کریں گے تو مطالعہ کے لیے مواد کے انتخاب کا شعور و ادراک بھی بڑی حد تک پیدا ہو جائے گا۔

احادیث نبویہ کی خدمت و اشاعت اور دین کی تجدید و احیاء کا کام بھی ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے لیا ہے۔ اس طائفۂ مقدسہ کے حالات و واقعات کا مطالعہ بھی ایک مسلمان کے لیے بیحد ضروری ہے دین کی راہ میں صبر و استقامت اور مسائل و مشکلات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے اس مطالعہ کی بڑی اہمیت ہے آج کا مسلمان رسم و رواج اور بدعات و خرافات کے شکنجہ میں بری طرح جکڑا ہوا ہے۔ حرص و ہوس کے بندے اسے اسی شکنجہ میں مقید رکھنا چاہتے ہیں تاکہ اپنے ناپاک عزائم پورے کر سکیں۔ اس شکنجہ سے آزادی کی یہی صورت ہے کہ مسلمان کتاب و سنت کی تعلیمات سے قریب ہو اور مجددین اسلام کے کارناموں سے بصیرت حاصل کرے

عقیدہ و عمل کی بدعات معاشرہ کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لے چکی ہیں اس موضوع پر اردو زبان میں کتابیں کم ہیں، پھر بھی صحیح طلب ہو تو متعدد ایسی کتابیں اور مقالات مل جائیں گے، جن سے آدمی صحیح رائے قائم کر سکتا ہے۔ اہل بدعت ہر دور کی طرح آج بھی منظم ہیں۔ اپنی مادی قوت اور دجل و تلبیس سے انھوں نے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنا ہمنوا بنالیا ہے۔ ان کے طلسم کو توڑنے کے لیے بیدار مغزی اور پیہم عمل کی ضرورت ہے۔ مسلمان اگر صحیح دینی ثقافت کے مالک ہوتے تو اہل بدعت کا طلسم فروغ نہ پاتا . . . . لیکن صحیح دینی فکر کے فقدان کے باعث موجودہ افسوسناک صورتحال رونما ہوئی ہے۔

٭٭٭

ہندوستان میں دینی کتب کے ناشرین سے اگر آپ تبادلۂ خیال کریں تو عام طور پر وہ شکوہ کریں گے کہ دینی کتابیں بہت کم فروخت ہوتی ہیں۔ اسی لیے مدارس اسلامیہ کی درسی کتابوں کے علاوہ یہ ناشرین دوسرا دینی لٹریچر شائع کرنے کی ہمت نہیں کرتے۔

لیکن میں نے اپنی معلومات کی حد تک عرب دنیا کا حال اس سے مختلف پایا وہاں پر دینی لٹریچر

کی تالیف و اشاعت کا کام اس وقت شباب پر ہے ۔ دین سے متعلق ہر موضوع پر برابر کتابیں شائع ہو رہی ہیں اور خریداروں کی تعداد میں بھی برابر اضافہ ہو رہا ہے ۔ بالخصوص نوجوان طبقہ اس میدان میں پیش پیش ہے ۔ وہاں مختلف شہروں میں مختلف مواقع پر کتابوں کی نمائش کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جس میں عرب دنیا کے مشہور ناشرین اپنی کتابیں سجاتے ہیں اور لوگ انھیں بڑے پیمانے پر خریدتے ہیں ۔ کبھی کبھی یہ نمائش ہفتوں چلتی ہے اور ہمیشہ یکساں بھیڑ رہتی ہے ۔ ایک خیال یہ ہے کہ کتابیں خریدنے اور انھیں سجانے کا شوق زیادہ ہے اور انھیں پڑھنے کا کم ۔ لیکن یہ خیال کلی صورت میں صحیح نہیں ۔ اکثریت ایسے افراد کی ہے جو خریدی ہوئی کتابوں کو پڑھتے ہیں اور ان سے مکمل استفادہ کرتے ہیں ۔ علمی حلقوں سے قریب ہونے کے بعد انسان کو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے ، دور سے نہیں ۔

چند روز قبل عربی ہفت روزہ المسلمون (۱۳ اکتوبر ۸۹ ۱۹ء) میں ایک جائزہ شائع ہوا ہے ۔ جس میں واضح کیا گیا ہے کہ مختلف سماجی ، اقتصادی اور نفسیاتی عوامل کی بنا پر جنسی لٹریچر رو بہ زوال ہے اور اس کے مقابلہ میں دینی و مذہبی کتابوں پر قارئین کی توجہ زیادہ ہے اب وہ ایسی کتابیں پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں جن میں قیامت قبر اور حساب وکتاب کا تذکرہ ہو ، کیونکہ موجودہ دور کے مادیت زدہ افکار و خیالات سے وہ بیزار ہو چکے ہیں انھیں اب دائمی و حقیقی سکون کی تلاش ہے جو دین سے ربط و اتصال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ۔

عرب دنیا اور بالخصوص سعودی عرب میں دینی لٹریچر کی تالیف و اشاعت کی جو تحریک اس وقت رونما ہوئی ہے اس کی افادیت کا دائرہ کافی وسیع ہے ۔ چنانچہ متعدد ایسے ادارے وہاں قائم ہیں جو بیرونی دنیا کی مسلم تنظیموں اور اداروں کو ضروری دینی لٹریچر فراہم کرتے ہیں ، جس سے شائقین کو اپنی علمی پیاس بجھانے کا موقع مل رہا ہے ۔ یہ ادارے تفسیر ، حدیث ، فقہ اور عقیدہ کے موضوع پر ایسے اہم ماخذ فراہم کر رہے ہیں جن کی دینی ثقافت کے باب میں خاصی اہمیت ہے ۔ ان ماخذ میں متعدد ایسی اہم کتابیں ہیں جن کے حصول کی تمنا لیے ہوئے بہت سے اہل علم دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت یہ کتابیں بآسانی عرب سے ہندوستان پہنچ رہی ہیں ۔

کتاب و سنت کی تشریح و ترجمانی پر مشتمل دینی لٹریچر کی ہندوستان میں اشاعت کے سبب یہاں کے

بدعتی حلقہ میں اضطراب و بےچینی کی ایک لہر پیدا ہو گئی ہے۔ اس حلقہ کو اندیشہ ہے کہ دین کی صحیح تعلیمات اور صحیح عقیدہ جب مسلم عوام کے سامنے آ جائے گا تو پھر وہ بدعتوں سے متنفر ہو جائیں گے اور اس طرح دین کے نام پر ان کے استحصال و تضلیل کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔

اہل بدعت کی اس بے چینی و اضطراب کو ان کی تقریروں اور تحریروں میں عام طور پر دیکھا جا سکتا ہے اپنے عوام سے یہ جب بھی مخاطب ہوتے ہیں تو ان کے سامنے کتاب و سنت کی تعلیمات کو پیش کرنے کے بجائے دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں "وہابی" ان کی پرانی گالی ہے، اس سے وہ اُن تمام لوگوں کو نوازتے ہیں جو ان کے زعم میں "اہل سنت" کے فرقے سے تعلق نہیں رکھتے۔ جب سے ایران میں خمینی کا فتنہ برپا ہوا، ان لوگوں نے اپنے آپ کو اس سے مربوط کر لیا، تاکہ اس طرح پرانی عداوت کا انتقام لے سکیں۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اصلاح و تجدید کی جس دعوت کا آغاز کیا تھا، اس کی سرپرستی سعودی حکومت نے کی تھی اور اس طرح حرمین شریفین اور نجد و حجاز کے دوسرے علاقوں سے شرک و بدعت کو ختم کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی آج اس سرزمین پر جسمانی و روحانی دونوں لحاظ سے امن و سکون حاصل ہے۔ ہر سال حجاج بڑی تعداد میں وہاں پہنچتے ہیں اور توحید و سنت کا درس لے کر واپس آتے ہیں۔ اہل بدعت و تشیع کے لیے یہی صورتحال جاں گسل ہے، اس لیے وہ برابر "نجدیت و وہابیت" کے الزام کو دہرائے جا رہے ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

صحیح دینی ثقافت کی اہمیت و ضرورت اور اس کے بنیادی عناصر سے متعلق ابھی جو کچھ عرض کیا گیا اس کی مزید توضیح اور مثالِ واقعی کے لیے میں عصر نبوت کے دو مختصر واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں، ان سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحیح دینی ثقافت سے کیسا ذہن اور شعور پیدا ہوتا ہے، اور کس طرح انسان بے پایاں بصیرت و فراست سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔

۱۔ سورہ احزاب کی آیات (۲۸، ۲۹) میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات کے سلسلہ میں اختیار دیا تھا۔ آپ نے آیت کے نزول کے بعد سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کا ذکر کر رہا ہوں، اپنے والدین سے مشورہ کے بعد اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کرنا۔ پھر آپ نے دونوں آیتوں کو پڑھ کر سنایا۔ حضرت عائشہؓ نے آیتوں کو سن کر کہا کہ "اللہ، رسول اور

آخرت کے معاملہ میں والدین سے مشورہ کی کیا ضرورت ہے ؟ میں دنیا کی زیب و زینت اور آرام و آسائش کے مقابلہ میں اللہ، رسول، اور آخرت کو ترجیح دیتی ہوں ۔ (فتح الباری ۸/۵۱۹)

حضرت عائشہ کے اس جواب سے صحیح دینی فکر اور تربیت نبوی سے فیضیاب شعور و ادراک کا اندازہ ہوتا ہے ۔ دین و ایمان کی اہمیت کو ان نفوس قدسیہ نے کس طرح سمجھا تھا اور کس طرح اپنے معاملات میں ان کو ہدایت و بصیرت حاصل تھی ۔ آج یہی شعور و بصیرت مفقود ہے ، جس کی وجہ سے ہم اپنے دین سے برابر دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور دنیوی مفاد و مصلحت کے لیے آخرت کو قربان کرنے کی جرأت کر بیٹھتے ہیں ۔

۲۔ حلیۃ الاولیاء (۱/۳۸) میں قیس ابن ابی حازم کی درج ذیل روایت نقل کی ہے :

« اشترى ابوبكر بلالا وهو مدفون بالحجارة ، بخمس أواق ذهبا ، فقالوا : لو أبيتَ الا اوقية لبعناكه : قال : لو ابيتم الا مائة اوقية لاخذته »

یعنی مشرکین مکہ حضرت بلالؓ کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ایذا دیتے ہوئے پتھروں سے ڈھانپ دیا کرتے تھے ، حضرت ابوبکرؓ نے پانچ اوقیہ سونے کے بدلہ ان کو خرید کر آزاد کر دیا ۔ مشرکین مکہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ صرف ایک اوقیہ قیمت دیتے تو بھی ہم بلالؓ کو فروخت کر دیتے ۔ حضرت ابوبکر نے متانت سے جواب دیا کہ اگر تم سو اوقیہ بھی طلب کرتے تو میں خریدنے سے گریز نہ کرتا ۔

اس روایت کو ابن عساکرؒ نے تاریخ دمشق (۳/۵۴۴) میں بھی ذکر کیا ہے ۔

ابوبکر صدیقؓ کا جواب اُس اہمیت کو واضح کرتا ہے جو ایک سچے مومن کے دل میں دین و ایمان کی اور آخرت میں نیکی و ثواب کی ہوتی ہے ۔ مشرکین مکہ بلال کی خریداری کو خرید و فروخت کے عام معاملات کی طرح سمجھتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ بلالؓ کی خریداری میں ان کا مالی گھاٹا ہوا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اپنی مومنانہ فراست سے ان کے لیے واضح کر دیا کہ میں مزید پنچانوے اوقیے خرچ کرتا تو بھی نفع میں رہتا ۔

اس نوعیت کی فکر اور ایسا ذہن بنانے کے لیے ہمیں اپنے مطالعہ کی کتابوں میں تبدیلی کرنی ہوگی ورنہ ہماری زندگی میں دینی معاملات ہمیشہ ثانوی درجہ میں رہیں گے ۔

●●●

ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن اور امت میں ان کے غلط اثرات

احمد مجتبیٰ سلفی

۳- لما اقترف آدم الخطیئة قال: یارب! اسئلک بحق محمد إلا غفرت لی، فقال اللہ یا آدم وکیف عرفت محمدًا ولم أخلقه؟ قال یا رب! لما خلقتنی بیدک ونفخت فیّ من روحک رفعت رأسی فرأیت علی قوائم العرش مکتوبًا لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ، فعلمت أنک لم تضف إلی اسمک إلا احب الخلق الیک، فقال اللہ: صدقت یا آدم انه لاحب الخلق إلیّ ادعنی بحقه فقد غفرت لک، ولولا محمد ما خلقتک۔

(جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوگئی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: یا اللہ! تیری درگاہ میں محمد کے واسطے سے عرض ہے کہ تو مجھے ضرور معاف کردے۔ تو اللہ نے فرمایا: آدم! تم نے محمد کو کیسے جانا جبکہ میں نے انھیں اب تک پیدا بھی نہیں کیا ہے؟ آدم نے عرض کیا: اے رب! جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا اور میرے اندر اپنی طرح سے روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ عرش کے پایوں پر لکھا ہوا ہے: "لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ" تو میں نے یہ جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اپنی محبوب ترین مخلوق ہی کا نام دیا ہوگا۔ تو اللہ نے فرمایا: سچ کہا تم نے۔ محمد میرے نزدیک ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، میں نے تجھے معاف کیا، اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا بھی نہیں کرتا۔)

یہ حدیث موضوع ہے اس کو حاکم نے مستدرک (ج ۲ /ص ۶۱۵) میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ (ج ۵ / ص ۴۸۹) میں بطریق عبداللہ بن مسلم الفہری، عن اسماعیل بن مسلمہ عن عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم عن زید بن اسلم عن عمر بن الخطاب روایت کیا ہے ۔

اس سند کے اندر واقع ایک راوی (عبداللہ بن مسلم) اگر الفہری ہے تو وہ مجہول ہے، لیکن اگر وہ عبداللہ بن مسلم بن رشید ہے تو بقول ابن حبان (۱) وہ حدیث گھڑنے کا مرتکب آدمی ہے ۔ اس نے امام لیث، مالک اور ابن لہیعہ پر حدیثیں گھڑی ہیں نیز ابن ھدبہ سے ایک مجموعۂ احادیث موضوعہ روایت کرتا ہے ۔

اور عبدالرحمٰن بن زید اپنے والد سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے (۲) ابونعیم اصبہانی نے یہی بات کہی ہے ۔ (*)

امام ذہبی نے اس حدیث پر موضوع اور باطل ہونے کا حکم لگایا ہے (۳) اور امام ابن کثیر (۴) اور حافظ ابن حجر (۵) نے ان کی تائید کی ہے ۔ اور امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں : اس حدیث کی روایت کرنے کی وجہ سے امام حاکم پر نکیر کی گئی ہے، کیوں کہ خود انھوں نے المدخل (۸) میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں کہا ہے (۶) میں کہتا ہوں کہ عبدالرحمٰن باتفاق ائمہ ضعیف اور کثیر الغلط آدمی ہے (۷) اور علامہ البانی فرماتے ہیں : اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے (۹)

نیز اس حدیث کا بطلان اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو گرچہ ضعیف ہے مگر سنداً اس سے قوی ہے ۔ اس میں ہے جب آدم ہندوستان میں اتارے گئے تو جبرئیل نے اذان دی اذان میں : [اشهد ان

---

(۱) المجروحین ترجمہ عبداللہ بن مسلم بن رشید (۲) المدخل رقم ۹۷ (*) ترجمہ عبدالرحمٰن بن زید

(۳) میزان الاعتدال ترجمہ : عبداللہ بن مسلم الفہری (ج ۲ ص ۵۰۴) (۴) البدایہ والنہایہ ج ۲ / ص ۳۲۳

(۵) لسان المیزان ترجمہ : عبداللہ بن مسلم الفہری (ج ۳ / ص ۳۶۰) (۶) کہ یہ اپنے باپ سے موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے

(۷) قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ ص ۸۵ (۸) الضعیفہ رقم ۲۸۲

(۹) الضعیفہ رقم ۴۰۳

محمد رسول اللہ " سن کر جبریل سے دریافت کیا: یہ محمد کون ہیں؟ جبریل نے فرمایا، یہ آپ کی اولاد میں سے آخری نبی ہیں۔(۱)

اس حدیث کی تائید میں امام مالک کا ایک قصہ نقل کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ابوجعفر المنصور سے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے اور تمھارے باپ آدم کے وسیلہ ہیں

یہ قصہ بالکل باطل اور من گھڑت ہے، اس کا راوی محمد بن حمید الرازی کذاب ہے (۲)

اس موضوع حدیث کے اثرات:- اس موضوع حدیث کی وجہ سے امت کے بیشتر افراد مشروع وسیلہ(۳) کو چھوڑ کر بدعی وسیلہ کے گناہِ عظیم میں مبتلا ہیں، جہاں دیکھو اکثر علماء اور مشائخ کسی دعا میں ضرور اس بدعی وسیلہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور کوئی بھی شرعی وسیلہ کو اختیار نہیں کرتا۔ اور یہ سب اس موضوع حدیث نیز اس معنی کی دیگر ضعیف اور موضوع احادیث کے انتشار کا نتیجہ ہے۔ اللہ ہمیں بدعت سے محفوظ رکھے۔

۴۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ

ترجمہ:- اگر آپ (اے محمدؐ) نہ ہوتے تو میں یہ آسمان (و زمین) پیدا ہی نہیں کرتا

یہ حدیث موضوع ہے، دیلمی کی روایت کے الفاظ ہیں۔

اَتَانِی جبریل فقال: یا محمد! لولاك لما خلقت الجنة۔

حضرت جبریل میرے پاس آئے اور کہا: اے محمد اگر آپ نہ ہوتے تو جنت پیدا ہی نہ کی جاتی۔

ابن عساکر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

لَولَاكَ لما خلقت الدنیا۔

اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا ہی پیدا نہ کی جاتی، یا میں دنیا ہی پیدا نہ کرتا۔

اس حدیث کو صنعانی نے اپنی کتاب "الموضوعات (۴)" میں ذکر کیا ہے اور ابن الجوزی نے حضرت سلمان فارسی کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کی ہے (۵) اور موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

---

(۱) الضعیفہ رقم ۴۰۳ (۲) دیکھیے القاعدۃ الجلیلہ ص ۶۶-۶۸ (۳) یعنی اپنے اعمالِ صالحہ کا وسیلہ جیسا کہ غار میں بند تینوں آدمیوں نے کیا تھا۔ (۴) موضوعات الصاغانی (رقم ۷۸) (۵) الموضوعات لابن الجوزی (ج ۱ / ص ۲۸۹)

سیوطی نے اس کی تصدیق کی ہے(۱) اور ابن تیمیہ فرماتے ہیں :

لیس ھذا حدیثا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صحیحا ولا ضعیفا ولم ینقلہ احد من اھل العلم بالحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل ولا یعرف عن الصحابۃ بل ھو کلام لا یدری قائلہ (۲)

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے ہی نہیں ، نہ صحیح نہ ضعیف ، کسی محدث نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان نہیں کیا ہے حتیٰ کہ صحابہ سے بھی منقول نہیں ہے ۔ یہ ایک ایسا کلام ہے جس کا قائل ہی معلوم نہیں ۔

اس باطل حدیث کا بطلان ایسے بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کا مقصد کچھ اور ہی بتلایا ہے ارشاد باری ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۔ (۳)	ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کی خاطر پیدا کیا ہے ۔

نیز ارشاد خداوندی ہے :۔

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (۴)	وہ اللہ جس نے موت وحیات اس لیے بنائی کہ تمہاری آزمائش کرے کہ کون بہتر عمل کرتا ہے ۔

نیز کسی سے یہ پوشیدہ نہیں کہ بعثت محمدی کا مقصد بنی نوع انسان کی ہدایت ہے اور حدیث باطل اس مقصد سے متصادم ہے ۔ دراصل کائنات انسان کے فائدہ کے لیے پیدا کی گئی ہے اور انسان اللہ کی عبادت کے لیے اور انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں کی ہدایت اور تزکیہ کے لیے ۔ جن میں سب سے بڑے اور سب کے سردار آخری نبی اور رسول حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو خدا کے بعد سب سے اشرف ، سب سے اکرم ، سب سے اعلیٰ و بالا ہیں ۔ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین اللھم اجعلنا منھم ۔ آمین ۔

•••

(۱) اللآلی المصنوعۃ (۱/۳۰ ص ۲۷۲)
(۲) مجموع فتاوی ابن تیمیہ ج ۱۱/ ص ۹۶
(۳) سورہ الذاریات آیت ۵۶
(۴) سورہ الملک ...

جہاد کی اہمیت وفضیلت۔ اور اس کا حکم

عبدالمنان سلفی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جہاد تا قیامت باقی رہنے والا ایک شرعی فریضہ ہے۔ جہاد ہی نصرت دین اغلبۂ امت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا بہترین وسیلہ ہے۔ مسلمانوں نے جب اس اہم فریضہ سے غفلت برتی اور ایک طویل مدت تک اپنے آپ کو اس سے دور رکھا تو وہی ذلت ورسوائی ان کا نصیبہ بن گئی جس سے محمد عربی نے اپنی امت کو خبردار کیا تھا، لیکن آج کے دور میں جبکہ مسلمانوں کے اندر جہاد کا جذبہ از سر نو پنپ رہا ہے اور مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا ہے۔ ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو حقیقی وشرعی جہاد سے پوری طرح باخبر کیا جائے۔ اس سلسلے کی یہ پہلی کڑی ہے جو کہ ان شاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ تاکہ اس سے مجاہدین فی سبیل اللہ کو استفادہ کا موقع ملے اور ان کی صحیح رہنمائی ہو سکے

جہاد کی تعریف

اعلاء کلمۃ اللہ، دین کی نشر واشاعت ورسالت کی تبلیغ کی خاطر جو کچھ صرف کیا جائے اور جو بھی عمل کیا جائے سب پر جہاد کا اطلاق ہوتا ہے۔ جہاد لفظ جُہد سے مشتق ہے جس کے معنی طاقت صرف کرنا قوت کام میں لانا اور قابلیت ولیاقت استعمال کرنا ہے۔

اقسام جہاد

جہاد کی مختلف اقسام ہیں۔ اس کا ایک طریقہ محادثہ ومکالمہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔ (اگر میں چاہتا تو ہر گاؤں اور بستی میں ایک منذر (ڈرانے والا) مبعوث کرتا تو آپ کافروں کی باتوں میں مت آیئے گا، بلکہ ان سے اس کے ذریعہ جہاد کیجیے گا۔ وجاهدهم به جهاداً كبيراً میں "ہ" ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ کافرین ومشرکین سے قرآن کے ذریعہ جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو دلیل بناکر ان سے مجادلہ ومباحثہ کیا جائے۔ قرآنی ارشادات وفرمودات، احکامات وماموارت کو ان تک پہنچا کر ان کے خلاف دلیل قائم کی جائے۔

اس کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قرآنی احکامات کو ان پر نافذ کیا جائے اور انھی کے مطابق فیصلہ سنایا جائے۔

جہاد کی ایک صورت مال کے ذریعہ جہاد ہے، ارشادِ خداوندی ہے: ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم " وہ افراد جنھیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی اور جنھوں نے اللہ کی خاطر اپنا گھر بار، وطن چھوڑا اور اللہ کے راستے میں اپنی جانوں و مالوں کے ذریعہ جہاد کیا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ، اللہ کے راستے میں اپنی جانوں و مالوں کو قربان کردیا" بذریعہ مال ۔ جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مال کو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر صرف کیا جائے اور اس سلسلے میں دریغ نہ کیا جائے۔

جہاد کی ایک اور شکل جہاد بالنفس ہے، یعنی سربکف ہو کر کفار و معاندین اسلام کا میدان کارزار میں مقابلہ کیا جائے اور ان سے قتال کیا جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جہاد ایک عام لفظ ہے جو ہر نوع کی جسمانی و مالی قولی و نفسی قربانی کو شامل ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر زمین پر کیا جائے۔

قتال امتِ مسلمہ میں ہر اس شخص پر فرض ہے جو اس پر قادر ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قتال کا حکم "کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم" اے مسلمانو! تمھارے اوپر قتال فرض کیا گیا ہے اور تمھیں یہ چیز ناگوار ہے۔"

اور نبی کا فرمان ہے "من لم یغز او یحدث نفسہ بغزو مات علی شعبۃ من نفاق" "جس شخص نے کسی جہاد میں شرکت نہ کی یا اپنے نفس میں جہاد کے متعلق سوچا بھی نہیں تو اس کی موت نفاق پر ہوئی"

جہاد کی ادائیگی اور اس سے عہدہ برآ ہونا درج ذیل تین صورتوں میں ہر فرد پر لازم ہے۔ امام کی دعوت اگر مسلمانوں کا امیر عام یا اس کا نائب کسی کو جنگ کی طرف آمادہ کرلے اور اسے جہاد کی دعوت دے تو اس کے لیے امام کی دعوت پر لبیک کہنا واجب و ضروری ہے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت اس کی دلیل ہے "قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونھم او یسلمون فان تطیعوا یؤتکم اللہ اجرا حسنا وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذابا الیما۔ (الفتح: ۱۶)

"اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان اعرابیوں کو جنھوں نے قتال میں حصہ نہیں لیا، باخبر کر دیجیے کہ عنقریب تم سب ایک ایسی قوم سے مبارزت کے لیے طلب کیے جاؤ گے جو کہ بہت ہی طاقتور اور جنگجو ہے اور اس وقت تک قتال میں لگے رہو حتیٰ کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ اگر تم نے سر تسلیم خم کیا تو اللہ اس کا بہترین اجر دے گا اور اگر اپنی پچھلی روش پر برقرار رہے اور اس مرتبہ بھی میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے تو اس کا دردناک عذاب تمھیں چکھنا ہوگا۔

اور رسول اللہ کا فرمان ہے " اذا ستنفرتم فانفروا "، جب تم سے جہاد میں نکلنے کا مطالبہ کیا جائے تو جہاد کے لیے نکل پڑو ۔

(۲) کفار کسی اسلامی مملکت پر حملہ کردیں، اس وقت وہاں کے اور قرب وجوار میں بود باش اختیار کیے ہوئے دیگر مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ ان کے مقابل میں آجائیں اور ان سے خائف ہوکر راہ فرار نہ اختیار کریں۔ اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے "یا ایہا الذین آمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظة" اے مسلمانو! تم اپنے قرب وجوار میں بسنے والے کفار ومشرکین سے جہاد کرو اور دوران قتال ان کو کچلنے میں سستی و کاہلی سے کام مت لو"

اس طرح کی اور بہت سی آیات اور احادیث ہیں جن میں جنگ کے دوران فرار ہونے سے منع کیا گیا ہے اور اس سے باز نہ آنے والے کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔

(۳) امام مسلمانوں کے اندر اعلان عام کردے اس صورت میں ہر مسلمان پر جہاد کے لیے کوچ کرنا (نکلنا) فرض ہو جاتا ہے، مذکورہ بالا تین صورتوں کے علاوہ بقیہ تمام حالات میں قتال فرض کفایہ ہے۔ اگر مسلمانوں کے اندر تھوڑے بہت افراد اس کام سے جڑے ہوں اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کی ضرورت کی تکمیل بخوبی ہو جاتی ہو تو امت کے بقیہ افراد سے جہاد ساقط ہو جاتا ہے۔

عصر حاضر میں قتال کا حکم

چونکہ آج کل مسلمانوں کا کوئی امیر یا لیڈر ایسا نہیں ہے جس کو صحیح معنی میں اسلامی وشرعی نقطۂ نظر سے عام مسلمانوں کا امیر یا سربراہ کہا جاسکے۔ اور صورت یہ ہے کہ تمام محاذ مسلمانوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں، دشمن ہر طرف سے ان پر حملہ آور اور برسر پیکار ہے اور اسلامی دیار میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔

اس صورت میں مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے قرب وجوار کے کفار سے نبرد آزما ہوں اور ان کے مقابلہ میں جہاد

میں ہمہ تن معروف ہوں اور اس کے لیے ہر ممکن طریقہ کو اپنائیں۔ تلوار، مال اور مکالمہ و محادثہ کے ذریعہ جہاد غرضکہ اس کے تمام حربے کو استعمال کریں، جیسا کہ نبی کریم کا ارشاد ہے "جاهدوا المشركين باموالكم والسنتكم و انفسكم" مشرکین سے مال، زبان اور نفس کے ذریعہ جہاد کرو۔"

اس حال میں ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی جائے قیام پر ہی جہاد کا فریضہ انجام دے یا کسی مناسب مقام پر منتقل ہو جائے۔ اور کسی بھی سرحد کا دفاع نہ کرنا بلکہ اس کو چھوڑے رکھنا، جہاں سے دشمنانِ اسلام کے در آنے کا خطرہ ہو اسلام و شریعت کے منافی ہے۔ قتال کی یہ صورت (کہ جو جہاں ہے وہ وہیں جہاد کرے) اس وقت تک قائم و برقرار رہے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی لطف و عنایت کے ذریعہ تمام امت کو ایک اسلامی حکومت کے تحت جمع کر دے اور جمیع معاملات منظم ہو جائیں ہر فرد کی ذمہ داری کی نوعیت متعین کر دی جائے اور دشمن سے مقابلہ کی جگہ خاص کر دی جائے۔ ایسے میں اس کی آزمائش مخصوص مقام پر زیادہ بہتر و اچھی ہوگی۔

رخصتِ یافتگانِ قتال قتال میں عدم شرکت صرف انھی افراد کے لیے صحیح و درست ہے جن کے سلسلے میں نص وارد ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے "ليس على الاعمى حرج ولا على الاعرج حرج ولا على المريض حرج" نابینا کے لیے جہاد میں شرکت نہ کرنے پر کوئی حرج نہیں۔ بعینہ لنگڑا اور مریض کے لیے جنگ میں عدم شرکت پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

صرف انھی مذکورہ بالا افراد کو اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے۔ جنگ میں ان کی شرکت لازمی نہیں ہے، اگرچہ امام ان کو جنگ کے لیے بلائے یا طلب کرے۔

امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو بھی کسی مصلحت کے پیش نظر جنگ میں شرکت سے روک دے۔ جیسا کہ آپؐ نے غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علیؓ کو گھر پر قیام کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی تاکہ وہ اپنی زوجہ کی تیمارداری کر سکیں اور یہ حقیقت ہے کہ غزوۂ تبوک عام غزوہ تھا جس میں ہر فرد کی شرکت لازمی تھی اور اس غزوہ کے متخلفین کا ذکر نفاق و فسوق کے ساتھ کیا گیا۔ اسی طرح ایک اور موقع پر آپؐ نے ایک نوجوان پر جہاد میں حصہ لینے پر پابندی عائد کر دی تھی جو کہ آپ سے اجازت کا متمنی تھا اور اسے والدین کی خدمت کا حکم صادر فرمایا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فاذا استاذنوك لبعض شانهم فاذن لمن شئت منهم واستغفر لهم الله ان الله غفور رحيم" اگر وہ آپ سے اپنی کسی خاص ضرورت کے سبب جہاد میں عدم شرکت کی اجازت چاہتے ہیں تو آپ کو

اختیار ہے کہ جسے چاہیں اجازت مرحمت فرمائیں اور ان اجازت خواستگان کے لیے اللہ سے استغفار کیجیے، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت

جہاد اسلام کا اعلیٰ ترین مرتبہ اور اس کی روشن ترین علامت ہے جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا "راس الامر الاسلام وعموده الصلوٰۃ وذروۃ سنامه الجهاد فی سبیل اللہ" جمیع امور کا اصل اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور افضل ترین عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نفس کا جہاد ہی جہاد اکبر ہے۔ اور دشمن سے جہاد جہادِ اصغر ہے ان کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے اور اس سلسلہ کی کوئی بھی روایت درست نہیں ہے۔ فی الواقع جہاد فی سبیل اللہ ہی جہادِ اکبر ہے اور مجاہد فی سبیل اللہ ہی سب سے زیادہ اپنے نفس سے جہاد کرنے والا ہے اور اس حیثیت سے کہ اس نے اپنے نفس کے لیے اللہ کی اطاعت کو لازم قرار دیا اور اس کو صبر کے لیے راضی کیا اور بیوی بچے اور وطن سے جدائی پر آمادہ کیا اور مجاہد فی سبیل اللہ کی آزمائش کے لیے صرف یہی بات کافی ہے کہ اس کے سر پر تلوار چمک جائے۔

اور مجاہد فی سبیل اللہ کے مرتبہ کو کوئی چیز بھی نہیں پا سکتی۔ اگر ایک روزہ دار متواتر روزہ رکھے اور عبادت گزار تمام اوقات عبادت میں ہمہ تن معروف رہے اور اس کا خارج میں وجود ہو تب بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے ہم رتبہ نہیں ہو سکتا اور مجاہدین میں اجر کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو اپنے گھوڑے سمیت خدا کی راہ میں شہید ہو گیا ہو۔ اور جہاد کا سب سے اعلیٰ وارفع مرتبہ راہِ خدا میں شہادت کی موت ہے اور اللہ کے یہاں شہید کی خاطر و تواضع سے بڑھ کر کسی کی خاطر تواضع نہیں ہوگی اور شہید کے علاوہ کوئی بھی شخص جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا کی طرف واپسی کا آرزومند نہ ہوگا۔

شہید دنیا کی طرف واپسی کی تمنا کرے گا تاکہ اسے دوبارہ راہِ خدا میں جہاد کرنے کا موقع ملے اور شہادت نصیب ہو، کیونکہ وہ اپنی آنکھوں سے شہید کی عزت و توقیر کا مشاہدہ خدا کے یہاں کر چکا ہوگا۔ ارشادِ نبوی ہے:

وَلَوَددت ان اغزوا فی سبیل اللہ فاقتل، ثم احیا، ثم اغزو فی سبیل اللہ فاقتل ثم احیا ثم اغزوا فاقتل " میری خواہش ہے کہ اللہ کی راہ میں غزوہ کروں اور شہید ہو جاؤں، پھر دوبارہ مجھے زندگی نصیب ہو اور پہلے کی طرح خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت سے ہمکنار ہوں، پھر مجھے زندگی عطا کر دی جائے اور ایک بار

مزید راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کردوں " بیشک اعمالِ صالحہ کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کی نیت کے بقدر ثواب ملتا ہے۔

جہادِ مقبول

جہاد راہِ خدا کے زمرے میں صرف اس صورت میں شامل ہوگا جب صاحب جہاد کی نیت بذریعہ جہاد اللہ کی رضا کا حصول اور اس کے کلمہ کو غالب کرنا ہو اور اس کے برعکس اگر اس کا مطمحِ نظر دنیا ہو یا روئے زمین پر سلطنت و مملکت کا حصول ہو یا شہرت، رفعت، عزت و حشمت، منصب و فوائد کی تمنا ہو یا اس کا قتال قومی وطنی یا قبائلی عصبیت کی بنیاد پر ہو تو یہ تمام صورتیں فی سبیل اللہ کے دائرہ سے خارج ہوں گی اور اس طرح کے مجاہد کے لیے کوئی اجر نہیں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت دلالت کرتی ہے:

"الرجل یقاتل حمیۃ ویقاتل لیری مکانہ ویقاتل للمغنم ای ذلک فی سبیل اللہ؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم: من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ" (ایک مرتبہ آپؐ کے پاس ایک شخص تشریف لایا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے نبیؐ ایک شخص حمیت کی خاطر جنگ کرتا ہے اور ایک شخص شہرت و ناموری کے لیے میدانِ جنگ میں حاضر ہوتا ہے۔ اور ایک شخص مالِ غنیمت کے حصول کے لیے جنگ میں حاضر ہوتا ہے تو اس میں سے کس کی جنگ فی سبیل اللہ کہی جائے گی؟ آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کے کلمہ کو غالب کرنے کے لیے قتال کرتا ہے تو اس کی جنگ فی سبیل اللہ ہوگی۔ صحیح کے اندر حضرت اسامہؓ سے ایک حدیث منقول ہے کہ "قیامت کے دن سب سے پہلے تین افراد کو جہنم میں ڈالا جائے گا (۱) عالم (۲) مجاہد (۳) محسن۔ سب سے پہلے عالم کو اللہ کے روبرو پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے نعمتوں کا تذکرہ کرے گا اور دریافت کرے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے بدلے میں کیا کیا؟ عالم جواب دے گا کہ اے اللہ میں نے تیرے واسطے علم کو سیکھا اور سکھایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تیرے علم سیکھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ تو عالم کہلائے اور تجھ کو تیرا مقصد حاصل ہو گیا، تم ایک عالم کی حیثیت سے جانے گئے۔ پھر اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اس کے بعد مجاہد کو اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا، اس سے بھی اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کو ذکر کر کے دریافت کرے گا کہ تو نے کیا کیا؟ وہ جواب دے گا کہ خدایا میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹا ہے تیرے جہاد کرنے کا مقصد صرف بہادر کہلانا تھا اور لوگوں پر اپنا رعب جمانا مقصود تھا، جا تجھے تیرا مقصد حاصل ہو گیا اور اس کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

سب سے آخر میں محسن کو اللہ تعالیٰ کے پاس لایا جائے گا، اس سے بھی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا تذکرہ کرکے سوال کرے گا کہ تونے کیا کیا وہ جواب دے گا، میں نے اپنی دولت کو بھلائی کے تمام راستوں میں خالص تیری رضا کے لیے صرف کیا، اللہ تعالیٰ کہے گا، تو جھوٹا ہے تیرا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا بلکہ بحیثیت محسن لوگوں میں اپنا تعارف کرانا تھا، جا تجھے تیرا مقصد حاصل ہوگیا، اس کے بعد اسے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اس لیے ہر عمل صالح کرنے والے کے لیے خصوصاً مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کرے۔ اپنے تمام اعمال اسی کی رضا کے لیے انجام دے، کیونکہ جو شخص اللہ کے راستہ میں اپنے خون و مال کا نذرانہ پیش کرتا ہے، اس کے لیے یہ بات غیر مناسب ہے کہ اس کا ارادہ رضائے الٰہی اور حصول جنت کے علاوہ کچھ اور ہو۔"

بقیہ جاپان میں...

بہت جلد مالی اور غیر مالی بحران کا شکار ہوگئی۔ اس کے بعد یہاں کی اسلامی جمعیتوں نے مرحوم شاہ فیصل سے تعاون کی درخواست کی، اور ان کی نگہ کرم سے یہاں پھر ایک بار فصل بہار آگئی جو آپ کی شہادت کے بعد بھی برقرار ہے۔ اب ٹوکیو مسجد کے پاس ہی اسلامی مرکز کا ایک دفتر کھل گیا ہے اور مختلف میدانوں میں منظم طور پر کام ہو رہا ہے جنوری ۱۹۸۳ء کی رپورٹ کے مطابق اس وقت تک جاپانی زبان میں مختلف اسلامی موضوعات پر ۳۱ کتابیں چھپ چکی تھیں اور ۳ زیر طبع تھیں۔ اسلام کے نام سے جاپانی زبان میں ایک سہ ماہی رسالہ بھی جاری ہے، جس کے اس وقت تک چوبیس شمارے نکل چکے تھے۔ یہ رسالہ ایک سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا اور تعداد اشاعت پانچ ہزار تھی مرکز کی طرف سے جلسوں اور کانفرنسوں کا بھی خاصا اہتمام ہوتا ہے، گفتگو اور تبادلۂ خیال کی بھی کوشش ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں باہمی ربط کے لیے اجتماعی سفر کا بھی پروگرام بنتا ہے اور جمعہ اور عیدین وغیرہ پر خصوصی اہتمام ہوتا ہے۔ اللہ توفیق و عنایت سے ہمکنار کرے۔

وفا صدیقی بھوپال

نغمۂ توحید

مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۹ء کنوینشن شبان اہلحدیث ہند نئی دہلی میں پڑھا گیا

رواں منزل کی جانب جب یہ سلفی نوجواں ہوں گے
تو ہر نقشِ قدم سے سینکڑوں سورج عیاں ہوں گے
شہیدوں کے لہو نے جس کو بالاکوٹ میں سینچا،
یہ اس گلزارِ دین مصطفی کے باغباں ہوں گے

رواں منزل کی جانب جب یہ سلفی نوجواں ہوں گے
تو ہر نقشِ قدم . . . .

جدھر سے بھی یہ گزریں گے وہ رستے جگمگائیں گے
اندھیری رہگزاروں کے مقدر جاگ جائیں گے
بکھر جائے گا نظمِ شرک و باطل نعرۂ حق سے
وہ بت تقلید نے جن کو تراشا، ٹوٹ جائیں گے

جہادی روح سے معمور ان کے جسم وجاں ہوں گے
رواں منزل کی جانب . . . .

نوائے نغمۂ توحید گونجے گی فضاؤں سے،
یہ ملت اب نہ دھوکہ کھائے گی بھولے خداؤں سے
جہان کفر میں الحاد میں اک زلزلہ ہو گا
ہو اللہ، احد، اللہ اکبر کی صداؤں سے
گلستاں کے درو دیواران کے ہمزباں ہوں گے
رواں منزل کی جانب . . . .

وہ دن بھی آئے گا ہوگی نیابت ان کے ہاتھوں میں
امارت ان کے ہاتھوں میں نظامت ان کے ہاتھوں میں
یقیں محکم، عمل پیہم کا پرچم جب اٹھائیں گے
تو ہوگی ملک وملت کی قیادت ان کے ہاتھوں میں
زمیں کی وسعتوں میں یہ عروج آسماں ہوں گے
رواں منزل کی جانب . . .

• • •

ڈاکٹر اسلم کانپوریؒ ——— ایک تعارف

——— اُمِّ سلیم زبیدہ خاتون کانپور

عبدالسلام نام، اسلم تخلص، مقررِ شعلہ بیان، طوطی ہند، قاطع بدعت و حامیٔ سنت جیسے ناموں سے ملقب مولانا ۳ / مارچ ۱۹۳۰ء کو ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جہاں علم و ہنر کا کافی چرچا تھا۔ آپ کے والد محترم جناب مولانا عبدالمعبود صاحب جو کہ ایک عالمِ باعمل تھے، نے آپ کو خاص اپنی سرپرستی میں رکھا۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد احمد صاحب خود ایک بلند پایہ عالم اور مناظر تھے۔ یہ گھر کا ماحول ہی تھا کہ آپ کو چھ سال کی عمر میں قلی بازار کانپور کے ایک دینی مدرسہ میں داخل کروادیا گیا، جہاں آپ ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر ۱۲ سال کی عمر میں مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آگرہ کے ایک معروف مدرسہ میں داخلہ لے لیا، لیکن وہاں طبیعت نہ لگی، ایک سال سے زیادہ وہاں نہ رک سکے اور آپ دہلی تشریف لائے۔

دہلی میں جمعیت اہلحدیث کا ایک مشہور ادارہ جامعہ رحمانیہ تھا۔ ہندوپاک کے مشاہیر علماء کرام اس مدرسہ کے فیض یافتہ ہیں۔ مولانا نے اس مدرسہ کی کافی شہرت سُن رکھی تھی، اس لیے مولانا نے جامعہ رحمانیہ میں داخلہ لے لیا۔ آپ تین سال تک اس مدرسہ سے فیض حاصل کرتے رہے، مگر مولانا کی جولانی طبیعت نے انھیں یہاں بھی رکنے نہ دیا۔ آخرکار آپ بنارس تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ مظہر العلوم میں داخلہ لے لیا۔ مولانا نے مدرسہ ہذا میں دو سال تک تعلیم حاصل کی، اس عرصہ میں آپ کا عالم کا کورس پورا ہو چکا تھا، لہٰذا یکم جولائی ۱۹۴۸ء میں اس مدرسہ سے آپ نے سند فضیلت حاصل کی۔

فراغت کے بعد آپ کانپور تشریف لائے جہاں آپ کے والد صاحب اپنے بیٹے کی تعلیم کی تکمیل کا انتظار کررہے تھے۔

باپ نے بیٹے کو بھرپور تعاون دیا اور مفید مشوروں سے نوازا، نیز اپنے تجربات زندگی سے جو کچھ حاصل کیا تھا، مولانا اسلم کو اس سے آگاہ کیا، فن تقریر میں ماہر کیا، جلسوں میں مولانا جہاں تشریف لے جاتے تھے مولانا اسلم صاحب کو بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ ان جلسوں میں مولانا کو موقع ملتا کہ آپ تقریر کرتے۔ خوش گلو تو تھے ہی، اس لیے سامعین آپ کی تقریر شیریں بیان سے کافی متاثر ہوتے تھے۔ اور جو خامیاں مولانا کی تقریریں رہتیں، اس کی طرف آپکے والد ماجد اشارہ فرما دیتے۔ اس طرح مولانا نے اپنے والد صاحب کی صحیح سرپرستی میں فن تقریر میں ملکہ حاصل کر لیا اور سارے ہندوستان میں مولانا اسلم صاحب کا نام گونجنے لگا۔

لیکن مولانا کے جولانِ طبع نے اس پر بس نہیں کیا اور ایک دوسرے میدان میں کود پڑے۔ یہ میدان تھا طب و حکمت کا۔ اپنے استاذِ محترم کی صحبت میں بیٹھتے اور تجربہ حاصل کرتے رہے اور انھی کے مشورہ سے آپ لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں "تکمیل الطب" کا کورس پورا کیا اور ۱۹۵۲ء میں حکمت کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا عملی زندگی میں اُتر آئے اور ایک مطب کر لیا۔ مولانا چونکہ بڑے بڑے علماء و حکماء کی صحبت سے محظوظ ہو چکے تھے، اس لیے آپ کا بڑا تجربہ حاصل تھا اور بحسن وخوبی اسے چلاتے رہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو دستِ شفاء عطا کیا تھا، مریض آپ سے بہت مطمئن رہتے تھے۔

ان ساری مصروفیات کے باوجود مولانا دین کی تبلیغ و اشاعت سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ ملک کے دور دراز علاقوں میں آپ کا اکثر دورہ رہتا تھا، جلسوں میں جا کر آپ دینِ حق کا وعظ و تلقین کیا کرتے تھے، وہ جلسہ بڑا کامیاب مانا جاتا تھا جس میں آپ کی شرکت ہوا کرتی تھی۔ بعض اوقات تو آپ سے تاریخ لینے کے بعد ہی منتظمین جلسہ کی تاریخوں کا تعین کیا کرتے تھے۔ مقامی طور پر بھی آپ نے خدماتِ دین سے اہل محلہ کو بڑا مستفیض کیا۔ آپ نے بچوں کی دینی و عصری تعلیم کی طرف خاص توجہ دی۔ بایں سبب ایک مدرسہ "مدرسہ محمدیہ" کے نام سے شروع کیا اور بحسن وخوبی تاحیات اس کا انتظام سنبھالتے رہے، پڑھائی کا معیار بھی برقرار رکھا اور اس سے ہونے والی آمدنی کو بطور امانت اتنا بڑھایا کہ مدرسہ کی ایک اپنی عمارت کی دیرینہ خواہش کو بھی اپنی زندگی کے آخری دنوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا۔

مولانا کی شخصیت کا ایک عظیم گوشہ ان کی شاعری تھی، آپ ایک عظیم مفکر کے ساتھ ساتھ ایک عظیم شاعر بھی تھے، خوش آواز تو تھے کہ جس محفل میں آپ کوئی حمد یا نعت پڑھ دیتے تو ایک سماں سا بندھ جاتا تھا، سامعین مسحور ہو جایا کرتے تھے۔ آپ کی شاعری حمد و نعت کی صورت میں آپ کی خدا اور اس کے رسول سے والہانہ محبت کی غماز تھی۔

انسانی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک سماجی اور دوسرا خانگی - اکثر اوقات یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر کوئی شخص ایک پہلو پر کامیاب ہے تو دوسرے پہلو پر وہ ناکام نظر آتا ہے - مگر مولانا کی شخصیت کی یہ خوبی رہی ہے کہ آپ نے سماجی حیثیت سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ خانگی معاملات کو بھی بحسن و خوبی انجام دیا - آپ نے دو شادیاں کیں، مگر قرآنی عدل کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کا معترف ان کا گھر بھی تھا اور اہل محلہ بھی -

غرضیکہ مولانا ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے - ملک و ملت نے آپ سے زبردست استفادہ کیا، مگر قانونِ قدرت کے آگے نہ کسی کی چلی ہے نہ چلے گی - ایک متعین مدت تک ہمارے بیچ رہنے کے بعد آپ اس دار فانی سے ۲۸ مارچ ۱۹۸۹ء کو رخصت فرما گئے - اِنَّا لِلّٰہ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون -

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے -

گلزارِ محمدؐ تو دیکھو ...

ڈاکٹر اسلم کانپوری

اک بار ذرا طیبہ جا کر دربارِ محمدؐ تو دیکھو
ہر غنچہ و گل صد رشکِ چمن گلزارِ محمدؐ تو دیکھو

انوار کی بارش ہوتی ہے فیضان کے دریا بہتے ہیں
عرفان کے موتی جھڑتے ہیں، گفتارِ محمدؐ تو دیکھو

نابود جہاں سے بولہبی کا فور جہاں سے تیرہ شبی
سارا عالم جگمگ جگمگ انوارِ محمدؐ تو دیکھو

بجلی چمکی پلکیں جھپکیں تا عرش چلے جا پہنچے،
حیراں ہے ابھی تک چشم خرد رفتارِ محمدؐ تو دیکھو

انساں کے لیے وجہ رفعت، عالم کے لیے وجہِ عظمت
خلقت کے لیے ابرِ رحمت، کردارِ محمدؐ تو دیکھو

انگلی سے ہوئے چشمے جاری سیراب ہوئی امت ساری
مہتاب کا سینہ چاک کیا اسرارِ محمدؐ تو دیکھو

مہتابِ رسالت کے اختر صدیق و عمر عثمان حیدر
اے اہلِ خرد اے اہلِ نظر انصارِ محمدؐ تو دیکھو

فیضانِ رسالت کا اسلم ہر فرد بشر ممنونِ کرم
آلام سہے، آرام دیے، ایثارِ محمدؐ تو دیکھو

•••

باب الفتاویٰ

۱۔ بے نمازی کلمہ طیبہ پڑھنے کے باوجود کافر ہے۔
۲۔ شعبدہ بازوں کے پاس جھاڑ پھونک کا حکم۔

ترتیب و انتخاب: احمد مجتبیٰ سلفی

۱۔ سوال: کیا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

بَيْنَ الرَّجُلِ وَ بَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب ۸)
آدمی اور شرک و کفر کے درمیان (حد فاصل) ترک نماز ہے۔

اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بے نمازی جہنمی ہوگا، اگرچہ وہ "لا إله الا الله" کا اقرار کرتا ہو؟

الجواب: مذکورہ صحیح حدیث کی روشنی میں علماء کا صحیح قول یہی ہے کہ جس شخص نے نماز کی فرضیت کا انکار تو نہیں کیا مگر سستی کی بنا پر نماز چھوڑ دی وہ کافر ہے۔

۔مسند احمد (۵/۳۴۶) اور سنن الترمذی[1] میں ایک حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ
ہمارے اور ان (کفار و مشرکین) کے درمیان نماز ہی حد فاصل ہے پس جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا۔

اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی احادیث آئی ہیں۔ بے نمازی کا "لا إله الا الله" کہنا یا کلمۂ توحید و رسالت کی شہادت دینا اس امر کے منافی نہیں ہے کہ اگر وہ کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جو نواقض اسلام میں سے ہو تو کلمۂ شہادہ کا اقرار اس کی تکفیر سے مانع ہو۔ جیسے وہ اللہ رب العزت یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کا نشانہ بنائے یا دین کا استہزاء کرے، یا نماز کے وجوب کا انکار کرے تو ایسا کرنے والا باجماع امت کافر ہو جائے گا۔ چاہے وہ "لا إله الا الله محمد رسول الله" کا زبانی اقرار ہی کیوں نہ کرتا پھرے، اور نمازیں بھی پڑھتا رہے اور روزے بھی رکھتا رہے۔ اس لیے

[1] کتاب الایمان باب ۹ والنسائی کتاب الصلاۃ باب ۸ وابن ماجہ: اقامۃ الصلوٰۃ باب ۷۷۔

کہ یہ شہادت اس کو اس وقت محفوظ رکھ سکتی ہے جب وہ اس کے تقاضوں کو بھی پورا کرے، کیونکہ ارشادِ نبوی ہے:

أمِرْتُ أنْ أقاتِلَ النّاسَ حتّى يشهدوا أن لا إلٰهَ إلّا اللهُ وَأنّ محمدا رَسُولُ اللهِ ويقيموا الصّلاةَ ويؤتوا الزّكاةَ فإذا فعلوا ذلك عَصَمُوا مِنّي دِمَاءَهُمْ وَأمْوالَهُمْ إلّا بحقِّ الإسلامِ وحِسَابُهُمْ علَى اللهِ.
(صحیح مسلم: کتاب الایمان باب ۸)

مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ "لا إلٰہ إلّا اللہ محمد رسول اللہ" کی گواہی نہ دے دیں اور نماز نہ قائم کریں، اور زکوٰۃ نہ ادا کریں، اگر انھوں نے یہ سب کام انجام دیے تو انھوں نے مجھ سے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیا اِلّا یہ کہ اسلام کا ان پر کوئی حق بنتا ہو، اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

نیز ارشاد ہے:

مَنْ قَالَ "لَا إلٰهَ إلّا اللهُ" وكفر بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللهِ حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ (أخرجه مسلم في كتاب الإيمان)

جس نے "لا إلٰہ إلّا اللہ" کہا اور اللہ کے سوا معبودانِ باطل کا انکار کیا تو اس کے جان و مال کی حرمت ثابت ہوگئی۔

کلمۂ شہادت سب سے افضل کلام ہے، لیکن یہ کلمہ گو کے لیے نہ تو نفع بخش ہے اور نہ ہی اس کے خون اور مال کا محافظ اور دخولِ جنت کا سبب اِلّا یہ کہ اس کلمہ کے حق کو اللہ وحدہٗ لا شریک کے ساتھ خاص کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر اور ہر اس چیز پر جس کی خبر اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے، ایمان لائے اور اس اعتقاد اور قول و فعل سے اجتناب کرے جو خروج عن الدین کا سبب ہو۔

اگر کسی عقیدہ یا عمل کے بغیر یہ کلمہ فائدہ مند اور کافی ہوتا تو منافقین نجات یافتہ لوگوں میں سے ہوتے۔ اس لیے کہ ان کی زبانوں پر یہ کلمہ جاری تھا۔ پھر بھی اللہ رب العزت نے ان لوگوں کے بارے میں بتلایا ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

یہ بڑا اہم مسئلہ ہے کہ جس میں بہت سارے لوگوں نے غلطی کی ہے۔ اس لیے اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اس مسئلہ کی اس طرح وضاحت کریں کہ مسلمانوں کو اس باب میں بصیرت حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے

احوال درست فرمائے اور انھیں تفقہ فی الدین کی نعمت سے سرفراز فرمائے ، اور ان کے رہنماؤں کو صحیح راستہ کی توفیق دے۔

۲۔ سوال : بعض لوگ اپنے مرگی زدہ مریضوں کو جھاڑ پھونک کرنے والوں کے پاس لے جاتے ہیں۔ یہ جھاڑ پھونک کرنے والے عجیب وغریب حرکتیں کرتے ہیں ، مریض کو چند لمحے لوگوں کی نظروں سے دور کردیتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اس پر جن کا اثر ہوگیا ہے یا اس پر جادو کردیا گیا ہے ۔ ایسے لوگوں کے پاس علاج کرانے کا کیا حکم ہے؟ نیز ان تعویذوں کے ذریعہ علاج کا کیا حکم ہے جن میں قرآنی آیات لکھی جاتی ہیں ، پھر انھیں پانی میں گھول کر مریض کو پلایا جاتا ہے ۔؟

الجواب : قرآنی آیات یا جائز دواؤں کے ذریعہ مرگی زدہ اور آسیب زدہ مریضوں کا علاج کرانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ علاج کرانے والا صحیح عقیدہ وعمل کا پابند ہو ۔ لیکن ان لوگوں کے پاس علاج کرانا جائز نہیں جو علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں اور جنوں کو حاضر کراتے ہیں ، نہ ان کے عقیدے کا حال معلوم ہو اور نہ ان کے علاج کی کیفیت کا ۔ ایسے لوگوں کے پاس نہ جانا جائز ہے اور نہ ان کے پاس علاج کرانا ، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :

مَنْ أَتَىٰ عَرَّافاً ، فسأله عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أربعينَ يَوماً (اخرجه مُسْلم: کتاب السلام باب ۳۵)

جو آدمی نجومیوں کے پاس جائے اور ان سے کسی چیز کے بارے میں پوچھے ، اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی ۔

نیز ارشادِ گرامی ہے :

مَنْ أَتَىٰ عَرَّافاً أَوْ كاهناً فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ محمدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اخرجه الامام أحمد و اصحاب السنن باسناد جيد)

جو آدمی نجومیوں یا کاہنوں کے پاس جائے اور ان کی باتوں کی تصدیق کرے وہ محمد پر نازل شدہ دین کا منکر ہوگیا ۔

اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو سب کا سب نجومیوں اور کاہنوں کے پاس جانے اور ان سے سوال کرنے کی حرمت پر دال ہیں ۔ یہ نجومی اور کاہن لوگ علم غیب کا دعویٰ رکھتے ہیں ، یا جنوں سے مدد لیتے ہیں۔

انہی لوگوں کے بارے میں وہ مشہور حدیث وارد ہوئی ہے جو حضرت جابر سے مروی ہے۔

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّشْرَةِ؟ فَقَالَ: هِيَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے "نشرۃ" کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ شیطانی کام ہے۔

(رواہ احمد وابوداؤد باسناد جید)

علماء نے نشرہ "کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ایام جاہلیت میں جادو کا اثر ختم کرنے کے لیے جادو ہی کی طرح کا ایک عمل کیا جاتا تھا، نیز ہر وہ علاج جو نجومیوں یا کاہنوں یا شعبدہ بازوں اور جھاڑ پھونک کرنے والوں کے پاس ہو، اسی "نشرۃ" کے حکم میں داخل ہے۔

ہر قسم کی بیماریوں کا علاج شرعی اور جائز طریقوں سے ہونا چاہیے، جیسے مریض پر قرآنی آیات اور ماثور دعاؤں کا پڑھنا اور پھونکنا، وغیرہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا۔ اگر جھاڑ پھونک کے اندر شرک نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(رواہ مسلم فی کتاب السلام باب ۲۲)

قرآنی آیات اور ماثور دعاؤں کو پاک و صاف برتن یا کاغذ میں زعفران یا کسی چیز سے لکھ کر مریض کو پلانے میں کوئی حرج نہیں۔ بہت سے سلف صالحین سے بھی یہ عمل منقول ہے جیسا کہ علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں بیان کیا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس طرح کے اعمال کرنے والے صحیح عقیدہ و عمل کے ساتھ جانے جاتے ہوں۔

(افادات شیخ عبدالعزیز بن باز مفتی اعظم سعودی عربیہ شائع شدہ ("الدعوۃ" ۲۱/۳/۱۴۱۰ھ)

باقی صد۵ کا:

کا استعمال کیا، اس نے اللہ کی توفیق میں سے اپنا حصہ لیا اور ابواب جہنم کو اپنے اوپر مسدود کردیا اور اپنے اوپر رحمت کے دروازوں کو کھول دیا، اور قریب ہے کہ اس دوا کے انجام پر موت کے وقت تعریف کے قابل ہو، کیونکہ موت کے وقت متقیوں کی تعریف کی جاتی ہے۔

عالم اسلام

جاپان میں اسلامی سرگرمیاں

تاریخی حیثیت سے یہ عجیب بات ہے کہ چین میں تو اسلام پہلی ہی صدی ہجری میں پہنچ گیا تھا مگر جاپان میں پہنچتے پہنچتے بارہ صدیاں بیت گئیں ۔ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے جاپان میں پہلا شخص انیسویں صدی کے اواخر میں مسلمان ہوا ۔ اس کا نام احمد اریجا تھا ، پھر الحاج عمر یاماوکا پہلے جاپانی مسلمان تھے جنھوں نے حج کیا ۔ یہ ۱۹۰۹ء کا واقعہ ہے ۔ یہاں موجودہ صدی میں اشاعت اسلام کی کئی کوششیں ہوئیں ۔ ۱۹۰۷ء میں مصر کے مشہور داعی صحافی علی احمد جرجاوی جاپان وارد ہوئے ۔ پھر ۱۹۰۹ء میں روس کے مفتی عبدالرشید ابراہیم نے اسے رونق بخشی ، پھر عبدالحیٔ قربان تشریف لے گئے ۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہاں مسلمانوں کی ایک جمعیۃ فراہم ہو گئی تو ۱۹۳۵ء میں ٹوکیو کے اندر جاپان کی پہلی مسجد تعمیر ہوئی جو اب تک موجود ہے ۔ ۱۹۵۶ء سے ہندوستان و پاکستان کی تبلیغی جماعت کے وفود جاپان پہنچنا شروع ہوئے ۔

ادھر جاپانی مسلمان جنھوں نے دوسری جنگ عالمگیر کے زمانہ میں چین ، ملایا اور انڈونیشیا میں اپنے قیام کے دوران اسلام قبول کر لیا تھا جاپان واپس آئے ، کے بعد ۱۹۵۲ء میں جمعیۃ المسلمین جاپان کے نام سے اپنی پہلی تنظیم قائم کی ، پھر ۱۹۶۱ء میں جاپانی اور غیر جاپانی مسلم طلبہ کی ایک ملی جلی جمعیۃ الطلبہ قائم ہوئی اور باہمی تعاون کے ساتھ اسلامی کاز کو آگے بڑھانے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے کئی رسالے شائع کیے اور ایک پرچہ بھی جاری کیا اسباق اور لیکچروں کا بھی انتظام کیا اور مسلم طلبہ کو اسلامی ممالک میں اعلیٰ دینی تعلیم دلوانے کے لیے بھیجنے کی کوشش کی ۔

۱۹۶۶ء میں ایک اور تبدیلی ہوئی ۔ تمام مسلم جمعیتوں کو ملا کر ایک اسلامی مرکز کا قیام عمل میں آیا جو کچھ عرصہ تو خاصا سرگرم رہا ، لیکن بیرونی طلبہ کے رخصت ہوتے ہی اس پر اضمحلال طاری ہو گیا ۔ پھر ۷۰ء کی دہائی کے آغاز میں پاکستان سے محمد جمیل صاحب تشریف لے گئے اور طلبہ کے ساتھ تعاون شروع کیا تو ایک بار پھر سرگرمی آئی ، لیکن

(باقی صد ۳۶ پر)

بحرین میں قرآنیات پر ایک عالمی اسلامی مرکز کا قیام

بحرین کے دارالحکومت منامہ میں جو خلیج عربی کے نہایت ترقی یافتہ خطہ میں واقع ہے بیت القرآن کے نام سے ایک نمائندہ عالمی اسلامی کمپلکس کا قیام مکمل ہو چکا ہے، یہ ادارہ اپنے عظیم تہذیبی فکرہ کے لحاظ سے پوری دنیا کا پہلا ممتاز ترین مرکز ہے، اس کمپلکس کی تعمیر اس خیال کے ساتھ کی گئی ہے تاکہ یہ قرآن کریم کے عظمت وجلال اور مسلمانوں کے نزدیک اس کے بلند ترین مقام کے شایان شان ہو سکے، اس میں قرآن کی تعلیم اس کی ترتیل و تجوید اس کے جامع مراجع تمام ادوار تاریخیہ کے ریکارڈ نوع بہ نوع مصاحف اور نادر قرآنی مخطوطات کا انتظام ہوگا، ڈاکٹر عبداللطیف کانو جو بیت القرآن کی مجلس تاسیسی کے رکن اور اس مشروع کے فکرہ کے موجد ہیں فرماتے ہیں کہ: بیت القرآن کا اساسی فکرہ اسلامی تہذیب وثقافت اور دین اسلامی کے تاثرات سے ابھرا ہے جو ہم پر یہ فریضہ عائد کرتے ہیں کہ ہم اپنے عظیم قیمتی مقدسات کا تحفظ کریں، مجرد ذخیرہ کرنا ہمارا مقصود نہیں، ہم چاہتے ہیں کہ یہ کمپلکس فکری وروحانی طور پر اپنے عظیم علم وحکمت سے معمور اسلامی تہذیب کے ترقی یافتہ اصیل ادوار سے مربوط ہونے کے ساتھ جمع واستفادہ اور تعمیر وتکوین کے اعتبار سے ترقی یافتہ جدید تہذیب سے بھی مربوط ہو، اس کی تعمیر ترقی یافتہ اسلامی فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے جس میں جدید فن تعمیر، ترقی یافتہ تکنک اور اصیل اسلامی فن تعمیر کا حسین سنگم ہے، اس تعمیر کی اصل بنیاد سادگی و پرکاری اور بامقصد جمالیاتی تزیین ہے، کمپلکس کی دیواروں میں ایسے لوحات کو فٹ کیا گیا ہے جن میں آیات قرآنی کندہ ہیں جن سے شب نزول قرآن اور پہلی [illegible] کا پتہ چلتا ہے نیز ایسی آیات بھی ہیں جن سے قرآن کی عظمت شان نمایاں ہوتی ہے اور سورہ حشر کی بنیاد پر اسماء حسنیٰ سے اس کی تکمیل کی گئی ہے، اس سے عمارت کو وہ روحانی جاذبیت حاصل ہو گئی ہے جو دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہے۔

بیت القرآن ایک مستقل دینی علمی ادارہ ہے کسی معین ادارہ یا حکومت یا جمعیۃ سے اس کا ربط نہیں بلکہ فی الواقع اس کا ربط عمومی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان کو قرآن کریم سے ربط کا احساس ہو، اسلئے اس مشروع کے قیام وبقا کا واحد راستہ مسلمانوں کا تعاون ہے اور اس کا بجٹ چونتیس لاکھ بحرینی دینار یعنی چونتیس ملین سعودی ریال تک پہونچ چکا ہے، یہ ساری رقم خلیجی ممالک کے اصحاب خیر واحسان سے حاصل ہوتی ہے لیکن مشروع کو ابھی چوتھائی ملین دینار بحرینی یعنی ۵ر۳ ملین سعودی ریال کی ضرورت ہے جس سے مختلف کمپنیوں اور اداروں کے حسابا چکاتے ہیں جنہوں نے بیت القرآن کی تعمیر میں تعاون کیا تھا۔

یہ کمپلکس پانچ اہم عماراتی بازؤں پر مشتمل ہے یعنی مسجد، عجائب گھر، مکتبہ، سماعت ھال اور مدرسہ، عجائب گھر کا نام متحف الحیاۃ رکھا گیا ہے اس کے آٹھ ہال ہیں اس میں قرآنی نوادر ونفائس مخطوط ومطبوع اور مختلف اعصار میں معانی قرآن کے تراجم اکٹھا کئے گئے ہیں، مکتبہ جس کا نام مکتبۃ الفرقان ہے چالیس ہزار کتابوں پر مشتمل ہے تجویز ہے کہ یہ کتابیں تین زبانوں عربی، انگریزی اور فرانسیسی کی ہوں توقع ہے کہ قرآنیات پر تحقیق کے لئے یہ مکتبہ ایک اہم مرکز کی حیثیت رکھے گا، سماعت ہال ایک سو پچاس کرسیوں پر مشتمل ہے جو سمعی و بصری آلات سے مزین ہے یہ ہال بین الاقوامی کانفرنسوں کی میزبانی بھی کرسکتا ہے۔ بیت القرآن سے بحرینی، خلیجی اور عالمی میار سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، اس کا تعلق تمام مراکز تحقیقات اور دنیا کے مختلف عجائب گھروں سے ہوگا تاکہ اسلامی مخطوطات کے نفائس کو مشترکہ نمائشوں کے ذریعہ دنیا کے ممالک میں پیش کیا جاسکے، ہم دنیا کے مختلف ممالک کے طلاب اور باحثین کو قرآنی تحقیقات کے لئے خوش آمدید کہتے ہیں، بیت القرآن سے دعوت ودعاۃ کا بھی گہرا ربط ہوگا، بیت القرآن کا افتتاح رمضان المبارک میں ہونے والا تھا لیکن اب کسی قریبی فرصت میں انشاء اللہ اس کا افتتاح ہو جائے گا۔

(جریدۃ الدعوۃ الریاض)

ماہنامہ

بنارس

شمارہ ۲	فروری ۱۹۹۰ء • رجب المرجب ۱۴۱۰ھ	جلد ۱۳

اس شمارہ میں

•

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۲۱ جی ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ تیس روپے ، فی پرچہ تین روپے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درسِ قرآن

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار الفریوائی

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ

بری چال کا نقصان اس کے کرنے والوں کو ہوتا ہے

(سورہ فاطر: ۴۳)

دھوکہ، مکر، فریب اور چالبازی، منافقین کی ترپ چال اور ان کا آزمودہ نسخہ ہے۔ اللہ رب العزت کا منافقین کے بارے میں ارشاد ہے: یخادعون اللہ وھو خادعھم (النساء: ۱۴۲) وہ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ اللہ انہیں دھوکہ دینے والا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی سرکشی اور مکر و فریب پر بروقت گرفت نہ کرکے دنیا میں سرکشی کا موقع فراہم کرے گا بلکہ مادی و اجتماعی طور پر ان کو آسودہ و خوشحال بنائے گا، اور آخرت میں ان بدقماشوں کا محاسبہ کرکے واصل جہنم کرے گا۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (سورۃ النساء: ۱۴۵)

مکر و فریب چاہے جس طبقہ سے رونما ہو وہ بہت بڑی برائی اور عیب کی چیز ہے، جس کا انجام اچھا نہیں، آج ہمارے معاشرے میں نفاق کا دور دورہ ہے۔ اہل علم نے نفاق کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے: الذی یصف ولا یعمل بہ۔ جو زبانی جمع خرچ کرے اور عمل سے کورا ہو۔ عام مسلمان بے عملی کا شکار ہے، مسلمانوں کی مختلف سطح پر نمائندگی کرنے والوں اور رہنمائی و قیادت کے کاموں کو انجام دینے والا ٹولہ، مسجد و مدرسہ، اوقاف اور مختلف اداروں سے ہوتا ہوا، مجالس قانون ساز، عدلیہ اور صوبائی اسمبلیوں اور پارلیمنٹ تک پہنچتا ہے، تمام طبقوں، اور مذاہب سے قطع نظر جب ہم اپنے قوم کے قائدین اور معماروں کے اخلاق و کردار اور نفاق کو دیکھتے ہیں تو بلا ساختہ منافقین کا کردار ذہنوں میں گھوم جاتا ہے، ملی تقاضوں، قومی مسائل اور اسلامی کاز کو مضبوط کرنے کے نام سے جتنی مکر و فریب کی چالیں چلی جارہی ہیں، ان کا صحیح تصور بھی ناممکن ہے، ہمیں غیروں سے شکایت سے پہلے اپنوں سے یہ گلہ اور شکوہ ہے کہ

ہمارا پورا کا پورا نظامِ عمل، نفاق اور دھوکہ پر مبنی ہے، جس کے نتیجہ میں ملت دن بہ دن روبہ زوال ہے۔ دنیا کے یہ ماہ و سال کسی نہ کسی طرح گزر ہی جائیں گے، اصل مسئلہ بعد میں آنے والی زندگی اور یومِ حساب کا ہے، جہاں زبانیں گنگ ہوں گی اور دوسرے اعضاء و جوارح کو قوتِ گویائی حاصل ہو جائے گی اور اتنی ساری شہادتوں کے بعد نامۂ اعمال جب ہاتھ میں آئے گا تو اللہ کو دھوکہ دینے والوں پر حقیقت طشت ازبام ہو جائے گی اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ مکر و فریب کا پردہ چاک ہو چکا ہے۔ نامۂ اعمال کی سیاہی سے مستقبل تاریک ہے۔ اس کے برخلاف اہلِ ایمان اپنے صحیح عقائد و اعمالِ صالحہ کے ساتھ رب کی عدالت میں حاضر ہوں گے اور رب کی بخشش کے لیے یہی اندوختہ بہانے کا کام دے گا اور نامۂ اعمال کا نور برزخ سے لے کر حشر تک بہترین مستقبل کا ضامن ہوگا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر طرح کے شر او رفتنہ سے محفوظ رکھے اور ہماری صلاحیتوں کو دین و ملت کی خدمت اور تعمیرِ آخرت کے لیے مفید بنائے۔

●●●

اصحابِ قلم سے۔

ماہنامہ محدث ایک جماعتی و ملی، دینی و علمی اور تحقیقی مجلہ ہے جو ایک عرصہ سے دینی و ملی اور ثقافتی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمیں کئی اصحابِ قلم اور اصحابِ فکر و دانش سے تعاون ملتا رہا ہے لیکن نئے حالات اور مسائل جس تیز رفتاری سے سامنے آ رہے ہیں، ان کے پیش نظر ہم ان اصحابِ فکر و نظر کو دعوتِ تحریر دے رہے ہیں جو دینِ حنیف کے مخلص حامل ہونے کے ساتھ بدلتے وقت کے نبض شناس ہوں ہم کتاب و سنتِ صحیحہ کی روشنی میں عصرِ حاضر کے مسائل پر مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے آپ حضرات سے تعاون کی اپیل کرتے ہیں۔

(ادارہ)

درسِ حدیث

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار الفریوائی

صلہ رحمی بجوابِ قطع رحمی

عن ابی ھریرۃ أن رجلا قال: یا رسول اللہ! ان لی قرابۃ، اصلھم ویقطعونی وأحسن الیھم ویسیئون إلیّ، واحلم عنھم ویجھلون علیّ، فقال: لئن کنت کما قلت فکانما تسفھم الملّ، ولا یزال معک من اللہ ظھیر علیھم مادمت علی ذلک (رواہ احمد ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرتا ہوں اور وہ میرے درپئے آزار رہتے ہیں۔ میں ان سے وفا کرتا ہوں اور وہ مجھ سے جفا کا معاملہ کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اپنے اس قول کے مطابق ہو تو گویا تم ان کے چہرے میں کالک لگا رہے ہو اور جب تک تم اس روش پر رہو گے ان پر تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ ایک مددگار رہے گا۔

مذکورہ حدیث میں صحابیِ رسول نے جس معاشرتی الجھن کا ذکر کیا ہے وہ انسانی معاشرہ کی بہت بڑی الجھن ہے۔ ہمارے معاشرہ میں قطع رحمی کے عام چلن کی وجہ سے جو بگاڑ اور خرابی کی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں اس پر سنجیدگی سے غور و خوض کی ضرورت ہے اور اس کے ازالہ کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنے کی فوری ضرورت ہے۔

صلہ رحمی کے پیچھے اگر دینی جذبہ کارفرما ہو اور آخرت پر انسان کی نظر ہو تو قطع رحمی سے ایک اچھا مسلمان بددل نہیں ہوگا، اس حدیث میں قطع رحمی کا جواب صلہ رحمی سے دینے والے کو اس اچھے عمل پر اللہ کی مدد اور نصرت و توفیق کی خوشخبری ہے۔ متعدد احادیث میں قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی کا واضح حکم بھی دیا گیا ہے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا کہ اے عقبہ بن عامر! جو شخص

تمھارے ساتھ قطع رحمی کرے، تم اس کے ساتھ صلۂ رحمی کرو اور جو تم کو محروم کردے تم اس کو نوازو، اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کردو۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صلۂ رحمی سے محبت، مال ومتاع اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے، رزق کشادہ ہوتا ہے۔

ایک عام انسان اگر ان فرمودات پر غور کرے تو صلۂ رحمی کے ذریعہ اپنی دنیا اور آخرت کے سنوارنے کا کام بہت اچھے طریقہ سے کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اعزہ واقربا اور رشتہ داروں کے حقوق وواجبات کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

●●●

ابنائے جامعہ سلفیہ توجہ فرمائیں!

آپ کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ جامعہ سلفیہ نے اپنے جملہ فضلاء کے احوال قریبی فرصت میں مرتب کرانے کا منصوبہ تیار کیا ہے، تاکہ ادارہ کی تاریخ کا یہ اہم پہلو محفوظ ہوسکے۔ اس سلسلے میں ادارہ کو آپ کے فوری اور مثبت تعاون کی ضرورت ہے۔ امید کہ توجہ فرمائیں گے۔

درج ذیل سوالوں کے مفصل جواب تیار کرکے اولین فرصت میں ذیل کے پتہ پر ارسال فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ والسلام۔

(۱) نام (۲) ولدیت (۳) تاریخ پیدائش (۴) مستقل پتہ (۵) ادارے جہاں تعلیم حاصل کی۔ (۶) فراغت کہاں اور کب ہوئی؟ (۷) تصنیف وتحقیق وترجمہ کا کام (۸) تدریس کہاں اور کب سے؟ (۹) تبلیغ کے میدان کی سرگرمی (۱۰) سماجی و رفاہی خدمات۔

پتہ:-

محمد مستقیم سلفی

معرفت جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس - ۲۲۱۰۱۰

افتتاحیہ

خواب اکیسویں صدی کا تعبیر اکیسویں صدی قبل مسیح کی

دسمبر ۱۹۶۳ء، بھونیشور کی ایک افسران کی میٹنگ میں پنڈت جواہر لال نہرو نے" ہندو فرقہ پرستی کے متعلق خطرے کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔

"آپ کے اعصاب پر کمیونزم اور کمیونسٹ سوار ہیں۔ آخر وہ کیا چیز ہے جو اس ملک کے لیے کمیونسٹ کر سکتے ہیں اور ہم نہیں کر سکتے"۔ اس کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر پنڈت جی نے دھیرے دھیرے اور پورے غور و فکر کے بعد جواب دیا: "دیکھیے! ہندوستان کو خطرہ کمیونزم سے نہیں، ہندو فرقہ پرستی سے ہے"۔ یہی بات میٹنگ کے اخیر میں بھی انہوں نے دہرائی۔ (مسلم انڈیا مارچ ۱۹۸۸ء)

سابقہ حکومت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی نے بھی ۴ / اپریل ۱۹۸۷ء کو لوک سبھا میں فرقہ پرستی کے خلاف بڑے صاف انداز میں تقریر کی تھی جس کے کچھ اہم حصے درج ہیں۔

"ہمارے کون سے اقدام فرقہ وارانہ جذبات کو فروغ دیں گے اور کن اقدامات سے اقلیتیں قومی دھارے میں شامل ہوں گی، اس کے لیے ہمیں مثبت اقدام کرنے ہیں۔ ایک فاضل ممبر نے ایوان میں برہم ہو کر فرقہ پرستی کے خلاف سخت جذباتی تقریر کی لیکن اگر وہ اپنے پچاس ہزار لوگوں کو بوٹ کلب یا پارلیمنٹ پر لا کر ان کے پچاس ہزار خاکی پھٹوں کو نذر آتش کروا دیتے تو میں اسے زیادہ اچھا سمجھتا۔ (بوٹ کلب نئی دہلی پر بی جے پی کی ریلی کی طرف اشارہ ہے) یہی اقدامات (ریلی) ملک کے ٹوٹنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ میں حزب اختلاف کے دوستوں سے گزارش کروں گا کہ وہ اپنی سیاست کی بنا مذہبی کٹرپن پر نہ رکھیں۔ فرقہ پرستی کے مقابل دوسری فرقہ پرست قوت کو کھڑا کر کے فرقہ پرستی کا خاتمہ ممکن نہیں۔ ہمیں بنیاد پرستی کو ایک کنارے کرنا ہوگا۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم مذہب اور سیاست کو

علیحدہ کریں، انھیں ایک پلیٹ فارم پر نہیں آنے دینا چاہیے۔ (مسلم انڈیا جون ۱۹۸۷ء)

جون ۱۹۸۸ء میں دورہ غیر ملکی دورے کے وقت سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی نے قضیۂ افغانستان کے متعلق تمام غیر ملکی سربراہوں اور اخباری نامہ نگاروں سے بنیاد پرستی ہی کے خلاف گفتگو کی تھی، نیویارک میں انھوں نے اس خطرہ کا اظہار کیا تھا کہ افغانستان میں اسلامی بنیاد پرستی کا فروغ اور مسلم گوریلوں (مجاہدین) کا عروج اس خطہ میں عدم استحکام پیدا کرے گا اور خاص طور سے ہندوستان اس صورتحال سے بہت متاثر ہوگا۔ نیویارک ٹائمز کو دیے گئے اپنے انٹرویو میں انھوں نے کہا تھا:

"پہلے ہی ایران میں ایک بنیاد پرست حکومت قائم ہے اور اب اگر افغانستان میں ایک دوسری بنیاد پرست حکومت قائم ہوگئی تو یہ خطہ عدم استحکام کا شکار ہو جائے گا۔" مغربی جرمنی بون کی ایک پریس کانفرنس میں انھوں نے کہا تھا، اگر ایک جنونی اور بنیاد پرست حکومت افغانستان میں برسرِ اقتدار آگئی تو اس سے بدتر اور کوئی دوسری صورتحال نہیں ہو سکتی۔ ہم ایک ایسا افغانستان دیکھنا چاہتے ہیں جو غیر جانبدار ہو اور کسی بھی لحاظ سے بنیاد پرست نہ ہو۔ (سہ روزہ دعوت ۱۶ر جون ۱۹۸۸ء)

سابق وزیر اعظم نے حصول اقتدار کے بعد ملک کو تیز رفتاری سے اکیسویں صدی میں لے جانے کا نعرہ دیا تھا اور یہاں کے لوگوں کو نئی سیاسی و اقتصادی روشنی میں لانے کے عزم کا اظہار کیا تھا، ملک اور بیرون ملک فرقہ پرستی اور بنیاد پرستی کے خلاف ان کے بیانات کو ہندوستان کے عام لوگ اکیسویں صدی ہی کی روشنی میں دیکھتے رہے، لیکن عملی طور پر انھوں نے اکیسویں صدی کا افتتاح جن اعمال اور کارناموں سے کیا ہے، ان کا تعلق درحقیقت مستقبل کی اکیسویں صدی سے نہیں بلکہ اکیسویں صدی قبل مسیح سے ہے۔

سابق وزیر اعظم نے دریائے گنگا کو اہل ہند کی قدیم تہذیب کی علامت قرار دیا اور اسے گندگی سے پاک کرنے کے لیے اربوں روپے کا منصوبہ مخصوص کیا، سرکاری ٹی وی پر رامائن اور مہابھارت کے اساطیر پر بنائی گئی فلموں کی نمائش کی گئی۔ اعلان کیا گیا کہ بچوں کو اپنی قدیم تہذیب سے آگاہ ہونا چاہیے اور اس کے لیے رامائن کا خلاصہ اسکولوں میں پڑھایا جانے لگا اور حالیہ الیکشن میں راجیو گاندھی نے فیض آباد میں انتخابی مہم کا آغاز اس اعلان کے ساتھ کیا کہ: صرف اندرا کانگریس ملک میں رام راج واپس لا سکتی ہے اور اگر لوگ ملک میں رام راج چاہتے ہیں تو وہ اندرا کانگریس کو ووٹ دیں۔ انھوں نے فیض آباد اور اجودھیا سے انتخابی مہم کے آغاز کی وجہ بتائی کہ:

یہ دھرتی بہت پوتر ہے، اس کی دھارمک اور سانسکرتک اہمیت ہے۔ جب ہم ماضی کی طرف دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب اسی دھرتی کی پیداوار ہیں۔ اجودھیا کا تعلق بھگوان رام کی پیدائش سے ہے۔ کبیر اور جائسی بھی اس کے نواحی علاقوں کی پیداوار تھے۔" (سہ روزہ دعوت، ۲ر نومبر ۱۹۸۹ء)

دہلی میں رام مندر کے تعلق سے اعلان کیا گیا کہ: آراضی متنازعہ ہے لیکن وہ مقام متنازعہ نہیں، جس پر مندر کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بنیاد حکومت کی مرضی سے رکھی گئی۔ راجیو گاندھی ۶ر نومبر کو ڈیڑھ گھنٹہ تک وندابن کے بے ستر بابا دیوراہا کے پاس رہے، جس نے راجیو سے کہا تھا کہ ان کو وشو ہندو پریشد کے منصوبہ کے مطابق ہی شلانیاس کی حمایت کرنی ہوگی۔ ان کے نمائندے بعد میں بھی بابا سے رابطہ قائم رکھے رہے۔ اجودھیا کے واقعات انھیں ملاقاتوں کا نتیجہ ہیں۔ بابا نے ہدایات دیں اور وزیراعظم نے سرجھکا کر ان کو سنا اور عمل کیا۔ بابا نے خود کہا کہ راجیو کو میرا آشیرواد حاصل ہے، اور یہ کام انھوں نے کروالیا۔ مچان پر بیٹھے بیٹھے بابالات سے سر پر آشیرواد دیتے ہیں اور یہ خوش قسمت لوگوں کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ خود وشو ہندو پریشد کے جنرل سکریٹری کا بیان ہے کہ اس تمام کام میں افسر شاہی اور حکومت کو گہری دلچسپی رہی ہے۔" (سہ روزہ دعوت بحوالہ انڈین ایکسپریس ۱۴، ۲۱ر نومبر ۱۹۸۹ء)

فرقہ پرستی اور بنیاد پرستی کے متعلق ملک اور بیرون ملک سابق وزیراعظم کے مذکورہ بیانات کو ان کے اعمال اور کارناموں کے ساتھ ملا کر دیکھیے جو ان کی حکومت نے اندرون ملک انجام دیے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنیاد پرستی اور فرقہ پرستی کا معنی ان کی ڈکشنری میں وہ نہیں ہے، جسے دنیائے انسانیت عام طور پر جانتی ہے۔ کسی فرقے کا اپنا جائز حق مانگنا، فرقہ پرستی نہیں بلکہ عین عدل و انصاف ہے۔ البتہ کسی فرقے کا جائز حق کسی دوسرے فرقے کو ناجائز طریقہ پر پوری ڈھٹائی کے ساتھ دے دینا فرقہ پرستی ہے۔

ہمیں سخت افسوس ہے کہ ہندوستان کی عدلیہ، پارلیمنٹ اور حکومت کے بے پناہ اختیارات کی سخت توہین کرتے ہوئے سابقہ حکومت نے کروڑوں روپیے صرف کرکے ایک بے ستر بابا کے لات آشیرواد کے نام پر کھائے اور سب کو کالعدم کر کے اس کے حکم کی تابعداری کی اور ناانصافی کی ٹیڑھی اینٹ پر رام راج یا ہندو راشٹر کی عمارت تعمیر کرنے کی راہ ہموار کر دی۔ مزید افسوس ہمیں اس بات پر بھی ہے کہ پوری دنیا میں فرقہ پرستی اور بنیاد پرستی کے خلاف بیانات دینے والی یہ حکومت جب خود اسی راستہ پر چل پڑی تو عام انسانی برادری کی تنبیہات کو اس نے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا نام دے کر شتر مرغ کی مانند اپنا سر مغالطے کی ریت میں چھپالیا۔ پوری دنیائے انسانیت کا ہر صاحب ہوش و خرد انسان یہ جانتا ہے کہ حق و صداقت

اور عدل وانصاف کی کوئی جغرافیائی سرحد نہیں ہوتی ۔ خود اندرون ملک کے زندہ ضمیر اور دور اندیش افراد نے سابقہ حکومت کے اعمال و کردار کو آگ سے کھیلنے کے مترادف قرار دیا ہے ۔ سپریم کورٹ کے سابق جج کرشن آیر نے قضیہ بابری مسجد و رام جنم بھومی کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ : حالات کو بگاڑنے کی ذمہ داری عدلیہ کے ساتھ حکومت پر بھی عائد ہوتی ہے ۔ حکومت ہر قسم کی اشتعال انگیزی اور کشیدگی میں روز افزوں اضافہ کی خاموش تماشائی بنی رہی ۔ اسے اعتراف جرم ہی کہا جائے گا ۔ ماہر قانون سولی سوراب جی نے سابقہ حکومت کو متنبہ کیا تھا کہ وہ آگ سے کھیل رہی ہے ۔ بھارتیہ سنت سماج کے صدر گورو شنکر آچاریہ سرسوتی آف کانچی پورم اور دوسرے سات دھارمک گوروؤں نے رام مندر کے سنگ بنیاد کی مذمت کی ہے اور اسے ہندو دھرم کی خلاف ورزی قرار دیا ہے ۔ انگریزی اور ہندی جرائد و مجلات میں بے شمار تحریریں ایسی شائع ہوئیں جن سے وشو ہندو پریشد سادھو سنتوں اور سابقہ حکومت کے درمیان قضیۂ بابری مسجد وغیرہ مسائل میں پیشگی منصوبہ بندیوں کا علم ہوتا ہے ۔ روزنامہ اسٹیٹسمین دہلی نے ۱۱ر نومبر ۱۹۸۹ء کے اداریہ میں لکھا کہ :

”نیم فسطائی قوتوں نے مروجہ نظام کی نافرمانی کا جو مظاہرہ کیا ہے، اس سے ان کا ہندو راشٹر کا مقصد تو فوراً حاصل نہیں ہوگا۔ لیکن اس نے لازمی طور پر اس کی مخالفت کرنے والی قوتوں کی ناطاقتی کو سب پر عیاں کر دیا ہے ۔“

گزشتہ سطروں میں جو کچھ پیش کیا گیا وہ ماضی کی ایک حکومت کا حشر اعمال ہے ۔ اگر ہم تاریخ کو رب العلمین کا ایک دستور نظام کائنات مان لیں تو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں لگے گی کہ قدرت نے حق و صداقت کے میزان پر اس حکومت کے اعمال کو وزن کر کے مسترد کر دیا ہے اور برسر اقتدار آنے والی حکومتوں اور ہندوستانی قوم کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ ایسا کھیل کھیلنے کی کوشش ہرگز نہ کریں، جس کے زہریلے نقش تاریخ کبھی نہ مٹا سکے اور جس کا انجام ہمیشہ کی طرح تباہی و بربادی کی شکل میں نمودار ہو ۔ ●●●

ایک روایت : زینب بنت جحش سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ! ہم میں صالح لوگ موجود ہوں گے پھر بھی ہم ہلاک و برباد کر دیے جائیں گے ؟
آپ نے فرمایا : ہاں ! جب برائیاں بھلائیوں سے فزوں تر ہو جائیں گی ۔ (بخاری)

خزاں کے دور سے پہلے اگر بہار پرست
بدل سکے نہ تقاضائے چمن تو کیا ہوگا !

گاہے گاہے باز خواں

امام الہند علامہ ابوالکلام آزادؒ

مسلمانانِ ہند اور نظامِ جماعت

ہمارے لیے اصلی سوال اب یہ نہیں رہا ہے کہ گورنمنٹ کو کیا کرنا تھا۔ صرف یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟
اس بارے میں مسلمانوں کے لیے راہ عمل ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک ہی ہے۔ یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اس معصیت سے باز آجائیں جس میں ایک عرصے سے مبتلا ہیں اور جس کی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے ان پر بند ہوگئے ہیں۔

"جماعتی زندگی کی معصیت" سے مقصود یہ ہے کہ ان میں ایک "جماعت" بن کر رہنے کا شرعی نظام مفقود ہوگیا ہے وہ بالکل اس گلے کی طرح ہیں جس کا انبوہ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر ہوکر گم ہوگیا ہو۔ وہ بسا اوقات یکجا اکٹھے ہوکر اپنی جماعتی قوت کی نمائش کرنی چاہتے ہیں۔ کمیٹیاں بناتے ہیں، کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں، لیکن یہ تمام اجتماعی نمائشیں، شریعت کی نظروں میں "بھیڑ" اور "انبوہ" کا حکم رکھتی ہیں "جماعت" کا حکم نہیں رکھتیں۔ "بھیڑ" اور "جماعت" میں فرق ہے۔ پہلی چیز بازاروں میں نظر آجاتی ہے، جب کوئی تماشہ ہو رہا ہو۔ دوسری چیز جمعہ کے دن مسجدوں میں دیکھی جاسکتی ہے، جب ہزاروں مسلمانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد ایک جہت ایک حالت اور ایک ہی کے پیچھے مجتمع ہوتی ہیں۔
شریعت نے جہاں مسلمانوں کے لیے انفرادی زندگی کے اعمال مقرر کردیے ہیں، وہاں ان کے لیے ایک اجتماعی نظام بھی قرار دے دیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ زندگی اجتماع کا نام ہے۔ افراد و اشخاص کوئی شے نہیں۔ جب کوئی قوم اس نظام کو ترک کردیتی ہے تو گو اس کے افراد فرداً کتنے ہی شخصی اعمال و عادات میں سرگرم ہوں، لیکن یہ سرگرمیاں اس بارے میں کچھ سودمند نہیں ہوسکتیں اور قوم جماعتی معصیت میں مبتلا ہوجاتی ہے۔
قرآن و سنت نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کردیتے اشخاص کی معصیت کا زہر

آہستہ آہستہ کام کرتا ہے۔ لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعنی نظامِ جماعتی کا نہ ہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ شخصی اعمال کی اصلاح و درستگی بھی نظامِ اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے مسلمانانِ ہند جماعتی زندگی کی معصیت میں مبتلا ہیں اور جب جماعتی معصیت سب پر چھا گئی ہے تو افراد کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے۔

کتاب و سنت نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ہیں:

تمام لوگ کسی ایک صاحبِ علم و عمل مسلمان پر جمع ہو جائیں اور وہ ان کا امام ہو۔

وہ جو کچھ تعلیم دے، ایمان و صداقت کے ساتھ قبول کریں، قرآن و سنت کے ماتحت اس کے جو کچھ احکام ہوں ان کی بلا چون و چرا تعمیل و اطاعت کریں۔

سب کی زبانیں گونگی ہوں، صرف اسی کی زبان گویا ہو۔ سب کے دماغ بے کار ہو جائیں صرف اسی کا دماغ کارفرما ہو لوگوں کے پاس نہ زبان ہو نہ دماغ، صرف دل ہو جو قبول کرے، صرف ہاتھ پاؤں ہوں جو عمل کریں۔

اگر ایسا نہیں ہے تو ایک بھیڑ ہے، ایک انبوہ ہے، جانوروں کا ایک جنگل ہے، کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے۔ مگر نہ تو جماعت، نہ "قوم" نہ "اجتماع"۔ اینٹیں ہیں مگر دیوار نہیں، کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں، قطرے ہیں مگر دریا نہیں، کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دی جا سکتی ہیں، مگر زنجیر نہیں ہے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کر سکتی ہے۔

کسی گزشتہ فصل میں بضمن شرح حدیث حارث اشعری و "جماعت" کی حقیقت پر بحث کی گئی ہے۔ اس موقع پر وہ پیش نظر رہے۔

یہ وقت فصل کاٹنے کا تھا، نہ کہ دانہ ڈالنے کا، لیکن مسلمانوں نے اپنی جد و جہد کی تمام گزشتہ زندگی گم گشتگی و بے حاصلی میں ضائع کر دی، حتیٰ کہ بالآخر وہ وقت آگیا جس کی تباہیوں کا تخیل پیدا کر کے کبھی ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے۔ فقد جاء اشراطہا فانی لہم اذا جاءتہم ذکراھم؟ (۴۷:۱۸) اب بھی اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور عمل ہونا چاہیے تو اسی کا پہلے کام کرنے میں کتنی ہی دیر ہو جائے، مگر جب بھی کیا جائے سچائی ہے۔ اس کے لیے نہ تو کوئی وقت ناموافق ہے نہ کوئی جگہ مخالف۔ اس کے کرنے میں جس قدر دیر کی جائے گی، معصیت اور ہلاکت ہے، لیکن جب کبھی کر دیا جائے، سچائی اور نیکی ہے اور اس کا ثمرہ زندگی اور کامرانی ہے۔

تمہاری سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خاص خاص وقتوں میں خاص خاص کاموں کا نام سن لیتے ہو اور پھر چیخنے چلانے لگتے ہو اور جس طرح اونگھتا ہوا آدمی ایک مرتبہ چونک اٹھتا ہے، یکایک اعتقاد و عمل دونوں تمہیں یاد آجاتے ہیں۔

حالانکہ نہ تو خاص خاص وقتوں میں ہی تمہاری مصیبت وجود میں آتی ہے۔ نہ کامیابی کی راہ کسی خاص کام کے پڑ جانے پر موقوف ہے، تمہاری مصیبت دائمی، تمہارا ماتم ہمیشگی کا، تمہارا روگ تمہاری ہڈیوں کے اندر سمایا ہوا۔ اور تمہاری نحوست ہم گھنٹے تمہاری ساتھی ہے اور ٹھیک اسی کی طرح تمہاری کامیابی و خوشحالی بھی ہر وقت تمہارے سائے کے ساتھ ساتھ دوڑ رہی ہے اور ہر آن و ہر لمحہ تمہارے وجود کے اندر سمائی ہوئی ہے۔

تم وقت پر سامنے آجانے والی چیزوں کے غم میں کیوں گھلے جاتے ہو اپنا ہمیشہ کا معاملہ ایک مرتبہ درست کیوں نہیں کر لیتے جب تک دل و جگر کا علاج نہ ہوگا۔ روز نئے نئے روگ لگتے رہیں گے۔ خلافت کا مسئلہ کل سے سامنے آیا ہے۔ مگر تمہاری بربادی کا مسئلہ کل ہی سے نہیں شروع ہوا پس تمہارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتی۔ ہمیشہ سے ہمیشہ کے لیے صرف یہی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیے اور قوم و فرد دونوں اعتباروں سے ٹھیک ٹھیک اسلامی زندگی اختیار کر لینی چاہیے۔ اس ایک کام کے انجام پانے پر سارے کام خود بخود انجام پا جائیں گے۔ سوال حکومتوں کے نکل جانے کا نہیں ہے۔ ایمان کی گم گشتگی اور محرومی کا ہے۔ ؎

درازیٔ شب و بیداریٔ من ایں ہمہ نیست

زبختِ من خبر آرید تا کجا خفت است

اس مسئلہ خلافت کو دیکھو! شرعی اور سیاسی دونوں پہلوؤں سے کس قدر اہم اور نازک معاملہ ہے۔ اگر آج مسلمانوں میں ان کے ائمہ و مشاہیر موجود ہوتے تو ان میں سے بھی ہر شخص زبان نہ کھولتا۔ کسی ایک صاحب نظر و عمل کے احکام پر سب کاربند ہو جاتے لیکن اس کے مقابلہ میں آج تمہارا حال کیا ہو رہا ہے؟ کمیٹیوں اور تجویزوں کی عادت برسوں سے پڑی ہوئی ہے۔ اسی قینچی سے اس پہاڑ کو بھی کترنا چاہیے۔ ہر زبان تجویزیں پیش کر رہی ہے۔ ہر قلم امام و مجتہد کی طرح احکام نافذ کر رہا ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی دائیں بلاتا ہے کوئی بائیں۔ کیا اس طوائف الملوکی اور ذہنی انارکی کے ساتھ جو عالم فکر و نظر کا ایک پورا پورا عذر ہے، یہ مہم سر ہو سکتی ہے؟

شرعی پہلو سے مسئلہ کا یہ حال کہ ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ہے، جس کا قلب کتاب و سنت کے معارف و غوامض سے معمور ہو وہ اصولِ شریعہ کو مسلمانانِ ہند کی موجودہ حالت پر ان کے توطن ہند کی حدیث العہد نوعیت پر ایک ایک لمحہ کے اندر متغیر ہو جانے والے حوادثِ جنگ و صلح پر ٹھیک ٹھیک منطبق کرے، اور پھر تمام مصالح و مقاصد شرعیہ و ملیہ کے تحفظ و توازن کے بعد فتوئے شرع صادر کرتا ہے، نہ ہر عالم اس کا اہل ہے، نہ ہر مسند نشین اس کا اسرار شناس۔

سیاسی پہلو سے دیکھا جائے تو جو کام فوجوں اور حکومتوں کی طاقت سے انجام پا سکتا ہے۔ اس کو تم صرف اپنی جماعتی قوت کے استعمال سے حاصل کرنا چاہتے ہو، پھر کس قدر نامرادی ہے کہ وہ قوت بھی ناپید ہے؟

بلاشبہ لوگوں میں احساس اور طلب کی کمی نہیں وہ جوش و سرگرمی کی کمی ہے اور یہ بڑی ہی قیمتی چیز ہے، لیکن اگر صحیح راہِ عمل نہ اختیار کی گئی تو یہی بات سب سے زیادہ مضر بھی ہو جا سکتی ہے۔ جذبات کی مثال اسٹیم کی سی ہے بغیر اسٹیم کے کچھ نہیں ہو سکتا، لیکن وہ بھی بغیر مشین اور سائق (ڈرائیور) کے کچھ نہیں کر سکتی۔ مشین اس کی طاقت کو ترتیب دیتی اور ڈرائیور اس سے کام لیتا ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو اس سے زیادہ کوئی خطرناک اور مہلک چیز بھی نہیں ہو سکتی کاش وہ نہ ہوتی وہ ٹرین کو منزلِ مقصود پر پہنچاتی ہے۔ مگر انجنوں کو ٹکرا کر ہزاروں انسانوں کو بھی ہلاک کر دیتی ہے۔

جذبات اسی وقت کام دے سکتے ہیں جب ان کو مرتب کرنے اور ان پر حکم و قضا کے لیے "ادراک" اور "دماغ" بھی موجود ہو، وذٰلك من عمل النبوة ولكن لا يعقلها الا العالمون۔

بہر حال اس وقت ہمیشہ اور ہمیشہ کے لیے "راہِ عمل" یہی ہے کہ مسلمان سب سے پہلے اسلام کی جماعتی زندگی اختیار کریں۔ اسی پر مسئلہ خلافت اسلامی کے بھی تمام مہمات و اعمال موقوف ہیں۔

تمام مسلمانوں کو ان ہمدردانِ ملت کا شکر گزار ہونا چاہیے، جنھوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹی کی بنیاد ڈالی اور تمام ملک میں اس کی شاخوں کے قیام کا سر و سامان کیا۔ لیکن خلافت کمیٹی کا نظام مسلمانوں کو نظامِ جماعتی و شرعی کے قیام سے مستغنی نہیں کر دے سکتا، خلافت کمیٹی روپیہ جمع کرے گی۔ ایجی ٹیشن جاری رکھے گی، تبلیغ و اشاعت کرے گی، لیکن نہ تو وہ قوم کو سنبھال سکتی ہے نہ کمیٹیوں سے "جماعت" پیدا ہو سکتی ہے، نہ شرعی نظام کی قائم مقامی ہو سکتی ہے۔ وہ خواہ احکامِ شرعیہ کے علم کے لیے اپنے قیام و تکمیل کے لیے بدفع تفرقہ و انتشار کے لیے اور روحِ اجتماع و قوام کے نفوذ کے لیے ایک بالاتر قوتِ حاکمہ و نافذہ کی محتاج ہے اور اگر قوت نہیں ہے تو پھر اس کی ہستی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

نظامِ شرعی یہ نہیں ہے کہ ہر شخص فرداً فرداً سوچتا رہے کہ مسئلہ خلافت کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ اور اخباروں میں آرٹیکل لکھے جائیں کہ عملی راہ کیا ہونی چاہیے؟ اور ہر شخص یا چند آدمیوں کی گرامی ہوئی کمیٹی کو یہ حق ہے کہ لوگوں کو کسی خاص راہ کی طرف دعوت دینا شروع کر دے، یہ کام صرف ایک صاحبِ نظر و اجتہاد کا ہے جس کو قوم نے بالاتفاق تسلیم کر لیا ہو۔ وہ وقت اور حالت پر اصول و احکامِ شریعت کو منطبق کرے گا۔ ایک ایک جزئیہ حوادث و واقعات پر پوری کاروائی و نکتہ شناسی کے ساتھ نظر ڈالے گا۔ امت و شرع کے اصول و مصالح و مقاصد اس کے سامنے ہوں گے، کسی ایک گوشے ہی میں متغرق

نہ ہو جائے گا کہ باقی تمام گوشوں سے بے پروا ہو جائے۔

حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء:

سب سے بڑھ کر یہ اعمال مہمہ امت کی راہ حق میں منہاج نبوت پر اس کا قدم استوار ہوگا اور ان ساری باتوں کے علم و بصیرت کے بعد ہر وقت ہر تغیر، ہر حالت، ہر جماعت کے لیے احکام شرعیہ کا استنباط کر سکے گا۔

زبان ز نکتہ فرو ماند و راز من باقیست

بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست

عزیزان ملت! اس طول طویل صحبت میں جو کچھ بیان کیا گیا، اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو میری زبان پر نئی ہو۔ یہ تمام وہی افسانۂ کہن ہے جو پچھلے دس سالوں سے برابر دہراتا رہا ہوں اور اگر "الہلال" و "البلاغ" کی پیہم صدائیں تمہارے حافظہ میں فراموش نہیں ہو گئی ہیں تو تم اس کی تصدیق کرو گے، تمہارے رہبروں اور پیشواؤں کی رائیں اور صدائیں کتنی ہی مضطرب و متزلزل رہی ہوں، لیکن میری طرف دیکھو! میں ایک انسان تم میں موجود ہوں جو دس سال سے صرف ایک ہی صدائے دعوت بلند کرتا رہا اور صرف ایک ہی بات کی جانب تڑپ تڑپ کر بلا رہا اور لوٹ لوٹ کر پکار رہا ہوں ولکن لا تحبون الناصحین۔ افسوس کہ تم حقیقی اور سچی بات کہنے والوں کو پسند نہیں کرتے، تم نمائش کے پجاری، شور و ہنگامہ کے بندے اور وقتی جذبات و انفعار ہیجان کی محادق ہو، تم میں نہ امتیاز ہے، نہ نظر، نہ تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو۔ تم جس قدر دوڑ کر آتے ہو اتنی ہی تیزی کے ساتھ فرار بھی کر جاتے ہو، تمہاری اطاعت جس قدر سہل ہے اور تمہاری امداد جتنی سستی، اتنا ہی تمہارا انحراف آسان ہے اور اسی نسبت سے تمہاری مخالفت بھی ارزاں ہے۔ پس نہ تو تمہاری تحسین کی کوئی قیمت، نہ تمہاری توہین کا کوئی وزن، نہ تمہارے پاس دل ہے نہ دماغ، وساوس ہیں جن کو تم افکار سمجھتے ہو، خطرات ہیں جن کو تم عزائم کہتے ہو، خدارا بتلاؤ، میں تمہارے ساتھ کیا کروں؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آج جن باتوں کے لیے تم رو رہے ہو، یہ وہی باتیں ہیں جو ایک زمانے میں میری زبان سے فریاد کا اضطراب اور طلب کی چیخ بن کر نکلی تھیں۔ مگر تمہارے سینے کے اندر پتھر کا ایک ٹکڑا ہے، اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں؟ اور تم یک قلم انکار و اعراض میں غرق تھے۔ تم نے ہمیشہ اعراض ہی نہیں کیا بلکہ جعلوا اصابعهم فی اٰذانهم واستغشوا ثیابهم واصروا واستکبروا استکبارا (۷۱ : ۷) کی ساری سنتیں غفلت و انکار کی تازہ کر دیں۔ میں نے تم میں سے ہر گروہ کو ٹٹولا، میں نے دلوں اور روحوں کا ایک ایک گوشہ چھان مارا، جب کوئی بھیڑ دیکھی، فریاد کی۔

جب کبھی انسانوں کو دیکھا، اپنی طرف بلایا لیکن فلم یزدھم دعائی الا فرارا (۷۱: ۶) بہت کم روحیں ایسی نکلیں جن کو حقیقت کا فہم ہو اور بہت کم دل ایسے ملے جو طلب وعشق سے معمور ہوں۔ یہاں تک کہ میں تمہاری آبادیوں سے الگ ہو کر رانچی کے گوشۂ قید و بند میں چلا گیا اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں بھی میری صبحیں اور میری شامیں کن فکروں میں اور کاموں میں بسر ہوتی رہیں۔ اب میں پھر تم میں واپس آگیا ہوں لیکن تمہاری بھیڑوں اور غولوں میں بھی جستجو کا بہرہ اسی طرح مفقود ہے جیسا کہ ہمیشہ سے مفقود رہا ہے۔ اب تک حقیقت شناسی کی کوئی گیرائی تم میں نظر نہیں آتی۔ تم مجھے بلاتے ہو کہ استقبال سے بھرے ہوئے اسٹیشنوں پر اتارو، ایسے پُرجوش انسان کے نعرے سناو، جن کے ہاتھوں میں فتحمند فوجوں کی طرح جھنڈیاں ہوں، اور پھر اتنے انسان میری گاڑی کے چاروں طرف اکٹھے کر دو کہ ان کے ہجوم میں دو چار آدمیوں کا خون ہو جائے، مگر آہ! میں تمہاری ان بھیڑوں کو لے کر کیا کروں گا۔ جب تمہارے دلوں میں سناٹا چھایا ہوا ہو اور تمہارے اس جوش استقبال سے مجھ کیا خوشی ہو۔ جب تمہاری روحیں موت کی افسردگی سے مرجھائی ہوئی ہوں، افسوس تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ہو، تم میں کوئی نہیں جو میرا آشنا ساہو، میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہارے اس پورے ملک میں میں ایک بے یار و آشنا غریب الوطن ہوں

من بہر جمعیتے نالاں شدم جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یارِ من وز درون من نہ جست اسرارِ من
سرّ من از نالۂ من دور نیست لیک کس را گوش آں منظور نیست،

میری رایوں میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی، نہ میرے سفر میں کبھی یمین و یسار کا تذبذب پیش آیا ہے۔ تبدیلیاں فکروں میں ہو سکتی ہیں، قیاسوں میں ہو سکتی ہیں، پولٹیکل حکمتِ عملیوں میں ہو سکتی ہیں، انسانی تقلید اس کا سرچشمہ ہے اور انسانوں اور قوموں کا اتباع اس کا منبع۔ لیکن ان عقائد میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی جو وحی و تنزیل کی اٹل اور دائمی ہدایتوں سے ماخوذ ہیں۔ الحمد للہ کہ میں جو کچھ کہتا اور کرتا رہا وہ میرے عقائد و معلومات تھے، تمہارے بڑوں کی آراء و مظنونات نہ تھے۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً (۵۳: ۲۸)

اس وقت تم میں سے اکثروں نے اعراض کیا، بہتوں نے استہزاء کیا، کتنوں ہی نے کہہ دیا کہ یہ تو ایک طرح کی مذہبی بناوٹ اور مافوق الفطرت دعووں کا اعلان ہے۔ یریدان یتفضل علینا۔ بعضوں نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ یہ صرف فصاحت و بلاغت کی ساحری اور ایک طرح کی ادیبانہ افسوں گری ہے: اکتتبھا فھی تملی

علیہ بکرۃ واصیلا (۲۵: ۷) لیکن دیکھو! بالآخر رفتہ رفتہ سب نے اپنی جگہیں چھوڑدیں، سب اسی راہ پر چل پڑے بہتوں نے دانستہ اور بہتوں نے نادانستہ، مگر راہ سب نے وہی اختیار کی۔ آج تم سب اسی "ما فوق الفطرت" دعوؤں اور "ساحرانہ فصاحت طرازیوں" کو اپنا اصل الاصول بنائے ہوئے ہو اور "قیام شریعت" اور "تقدیم واتباع سنت" اور "حفظ ودفاع ملت" کے ناموں سے موسوم کرتے ہو۔

پس جبکہ یہ پہلا تجربہ ومشاہدہ تمہارے سامنے ہیں تو آج میں اعلان کرتا ہوں کہ دوسرے تجربہ کا وقت آگیا۔ راہ عمل کے لیے تمہارا رخ وہ ہے، جس کی طرف تم دوڑ رہے ہو اور میری راہ وہ ہے، جس کی طرف پچھلے صفحوں میں بلا چکا ہوں۔ تم بارش کے وجود سے انکار تو نہیں کرتے مگر منتظر رہتے ہو کہ پانی برسنے لگ جائے تو اقرار کریں۔ لیکن میں ہواؤں میں پانی کو سونگھ لینے کا عادی ہوں اور صرف بادلوں ہی کو دیکھ لینا میرے علم کے لیے کافی ہوتا ہے۔ پس اگر پچھلا تجربہ بس کرتا ہے تو اس سے عبرت پکڑو اور اگر ابھی اور انتظار کرنا چاہتے ہو تو انتظار کر دیکھو! فستذکرون ما اقول لکم وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد (۴۰: ۴۴) ...

حرکۃ الانطلاق الفکری وجہود الشاہ ولی اللہ الدہلوی

تالیف: العلامۃ محمد اسماعیل السلفی رحمہ اللہ   تعریب: الدکتور مقتدیٰ حسن الازہری

"تحریک آزادئ فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی" کا دوسرا اضافہ شدہ عربی ایڈیشن شائع ہوگیا ہے۔ علامہ سلفی کے محققانہ وفاضلانہ مقالات کا مجموعہ متلاشیان حق اور طالبان علوم نبوت کے لیے نادر تحفہ

مقالات کی سرخیاں:

۱۔ تحریک اہلحدیث کا مد وجزر۔
۲۔ تحریک اہلحدیث کا تاریخی موقف اور خدمات۔
۳۔ برصغیر پاک وہند میں اہل توحید کی سرگرمیاں۔
۴۔ ترک تقلید اور اہل حدیث۔
۵۔ مسئلہ تقدیر پر تحقیقی نظر
۶۔ اہل حدیث کی اقتدار
۷۔ ایک مقدس تحریک جو مظالم کا تختۂ مشق بنی رہی
۸۔ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں
۹۔ زیارت قبور۔
۱۰۔ مسلک اہلحدیث کے بارے میں چند اہم سوالات کے جوابات۔

(ادارہ)

قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں

صوفی نذیر احمد کاشمیری ایم اے

(۱) **عبادت** چونکہ عبادت تخلیق انسانی کی اصلی غایت ہے اور اسی غایت کی روشنی میں باقی سب حقائق و فرائض دین متعین ہوسکتے ہیں لہذا راقم اصطلاح اربعہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مودودی صاحب کی ترتیب کو نظرانداز کرتا ہے۔ اور ان چاروں اصطلاحوں میں سب سے پہلے عبادت کی تشریح کرتا ہے جس کے بعد باقی اصطلاحوں کی تشریح آسان ہوجائے گی۔ اللہ کے رسول نے عبادت کے معنی دعا کے کیے ہیں بلکہ دعا کو مغز عبادت بھی کہا ہے، لہذا رسول کی اس تشریح کے بعد عبادت کے مفہوم کو متعین کرنے کے لیے کسی دوسری طرف متوجہ ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

مودودی صاحب نے کھینچ تان کر عبادت کے معنی اطاعت کے کیے ہیں جو باطل ہے۔ اس لیے کہ رسول کے بیان کے بعد اور کسی تشریح کی گنجائش نہیں رہتی اور اس لیے بھی یہ معنی باطل ہے کہ اطاعت عبادت کی طرح خالص حقِ خدا نہیں ہے بلکہ اطاعت اللہ کے علاوہ رسول کی بھی غرض ہے، بلکہ رسول کی اطاعت ہی کو خدا کی اطاعت قرار دیا گیا ہے: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ مگر یہ کتنا حرام مطلق ہے کہ جس نے رسول کی عبادت کی اس نے اللہ کی عبادت کی۔ اس لیے کہ عبادت خالص حق خدا ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ "ایاك نعبد و ایاك نستعین" "لانعبد الا ایاہ" "ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہیں کرتے۔

(۲) **الٰہ** وَمَا ارسلنا من قبلك من رَسُول الا نوحی الیه انہٗ لا اِلٰہَ اِلّا انا فاعبدون، ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجا اسے وحی کردی کہ حاجت روا صرف میں ہوں، لہذا مجھ سے مانگو۔ چونکہ عبادت کے معنی اللہ کے رسول نے دعا کے کیے ہیں لہذا معبود کے معنی خود کے خود یہ ہوجاتے ہیں کہ جسے حاجت روائی کے لیے پکارا جائے، حاجت روائی کے لیے جس سے دعا کی جائے۔ ان الفاظ کے لغوی معنے بیشمار ہوسکتے ہیں مگر اصطلاحاتِ شرعی کے اعتبار سے ان کے معنے وہی اور صرف وہی ہوسکتے ہیں جو رسول اللہ نے بیان کیے ہیں۔ لہذا عبادت کے معنی دعا کے ہیں اور الٰہ کے معنی جسے اجابتِ دعا کے لیے پکارا جائے۔: "وقَالَ ربّکم ادعونی استجب لکم۔ ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین" تمھارے اللہ نے کہا ہے کہ مجھ سے مانگو میں تمھاری دعا قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت (مجھ سے مانگنے) سے انکار کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت

کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے (القرآن)

(۳) رب | عبادت کا مفہوم متعین ہوجانے کے بعد اِلہ کا مفہوم خود سے خود متعین ہوجاتا ہے اور چونکہ رب کے معنی پالنہار پروردگار اور ضروریات کا پورا کرنے والا ہے لہذا بالکل قدرتی انداز پر وہ بھی معبود کا ضمنی مصداق ہے۔ حاجت کا دائرہ ضرورت سے زیادہ وسیع ہے لہذا حاجت روائی ضرورت کے پورا کرنے سے زیادہ وسیع ہے، مگر چوں کہ ضروریات حاجات کا مرکزی حصہ ہیں، لہذا حاجت روائی ضرورت روائی پر قدرتاً مشتمل ہے۔ فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا " اللہ پاک کے بہت سے عمدہ نام ہیں، انھیں کے ذریعہ اسے پکارو (القرآن)۔ عبادت، الوہیت و ربوبیت کے شرعی و دینی معانی متعین ہوجانے کے بعد اب جو کلی اصطلاح کا مفہوم عرض کیا جاتا ہے۔

(۴) الدّین۔ | فاقم وجهك للدين حنيفاً فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن أكثر الناس لا يعلمون " اپنی پوری ہستی کو کامل یکسوئی کے ساتھ دین کی طرف متوجہ کردے (یہ دین) وہ فطرتِ انسانی ہے جس پر اللہ نے نوع انسانی کو پیدا کیا ہے جسمیں تبدیلی کی گنجائش نہیں یہی پائیدار دین ہے لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے " القرآن

انسان و حیوان کا فرق | حیوانات کے مقابل انسان ایک اخلاقی مخلوق ہے۔ یہی وہ مخصوص فطرتِ انسانی ہے جو انسان کو حیوان سے امتیاز دیتی ہے اور اسے حیوانات کے مقابل اشرف قرار دیتی ہے۔ اس فرق کو نظر انداز کرکے صرف حیوانی حوائج کے پورا کرنے میں لگ جانا انسانی لادینیت کی کل بنیاد ہے اور یہ اخلاقی فطرت وہ غیر متبدل اقدار حیات ہیں کہ جنھیں تبدیل کرنے سے انسان انسان نہیں رہتا اور وہ سعادت کی صراطِ مستقیم کو کھو کر حیوانی خواہشات کی لاتعداد "سبل متفرقہ" اختیار کرتا ہوا جہنم میں جا گرتا ہے۔

یہ ہے دینِ انسانی کی یقینی اور مختصر روداد ۔ لیکن مودودی صاحب دین کو موجودہ دور کی ہمہ گیر ریاست قرار دیتے ہوئے عبادت کو اطاعت کے معنی پہناتے ہیں اس لیے کہ کلی ریاست کلی اطاعت کے سوائے چل نہیں سکتی اور چونکہ اطاعت مطلقہ کے لیے مطاع مطلق کا ہونا ضروری ہے لہذا وہ تاویلات و تحریفات کا ایک لمبا پھکو کاٹ کر الہ ورب کے معنی آخر کار مطاع مطلق قرار دیتے ہیں اور اسی مطاع مطلق کی صفت جامع قہار بہ دست قرار دیکر ساری کتاب دین کو جو صرف رحمت و عدل کا مجموعہ ہے ایک نظام قہر و غضب قرار دے کر اور اسے

دین کامل و خالص قرار دے کر اسے امتِ اسلامیہ سے منواتے ہیں۔ حالانکہ اسلام میں بلکہ ساری تاریخ دین میں، خالقِ کائنات کا پورا تصور "رحمٰن ورحیم" کی حدود کے اندر گھرا ہوا چلتا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہو کر آخر تک اسی نقطۂ نظر سے سارے قرآن مجید کو ملاحظہ کر لیا جائے تو آپ کو خالقِ کائنات کا وہ لباس جس میں وہ مستور رہتا ہے رحمٰن و رحیم و ارحم الراحمین و خیر الراحمین نظر آئے گا۔ آپ کو خاتم الانبیاء "رحمۃ للعالمین"، "و نبی الرحمۃ" نظر آئیں گے۔ آپ کو امتِ مسلمہ امت مرحومہ اور رحماء بینہم نظر آئے گی۔

صفات کا تبادلہ اب آپ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو "بسم اللہ الواحد القہار" سے اور "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" کو "وما ارسلناک الا قہارا للعالمین" سے امتِ "رحماء بینہم" کو "قہارین بینہم" سے بدل کر ساری کائنات کو دیکھیے کہ وہ ایک جہنم کے سوا کیا رہ جاتی ہے۔

ہیگل نے ساری تاریخ انسانی کے تمام ان جابرین کی تاریخ کو ایک مربوط فلسفے کی شکل دے کر اسے نوعِ انسانی کے لیے دین کامل و خالص قرار دیا ہے کہ جن کی سعی و جہد کا مقصد وحید یہ تھا کہ وہ ساری کائنات انسانی کو اپنے سیاسی اقتدار کا پابند و پجاری بنا دیں اور اس کو مودودی صاحب نے کل کا کل نہ کم نہ زیادہ خالص و منقح دین قرار دے کر اسے منوانے کی دعوت دی ہے۔

اپنی اس کتاب "قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں مودودی صاحب نے ان چاروں اصطلاحوں کے دینی و شرعی معنے کو تتر بتر کر دینے کے لیے لغوی و شاعرانہ اور ادبی مباحث کو چھیڑ کر ساری دینی فضا کو ہر ممکن حد تک تاریک کیا ہے اور دنیا کی آنکھوں میں یہ دھول جھونک کر فسطائی تصورات سے ملتے جلتے معنی بتاتے ہوئے کتاب کو ختم کیا ہے۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ وہ آپ لوگوں کو اس تاریکی سے نکال کر ہدایتِ حقیقی کی روشنی میں لے آئے، جہاں آپ کو کفر کی سبل متفرقہ اور انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین کے صراطِ مستقیم کا امتیاز نور و ظلمت کی طرح محسوس ہو۔

میں اس خط کی نقل جماعت اہلحدیث کے ذمہ داروں کو بھی دیدیتا ہوں۔ اس لیے کہ سنت و بدعت کے امتیاز کو قائم کرتے ہوئے اس جماعت نے دین کے تصور کو جس حد تک پاک کیا ہے آئندہ کی عالمگیر تجدیدِ اسلام انھیں بنیادوں پر ممکن ہے۔ لہٰذا اگر آپ لوگ ہیگل ازم کے کلی ریاست کے فلسفہ مغضوبین کو چھوڑ کر اصل دین کی طرف رجوع کرنا چاہیں تو آپ میری طرح اس سانچے میں ڈھل جائیں۔

مودودی ازم اور جماعت تبلیغ ان دو جماعتوں میں دو ضدوں کا فرق ہے۔ مودودی صاحب بخیال خود منطقیانہ برہان کی تشکیک کا حملہ تمام اصول و مبادی دین پر اس زور سے کرتے ہیں کہ وہ ذات و صفات الٰہی کے الٰہیاتی مسائل ہوں، یا نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ کے مسلمات ہوں سبھی مشکوک محسوس ہونے لگتے ہیں اور دین کی فضا لادینیت سے بدلتی محسوس ہوتی ہے اور تبلیغی جماعت سلف صالحین کے احوال و ملفوظات پر عقیدتمندی کے اتنے پھول چڑھا دیتی ہے کہ کسی بھی با خدا آدمی کا ملفوظ وحی آسمانی کی سی قطعیت اختیار کر جاتا ہے۔ مگر وہابیوں کی یہ جماعت (جسے آج انتہا درجہ کی اصلاح کی ضرورت ہے ورنہ وہ محض ایک باتونی جماعت رہے گی اور دین کی کوئی خدمت نہ کرسکے گی) نہ تو مودودی تشکیک و ظن کی تاریکی میں گرفتار ہے نہ اس عقیدتمندی میں گرفتار ہے جہاں ہر پیر و صالح ارباباً من دون اللہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ امت آج جن بدعات و الحادات میں گھری ہے وہ مجھے مجبور کر دیتی ہیں کہ اسی جماعت کا حوالہ دیا جاؤں۔

رسولِ اکرم نبیِّ کامل ہیں!

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

امتی خواہ کسی مرتبہ و مقام کا بھی کیوں نہ ہو نبوت کے آفتاب نصف النہار کی ایک کرن سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ کے آخری پیغمبر، نبوت کے آخری تاجدار اور صاحب لوار الحمد، صاحب مقام المحمود کی شان بلاشبہ و بلامبالغہ ہے۔ لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

پس کسی امتی کا ذکر کیا پیغمبران الٰہی کا بھی آپ کے ساتھ موازنہ نہ صرف سوء ادب بلکہ بعض اوقات حبط اعمال و ایمان کا موجب ہو سکتا ہے۔ آپ نے فاروق اعظم کے ہاتھ میں توریت دیکھ کر فرمایا: لو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی ۔ یعنی موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع و اطاعت کرنا لازمی ہوتی۔

یہ فرماتے ہوئے چہرۂ انور سرخ تھا، فاروق اعظم کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی اور اس وقت تک چین نہ لا جب تک کہ آپ کو راضی نہ کر لیا۔ صحیح حدیث میں ارشاد ہے:

قالَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اتانی ملکان قال احدھما زنہ برجل فوزنت بہ فوزنتہ ثم قالَ زنہ بعشرۃ فوزنت بھم فرجحتھم ثم قالَ زنہ بالف فوزنت بھم فرجحتھم کانی انظر الیھم ینتشرون علی اخفۃ المیزان فقال احدھما لصاحبہ لو وزنتہ بامتہ لرجحھا۔ (مشکوٰۃ، کتاب الفتن)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس دو فرشتے آئے، ان میں سے ایک نے کہا، آپ کو ایک آدمی سے وزن کروں تو میں اس کے ساتھ وزن ہوا، پھر اس آدمی سے وزن میں غالب آیا، پھر دس آدمیوں سے وزن کیا گیا تو میں ان کے ساتھ وزن میں غالب آیا، پھر کہا ہزار آدمیوں سے وزن کروں تو میں ان کے مقابلہ میں بھی

غالب آیا، گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے اوپر ان کے ہلکا ہونے سے گرے پڑ رہے ہیں۔ پس اُن میں سے ایک فرشتے نے کہا کہ اگر آپ کو پوری امت کے مقابلہ میں وزن کیا جائے تو پھر آپ اپنی پوری امت پر بھی راجح اور غالب ہوں گے۔"

یہ مرتبہ کسی صوفی، کسی ولی، کسی امام کا نہیں ہے۔ پھر قولِ رسول کے مقابلہ میں کس کے قول کا درجہ ہو سکتا ہے۔ ایک دوسری حدیث رتبۂ رسالت کی بلندی کو یوں نمایاں کرتی ہے کہ ایک شخص کی برائیوں کے ننانوے دفتر ہوں گے جن میں اس کی بدکاریاں اور سیہ کاریاں درج ہوں گی۔ اس سے سوال ہوگا، کیا تو اس سے انکار کرتا ہے؟ کیا کاتبینِ اعمال نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ اور کیا کوئی تیرا عذر باقی ہے؟ ہر سوال کے جواب میں کہے گا کہ کچھ نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک پرچہ نکالے گا جس میں "اشهد ان لا اِلٰهَ اِلَّا الله واشهد انّ محمّداً رَسُولُ الله" لکھا ہوگا، اس کے بعد حکم ہوگا کہ جاؤ اس کو وزن کراؤ، وہ کہے گا اے خدا "مَا هٰذهِ البطاقة مع هٰذهِ السجلات"، یعنی یہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلہ میں کیا کام دے گا؟ آخرکار وزن کرایا جائے گا، "فتوضع البطاقة فی کفة وتوضع السجلات فی کفة"، پس سجلات یعنی دفاتر ہلکے ہوں گے اور بطاقۃ الشہادہ یعنی شہادت لَا اِلٰهَ اِلَّا الله محمد رسُولُ الله والا پرچہ بھاری ہوگا۔

(بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الفتن فی الحساب)

ان ہر دو احادیث سے عظمتِ رسالت صاف طور سے واضح ہے اور اہلِ حدیث حضرات رسولِ اکرم کی اس جلالتِ شان کے دل و زبان سے قائل ہیں، اہلِ حدیث کا اصل قصور و جرم یہ ہے کہ ان کے نزدیک انفاسِ رسولؐ اصل الاصول ہے وہ کہتے ہیں کہ ؎

ہوتے ہوئے مصطفےٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار

جب اصل ملے تو نقل کیا ہے۔ یاں وہم و خطا کو دخل کیا ہے اور ان کا نعرۂ مستانہ ہے۔

بعد از خدا بعشقِ محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اور بزبان امام شافعیؒ یوں رطب اللسان ہیں:

ان کان رفضاً حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی رافض

اور اہل حدیث کی معروف صدا یہ ہے ؎

ما بلبلیم نالاں گلزار ما محمد ما نرگسیم حیراں دیدار ما محمد
قمری بہ سرو ناز و بلبل بہ گل فریبد ما عاشقیم بے جاں دیدار ما محمد

اہل حدیث دراصل سنت رسول کے متبع اور اس کے سچے عاشق ہوتے ہیں۔ دوسری روایت میں یوں ارشاد ہے: عن انس قال رجل یا رسول الله متی الساعة؟ قال ویلك ما اعددت لها قال ما اعددت لها الا انی احب الله ورسوله۔ (مشکوٰۃ کتاب الاداب فی حب اللہ)

یعنی ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول قیامت کب ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا کہ افسوس ہے تم پر، تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا کوئی تیاری نہیں کی ہے، سوا اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ اور دراصل یہی ایک عظیم سرمایہ ہے۔

اہلحدیث کے جذبات کی صحیح ترجمانی حدیث بالا میں ایک صحابی رسول کی زبانی بیان کر دی گئی ہے۔ بلاشبہ اہل حدیث سنت رسول کے متبع اور ان کے سچے عاشق ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صاف ارشاد ہے کہ صلوا کما رایتمونی اصلی۔ یعنی ایسی نماز پڑھو جیسی کہ میں پڑھتا ہوں۔ سرور کائنات کے طریقے سے الگ ہو کر ایک شخص نے نماز پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ: ارجع فصل فانك لم تصل یعنی تم پھر سے نماز پڑھو، ابھی تم نے نماز نہیں پڑھی، یہ ارشاد اس کے نادانستہ حرکت پر ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلاف سنت کوئی کام بھی ہو گا قبول نہ ہوگا۔ پس اہل حدیث کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ سنت رسول کی اتباع کو اصل الاصول سمجھتے ہیں۔
توحید، رسالتؐ کے صدق دل سے اقرار ہی پر مدار نجات ہے اور ان کے مقتضیات کو اپنے عقیدہ وعمل میں لانے پر دارین کی فلاح منحصر ہے علاوہ ازیں کسی امام و مجتہد اور کسی عالم و صوفی کے قول وعمل کی تقلید مدار نجات نہیں ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ آج بھی کسی غیر مسلم کے حلقۂ اسلام میں آنے کی وجہ شرط یہی اور صرف یہی ہے کہ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان سے اقرار کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے اور اس اقرار توحید و رسالت اور ان کی تصدیق پر نجات کا انحصار اور مدار ہے۔ اہل حدیث کلمہ کے ہر جزو کے تحت یعنی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ہی کو ہر امر میں اپنا ملجا و ماویٰ قرار دیتے ہیں اور الاعتصام بالکتاب والسنۃ کو لازم سمجھتے ہیں۔ ...

اسلام — اور جدید نسل کی تربیت

تحریر: عبد الرحیم فودہ ترجمہ وتلخیص: امتیاز احمد اعظمی

اسلام میں صحیح تربیت کا مقصد فرد انسانی کو جسمانی، ذہنی اور اخلاقی آلات سے مسلح کرنا ہے تاکہ وہ معاشرہ کی تعمیر میں اہم اور نمایاں رول ادا کرے اور امت مسلمہ کے جسم کا فعال اور متحرک جزو تیار ہو۔ اس مقصد کے لیے جدید نسل کی تربیت پورے اسلامی معاشرہ کا فریضہ ہے۔ اس سلسلہ کی ہر تربیت گاہ خواہ گھر ہو یا مدرسہ یا ان کے علاوہ دوسرے مراکز تربیت ہر ایک کا تعاون اور نصرت وحمایت واجب ہے۔ نیک کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا مسلمانوں کا شعار اور ان کے ایمان کا مقتضی ہے۔ چنانچہ رب پاک نے فرمایا۔

والمومنون والمومنات بعضہم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہٗ۔ (توبہ: ۷۱)

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں۔

تمام اہل ایمان سے مطالبہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کی ایسے کاموں میں مدد کرے جو ان کی زندگی کے لیے بہتر ہو اور جس میں ان کے معاملات کی اصلاح اور درستگی مضمر ہو۔

بلاشبہ جدید نسل کے مستقبل کی تابناکی، ان کی نئی زندگی ان کے عمل پیہم اور کوششوں کے ثمرات سے ان کے اساتذہ اور آباء واجداد بھی محروم نہیں ہو سکتے چنانچہ رسول رحمت نے فرمایا۔

اذا مات ابن آدم انقطع عملہ الا من ثلاث، صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ

ابن آدم کی روح قبض ہوتے ہی اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے لیکن تین چیزوں کے ذریعہ ان کے عمل

او ولد صالح یدعو له۔ تسلسل جاری رہ سکتا ہے۔ صدقۂ جاریہ، علمی خدمات یا صالح اولاد جو والدین کے حق میں دعائے خیر کرے۔

ایک مقام میں باری تعالیٰ کا فرمان ہے۔

والذین آمنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم وما التنا من عملهم من شئی۔ (الطور: ۲۱)

جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔

جدید نسل معاشرہ اور سوسائٹی کی تعمیر کے اجزاء ترکیبی اور اس کے بنیادی عناصر ہیں۔ جو آج بچے ہیں، وہ مستقبل میں معاشرہ کی اہم اور قابل قدر شخصیت بننے والے ہیں۔ لہٰذا اس نئی پود کی دیکھ ریکھ، ان کی پرورش و پرداخت، رہبری، رہنمائی اور تطہیر و تزکیہ، فلاح و بہبودی میں ہم جس قدر محنت صرف کریں گے اتنے ہی یہ بارآور اور معاشرہ کے لیے مفید و معاون ثابت ہوں گے۔ ہماری نیک تربیت اور صالح قیادت و رہنمائی ان کی مشکلات کو سہل اور آسان بنائے گی۔ اور وہ ہر مصائب و آلام کے جھیلنے کے لیے خود کو آمادہ پائیں گے اور ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار رہیں گے۔

بقول شاعر وانما اولادنا بیننا اکبادنا تمشی علی الارض

ہماری اولاد ہمارے جگر گوشہ ہیں جو ہمارے سامنے زمین پر دوڑتے پھرتے ہیں۔

ان کے ساتھ ہمارا طرز عمل بالکل ایسا ہی ہونا چاہیے جس کی عکاسی اس آیت پاک میں کی گئی ہے۔

کزرع اخرج شطاه فازره فاستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار۔ (الفتح: ۲۹)

جیسے کھیتی اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلا دے۔

اولاد کی تربیت کے بارے میں ہمارے لیے وہ پودے نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی جڑ نہایت کمزور ہوتی ہے لیکن کسان اور باغبان اس پودے کی سینچائی کرتا ہے اور اسے پروان چڑھانے کے لیے ہر طرح کے وسائل مہیا

کرتا ہے تاآنکہ وہ تناور ہوجاتا ہے، اس کی جڑ مضبوط ہوجاتی ہے اور اس کا جسم ٹھوس اور توانائی اختیار کر جاتا ہے اور اپنے بل بوتے پکھڑا ہوجاتا ہے۔ اور اس لائق ہوجاتا ہے کہ باغبان اور دوسرے لوگ اس سے مستفید ہوں اور اس کے پھل سے لطف اندوز اور فیضیاب ہوں۔

ایام طفولیت کا مرحلہ ایک ایسے سرسبز و شاداب درخت کے مانند ہے جو ان کی رہبری اور تہذیب اخلاق کی پاکیزگی کے لیے انتہائی موزوں اور مناسب ہے۔ ان کی مثال بقول علما نفسیات گندھے ہوئے ملائم آٹے کی طرح ہے جسے کوئی بھی شکل دی جاسکتی ہے۔ یا بقول امام غزالی وہ اپنے والدین کی امانت ہیں ان کا پاک و صاف دل ایک سادہ ورق کے شل ہے، جس پر کسی بھی طرح نقش نگاری کی جاسکتی ہے اور جدھر ان کا رخ کیا جائے بغیر کسی تردد کے مڑ سکتے ہیں، اگر ان کو خیر کی تعلیم دی جائے تو بھلے انسان بنیں اور اگر شر کی تعلیم دی جائے اور چوپایوں کی طرح شتر بے مہار چھوڑ دیا جائے تو ہلاکت و بربادی کی کھڈ میں جا گریں۔

تربیت کی طرف سے لاپرواہی برتنے میں صرف نئی پودہی کا ضرر و نقصان نہیں بلکہ گھر کے دوسرے افراد و ذمہ داران کے لیے بھی موجب خسارہ ہے۔ ان کی غلط تربیت سے معاشرہ کی صاف شفاف ہوا مکدر ہونے کے ساتھ ساتھ اہل خانہ کی فضا بھی مسموم ہوگی۔ یا ان کی طرف سے لاپرواہی و لاابالی پن غلط سوسائٹی کے حوالہ کرنا ہوگا جو ان کو اپنے طریقہ و نہج کا عادی اور پیروکار بنائے گی۔ حضور پاک نے ارشاد فرمایا:

كفى بالمرء اثما ان يضيع من يقوت

آدمی کے گنہگار اور گمراہ ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو ہلاک کردے۔ جس طرح اہل و عیال کی روزی روٹی میں ادنیٰ سستی و غفلت ان کے ضیاع کا موجب بن سکتی ہے۔ اسی طرح تہذیب و اخلاق، صالح معاشرہ کی فراہمی اور نفع بخش اشیاء کا حصول اور معاشرہ کو سودمند بنانے والی چیزوں کی طرف سے عدم توجہی اولاد کے ضیاع کے لیے کافی ہے۔ اس مفہوم کو آیت قرآن کی روشنی میں بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

يا ايها الذين آمنوا قوا انفسكم واهليكم نارا۔ التحریم ۶ ۔ تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

ہر ذمہ دار شخص کا فریضہ ہے کہ وہ خود اور اپنے اہل و عیال کو بھی برائیوں سے محفوظ رکھے اور احکام دین کا خود بھی پابند رہے اور انھیں بھی بنائے۔

حکومتی سطح پر معاشرہ کی ذمہ داری کی شاندار مثال حضرت عمر فاروقؓ کا وہ کارنامہ ہے، جسے انھوں نے ہر نومولود کے لیے خواہ ان کے سرپرست موجود رہے ہوں یا نہ رہے ہوں، بیت المال سے سو درہم مقرر فرمادیا ان کا یہ کارنامہ قرآنِ عزیز کے اس ارشاد سے مستفاد ہے۔ (فان تعلموا اٰباءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم۔ (احزاب: ۵) اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمھارے دین کے بھائی ہیں اور تمھارے دوست ہیں۔

یتیم کی تربیت کے سلسلہ میں مذہب اسلام نے خاص توجہ مبذول کی ہے۔ چنانچہ رسول اکرم کا یہ فرمان قابلِ ذکر ہے کہ " انا وکافل الیتیم فی الجنۃ ھکذا "

جنت میں یتیم کا کفیل اور میں اس طرح ہوں گے۔ پھر آپ نے اپنی شہادت اور درمیان کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا یعنی اتنے قریب ہوں گے جتنی کہ یہ دونوں انگلیاں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نبی معصوم کو ہدایت فرمائی۔

فاما الیتیم فلاتقہر۔ (الضحیٰ: ۹) آپ یتیم پر سختی نہ کیجیے۔

امام محمد عبدہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ یتیم بچوں کی تربیت سے غفلت برتنے میں امت کا کتنا عظیم خسارہ ہے تو ان کے سلسلہ میں وارد شدہ احکامِ الٰہی کا احترام اور اس کی قدر بڑھ جائے اور لوگ اپنی کوششیں ان کی اور ان کے مال واسباب کی دیکھ ریکھ اور اصلاح ودرستگی میں صرف کرنے لگیں۔

بچوں کی تربیت کی ذمہ داری اسلام نے ایام رضاعت ہی سے واجب قرار دی ہے اور یہ ہدایت کی کہ ان کی پرورش وپرداخت میں ان کی صحت اور آرام وراحت کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے اور باپ پر یہ فرض عائد کیا کہ وہ اس کے نفقہ کا انتظام کرے تاآنکہ وہ اپنے بل بوتے پر نہ ہوجائے

اس سلسلہ میں حضور پاک کا یہ ارشاد مروی ہے۔

اکرموا اولادکم واحسنوا ادبھم۔ اپنی اولاد کا احترام ملحوظ رکھو اور ان کو عمدہ تربیت دو۔

ایک اور مقام پر فرمایا: لیس منا من لم یرحم صغیرنا۔ جو چھوٹوں پر شفقت

نہ کرسکا، وہ ہمارے طریقے سے الگ ہے۔

معلوم ہوا کہ اولاد کا احترام انھیں حسنِ تربیت سے آراستہ کرنا اور ان کے ساتھ رحمت و مودت اور شفقت و مہربانی کا برتاؤ کرنا مذہبِ اسلام میں اولیت کا حامل قرار دیا ہے۔ اور نیک سیرت، صالح عادات و اطوار ان کی سیرت کی تعمیر کا بنیادی اور اہم جزو ہے۔ اور یہ کہ گھر میں والدین اور مدرسہ و تعلیم گاہ میں اساتذہ کا حسنِ اخلاق سے مزین ہونا از حد ضروری ہے۔

تربیت کے باب میں اس بات کا بھی لحاظ ضروری ہے کہ اولاد کو اس پُرخطر دَور سے متنبہ کیا جائے اور ان کی ہدایت و رہنمائی اور تربیت اس ڈھنگ سے کی جائے جس سے ان کے نفس کا تزکیہ اور تطہیر ہو اور حسنِ تربیت میں ممد و معاون ثابت ہو۔ ان محرکات و عوامل سے باز رکھا جائے جو ان کی گمراہی اور تخریبِ اخلاق کا موجب بن رہے ہوں۔ اور ربِ پاک کے اس فرمان کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

یاایها الذین اٰمنوا استجیبوا للّٰه و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔ اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسول کے کہنے کو بجالایا کرو جبکہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔ (انفال: ۲۴)

اور شاعر کا یہ قول بھی مدنظر ہونا چاہیے۔

ولا یبلغ البنیان یوماً تمامه اذا کنت تبنیه وغیرك یهدم

عمارت کبھی مکمل نہیں ہوسکتی جب کہ آپ اس کی تعمیر میں لگے ہوں، اور دوسرا اس کو منہدم کرتا رہے۔

●●●

بقیہ کلمہ طیبہ :-

سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔

حق غالب ہوگا، باطل مٹے گا، اس لیے کہ باطل ہی مٹنے والی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں، اپنے کلمہ کا مفہوم ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور اس کلمہ کو ہر کلمۂ باطل پر غالب کردینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کلمۂ طیبہ ــــــ اور ہماری ذمہ داریاں

ابو صابرہ

کلمۂ طیبہ دنیا کا وہ سب سے مختصر لیکن انتہائی انقلاب آفریں اور پوری انسانی زندگی پر محیط حلف نامہ ہے جس کی زبان سے ادائیگی اور دل سے تصدیق، کفر کی سرحد سے دائرہ اسلام میں داخل ہوجانے کا مرحلہ ایک ہ میں طے کر دیتی ہے۔ انسانی عقائد و افکار، نظریات و تصورات، روایات و اقدار اور شب و روز کے معمولات زندگی کی تمام زنجیریں کاٹ کر وفاداری اور وابستگی کے تمام رشتے توڑ کر ایک بالکل نئی اور ماضی سے قطعی مختلف زندگی کا آغاز کرتا ہے۔

یہ مختصر ترین حلف نامہ جو لاالہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ دو چھوٹے چھوٹے فقروں پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے بھی منفرد اور بے مثال ہے کہ دنیا میں ہر دوسرا حلف نامہ خواہ وہ مختصر ہو یا طویل قرار سے شروع ہوتا ہے۔ مگر کلمہ طیبہ کا آغاز اقرار سے نہیں انکار سے ہوتا ہے۔ اس کا اول لفظ "لا" یہ طالبہ کرتا ہے کہ دولتِ ایمان کی دھولیابی سے قبل اپنے دامنِ قلب و ذہن کو جھٹکو اور اسے بالکل خالی و اک کرلو۔ ایمان کوئی ایسی شے نہیں ہے جسے کفر و شرک کے پہلے جمے جمائے ڈھیر پر ایک اضافی ردے کے لور پر چڑھایا جائے۔ حق، باطل کی نفی اور مکمل تنسیخ چاہتا ہے، اس سے اتصال یا مصالحت اسے گوارا نہیں۔ ہ ایک لفظ "لا" ہر اس چیز کی نفی کا مطالبہ کرتا ہے۔ جس سے تخلیق، روزی رسانی، تحفظ جان و مال، عزت دولت، نفع و نقصان یا خوف اور امید کا کوئی ادنیٰ سا رشتہ عقیدت بھی قائم ہو۔

یہ چاند، سورج، ستاروں، پتھروں، درختوں، پرندوں، مویشیوں اور اپنے ہی جیسے انسانوں یا د اپنے نفس میں سے کسی بت کو بھی "لا" کی ضرب لگائے اور پاش پاش کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ یہ خدا کی بندگی قلادہ گردن میں ڈالنے سے پہلے ہر طوق و زنجیر سے نجات دلاتا ہے۔ "لا الہ" کہہ کر جب انسان یہ اشتہارِ

اعلان کر دیتا ہے کہ کوئی رب نہیں، کوئی زندگی اور وسائل زندگی بخشنے والا، پالنے والا اور حفاظت کرنے والا نہیں ہے، تب اس انکار کے فوراً بعد اقرار کی باری آتی ہے اور اس حقیقتِ کبریٰ کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ "الا اللہ" (سوائے اس ایک اللہ کے) ایک اللہ کا اقرار اور ما سوا کا انکار ہی روحِ توحید ہے اور جب ہم کلمۂ طیبہ کو پڑھ کر اللہ کی کتاب قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو اقرار و انکار کا یہ سلسلہ اس کی آخری آیات تک اس تواتر سے چلتا ہے کہ جو بات کلمہ طیبہ کے اولین جزو میں کہی گئی ہے وہی قرآن کے آخری جزو سورۃ الناس میں پھر دہرائی گئی ہے۔ "قل اعوذ برب الناس۔ ملک الناس۔ الٰہ الناس۔" کہو، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے حقیقی معبود کی۔ جو حقیقت کلمہ طیبہ کے ذریعہ ذہن نشین کرائی گئی تھی اسے قرآن اپنے پیغام کے اختتام پر پورے پورے زور و قوت کے ساتھ ذہن میں بٹھاتا ہے۔

یہاں لفظ "الناس" کی تکرار بھی بہت معنی خیز ہے اور اہم ہے، اللہ کی تین صفات ربؔ، ملکؔ اور الٰہؔ کا انسان سے تعلق اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ انسان کے لیے اس ایک ذات کے سوا اب کسی کی طرف دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ وہ تین اسباب ہی کی بنا پر کسی کے آگے سر نیاز جھکاتا اور اس سے رشتۂ عقیدت جوڑتا ہے

۱۔ یہ سمجھ کر کہ میری پرورش، حفاظت، رزق رسانی کا اس سے کوئی تعلق ہے۔

۲۔ یہ سوچ کر کہ بادشاہت، حاکمیت اور فرمانروائی اس کی ذات سے وابستہ ہے اور یہ میرا آقا و مالک ہے، عزت و ذلت سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔

۳۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر کہ یہ میرا خالق و مالک اور معبود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کی پناہ میں آنے والے، انسانوں کو بتا دیا کہ ساری صفات تو صرف میری ذات سے وابستہ ہیں۔ اے انسان! اب تجھے کسی اور سے ڈرنے کی، کسی اور کے اقتدار سے سہمنے کی اور کسی اور کے آگے اپنا سر جھکانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں انسان کی بار بار تکرار کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ انسان کے سوا اس کائنات کی ہر شے، اللہ ہی کو اپنا رب، ملک اور الٰہ تسلیم کرتی ہے اور بے چون وچرا اس کی بندگی و اطاعت کرتی ہے۔ ایک انسان ہی اس معاملہ میں بھٹکتا اور گمراہی کا شکار ہوتا ہے اور اپنے ارادہ اختیار کی جائز حدود کو توڑ کر کبھی خود رب، ملک اور الٰہ

بن بیٹھتا ہے اور کبھی دوسروں کو رب، ملک، الٰہ تسلیم کر کے ان کے سامنے پیشانی رگڑنے کی ذلت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

قرآن میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ یہ بات ہمارے ذہن میں بٹھاتا چلا جاتا ہے کہ زندگی اور موت میرے قبضۂ قدرت میں ہے، میں احکم الحاکمین ہوں، کسی کی مجال ہے جو میرے حکم کے سامنے دم مار سکے۔ رزق دینا، نپا تلا دینا یا بے حساب دینا میری مرضی پر منحصر ہے، اقتدار میرا اور صرف میرا ہے۔ باقی سب بندے اور غلام ہیں خالق میں ہوں۔ روز حساب جزا و سزا دینے والا میں ہوں، ڈرنا ہے تو مجھ سے ڈرو۔ مانگنا ہے تو مجھ سے مانگو۔ کچھ دینا ہے تو میری راہ میں دو۔ میرے نام پر دو۔ لینا ہے تو میری مقرر کردہ حدود اور اپنے حق کے مطابق لو، وہ ہمیں ہر دوسرے نام نہاد رب، بادشاہ اور الٰہ سے کاٹتا اور صرف اپنی ذات سے جوڑتا جاتا ہے۔ اور جب ہر ایک سے کٹ جانے اور صرف اپنے رب سے جڑ جانے کا عمل مکمل ہوتا ہے تو انسان پکار اٹھتا ہے:

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (انعام: ۷۹)

(ترجمہ:- میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔) انکار اور اقرار کی یہ حقیقی روح جب اہل ایمان کے سینوں میں پیدا ہوتی ہے تو دنیا کی ہر قوت کے لیے وہ ناقابل تسخیر بن جاتے ہیں وہ باطل کے کسی روپ اور بہروپ کو خاطر میں نہیں لاتے، ان ہی جیسے انسان جب اقتدار، اختیار یا دولت کے بل پر انھیں زیر کر لینے کی حماقت میں مبتلا ہوتے ہیں تو انھیں اپنے رب کی دی ہوئی مثال یاد آجاتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ، إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ، وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ۔ (سورہ حج پ۱۷ آیت ۷۳)

لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے، غور سے سنو، جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر اڑ جائے تو وہ اسے

چھڑا بھی نہیں سکتے مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔

ایمان جب انکار و اقرار کے حقیقی مفہوم سے آشنا ہو جاتا ہے تو وہ فرعون کو دربار فرعون میں جاکر چیلنج کرتا ہے۔ نمرود کو اس کے قصر شاہی میں جاکر للکارتا ہے۔ آگ کے شعلوں میں گلزار بن کر مسکراتا ہے۔ مکہ کی پہاڑیوں پر چڑھ کر تمام دشمنانِ خدا کو پکارتا ہے، انھیں اکٹھا کرکے بے خوفی سے خدا کا پیغام پہنچاتا ہے۔ جھوٹے اقتدار کے ہر پیش کش کو ٹھکراتا ہے۔ اور ہر وار کو خندہ پیشانی سے سہتا ہے۔ وہ نہ باطل کی ترغیبات سے زیر ہوتا ہے، نہ اس کی قوت سے۔ اس کے آہنی عزم کی دیوار سے ٹکراکر باطل کبھی مدینہ کی خندقوں میں سرنگوں ہوتا ہے تو کبھی میدانِ بدر میں اور بالآخر خود اپنے مرکز کے مضبوط قلعوں میں دم توڑتا ہے۔

اسلام کی روحِ انقلاب اسی فلسفۂ انکار و اقرار میں پوشیدہ ہے۔ آج یہ روح اس لیے پژمردہ ہوگئی ہے کہ ہم انکار کا حق ادا کرتے ہیں، ہم خدا کے وجود کو مانتے ہیں، لیکن اس کی صفات میں ہم نے دوسروں کو شریک کرلیا ہے۔ خدا نے کہا تھا کہ میں رب السموات والارض ہوں۔ ہم نے تو اسے رب السموات تسلیم کیا لیکن رب الارض کچھ اور لوگوں کو مان لیا ہے۔ اس نے اقرار کرایا تھا کہ رزق زندگی، موت، عزت، ذلت سب میرے ہاتھوں میں ہے۔ ہم نے زبانی اس کا اقرار تو کرلیا، لیکن دوسروں کے ہاتھ میں زندگی، رزق عزت اور ذلت ہونے کا انکار نہ کرسکے، اس نے ہدایت کی تھی کہ صرف مجھ سے ڈرو، ہم نے اس سے ڈرنے کا زبانی اقرار تو کرلیا، لیکن دل سے دوسروں کا ڈر نہ نکال سکے۔ اور نہ زبانی ان سے ڈرنے کا اقرار کرسکے۔ ہم کلمہ طیبہ کے معاملہ میں مخلصین لہ الدین کی شرط پوری نہ کرسکے۔ ہم اپنے حلف نامہ کے مطابق اپنا طرزِ عمل تبدیل نہ کرسکے۔ منافقت دیمک کی طرح ہماری روح و ایمان کو چاٹ گئی۔ جب تک انکار و اقرار کا حقیقی مفہوم ہمارے شعور و ادراک میں اُجاگر نہ ہوگا۔ ہم کلمہ طیبہ کی عائد کردہ ذمہ داری کبھی پوری نہ کرسکیں گے۔

اب اس کلمہ کے دوسرے حصہ کو لیجیے، اللہ کا اقرار اور ماسوا کا انکار کرا لینے کے بعد یہ کلمہ زبان سے حقیقت کے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں (محمد رسول اللہ)

یہ خود اس کلمہ کے پہلے حصہ سے پیدا شدہ ایک فطری سوال کا جواب ہے۔

اللہ کو اللہ مان لینے کے بعد انسان کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ:

۱۔ میں اس معبودِ حقیقی کے سامنے اظہار معبودیت کس طرح کروں؟

۲۔ اس کی ہدایت اور مرضی کا علم مجھے کس طرح ہو ؟
۳۔ میرے اور میرے رب کے درمیان رابطہ کیسے قائم ہو۔؟
۴۔ میرے لیے بندگیٔ رب کا مثالی نمونہ کون ہو ؟
۵۔ میں کس کی پیروی کروں کہ میرا رب مجھ سے راضی ہو جائے ؟
۶۔ عبادت کا طریقہ اور اطاعت کا سلیقہ کہاں سے سیکھوں ؟

ان تمام سوالات کا جواب ،، محمد رسول اللہ ،، ہے ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ۔ انھیں تمھاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجا گیا ہے ۔ اُن پر قرآن نازل کیا گیا ہے ۔ ان کے عمل کو اسوۂ حسنہ ٹھہرایا گیا ہے جو کچھ یہ تمھیں دیں اسے لے لو ، جس سے روکیں اس سے رُک جاؤ ۔ یہ تمھیں ہمارے احکام پہنچائیں گے ۔ ہماری ہدایت کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ سکھائیں گے ، جس نے ان کی پیروی کی ، اس نے خدا کی پیروی کی ۔ جس نے ان سے روگردانی کی اس نے خدا سے بغاوت اور سرکشی کی ، جو ان سے کٹا وہ ہم سے کٹ گیا ، جس نے ان کے فیصلے پر دل میں ادنیٰ سی تنگی محسوس کی ، اسے قبول کرنے میں تامّل کیا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوا ۔ اس کی کلمہ گوئی ، اس کی نماز ، اس کا روزہ سب مسترد اور اکارت ۔ کلمۂ طیبہ انکار سب کا کراتا ہے اور اقرار صرف دو کا ۔ ایک خدا کا اور ایک خدا کے رسول کا ۔

خدا کو ماننے کا اقرار بے معنی اور لاحاصل ہے ، جب تک اس کے ساتھ محمدؐ کو اس کا رسول مانا نہ جائے ۔ ہم اسے توحید اور رسالت کا عقیدہ کہتے ہیں ، لیکن درحقیقت رسالت زمین پر خدا کی حاکمیت کا مظہر اور ایک توحید پرست معاشرے کی تشکیل و تعمیر کا واحد ذریعہ ہے ۔ رسالت نہ ہو تو محض عقیدۂ توحید دنیا میں خدا کو مطلوب نظامِ زندگی کی صورت گری میں ہماری رہنمائی نہیں کر سکتا ۔

مشیت ایزدی نے محمدؐ کو اپنا رسول اور آخری نبی بنا کر انسانوں کے اندر ایک واحد ذریعۂ ہدایت بھی فراہم کیا ہے ۔ اب پیرویٔ محمدؐ خدا پرستی کا واحد ذریعہ ہے جو خدا کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے ۔ اسے خدا کے مقرر کردہ واحد ذریعۂ ہدایت کا بھی اقرار کرنا ہوگا ۔

رسالت کی اس مرکزی حیثیت پر غور کیجیے تو بیشمار عقدے کھل جاتے ہیں ۔ دنیا کے ہر مہذب اور منظم معاشرے کو ایک ایسے مرکزِ عقیدت کی ضرورت ہے جہاں تمام وفاداریاں آکر مرکوز اور تابع ہو جائیں ۔

اور آج دنیا کے مختلف ملکوں نے اس ضرورت کے لیے مختلف بُت تراشے ہیں۔

روس میں لینن کا بت مرکز عقیدت و احترام ہے۔ اس کا قول کتب آسمانی کی طرح مقدس ہے۔ ان ہی کی طرح اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور اسے حفظ کیا جاتا ہے طغرے کی طرح آویزاں کیا جاتا ہے، خوبصورت فریم میں سجایا جاتا ہے۔ کوئی نزاع ہو تو اس کا حوالہ قول فیصل بن جاتا ہے۔

چین نے "یہی حیثیت ماؤزے تنگ کو دی (اب سحر ٹوٹ رہا ہے) اس کا ہر قول مقدس کتابوں میں محفوظ ہے۔ ہر شہری کے جیب یا ہاتھ میں لال رکھنے کا ذریعہ ہے۔

امریکہ میں دستور مرکز وفاداری ہے۔ برطانیہ میں بادشاہت کو صرف اسی غرض سے باقی رکھا گیا ہے بادشاہت اختیارات سے یکسر محروم ہے، لیکن اس کے سر پر سجا ہوا تاج وفاداریوں کا محور ہے، اسی کے نام پر ریاست کے ہر کام انجام دیے جاتے ہیں۔ آتی جاتی حکومتوں اور شخصیتوں کے ساتھ وفاداری کا رشتہ استوار ہو تو اس میں ہمیشہ ٹوٹ پھوٹ کا عمل جاری رہے گا اور قوم میں کبھی یک جہتی و ہم آہنگی پیدا نہ ہوسکے گی۔ برطانیہ بادشاہت پر لاکھوں پونڈ سالانہ خرچ کرکے درحقیقت اپنے مرکز وفاداری کی حفاظت کر رہا ہے۔ بھارت میں جہاں مختلف عقائد کے لوگ آباد ہیں اور ذات پات کا نظام بھی موجود ہے۔ برسوں غور وفکر کے بعد اس کی سرزمین کو مرکز وفاداری قرار دیا گیا کیونکہ اس سے سب ہی کا مفاد وابستہ ہے۔ اسی فکر کو عام کرنے کے لیے (بھارت ماتا) کے نعرے تیار ہوئے۔ مدر انڈیا جیسی فلمیں تیار ہوئیں۔

مسلمانوں کو اس الجھن سے بچانے اور امتِ واحدہ بنائے رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف خانۂ کعبہ کو نکتۂ پرکار اسلام بنایا اور دوسری طرف حضور اکرم کی ذاتِ اقدس کو مرکز وفاداری قرار دیا۔ یہی دو چیزیں جنھوں نے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں، مسلم اور غیر مسلم ممالک میں آباد کروڑوں مسلمانوں کو ایک مرکز کی طرف رُخ کرکے عبادت کرنے اور ایک شخصیت کی عقیدت و محبت کے ذریعہ باہم جڑے رہنے سے سرفراز کیا ہوا ہے لیکن جس طرح ہم نے کلمۂ طیبہ کے پہلے حصہ کے مطابق انکار و اقرار کا حق پوری طرح ادا نہیں کیا، اسی طرح ہم نے خدا کے رسول سے بھی اپنے تعلق کو درست اور مطلوبہ صورت نہیں دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس تعلق کے لیے معیار مطلوب خود مقرر فرمایا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک میں تمھیں اپنے والدین، اپنے بچوں اور دنیا کی ہر شے سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ ایک اور جگہ پر آپ نے ارشاد فرمایا، تم مومن نہیں ہوسکتے۔

جب تک تمہاری نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائے۔

ایمان کے لیے یہ شرطِ محبوبیت کیوں؟ کیا خدا کا محبوب ہماری محبت کا حریص ہے؟ نہیں، وہ تو قطعی اس سے بے نیاز ہے، لیکن ہم مسلمان کی سی زندگی بسر ہی نہیں کرسکتے، جب تک دوسری تمام محبتیں اور وفاداریاں اس مرکزِ وفاداری کے تابع نہ ہو اطاعت اسی کی ہوگی جو سب سے زیادہ محبوب ہو۔

دوسری حدیث میں اس محبوبیت کو پرکھنے کا آسان سا پیمانہ ہمیں بتایا گیا ہے۔ نفس خدا کے رسول کی لائی ہوئی شریعت کو کسی مزاحمت کے بغیر بے چون چرا قبول کرے، تو یہ علامت ایمان کی ہے۔ اور اگر وہ اسے تسلیم کرنے میں تامل کرے اور کسی اور کے قول، فرمائش، مطالبے یا خود اپنے نفس کے تقاضے کو پورا کرے تو یہ ضعفِ ایمان اور دعوئ محبت وعقیدت کی تکذیب کی علامت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ سود نہ کھاؤ اور ہم اپنے ذاتی مفاد یا بیوی بچوں یا کسی اور عزیز دوست کے مشورے پر سود کھانے کا سلسلہ جاری رکھیں تو یہ اس امر کی واضح علامت ہے کہ ہم سود کی مخالفت کرنے والے سے سود کھاتے رہنے کا مشورہ دینے والے کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وفادار ایک کے ہوں اور بات دوسرے کی مانیں۔ محبت ایک سے رکھتے ہیں اور فرمائش دوسرے کی پوری کریں، بالکل فطری اور منطقی بات ہے کہ جس کا مشورہ یا مطالبہ ہم مان رہے ہیں خواہ وہ ہمارا نفس ہو، بیوی ہو، بچے ہوں، والدین ہوں، دوست ہوں، وہی ہمارے محبوب ہیں، ان کی محبت بالادست اور کارفرما ہے۔ اور حضور کی محبت محض ایک جھوٹا دعویٰ، اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور نے اپنی محبت کو سب سے بالاتر رکھنا شرطِ ایمان کیوں ٹھہرایا ہے۔ اس کے بغیر اطاعت و پیروی ممکن ہی نہیں۔

اب حضور سے محبت کے معاملے میں ہمارے فسادِ قلب ونظر کی ایک اور افسوس ناک صورت کا جائزہ لیجیے ہمارا عام مشاہدہ ہے کہ ایک ہی شخصیت کے عقیدت مند باہم دوست ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے معاون و خیرخواہ بھی ہوتے ہیں اور ان کے دل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک ہی پیر کے مرید ایک مذہبی شخصیت کے پیروکار یہ ایثار و اخوت کے رشتوں میں بندھے ہوتے ہیں۔ ایک سیاسی رہنما کے گرویدہ لوگ باہم محبت رکھنے والے ہوتے ہیں۔ پھر ایسا کیوں ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اور آپ کی عقیدت و محبت کے دعوےدار باہم سر پھٹول میں مصروف ہیں، ایک مسجد میں جمع نہیں ہوسکتے، ایک دوسرے کے پیچھے

نماز نہیں پڑھ سکتے ، ان کے درمیان معاشرتی مقاطعہ ہے اور یہ دشمنوں کی طرح ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں ۔ عقل یہ بات تسلیم نہیں کرتی ، معاشرہ اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے باہم دشمن ہوں ۔ یقیناً اُن کا دعویٰ محبت درست نہیں ۔ ان کے دل کہیں اٹکے ہوئے ہیں ۔ ان کا رشتۂ عقیدت و محبت کسی اور سے جڑا ہوا ہے ۔ انھوں نے ترتیب اور ترجیحات میں گڑبڑ کی ہوئی ہے وہ اپنے دلوں کے مملوک چھپائے ہوئے ہیں ۔ کسی نے خلفاء راشدین میں سے کسی ایک خلیفہ راشد کو ، کسی نے کسی کی اولاد کو ، کسی نے ائمۂ اربعہ میں سے کسی امام کو ، کسی نے بغداد ، بریلی ، دیوبند یا کسی اور شخص یا اور کسی مقام کو ، کسی پیر یا سیاستداں عالم کو اپنا ایسا محبوب بنایا ہوا ہے کہ اس کی محبوبیت حضور کی محبوبیت پر غالب آگئی ہے ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک پیر کے مریدوں میں باہمی اتحاد و اتفاق ، محبت و اخوت اور تعاون وخیر خواہی کے جذبات موجود ہوں اور ان کے دل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں ، مگر محمدؐ کے پیروکاروں اور نام لیواؤں کے دل پھٹے ہوں اور وہ باہم دشمنی پر کمربستہ ہوں ۔

یقیناً خرابی خود ہمارے اندر ہے ۔ ہم حضورؐ سے اخلاص و محبت کا وہ رشتہ بھی نہیں رکھتے جو کسی پیر یا مذہبی رہنما سے قائم کیے رہتے ہیں ، اس لیے ہم پر مطلوبہ اثرات قائم نہیں ہوتے ۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑے کو ناپسند فرمائیں ، ان کے درمیان تین دن تک گفتگو نہ ہو تو فیصلہ فرما دیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ۔ ان ہدایات و تنبیہات کے باوجود مسلمانوں کے جھگڑے و فساد کا سلسلہ بند نہ ہو ۔ حضور سے محبت رکھنے والا مسلمان اپنے دینی بھائی سے جھگڑا مول نہیں لے سکتا ، الّا یہ کہ اس نے خود اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہو یا بغاوت و سرکشی کی راہ اختیار کی ہو ۔

کسی تنازع کی صورت میں بھی قرآن نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر زور دیتے ہوئے یہ اصول طے کر دیا ہے کہ : فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ۔ (سورہ النساء پ۵ آیت ۵۹)

(اگر تمھارے درمیان کسی معاملے میں کوئی نزاع ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو)

اسی سورت میں آگے چل کر یہ تنبیہ بھی کی گئی ہے : فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليما ۔

(سورہ النساء پ۵ آیت ۶۵) پس نہیں تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے ، جب تک وہ اپنے اختلافات

میں تجھ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تو فیصلہ دے اس پر اپنے نفس میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں۔ اور سر بسر تسلیم کر لیں۔

ان واضح احکام الٰہی کی موجودگی میں اب جو شخص اپنا معاملہ خدا اور رسول کی طرف نہیں پھیرتا اور ان کا فیصلہ تسلیم کر لینے پر رضامند نہیں ہوتا وہ حضور سے محبت کرنے کے دعویٰ میں ہرگز مخلص نہیں ہو سکتا۔ اس وقت مسلم معاشرے میں انتشار، افراتفری اور فتنہ و فساد کی جو افسوسناک صورت نظر آتی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارا مرکز وفاداری ایک نہیں۔ کسی کا قبلہ ماسکو ہے کسی کا واشنگٹن اور لندن، محبوب ترین شخصیت ہمیں نہیں، کہیں کارل مارکس، کہیں کوئی پیر، کہیں کوئی حضرت مولانا، کہیں صاحب اختیار بزعم خود محبوب ترین شخصیت ہیں، یا بننے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ نگاہیں مختلف سمتوں میں ہیں اور دل و دماغ بادنما کی طرح اِدھر اُدھر گھوم رہا ہے۔ اس کیفیت میں کیا ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ان ہی معنوں میں تسلیم کرتے ہیں، جن معنوں میں یہ کلمۂ طیبہ کے اندر استعمال ہوا ہے۔

اگر

کلمۂ طیبہ کی روح کے مطابق تمام بتان آذری کے انکار اور توحید و رسالت کے اقرار کا حق ادا کر دیا جائے تو آج پوری مسلم دنیا میں اسلامی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ انسان کے کانوں نے کلمۂ طیبہ سے زیادہ مختصر، جامع اور ولولہ انگیز و نتیجہ خیز نعرۂ انقلاب آج تک نہیں سنا لیکن یاد رکھیے اگر الفاظ کا مفہوم سننے والوں پر واضح نہ ہو تو ان کا صحیح تاثر کبھی دل و دماغ پر قائم نہیں ہوتا۔ الفاظ تو جسمانی اعضاء کی طرح ایک جملہ کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ معنی و مفہوم اس کی روح ہیں اور جب زبان سے ادا ہونے والے الفاظ روح سے خالی ہوں تو انسان کی روح ان سے کیونکر وجد میں آئے گی اور اس کے اندر حرکت و عمل کی لہر کہاں سے اٹھے گی۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے دعا کی تھی:۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے۔
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں۔

یہ طوفان کلمۂ طیبہ کے ایک ایک لفظ میں پنہاں ہے۔ ضرورت صرف اس سے آشنا ہونے کی ہے، جس دن ہم مسلمان اس طوفان سے آشنا ہو گئے، ہمارے دل و دماغ میں ایک ایسی طغیانی برپا ہوگی کہ باطل کا کوئی بند اس کے

جب سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی

عبدالمنان سلفی گونڈوی

قیامت ایک ایسا دن ہے جب سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، کوئی کسی کی طرف توجہ بھی نہ کرسکے گا، حتی کہ باپ بیٹے سے جدا، بیٹا باپ سے الگ، بیوی شوہر سے بیزار اور شوہر بیوی سے دور، نہ بھائی بہن کے کام آئے گا نہ بہن بھائی کی مدد کرسکے گی۔ غرض ہر ایک کو اپنی ہی نجات کی فکر ہوگی۔

قرآن مجید سورۂ معارج میں ارشاد خداوندی ہے: یود المجرم لو یفتدی من عذاب یومئذ ببنیہ۔ وصاحبتہ واخیہ۔ وفصیلتہ التی تؤویہ۔ ومن فی الارض جمیعا ثم ینجیہ۔ یعنی ہر مجرم یہ تمنا اور آرزو کرے گا۔ کاش کہ وہ اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی اور اپنے اعزہ واقارب کو جو اس کو پناہ دیتے تھے اور دنیا کی ساری چیزوں کو فدیہ میں دے دیتا اور خود اس دن کے عذاب سے چھٹکارا پاجاتا۔

اور سورہ لقمان میں فرمایا: یایھا الناس اتقوا ربکم واخشوا یوما لا یجزی والد عن ولدہ ولا مولود ھو جاز عن والدہ شیئا۔ اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اپنے دل میں اس دن کا خوف رکھو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آئے گا اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ کفایت کرسکے گا اور سورہ عبس میں فرمایا۔ یوم یفر المرء من اخیہ۔ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ۔ لکل امرء منھم یومئذ شان یغنیہ۔ جس دن آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، بیوی اور بچوں سے بھاگے گا، کیونکہ ہر شخص کو ایسی فکر لاحق ہوگی، جس کی وجہ سے وہ دوسروں کی خبر بھی نہ لے سکے گا۔ اور ان سب سے بڑھ کر سورۂ حج میں یوں فرمایا: یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت وتضع کل ذات حمل حملھا وتری الناس سکاری وماھم بسکاری ولکن عذاب اللہ

شدید ہے۔ قیامت کی سختی کا عالم یہ ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی، اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا کہ لوگ مدہوش دکھائی دیں گے۔ یہاں قرآن نے دودھ پلانے والی کے لیے مرضع کے بجائے مرضعۃ کا لفظ استعمال کیا ہے اور مرضعۃ اس وقت بولتے ہیں جبکہ وہ بالفعل دودھ پلا رہی ہو اور بچہ اس کی چھاتی منہ میں لیے ہوئے ہو۔ پس یہاں یہ نقشہ کھینچا گیا ہے کہ قیامت کی ہولناکی دیکھ کر مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتے پلاتے چھوڑ کر بھاگ نکلیں گی اور کسی ماں کو بھی یہ فکر نہ ہوگی کہ اس کے لاڈلے پر کیا بیت رہی ہے

ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا، کیوں کہ ہر انسان کی نیک بختی اور بدبختی نیز بھلائی و برائی کے اسباب خود اس کی ذات میں موجود ہیں۔ اپنے اوصاف یا اپنی سیرت و کردار اور اپنی قوت تمیز کے استعمال سے وہ خود اپنے آپ کو سعادت یا شقاوت کا مستحق بناتا ہے۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کا پروانۂ خیر و شر اس کے گلے کا ہار ہے۔ اگر انسان تھوڑا غور کرے اور گریبان میں منھ ڈال کر سوچے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ جس چیز نے اس کو بگاڑا اور تباہی کے راستے پر ڈالا اور انھیں ناکام بنا کر چھوڑا وہ ان کے اپنے برے اعمال اور فیصلے تھے نہ یہ کہ باہر سے آکر کوئی چیز ان پر زبردستی مسلط ہو گئی تھی۔ اسی کو قرآن نے سورہ بنی اسرائیل کے رکوع ۲ میں ان الفاظ میں واضح الفاظ میں فرمایا ہے: کل انسان الزمنه طائره فی عنقه ونخرج له یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کتاباً یلقاه منشوراً ۔ اقرأ کتابک ط کفی بنفسک الیَوْمَ علیک حسیباً ۔ من اهتدی فانما یهتدی لنفسه ومن ضلّ فانما یضل علیها ط ولا تزر وازرة وزر اخریٰ وَمَا کنا معذبین حتی نبعث رَسُوْلاً ۔ یعنی ہر انسان کا شامت اعمال ہم نے اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے اور قیامت کے روز ہم اس کے لیے ایک نوشتہ نکالیں گے۔ (جس کو اس کے ساتھ رہ کر کراماً کاتبین لکھتے تھے۔) اس دن وہ نوشتہ ان کے لیے کھلی ہوئی کتاب کی طرح ان کے سامنے ہوگا جس میں ان کی زندگی کے سارے کارنامے درج ہوں گے، اور کہا جائے گا کہ اپنا نامۂ اعمال پڑھ آج اپنا فیصلہ کرنے کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔ جو کوئی راہِ راست اپنائے گا تو اس کے نیک اعمال خود اس کے لیے ہی مفید ہوں گے اور جو کوئی گمراہی اختیار کرے گا اس کا وبال اسی کے سر پر ہوگا۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک اپنا رسول بھیج کر ان کی رہنمائی نہ کر دیں۔

یہ آیت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ہر انسان اپنی ایک مستقل اخلاقی ذمہ داری رکھتا ہے اور اپنی اس ذمہ داری کے اعتبار سے وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس کی اپنی ذاتی ذمہ داری میں کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ دنیا میں خواہ کتنے ہی آدمی، کتنی ہی قومیں ایک کام یا ایک طریق عمل میں شریک ہوں، بہر حال خدا کی آخری عدالت میں اس مشترک عمل کا تجزیہ کرکے ایک ایک انسان کی ذاتی ذمہ داری الگ کرلی جائے گی اور اس کو جو کچھ بھی جزا یا سزا ملے گی اس عمل کی ملے گی جس کا وہ خود اپنی انفرادی حیثیت میں ذمہ دار ہوگا۔ اس انصاف کی میزان میں یہ ممکن نہ ہوگا کہ دوسروں کے کیے کا وبال اس پر ڈال دیا جائے۔ اور نہ یہی ممکن ہوگا کہ اس کے کرتوتوں کا بار کسی اور پر پڑے۔ جیسے قرآن نے سورۂ فاطر رکوع ۳ میں یوں بیان کیا ہے: ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ وان تدع مثقلۃ الیٰ حملہا لا یحمل منہ شیٔ ولو کان ذا قربیٰ ط
یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ اٹھائے گا اور اگر کوئی بوجھل نفس اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے پکارے گا تو اس کے بوجھ میں سے ایک ادنیٰ حصہ بھی بٹانے کے لیے کوئی نہ آئے گا چاہے وہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

ان آیات سے یہ ظاہر ہوگیا کہ قیامت کے دن کوئی کسی کے کام ہرگز نہ آسکے گا، حتیٰ کہ پکارنے پر پکارنے والے کو جھڑک کر جو جواب دیا جائے گا اس کا تذکرہ قرآن نے سورۂ حدید میں یوں کیا ہے: یوم یقول المنٰفقون والمنٰفقٰت للذین اٰمنوا انظرونا نقتبس من نورکم قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا نوراً ۔ اس روز منافق مرد اور عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ذرا ہماری طرف دیکھو تاکہ ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھالیں، مگر ان سے کہا جائے گا پیچھے ہٹ جاؤ اپنا نور کہیں اور تلاش کرو۔

جب قیامت میں ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، کوئی کسی کے کچھ کام نہ آسکے گا تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ قیامت کی سختی اور اس وقت سارے انسانوں کی بے بسی کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اپنے کو ایسے اعمال سے مزین کریں جو قیامت میں ہمارا سہارا بن سکیں، اور جن کی موجودگی میں ہمیں دوسروں کی طرف ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ اللہ ہم سب کو ایسے اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

مُسلمانوں سے خطاب

ھمارا وجود کس لیے؟

عبدالتواب عمری گنڈوی

مدرس مدرسہ محمدیہ سلفیہ ادھونی

مَثَلُ المؤمِنِینَ فِی تَوَادِّهِم وَتَرَاحُمِهِم وَتعاطُفِهِم مَثَلُ الجَسَدِ۔

آپس کی محبت، آپس کے پیار اور آپس کے تعلقات میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے جو چند اعضاء سے مرکب ہوتا ہے۔ اگر ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو جسم کے سارے اعضاء درد و کرب سے کراہ اٹھتے ہیں۔ (الحدیث)

اسلامی بھائیو!

دنیا میں ہر کمزور انسان بلکہ ہر جاندار، جو اپنی خدمت خود نہیں کرسکتا وہ ہماری ہمدردیوں کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں صرف اپنے ہی دکھ درد کا علاج تلاش کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ دوسروں کا بھی مداوا بننا ہے، غیروں کا بھی علاج کرنا ہے۔

آج ہمارے کتنے ہی بھائی لاچار و مجبور ہیں، بستر پر کروٹیں بدل رہے ہیں، راتوں کو نیند نہیں آتی۔ کتنے ایسے ہیں جو درد سے تڑپ رہے ہیں۔ بھوک سے بلبلا رہے ہیں مگر کوئی دکھ درد میں کام آنے والا نہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ

کوئی بعید بات نہیں، وہ وقت دور نہیں کہ کل ہم بھی اسی مصیبت میں مبتلا ہوجائیں، کیا ہمارے دلوں میں اپنے ساتھی کا درد نہیں رہ ہے؟ کیا ہم کو اپنے دوست سے محبت نہیں ہے؟ کیا مسلمان آپس میں بھائی بھائی نہیں ہیں؟ کیا اسلامی ہمدردی رخصت ہوچکی ہے۔ کسی شاعر نے سچ کہا:

بے درد ہیں جو درد کسی کا نہیں رکھتے
ایسے بھی یار ہیں جو تمنا نہیں رکھتے

امتِ محمدیہ کے پروانو! اسلام کے شیدائیو! ہمیں انسانیت کو محبت و اخلاق کا بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہے۔ مسلمانوں میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ ان کی پسماندگی کو دور کرنے کی تدابیر اختیار کرنی ہے غیر پسند لوگوں کے دلوں پر ہمدردی کی دستک دینی ہے ان کے سوئے ہوئے دلوں کو جگانا ہے۔ اللہ کی زمین پر اللہ کا کلمہ بلند کرنا ہے۔ پرچمِ اسلام لہرانا ہے۔ داعیِ اسلام بننا ہے۔ مجبوروں کی غم خواری کرنی ہے۔

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے
مصیبت میں غیروں کے غمخوار ہوتے

اسلامی بھائیو! ہمیں آگے بڑھ کر دوسرے مظلوموں کو بھی سہارا دینا ہوگا۔ ظلم و ناانصافی اور تنگ دلی کو ختم کرکے ایک نیا ماحول وجود میں لانا ہوگا۔ دردمندی اور ہمدردی کا ثبوت پیش کرنا ہوگا۔ منافرت اور عناد کو محبت میں بدلنا ہوگا۔ ہمیں جلالِ احسن کا جو طریقہ بتایا گیا ہے، وہ یہی ہے کہ ہمارے وجود سے اخلاق و محبت کے چشمے پھوٹیں اور ہم اپنے آپ کو اتنا مرکزِ کشش بنالیں کہ لوگ ہماری باتیں سنیں اور ان کا اثر قبول کریں۔

مسلمانو! ہم تنگ دل نہیں ہیں۔ ہم بے عقلی کا شکار نہیں ہیں۔ ہمارے اندر فکر و عمل کی صلاحیتیں بھی موجود ہیں۔ ہمارا ماضی بھی گواہی دیتا ہے کہ ہم جہاں کہیں رہیں وہاں اپنی افادیت کو عام کریں اور انسانی زندگی کے ہر گوشے کو بہار عطا کریں۔ ہماری منزل بہت آگے ہے۔ ہمیں اس سماج کو بہت کچھ سکھانا ہے۔ بہت سے خلاؤں کو پُر کرنا ہے۔ بہت سی منزلیں طے کرنی ہیں۔ ان تمام تصورات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سب سے پہلا قدم یہی ہے کہ ہم اخلاقی میدان میں آگے بڑھیں۔

مصیبت جس کو پیش آئے تو اس کا آشنا تو ہو
کوئی آفت زدہ پائے تو اس کا غم رُبا تو ہو

مسلمانو! ہم سب ایک ہی قوم کے فرد ہیں۔ ایک ہی فوج کے سپاہی ہیں۔ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اگر ہماری زندگیاں مثالی نہ بنیں تو خدا کے حضور ہم کیا جواب دیں گے؟ ...

اسلام امن کا داعی!

عبدالسمیع محمد ہارون سلفی

اسلام اور امن ایک ہی حقیقت کے دو رخ اور ایک ہی سکے کے دو عکس ہیں، اس میں سے کسی کو دوسرے سے منفک (Separate) کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کی مزید توضیح سعی لا حاصل محض ہے۔ تاریخ اس حقیقت کی شاہد عدل اور اسلامی تجزیاتی مطالعہ اس کا بین ثبوت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ مگر اہل علم کا ایک گروہ (جن کو اہل جہل کہنا زیادہ موزوں ہے) جنھیں ہم مستشرقین کے نام سے جانتے ہیں۔ انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جہاں اور بہت کچھ زہر اگلا ہے، ان میں سے ایک بڑی چیز یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کو ایک تلوار کے زور سے پھیلنے والا مذہب متشدد (VIOLENT)، امن کا دشمن اور اشانتی کا داعی کی شکل میں پیش کیا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے اپنے ذہن و فکر، فہم و ذکا اور علم و ادب کے تفلسف کی ساری تان توڑ دی ہے۔ مگر کیا آفتاب ماہتاب پر تھوک کر اسے گندہ ثابت کرنے والا گھر یا گھاٹ کا کبھی ہو سکا، یا اپنے مقصد براری میں کبھی کامیاب ہو سکا ہے؟ کبھی بھی تو نہیں۔

اسلام کا اور امن کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ پیغمبر اسلام صلعم کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ خدا کی نگری میں خدا کی عظمت کے گیت گائے جائیں۔ خلق خدا صرف اسی کے سامنے جبہ سائی کرے۔ بنی نوع انسان ہونے کی حیثیت سے اس نگر کو پریم کی نگری بنائیں، اسے گہوارۂ امن و امان بنائیں، ایک دوسرے دکھ اور سکھ میں ساتھ رہیں اور اس طرح وہ جس معاشرہ اور سماج میں رہیں وہ معاشرہ امن کی تصویر اور جنت نظیر ہو۔ صرف یہی نہیں کہ اسلام نے معاشرے و سماج کے اندر امن و امان کی فضا قائم کرنے کی دعوت دی بلکہ اسلام نے امن و امان کی فضا قائم کرنے کے لیے ان تمام عراقیل اور رکاوٹوں کو دور کرنے کا سختی سے حکم دیا جو امن کی راہ میں حائل ہوں، اگر چور چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو، کوئی زنا کرے تو اسے سنگسار یا شہر بدر کر دو اور اسے کوڑے لگاؤ۔ کوئی کسی کو قتل کر دے تو

اس کے بدلے قاتل کو بھی قتل کردو۔ شراب نوشوں، تمار بازوں پر حد اور تاوان قائم کرو وغیرہ وغیرہ۔

اسلام کے ان تعزیری احکام کا مقصد شاید اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ یہ جرائم (CRIMES) امن اور امان کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹیں ہیں۔ اس لیے ان رکاوٹوں کو سختی سے دور کرو اور ہر ممکن طور پر اس کا سدباب کرو۔

امن سے متعلق اسلامی تعلیمات کا یہ انتہائی ہلکا سا عکس ہے جو اس حقیقت کی مزید وضاحت کے لیے کافی ہے کہ صحیح معنوں میں اسلام نے معاشرہ اور سماج میں امن و امان کی فضا قائم کرنے کے لیے کتنا اہتمام کیا ہے۔ بایں ہمہ اعداء اسلام نے دنیا کے سامنے اسلام کی جو تصویر پیش کی ہے وہ یہی کہ اسلام تشدد اور ہنسا کا مذہب اور امن کا دشمن ہے، لیکن قدرت کا کتنا بڑا کرم اور اسلام کا کتنا عظیم اعجاز ہے کہ اعداء اسلام کی ان تمام فتنہ سامانیوں کے باوجود آج روز افزوں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے اور ان نومسلموں کے تاثرات و واقعات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نومسلموں کا معتدبہ حصہ وہ ہے جنھوں نے اسلام کو ایک مکمل امن اور شانتی کے مذہب کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔

اس لیے اعداء اسلام یا ہر وہ شخص جو اسلام کو تلوار کا مذہب اور امن کا دشمن سمجھتے ہیں، انھیں چاہیے کہ تاریخ اور اسلامی تعلیمات کا کھلے دل سے مطالعہ کریں۔ مگر وہ اتنا ضرور سن لیں کہ۔ ہاں! اسلام نے تلوار ضرور اٹھائی مگر قتل و غارت کے لیے نہیں، امن کی بقا اور شانتی کی فضا قائم کرنے کے لیے۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ سیدھی انگلی سے گھی کبھی نہیں نکلتا،، اور بقول آزاد رح :

،، اسلام نے تلوار اٹھائی مگر قتل و غارت گری کے لیے نہیں بلکہ انھوں نے ایک پاک مقصد کے لیے تلوار ہاتھ میں لی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ جو چیز سررشتۂ حیات کو پہلے کاٹ دیتی تھی وہ اب تمدن کے بکھرے ہوئے اجزاء کو کیوں جوڑ رہی ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ عرب کے جن میدانوں میں خاک اڑ رہی تھی ان میں نسیم خوشگوار کے جھونکے چلنے لگے۔ ایران کے مٹے ہوئے نقش و نگار ابھر آئے۔ یونان کی برہم شدہ مجلس علم پھر سے گرم ہوگئی، مصر و شام کا کاروان رفتہ پھر سے لوٹ آیا۔ بیت المقدس پھر تمدن کا قبلۂ مقصود بن گیا۔ پہلوں نے جو کچھ بویا تھا اسے انھوں نے زندگی بخشی۔ ٹیٹس رومی یروشلم آیا تھا کہ برباد کرے۔ اعراب حجاز یروشلم گئے تاکہ اس کے مٹے ہوئے باغوں کو سرسبز و شاداب کریں۔ رومیوں کی فوجیں افریقہ اور ایران سے گزریں لیکن ان کی راہوں میں ہلاکت اور بدحالی تھی، ٹھیک انھی زمینوں پر مسلمان بھی گزرے مگر ان کے ساتھ تمدن و آزادی اور امن و نظام کے فرشتے سایہ فگن تھے۔،،

•••

وفیات

آہ، حافظ عبدالحلیم صاحب (کوٹہ)

بڑے حزن وملال کے ساتھ اطلاع دی جارہی ہے کہ صوبہ راجستھان کی جمعیۃ اہلحدیث کے صدر محترم جناب حافظ عبدالحلیم صاحب ۵ ار نومبر ۱۹۸۹ء بروز بدھ گیارہ بجے دن میں انتقال فرماگئے۔ إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔ آپ پکے موحد، سنت کے شیدائی اور حق گو تھے۔ آپ کی وفات سے راجستھان میں ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی دینی وجماعتی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

چھری کی دھار سے کٹتی نہیں چراغ کی لو
بدن کی موت سے کردار مر نہیں سکتا

شریک غم :۔ عبدالسلام ہیڈ ٹی، ای
واخوان جمعیۃ گمنڈی، بھیلواڑہ، راجستھان

ادارہ حافظ صاحب کی رحلت پر رنجیدہ ہے اور دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ (ادارہ محدث)

اظہارِ تشکر

حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سلفی امیر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند وناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس کے انتقال پر ملک اور بیرون ملک سے اعیانِ جماعت وملت کی طرف سے تعزیتی خطوط، برقیات، اور ٹیلیفون کثرت سے موصول ہوئے، جن میں اس جماعتی اور ملی حادثہ پر شدید رنج وغم کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ جامعہ اپنے جملہ شعبہ جات کی طرف سے تمام حضرات کے اس خلوص اور قلبی لگاؤ کا شکر گزار ہے اور دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو صحت وعافیت فرمائے اور مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

(ادارۂ جامعہ سلفیہ)

پیغام: منجانب عبداللہ سعود و عُبَیداللہ طاہر فرزندان مولانا عبدالوحید صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اللہ رب العالمین کا ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم دونوں بھائیوں کو دین کی تعلیم حاصل کرنے کی توفیق عطا کی اور اس جامعہ سے ہم فارغ ہوئے، جس کو ہمارے والد نے اپنے خون پسینہ سے سینچا ہے۔ آج والد صاحب ہم سے جدا ہوگئے اور ہم کو سوگوار چھوڑ کر داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے، ایسے موقع پر دل کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہم ان تمام حضرات کے شکرگزار ہیں جنھوں نے ہمیں ڈھارس بندھائی، ہمارے غم میں شریک ہوئے اور ہم کو اور جملہ اہل خاندان کو اور اراکینِ جامعہ کو اور اس سے متعلقین کو تعزیت کا خط لکھ کر ہمدردی اور محبت کا ثبوت دیا، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے، اور اس دین کے قلعہ کو ہمیشہ قائم و باقی رکھے اور اس کی خدمت کے لیے ہم سب کو صحیح جذبہ اور خلوص عطا کرے اور سمیع مجیب و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبداللہ سعود عفی عنہ وعن والدیہ

وفات حسرت آیات

یہ خبر بڑے رنج وغم کے ساتھ دی جا رہی ہے کہ جناب حاجی محمد صدیق صاحب رئیس مدن پورہ بنارس ۴؍ دسمبر بروز جمعرات ۱ بجے شب میں انتقال فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف اپنے خاندان کے سب سے بڑے بزرگ اور اس کے سرپرست تھے، آپ کے انتقال سے نہ صرف اس خاندان کی کئی نسلیں اپنے بزرگ تر سرپرست سے محروم ہوگئیں بلکہ پورے ملک کی جماعتِ اہل حدیث ایک مخیر اور قدردانِ علم و علماء سے محروم ہوگئی۔

آپ ۶؍ جون ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد محترم کا نام حاجی محمد اسماعیل اور دادا کا نام حاجی تاج محمد تھا (جو تاجا بیوپاری کے نام سے مشہور و معروف تھے)۔ بچپن ہی میں والد کا انتقال ہوگیا تھا۔ آپ کی تعلیم و تربیت حاجی عبدالرحمٰن صاحب کی نگرانی میں ہوئی۔ اردو تو مادری زبان تھی، ضرورت کی حد تک آپ فارسی اور انگریزی سے بھی واقف تھے۔ حاجی عبدالرحمٰن صاحب کی زیرِ سرپرستی کاروباری و تجارتی معاملات میں قدم بڑھایا

اور گوناگوں تجربات حاصل کیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت زیادہ مالی فروغ و استحکام عطا فرمایا تھا۔
جماعتی کاموں سے آپ کو بڑی دلچسپی تھی۔ جماعت کے بڑے بڑے علماء آپ کے یہاں فروکش ہوتے اور آپ
مسرت سے ان کی میزبانی کا شرف حاصل کرتے۔ اس کے علاوہ مذہبی اور سوشل امور سے بھی آپ کو گہری دلچسپی تھی
جامعہ رحمانیہ جو اس خاندان کی سرپرستی میں چلنے والا ادارہ ہے، اس سے آپ کو خصوصی دلچسپی تھی اور تاحیات
آپ اس کے صدر رہے۔ نیز مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کی زیر سرپرستی چلنے والے ادارے الجامعۃ السلفیہ سے اس کے وقت
تاسیس سے آپ کو قلبی لگاؤ تھا اور آپ اس کے تاحیات نائب صدر رہے۔ جامعہ کے تمام اجتماعات اور علمی پروگراموں
میں ایک سرپرست کی حیثیت سے ہمیشہ صف اول میں نظر آتے تھے۔
جامعہ سلفیہ کے سارے متعلقین آپ کے انتقال سے سوگوار ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے
اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔ ادارۂ محدث کی طرف سے قارئین کرام سے موصوف کے لیے دعائے
مغفرت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

- ملک کے مشہور عالم دین مولانا افضل حسین (جنرل سکریٹری جماعت اسلامی) صاحب کے انتقال پر ملک کی خبر اخبارات کے ذریعہ ملی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین) ملت کے اس غم میں ادارہ محدث برابر کا شریک ہے۔ (ادارہ)

بقیہ ص ۴۳ کا

یوبندی، شعراء و ماہرین تعلیم، مجاہدین، تحریک خلافت کے قائدین شاہ اسمٰعیل شہید، سید نذیر حسین، علامہ ابن
یہ، ابن حزم، امام شوکانی، امام محمد بن عبدالوہاب، آل سعود کی تکفیر سے متعلق ان کے فتاوے صحیح حوالوں سے درج ہیں۔
یوبندی ہندوؤں اور یہودیوں سے بدتر کافر ہیں، ان کی کتابوں پر پیشاب کیا جائے ان کے کفر میں شک کرنے والا
فر ہے، ان کی نماز جنازہ ادا کرنا کفر ہے، انہیں مساجد میں داخل نہ ہونے دیا جائے، وہابیوں سے میل جول حرام ہے وہابی
پڑھایا ہوا نکاح باطل ہے اس طرح کے تکفیری فتوؤں کی لمبی فہرست صحیح حوالوں سے درج ہے۔ باب پنجم میں افسانوی
یات کا ذکر ہے جو بریلویت کے حلقہ بگوشوں کے یہاں یقینی واقعات کی شکل میں رائج ہیں۔
کتاب اوسط سائز کے تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ عمدہ خوبصورت ٹائٹل، کتابت طباعت
ر کاغذ نہایت نفیس ہیں، بریلویت کے موضوع پر واقعی احوال اور صحیح معلومات کے لئے یہ کتاب بیش بہا خزینہ ہے۔

ھماری نظر میں

نام کتاب — بریلویت تاریخ و عقائد

تصنیف — علّامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ

ترجمہ — عطاء الرحمٰن ثاقب

ناشر — شعبۂ نشر و اشاعت المعہد الاسلامی السلفی رچھا، بریلی، یوپی

قیمت — تیس روپۓ

یہ کتاب اس پاکیزہ لہو کے دائمی آثار و نقوش میں سے ایک ہے جو اللہ کی راہ میں بہنے کے لئے تڑپتا تھا، راہ شہادت میں بہنے کے لئے اللہ کی محبوب سرزمینوں میں دعائیں کرتا تھا، اس موضوع پر اس کتاب کے شاہد عدل ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اس میں کوئی بات بغیر درست حوالہ کے درج نہیں کی گئی ہے، مصنف نے اصلاً سے عربی زبان میں تصنیف فرمایا ہے جو بلاد عرب میں اس موضوع کے لئے مرجع و ماخذ کا درجہ حاصل کر چکی ہے، اس کتاب کا ترجمہ مصنف شہید کے سکریٹری مولانا عطاء الرحمٰن ثاقب نے نہایت شستہ اور فصیح زبان میں کیا ہے، کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے باب اول میں بریلویت کی تاریخ اور اس کے بانی کے احوال درج ہیں جس میں بانی بریلویت کے تشیع، جہاد کی مخالفت، تحریک خلافت کی مخالفت، جہاد کے منہدم ہونے کا فتوی، توہین صحابہ وغیرہ موضوعات قابل دید ہیں اس ضمن میں بریلوی کے اساطین علماء کا تذکرہ بھی موجود ہے باب دوم میں بریلوی عقائد، غیر اللہ سے فریاد رسی جن میں تمام انبیاء اولیاء شامل ہیں مردے سنتے ہیں، علم غیب غیر اللہ کو بھی ہے، غیر اللہ کا حاضر و ناظر ہونا اور اس طرح کے دیگر عقائد کا درست حوالوں سے ذکر مع ان کے رد کے موجود ہے باب سوم میں بریلوی تعلیمات کا ذکر ہے جن میں پختہ قبروں کی تعمیر ان پر شمعیں روشن کرنا، عرس اور میلے لگانا، جشن میلاد، حلوا، نذر و نیاز، کفن پر دعائیں لکھنا، قبر پر اذان دینا وغیرہ تعلیمات بریلویہ صحیح حوالوں کے ساتھ مع رد کے مذکور ہیں۔ باب چہارم بریلوی اور تکفیری فتوے کے موضوع پر ہے جن میں عام مسلمانوں اہل حدیث

بقیہ ص۴۴ پر

ماهنامہ

شمارہ ۳ • مارچ ۱۹۹۰ء • شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ • جلد ۸

اس شمارہ میں

مدیر :
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک
• سالانہ تیس روپے • فی پرچہ تین روپے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درسِ قرآن

نصرت بجواب نصرت

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ

اگر تم لوگ اللہ کے دین کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

آیتِ شریفہ میں اہلِ ایمان کے لیے اللہ کی نصرت و تائید کے ضابطہ کو جس جامع و مانع انداز میں بیان کردیا گیا ہے یہ بس قرآن کا اعجاز ہے، تاریخ اسلام میں عروج و زوال کی داستان میں بھی یہی ضابطہ نظر آتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہونے والے واقعات و حوادث کے تناظر میں نصرت و تائیدِ الٰہی کو دیکھنا چاہیے۔ ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اہلِ ایمان کی قدم قدم پر حیرت انگیز مدد فرمائی ہے، اسی کو "کرامتِ اولیاء" کہا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کے تین غار میں پھنسے ہوئے مصیبت زدہ لوگوں نے جب اپنے اعمالِ صالحہ کے طفیل ربِّ ذوالجلال و الاکرام کو اس مصیبت کی گھڑی میں یاد کیا تو غار کے منہ سے پتھر ہٹ گیا۔

سارے امور و معاملات کی باگ ڈور اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے سخت سے سخت ماحول، ہوشربا حالات اور ناخوشگوار حالات میں ناامیدی اور مایوسی کفر ہے۔ اہلِ ایمان کا شعار یہ ہے کہ اس طرح کے ماحول میں ان کی ملتجیانہ نگاہیں اور لرزتے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھتے ہیں۔

واقعات کی دنیا میں اللہ رب العزت کے ایک اشارہ اور ایک بول "کن فیکون" کے نتیجہ میں محیر العقول تبدیلیاں مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں، زلزلوں کے یہ جھٹکے، حکومتوں اور سلطنتوں کے انقلابات، دنیا میں نقشوں کا بننا اور بگڑنا عبرتناک عروج و زوال، یہ تمام حوادثِ دہر کائنات پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی اور گرفت کی ٹھوس دلیلیں ہیں۔

اللہ رب العزت ایک اشارے سے سارے عالم کو زیر و زبر کر سکتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے اس نے ساری کائنات کو خلعتِ وجود پہنایا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ متعدد جگہوں پر زور دے کر تاکید کے ساتھ اور قسم کھا کر ان لوگوں کو اپنی نصرت وتائید کا یقین دلاتا ہے جو اس کے قرابتدار و نیک خصال ہوں گے، جو اس کے اور اس کے دین کے حامی و ناصر اور محافظ ہوں گے۔

ولینصرن اللہ من ینصرہ، إن اللہ لقوی عزیز۔ الذین إن مکناھم فی الارض اقاموا الصلاۃ وآتوا الزکاۃ، وأمروا بالمعروف ونھوا عن المنکر واللہ عاقبۃ الامور۔ (الحج: ۴۱)

اللہ ضرور ان کی مدد کرتا ہے جو اس کے دین کی مدد کرتے ہیں۔ بے شک اللہ سب سے بڑا قوت والا اور غالب ہے، یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو حکومت دیں گے تو نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیک کاموں کا حکم کریں گے اور برے کاموں سے روکیں گے، اور سب چیزوں کا انجام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔

حق بات یہ ہے کہ موجودہ مسلمانوں کی زبوں حالی کے ذمہ دار خود مسلمان ہیں۔ اگر مسلمانوں نے دینِ اسلام کی صحیح تعلیمات کو سیکھا ہوتا اور اپنے عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات کو اس کے مطابق استوار کیا ہوتا تو نصرتِ الٰہی کا وعدہ محقق ہوتا۔

ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔

مایوسی اور ناامیدی کے غار میں گرنے یا محوِ غفلت ہونے کے بجائے مسلمانوں کو سنجیدگی سے اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ ان کے زوال و پستی کے حقیقی اسباب وعوامل کیا ہیں؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے: لن یصلح آخر ھٰذہ الامۃ الا ما صلح بہ اولھا۔ اس امت کے آخر کے لوگ اسی سے درست ہوں گے، جس سے اس کے پہلے کے لوگ درست ہوئے تھے۔

مخلص و متدین امراء و سلاطین اور اربابِ علم وفن کی ترقیوں کا راز یہ تھا کہ وہ صحیح عقائد و اعمال کے حامل لوگ تھے۔ جب لوگ صحیح عقائد اور صحیح اعمال سے دور ہوگئے، تمسک بالکتاب والسنۃ کے بجائے، بدعات اور مشرکانہ عقائد و اعمال کا زور ہوگیا، تقلید و تعصب کی آندھیاں چلنے لگیں، امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے غفلت برتی جانے لگی، دل اللہ کی یاد سے غافل ہوگئے تو شیطان کا غلبہ بڑھا، دشمنانِ اسلام کو حوصلہ ملا اور مریض امت پر کفر کی ایسی یلغار ہوئی کہ صدیوں سے عالم اسلام پر ادبار و فلاکت کی فضا چھائی ہوئی ہے اور ذلت و نکبت ہمارا مقدر ہو چکی ہے۔ اب اس کے ازالہ کی صرف ایک ترکیب ہے اور وہ یہ کہ دوبارہ دلوں کو اللہ کی یاد سے پُر کردیا جائے، فواحش و منکرات اور شرک و بدعات کی جگہ اچھے عقائد و اعمال کو فروغ دیا جائے اور ارکانِ اسلام اور شعائرِ اسلام اور آدابِ اسلام کو دوبارہ وہی مقام دیا جائے جو سلفِ صالحین نے دیا تھا، اور جس کی وجہ سے دنیا میں عزت و تمکن اور سطوت و غلبہ و اقتدار

حاصل ہوا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ رب العزت کی نصرت و تائید کے ساتھ جو شرط لگی ہوئی ہے وہ یہ کہ مسلمان صحیح معنوں میں اللہ اور اس کے دین کے حامی و ناصر و مددگار و محافظ ہوں۔ یعنی وہ پابند شریعت مطہرہ ہوں۔ الذين ان مكناهم في الأرض اقاموا الصلاة وآتوا الزكاة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر۔

اگر یہ شرط فوت ہوگئی تو نصرت الٰہی کی توقع بے معنی ہوگی: اذا فات الشرط فات المشروط

کیا ہمارے قائدین و زعماء کے حاشیۂ خیال میں یہ بات ہے کہ غلبہ و اقتدار کے بعد اقامت صلاۃ، نظم زکاۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر وغیرہ شعبوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنائیں گے۔

افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ موجودہ درجنوں اسلامی حکومتوں میں تہذیب و ثقافت اور کلچر کے نام پر صغائر و کبائر کا جس منصوبہ بندی اور فنکاری سے ارتکاب کیا جارہا ہے، اس پر اکبر الہ آبادی کے مشہور شعر کو ذرا سا تصرف سے پیش کرنا بے محل نہ ہوگا۔

مصرع ۱: افسوس کہ فرعون کو «تحدیث» کی نہ سوجھی

" ۲: یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

بات لمبی ہوگئی، کہنا یہ تھا کہ ایمان کامل کا تقاضا آیات و احادیث کی روشنی میں یہ ہے کہ مسلمان پہلے اپنے عقائد اور افکار اور اعمال کی اصلاح کریں اور اس کے بعد اپنی ہمہ جہتی تعمیر و ترقی کے لیے اسلامی آداب و تعلیمات کی روشنی میں سرگرم سفر ہوں، دفاع کا میدان ہو یا تجارت اور صنعت و حرفت اور سیاست مدنیہ کا، علم و حکمت اور سائنس کا معاملہ ہو اور نئے علوم و فنون میں مہارت کا، بقدر ضرورت ہر ایک کا حصول اور اس میں ملکہ حاصل کرنا اسلامی تعلیمات کے عین موافق ہے۔ الحكمة ضالة المؤمن۔

کتاب و سنت میں دین و دنیا سے متعلق تمام واضح تعلیمات موجود ہیں۔ دین اسلام سے گہرا لگاؤ اس کے حصول میں رکاوٹ نہیں ثابت ہوسکتا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ مہمیز ثابت ہوگا۔

آج عالم اسلام میں ہر سطح پر پریشان کن دفاعی، معاشی اور معاشرتی مسائل موجود ہیں، یہ معلوم ہے کہ امت اسلامیہ کو دین اسلام کی نعمت کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت نے بے پناہ مادی وسائل عطا فرمائے ہیں جس کے صحیح استفادہ سے عالم اسلام ہر سطح پر خود کفیل ہوسکتا ہے، لیکن برا ہو مغرب پرستی کا کہ ہم اپنی معیشت و معاشرت اور تجارت میں سودی نظام

کے اس طور پر عادی ہوگئے ہیں کہ اس سے پیچھا چھڑانا اور نجات پانا مشکل ترین مسئلہ ہوگیا ہے۔

اسی طرح سے منصوبہ بندی اور فیملی پلاننگ کے ابلیسی نظام میں ایمان رکھتے ہوئے دوسرے امکانات پر غور وخوض نہیں کرپاتے، جبکہ عالم اسلام کے مالیاتی و زراعتی اعداد وشمار کو سامنے رکھ کر شریعت کی رہنمائی میں کوئی منظم منصوبہ بندی کی جائے تو نہ صرف یہ کہ بے کاری اور غریبی پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے بلکہ دنیا میں اسلام کی دعوت کو عام کرنے میں اس سے بہت مدد لی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت کی شرط یہ ہے کہ ہم اس کے اور اس کے دین کے حامی وناصر اور خادم بن جائیں، اسی میں ہماری دنیاوی اور دینی ترقی کا راز مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو حقیقی معنوں میں اپنا اور اپنے دین کا حامی وناصر بنائے اور اس کی رحمت ونصرت وتائید ہمارے شامل حال ہو۔ ●●●

ابنائے جامعہ سلفیہ توجہ فرمائیں!

آپ کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ جامعہ سلفیہ نے اپنے جملہ فضلاء کے احوال قریبی فرصت میں مرتب کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے، تاکہ ادارہ کی تاریخ کا یہ اہم پہلو محفوظ ہوسکے۔ اس سلسلے میں ادارہ کو آپ کے فوری اور مثبت تعاون کی ضرورت ہے، امید کہ توجہ فرمائیں گے۔ درج ذیل سوالوں کے مفصل جواب تیار کرکے اولین فرصت میں ذیل کے پتہ پر ارسال کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ والسلام

(۱) نام (۲) ولدیت (۳) تاریخ پیدائش (۴) مستقل پتہ (۵) ادارے جہاں تعلیم حاصل کی۔
(۶) فراغت کہاں اور کب ہوئی (۷) تصنیف وتحقیق وترجمہ کا کام (۸) تدریس کہاں اور کب سے۔
(۹) تبلیغ کے میدان میں سرگرمی (۱۰) سماجی ورفاہی خدمات؟

پتہ:

محمد مستقیم سلفی

معرفت جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس ۲۲۱۰۱۰

درس حدیث

ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی

خونِ مسلم کی ارزانی

یوشك ان تداعى عليكم الامم من كل افق، كما تداعى الاكلة الى قصعتها، قيل: يا رسول الله! فمن قلة يومئذ؟ قال: لا، ولكنكم غثاء كغثاء السيل، يجعل الوهن فى قلوبكم، و ينزع الرعب من قلوب عدوكم لحبكم الدنيا، وكراهيتكم الموت۔

(مسند احمد ۵/۲۷۸، سنن ابوداؤد صحیح الجامع الصغیر للألبانی ۸۰۳۵)

وہ زمانہ دور نہیں جب (غیر مسلم) اقوام ہر طرف سے تمہارے اوپر ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے کھانے سے بھرے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں، کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ایسا مسلمانوں کی قلت تعداد سے ہوگا؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس وقت تم سیلاب کے بعد کے خس و خاشاک کے مانند ہوگے، تمہارے دلوں میں کمزوری و بزدلی گھر کر جائے گی اور تمہارے اعداء کے دلوں سے تمہارا رعب و دبدبہ جاتا رہے گا، اور یہ اس واسطے ہوگا کہ تم دنیا سے محبت کرنے لگوگے، اور موت سے نفرت و کراہت۔

آج دنیا میں مسلمان اپنی تعداد کے لحاظ سے عیسائیوں کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں، ان کی تعداد ایک ارب دس کروڑ سے بھی زیادہ ہے، صرف برصغیر پاک و ہند میں ۴۰ کروڑ سے زیادہ مسلمان بستے ہیں۔ دنیا کے ایک بڑے زرخیز علاقے پر ان کی حکمرانی بھی ہے۔ اور ۴۷ کے قریب ان کی چھوٹی بڑی حکومتیں قائم ہیں۔ جو پُرپیچ عالمی سیاست کے مسائل و مشکلات سے قطع نظر بڑی حد تک خودمختار اور باوسیلہ حکومتیں ہیں۔

امتِ اسلامیہ اپنی تعداد، وسائل معیشت و معاشرت و سیاست اور وسیع خطۂ ارض پر حکمرانی کے باعث بالفعل نہ سہی، بالقوہ بے پناہ صلاحیتوں سے مالا مال امت ہے اور عددی اور مادی وسائل کی حد تک یہ بات،

بلا ذریغ کہی جا سکتی ہے کہ اس سے پہلے کی تاریخ میں مسلمانوں کے پاس اتنے امکانات کبھی نہیں تھے ۔
یہ تھا تصویر کا ایک رُخ ، دوسرے رُخ سے متعلق پیش گوئی خود حدیثِ رسول علی صاحبہ الف تحیۃ وسلام میں موجود ہے ۔ اس وقت مسلمان ذلت ونکبت ، خوف ودہشت ، زبوں حالی وپسپائی کے جس مرحلہ سے گزر رہے ہیں ، اور ملت کا وقار جس طرح مجروح ہوا ہے اس کے تصور ہی سے دل سیپارہ ہو جاتا ہے ۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

استعمار ، تبشیر اور استشراق کے تال میل سے اہلِ مغرب نے عالمِ اسلام ، مقدساتِ اسلامیہ اور دینِ اسلام کو عتنا ذک پہنچانے اور پامال کرنے کی کوشش کی ہے ، اور صہیونیت ، اشتراکیت اور برہمنیت نے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی جو ناپاک کوشش کی ہے اس سے برصغیر پاک وہند ، فلسطین ، افغانستان ، اریٹریا ، انڈونیشیا وغیرہ کی خونچکاں تاریخ بر رہی ہے ، ماضی قریب اور حال کی تاریخ نے چنگیز وہلاکو کے عہد کو بھلا دیا ہے ۔
حدیثِ رسول میں اس صورتحال کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مسلمان کے دل میں نفسِ امارہ اور شیطان کی اتباع ، زر ، زن ، زمین کے مسائل میں الجھنے کی وجہ سے اور دنیاوی مال ومتاع سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے کے لیے ، زیادہ سے زیادہ جینے کی خواہش کے چکر میں ، بزدلی وکمزوری گھر کر لے گی اور موت سے وہ نفرت کرنے لگے گا اور اس طرح سے دشمن کے دل میں اس کا جو رعب قائم ہے ، جاتا رہے گا ۔
اس حدیث میں ہمارے لیے دعوتِ فکر وعمل ہے کہ ہم اپنے دل کو اللہ کی یاد سے معمور کرلیں اور دین ودنیا میں رہنے کے جو آداب ہیں اس کو اپنا کر دنیا میں عزت واقتدار حاصل کریں اور آخرت کی کھیتی اس طور پر کریں کہ دائمی زندگی میں آرام وراحت اور عزت نصیب ہو ۔
اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تقدیر کا رونا رو کر سارا الزام تقدیر پر رکھ دیں ۔
عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا اور بعد کی اسلامی فتوحات میں شجاعت ومردانگی کی جو مثالیں دیکھنے میں آئیں ان میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ دنیا وآخرت میں سرخروئی کے لیے شجاعت ، مردانگی اور جان کی بازی ضروری اوصاف ہیں مومنین صادقین نے پہلی صدی ہجری میں دنیا کے ایک بہت بڑے خطے پر علمِ اسلام لہرا کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ دینِ اسلام کو ماننے والی یہ امت اپنی جان کی قربانیوں سے دریغ نہیں کرنے والی ہے ۔ انھیں زندگی سے زیادہ موت عزیز تھی ، آج ہم ہمیشہ

گوشۂ عافیت تلاش کرتے رہتے ہیں اور ہمارے اسلاف اپنے نفس، اپنے دین اور اپنے وطن کے دفاع اور تحفظ کے لیے اپنا تن من دھن قربان کردیتے تھے۔

امتِ اسلامیہ کو دنیا میں دوبارہ ہر سطح پر عزت و آبرو اور غلبہ و اقتدار اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے نوجوانوں کے خون کی ضرورت ہے۔ خون سے لکھی شرف و مجد اور عزت کی تاریخ کی تجدید خون بہا کر ہی کی جاسکتی ہے۔ آنسو بہانے کا اب وقت نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اسلام میں جہاد کے صحیح مفہوم کو سمجھیں اور منظم و متحد ہو کر میدانِ عمل میں آئیں اللہ رب العزت کا وعدہ ہے۔

ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔ •••

إعلانِ داخلہ

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) میں داخلہ کے خواہشمند طلبہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ فارم داخلہ کے لیے ۵ رشعبان ۱۴۱۰ھ تک "دفتر جامعہ سلفیہ" کے نام درخواست ارسال کریں۔ فارم کی مکمل خانہ پری کے بعد ۲۸ رشعبان تک اسے واپس بھیج دیں۔

شعبۂ تجوید و قرارت (مدت تعلیم دو سال) اور شعبۂ تخصص فی الحدیث (مدت تعلیم دو سال) میں داخلہ کے خواہشمند طلبہ خصوصیت کے ساتھ توجہ دیں۔

امتحانِ داخلہ تحریری ہوگا۔ مورخہ ۱۰ رشوال تک تمام امیدواروں کا جامعہ پہنچنا ضروری ہے۔ جو طلبہ کسی مجبوری کے باعث فارم ارسال نہ کرسکیں، ان کو علاقہ کے کسی عالم کی سفارش کے بعد امتحانِ داخلہ میں شرکت کی اجازت مل سکتی ہے۔

منجانب:-
دفتر جامعہ سلفیہ
ریوڑی تالاب بنارس- ۲۲۱۰۱۰

افتتاحیہ

ہر مرض کا ایک ہی نسخۂ شفاء

صرف ایک اللہ کی عبادت ، صرف سنتِ رسولؐ کی اتباع

حالیہ الیکشن کے دوران ہماری بستی کے ایک مسلمان نے ایک مجلس میں بتایا کہ: ٹرین کے ایک سفر میں ایک پڑھے لکھے ہندو سے فسادات کے موضوع پر بات چیت ہونے لگی، میں نے کہا: مسلمانوں کا جان و مال محفوظ نہیں ، وہ نہایت بیدردی سے قتل کیے جا رہے ہیں ۔ ہندو نے کہا: نہیں! کافر قتل کیے جا رہے ہیں ۔ میں نے کہا: صاحب مسلمانوں کا قتل عام تو اب ایک معروف حقیقت بن چکا ہے ۔ ملک کا زندہ ضمیر غیر مسلم بھی اس ظلم پر چیخ پڑا ہے اور دنیا کی انسانی برادری بھی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہی ہے ، ہندو نے بڑے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا: ممکن ہے انسانیت کے ناطے یہ احتجاج مبنی بر حقیقت ہو، لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ مسلمان گروہ در گروہ بٹے ہوئے ہیں اور ہر ایک گروہ دوسرے گروہ کو کافر کہتا ہے، اس بنا پر تو قتل ہونے والے کافر ہی ہوئے ۔

اس خبر کے متعدد پہلوؤں کی توضیح کی جا سکتی ہے ، لیکن یہاں جس کی توضیح مقصود ہے ، وہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا وہ ظاہرہ ہے ، جسے اس غیر مسلم نے اپنے جواب میں نمایاں کیا ہے ۔ مسلمان ہی نہیں دنیا کی کوئی قوم جب اپنی اجتماعی زندگی کے اس مرحلہ پر پہنچی ہے تو اس کی ہلاکت و بربادی کے ایک دو نہیں سیکڑوں اسباب نے اسے چاروں سمت سے گھیر لیا ہے ۔ مسلمانوں کے اندر آج اللہ تعالیٰ کی سچی محبت و اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی صحیح اتباع کی آگ بجھ گئی ہے ۔ یہی صراطِ مستقیم تھی جسے چھوڑ کر وہ متضاد پگڈنڈیوں پر دوڑنے اور اپنے ہی بھائیوں کو کافر گرداننے لگے ہیں اگر مسلمان اور ان کی بستیاں فسادات کی نذر ہو کر واقعتا راکھ کا ڈھیر نظر آئیں تو اسے صراطِ مستقیم کی صحیح اتباع کی آگ بجھ جانے کا طبعی نتیجہ سمجھتے ہوئے ذرا بھی متعجب نہیں ہونا چاہیے ۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے ۔۔۔ مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

فسادات میں جلتا، مرتا، لٹتا، پٹتا مسلمان مصائب کی ساعتوں میں اللہ کو یاد کرتا ہے، لیکن جوں ہی یہ ساعتیں تھوڑی دیر کے لیے ٹلتی ہیں، اس کی ساری گمراہیاں اور ضلالتیں عود کر آتی ہیں، صوفیا ر ادران کا گروہ حال میں علما ر اوران کے حلقہ بگوش پیروکار قال میں اور عوام کالانعام فسق و فجور میں مست اور غرق نظر آئیں گے۔ جلنے، مرنے اور لٹنے، پٹنے کے دوران ریلیف کی بھیک دینے والے ہاتھ بھی انھیں یہی تاثر دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ فلاں غوث پاک فلاں مشکل کشا اور فلاں امام ہی کے صدقے میں ہے۔ لیکن بے چنگاری کے راکھ کے اس ڈھیر میں بکھرے ہوئے قرآن کی ملکوتی صدائیں ابھرتے ہوئے ماحول میں پیہم بکھرتی رہتی ہیں۔ وما النصر الا من عند اللہ، مدد، تعاون اور ریلیف صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ لیکن اس طرح کی نہ جانے کتنی بربادیوں کے لیے آمادہ یہ مسلمان قوم ان صداؤں پر کان نہیں دھرتی اور اس صراط مستقیم پر جم جانے کا عہد نہیں کرتی جس پر استقلال اختیار کیے بغیر اس کی نجات ممکن نہیں ہے۔ قرآن مجید میں توبہ وصف مشرکوں، کافروں اور گمراہ قوموں کا بتایا گیا ہے کہ جب مصیبت آئے تو سارے معبودان باطلہ کو بھول کر صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور جب مصیبت کی گھڑی ٹل جائے تو پھر گمراہی اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اللہ کی مدد اور ریلیف کو فراموش کر دیتے ہیں۔ سورۃ الاسراء آیت ۶۷ تا ۷۸ کے ترجمہ پر غور کیجیے!

" جب سمندر میں تم لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو سب بھول جاتے ہیں۔ پھر جب وہ تم کو خشکی پر لے آتا ہے تو تم لوگ منہ پھیر لیتے ہو، انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو کہ تم لوگوں کو خشکی کے کنارے پر دھنسا دے، یا تم لوگوں کے اوپر تیز آندھی چلا دے، پھر تم اپنے لیے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ تمھیں دوبارہ سمندر میں لے جائے، پھر تمھارے اوپر جھکڑ بھری تیز ہوا چھوڑ دے اور تمھاری ناشکری کے بدلے میں تم لوگوں کو غرق کر دے، پھر تم لوگ اپنے لیے ہمارا کوئی تعاقب کرنے والا نہ پاسکو گے۔ ہم نے بنی آدم کو بڑی عزت دی اور ان کو خشکی و تری میں اٹھائے جاتے ہیں اور انھیں پاکیزہ نعمتوں کا رزق دیتے ہیں اور ہم نے اپنی بہت سی مخلوق پر انھیں فضیلت بخشی ہے۔ جس دن ہم تمام انسانوں کو ان کے پیشواؤں کے نام کے ساتھ بلائیں گے، پھر جن کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا وہ خوشی سے اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے۔ اور ان پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا۔ اور جو کوئی اس دنیا میں بلحاظ سے اندھا ہوگا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا، اور بہت دور راہ بھٹکا ہوا، جو احکام ہم نے تیری طرف۔ اے نبی۔ وحی کیے، اس سے یہ لوگ تجھے بہلانے لگے تھے، تاکہ تم ہم پر کسی اور حکم کا افتراء کرو (بجائے توحید کے شرک) پھر تو یہ لوگ تجھے اپنا دوست بنا لیتے، اگر ہم تجھے (نور نبوت سے) ثابت قدم نہ رکھتے تو تم کسی قدر ان کی طرف جھک جاتے، ہم اس وقت

تمھیں زندگی اور موت کا دگنا عذاب چکھاتے، پھر تم ہمارے مقابل کسی کو مددگار نہ پاتے۔ یہ لوگ اس تگ ودو میں ہیں کہ تجھے اس زمین سے اچاٹ کرکے اس سے نکال دیں ، پھر یہ لوگ تیرے بعد بہت تھوڑی مدت ٹھہر سکیں گے، جن رسولوں کو تم سے پہلے ہم نے بھیجا ہے، ان کا دستور یاد کرو (ان کے نکل جانے پر قوم کی خیر نہ ہوتی تھی) اور تم ہماری سنت میں کبھی رد وبدل نہ پاؤ گے۔ «

● ان آیات الٰہیہ میں چند امور پر مسلمانوں کو خصوصیت سے غور کرنا چاہیے۔ مصیبت میں خدا یاد آئے اور مصیبت ٹل جائے تو اس سے منہ پھیرے اور اس کی ناشکری کرے، یہ گمراہوں کا شیوہ ہے۔ کیا مسلمان اس کا خوگر نہیں؟ اسے ہر حال میں اللہ کو یاد رکھنا اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

● گمراہ قومیں اپنی بداعمالیوں میں مست ہو کر خسف و مسخ، طوفانِ باد و زلازل اور ہر نوع کے اسباب ہلاکت سے بے پروا ہو جاتی ہیں، کیا مسلمان اللہ سے بے خوفی کے اس مقام کی طرف تیزی سے نہیں دوڑ رہا ہے۔ اگر قدرت کے ان تازیانوں سے اس نے عبرت نہ پکڑی تو گمراہ اقوام کی طرح وہ بھی کسی کو اپنا مددگار نہ پائے گا۔

● تمام بنی آدم کو اللہ نے عزت بخشی، پاکیزہ رزق عطا کیا اور بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی۔ ایک دن آئے گا جب سب کو ان کے رسولوں کے نام پر بلا کر ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا، جو انسان اس دنیا میں بداعمالیوں کی وجہ سے اندھا ہوگا، وہاں بھی اندھا رہے گا۔ مسلمان قوم ان میں سے کسی چیز سے مستثنیٰ نہیں، اس لیے اسے پہلے پاکیزہ رزق کی قدر کرنی چاہیے، صرف رسول اور ان کی سنت کی اتباع کرنی چاہیے، جن کے نام پر وہ حساب کتاب کے لیے پکارے جائیں گے۔ بداعمالیوں سے اندھے ہونے والوں کو کوئی غوث کوئی امام بینا نہ کر سکے گا۔

● کفارِ مکہ و عرب ہمارے رسول کو دینِ توحید کے بجائے دینِ شرک کی طرف پھیرنے کی تگ ودو کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے علمِ نبوت سے آپ کو ثابت قدم رکھا۔ اگر آپ ذرا ان کی طرف جھک جاتے تو وہ لوگ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے، لیکن ایسا ہوتے پر اللہ نے زندگی اور موت کے دگنے عذاب کی دھمکی خود اپنے رسول کو سنا دی۔ کیا آج مسلمانوں کو دینِ توحید اور دینِ شرک کے متعلق وہی مرحلہ درپیش نہیں، انھیں دینِ توحید پر ثابت قدمی کتاب اللہ اور سنت رسول کے علم نبوت کی اتباع ہی سے مل سکتی ہے، اور اگر وہ کافروں کے دوست بن کر دینِ شرک کی طرف جھک گئے تو زندگی اور موت کے عذاب سے انھیں بچانے والا نہ کوئی غوث ہوگا نہ امام۔

● کفار اس تگ ودو میں تھے کہ رسول کو سرزمین حرم مکہ سے اچاٹ کرکے نکال دیں۔ مگر اللہ کی یہ سنت جاری رہی ہے۔

کہ رسولوں کے نکلنے کے بعد ان کی ظالم قوم خود بھی وہاں باقی نہ رہ سکی۔

آج مسلمانوں کو یہی صورتحال درپیش ہے، مسلمان ہونے کے ناطے جس بلند کرداری کی ان سے توقع تھی وہ مفقود ہے،
اس لیے ان کی کس مپرسی کا یہ عالم ہے کہ جنونی ہندوؤں کے نعرے کے مطابق نہ وہ پاکستان ہی جا سکتے ہیں اور نہ ان کی لاوارث
لاشوں کو قبرستان ہی میسر آتا ہے، عزت و وقار سے اس سرزمین پر باقی رہنا ہے تو رسول کی سنتوں کی اتباع کر کے وہ بلند
کردار پیدا کرو جو کفر و طاغوت کے اٹھائے گئے طوفانوں کا ہنس کر مقابلہ کرلے جائے۔ اس کردار میں پہاڑوں کی سی عظمت ہو اور ان
پہاڑوں سے بہنے والے نالوں اور دریاؤں کی سی رحمت ہو کہ اگر انھیں اپنی جگہ سے ٹلنا پڑے تو ان کے بعد کوئی چیز وہاں اپنا وجود باقی
نہ رکھ سکے۔

صرف ایک اللہ کی عبادت، اس پر توکل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنتوں کی اتباع ایک ایسی عظیم الشان قوت
ہے، جس کا مقابلہ کسی بھی مخلوق کے لیے ممکن نہیں، یہ قوت ربانی ایک ایسا زلزلہ ہے جس سے باطل کے پہاڑ بھی زمین بوس ہو جاتے
ہیں، اس سے مقابلہ کرنے والے ہمیشہ برباد ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے، بشرطیکہ اس قوت میں باطل کی آمیزش نہ ہونے پائے
ورنہ انجام معلوم ہے۔ ان الباطل کان زھوقا، باطل مٹنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔ سورۃ القلم میں اللہ تعالیٰ نے بیان
فرمایا ہے: ان بلونٰھم کما بلونا اصحب الجنۃ، مکہ اور عرب کے کافروں کے درمیان رسول اور رسالت برپا کر کے
ہم نے ان کو آزمایا ہے۔ اگر اسوۂ رسول و سنتِ رسول کی اتباع کریں گے تو دونوں جہاں میں سرخ رو ہوں گے، اور اگر اس سے
روگردانی یا مقابلہ کریں گے تو ایک باغ والوں کی طرح ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ آگے ارشادِ ربانی کا ترجمہ درج ہے:

"جب باغ والوں نے پختہ ارادہ کیا کہ بالکل سویرے ہی پھل توڑ لیں گے، وہ لوگ ان شاء اللہ بھی نہ کہتے تھے، وہ
سوئے ہی تھے کہ باغ پر تیرے رب کی طرف سے ایک آفت پھر گئی، جس سے وہ برباد ہو گیا، وہ رات ہی میں چپکے چپکے باتیں
کرتے چلے تاکہ وہاں باغ میں کوئی مسکین نہ آسکے، وہ سویرے ہی اپنی قوت پر اعتماد کیے پھل توڑنے نکلے، جب تباہ باغ دیکھا،
تو بولے ہم راستہ بھول گئے، نہیں بلکہ ہم محروم کردیے گئے، ان میں کے بہتر شخص نے کہا: کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اللہ
کی پاکی کیوں نہیں بیان کرتے۔ سب نے مل کر کہا: پاکی ہمارے رب کے لیے ہے ہم ہی ظالم تھے۔ پھر باہم ایک دوسرے کو ملامت
کرنے لگے، بولے، ہائے ہماری بربادی، ہم واقعی سرکش تھے، امید ہے ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر باغ عطا فرمائے گا، ہم
یقیناً اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں، عذاب الٰہی اسی طرح آتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑا ہے۔
کاش لوگ اسے جان لیں۔"

ان تباہ شدہ باغ کے مالکوں کے اوصاف اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے کہ وہ صرف اپنے زور بازو پر بھروسہ کرتے تھے ۔ اللہ کی رضا اور اس کے فیصلوں سے ان کی بے رغبتی کا حال یہ تھا کہ وہ ان شاء اللہ بھی نہ کہتے تھے ، وہ غریبوں ، بیکسوں ، یتیموں اور مسکینوں کو ان کا حصہ دینے سے گریز کرتے تھے ، بلکہ خود اپنے متعلق ان کا بیان قرآن نے نقل کیا کہ وہ اللہ کی پاکی بیان نہیں کرتے تھے ، انھوں نے خود کہا کہ ہم ظالم تھے ، ہم سرکش تھے ، لیکن ایمان کی بجھی ہوئی راکھ میں کوئی چنگاری روشن ہو گئی ۔ وہ خود کو ملامت کرنے لگے ، اور انھیں اس سے بہتر باغ کی توقع اللہ رب العٰلمین سے ہو گئی ۔

طویل مدت سے مسلسل مسلمانوں کی جانیں اور املاک آگ اور دھوئیں میں خاکستر ہو رہی ہیں ۔ ظالموں کے ظلم و تعدی کے خلاف آواز بلند کرنے کا ہمیں حق ہے ، لیکن اپنے وجود میں ہم کو سب سے پہلے جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ دینی اور اخلاقی طور پر ہم خود ہی نہ ظالم ہوں جن کی تباہی و بربادی اللہ کی سنت جاریہ ہے ۔ آج ہم نے اللہ کی صحیح اطاعت و عبادت میں غیر اللہ کو شریک کر لیا ہے ، ہمارے کتنے ہی غوث ہیں کتنے ہی مشکل کشا اور کتنے ہی حاجت روا ہیں جن کے لیے وہ سارے کام انجام دیتے ہیں جو صرف اللہ کے حقوق ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی صحیح اتباع کے بجائے ہم اپنے اپنے اولیا اور اماموں کی سنتوں کے پیروکار ہیں ، مذہبی گروہ بندیوں کی لعنت ہی عذاب الیم تھی ، ذات پات کے ہندوانہ اور غیر اسلامی چھوٹی چھوٹی دائرہ سازیوں نے امت مسلمہ کو دشمنوں کے لیے لقمۂ تر بنا رکھا ہے ۔ حتیٰ کہ فسادات میں اگر کوئی مذہبی گروہ یا کسی ذات کا مسلمان جلا یا مارا جاتا ہے تو کلمہ گو ہونے کے ناطے تھوڑے عرصہ کے لیے درد اٹھتا ہے ، لیکن گروہی اور ذات پات کے تعصب کی آگ بہت جلد اس جذبۂ رحم کو نگل جاتی ہے ، پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں ، اس طرح مسلمانوں کی بے شمار کمائیاں اپنے اپنے دائرہ میں باری باری تباہ و برباد ہو رہی ہیں ۔ اس لیے مسلمانو! اگر اپنے تمام امراض کا علاج چاہتے ہو ۔ تو اس کا ایک ہی نسخۂ شفا ہے : ایک اللہ کی صحیح عبادت اور رسول ﷺ کی سنتوں کی صحیح اتباع ، یہی صراط مستقیم ہے ، جس پر چل کر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر نہیں کہہ سکتا اور نہ فسادات میں مارے جانے والے مسلمانوں کو کوئی دشمن یہ کہہ سکتا ہے کہ کافر مارے جا رہے ہیں ۔

• • •

اصحاب قلم سے : ماہنامہ محدث ایک جماعتی ، ملی ، دینی اور تحقیقی مجلہ ہے ، ہم اپنے دیرینہ اصحاب قلم کی نوازشوں کے اعتراف کے ساتھ خاص طور پر دعوت فکر دے رہے ہیں کہ بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر دین حنیف کے مخلصین اور وقت کے نبض شناس حضرات آگے آئیں اور اپنے پرمغز مقالات محدث کو ارسال کریں ۔ (ادارہ)

آہ ! والد صاحب رحمہ اللہ

عبد القدوس بن عبد الوحید سلفی

اس دنیائے ناپائدار میں جتنے بھی چھوٹے یا بڑے لوگ آئے، سب کو ایک دن جانا ہے، نہ کوئی یہاں ہمیشہ رہا اور نہ رہے گا، مگر سب کا جانا ایک جیسا نہیں ہوا کرتا۔ والد محترم کی رحلت جمعیۃ اہلحدیث کی تاریخ کا عظیم سانحہ ہے، جس کا تعلق صرف افراد خاندان سے نہیں، جماعت و جامعہ سے نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کے ہر اس فرد سے ہے جس کو والد صاحب سے محبت و لگاؤ تھا۔ جس نے بھی آپ کو نزدیک سے دیکھا، یا آپ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا اتفاق ہوا، اس نے آپ کے اخلاص و محبت، زہد و تقویٰ، ایثار و قربانی، عزم محکم، صبر و استقامت، قوتِ برداشت، اور تحمل مزاجی کی تعریف کی۔ آپ صحیح معنوں میں حق و صداقت کے علمبردار، پیکر صدق و وفا اور دائمی ایمان و یقین تھے۔ آپ کی حیاتِ مخلصانہ سے کس قدر روحانی سکون ہوتا تھا اور کتنی دل کو فرحت و خوشی ہوا کرتی تھی، وہ ہم سے رخصت ہو گئے، علم و عمل، محبت و شفقت اور اخلاق و کردار کا ایک عہد بیت گیا۔ ہم خدائے ذوالجلال کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم کو ایسی شفقتِ پدری عطا کی کہ ہم دونوں بھائیوں کو علم دین کی تعلیم کا موقع ملا، جب کہ اکثر لوگ تعلیم کو روزی روٹی سے جوڑ کر اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے محروم رکھتے ہیں، یہ وہ دولت بے بہا ہے جس پر ہم جتنا بھی ناز کریں کم ہے، جو والد محترم کی دینی محبت کے صلہ میں دونوں بھائیوں کو حاصل ہوئی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح معنوں میں دین کا شیدائی، اسلام کا خادم اور والدین کے لیے اجر و ثواب کا باعث بنائے۔ آمین

* * * * *

آپ کی ولادت مدن پورہ میں ۴ ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۳ ر جنوری ۱۹۲۴ء بروز چہار شنبہ ہوئی۔ بچپن سے ہی آپ اپنے والدین کو سب سے پیارے تھے، خدا نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ نوجوانی کی عمر سے آپ نے حالات کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔ آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخیں اور واقعات ۱۹۳۶ء کے قبل سے ملتے ہیں۔

اس وقت آپ کی عمر بارہ سال کے قریب تھی ؛ بچپن کی تعلیم مدرسہ سے شروع ہوئی ، جامعہ رحمانیہ کا قیام آپ کے تعلیمی دور میں ہوا ، اور آپ یہیں سے فارغ ہوئے ۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا منیر خاں صاحب کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے جن سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا ، مولانا منیر خاں صاحب مرحوم مولانا سید صاحب محدث بنارسی اور مولانا میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہا کے شاگرد تھے ۔ اسی طرح فقہ وتفسیر کے استاد مولانا عبدالغفار حسن صاحب رحمانی تھے ۔ مولانا عبدالمجید صاحب حریری جو علم وادب کے استاد اور چھ زبانوں کے ماہر تھے ، والد صاحب کے استادوں میں تھے ، جن سے دیوان حماسہ پڑھا تھا ۔ مولانا عبیداللہ صاحب عنبر ، مولانا ابوالقاسم صاحب (شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی کے والد) اور مولانا حبیب اللہ صاحب بھی آپ کے استاد تھے ، جن سے آپ نے فارسی وعربی ادب و قواعد وغیرہ کی تعلیم حاصل کی ۔ ماسٹر اکبر خاں مرحوم جو اپنی زندگی کے آخری ایام میں جامعہ سلفیہ میں مدرس تھے ، والد صاحب کے انگریزی کے استاد تھے ، ناچیز کو بھی اکبر خاں مرحوم کی شاگردی کا شرف حاصل ہے ۔ والد صاحب نے علم تجوید اور قرأت قاری احمد سعید صاحب مرحوم بن مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی سے حاصل کیا ۔ قاری صاحب کا شمار جامعہ رحمانیہ کے محسنین میں ہوتا ہے ، جن کے دور میں مدرسہ رحمانیہ کا ایک مقام تھا اور قاری صاحب کی سب عزت کرتے تھے ، جامعہ سلفیہ کے قیام کے لیے بھی آپ کافی متحرک تھے ، آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ قرآن تجوید کے ساتھ پڑھاتے تھے ، اور جس نے آپ سے قرآن پڑھا وہ مکمل قاری ہو گیا ۔ عربی وفارسی امتحانات یوپی بورڈ سے عالم کا امتحان ۱۹۴۳ء میں پاس کیا ، انگریزی زبان کا بھی کافی اچھا ملکہ تھا ، ۱۹۴۶ء میں انٹر کا امتحان پرائیویٹ پاس کیا تھا ۔ آپ اس کے اوپر کی تعلیم آپ مکمل نہ کر سکے تھے اپنے کاروباری اور جامعہ سلفیہ کے تمام انگریزی خط وکتابت شروع سے آپ ہی انجام دیتے رہے ۔

حساب کتاب اور اکاؤنٹنگ میں کافی ماہر تھے ، وکلاء اور آڈیٹر بھی آپ کی حاضر دماغی کی تعریف کرتے ، آپ نے جو بھی ذمہ داری قبول کی اس کے حسابات کو جس خوبی سے رکھا ہے ۔ اس کی مثال کم ملے گی ۔ آپ ہمیشہ تعلیم دیتے کہ روپیہ پیسہ کا حساب بہت صاف ہونا چاہیے ، اس سے ذہن پر بوجھ نہیں پڑتا اور آدمی بدگمانی سے محفوظ رہتا ہے ۔ بچپن سے ہی آپ حساب کتاب میں بہت محتاط تھے ، کوئی سامان ادھار لانے سے منع کرتے ۔ آپ کا ایک واقعہ مجھے آپ ہی کے قلم کا ملا ہے ۔ ۱۹۵۰ء میں اہل خاندان نے دنگل کرایا ، بڑے بڑے پہلوانوں کو دعوت دی ، کافی انعامات تقسیم کیے ٹکٹ رکھنے کے بعد بھی نقصان ہوا ۔ آپ اس کے منتظمین میں تھے یا نہیں ، یہ معلوم نہیں ، مگر آپ نے یہ نوٹ کیا ہے :

" ۱۰ر صفر ۱۳۷۲ھ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۵۲ء بدھ : آج دنگل بابت خیمہ والے کو اپنے پاس سے پیسہ دے کر چکتا کر دیا ،

اب روپیہ وصول کرنا ہے۔" آپ کی طبیعت ایسی ہی اخیر عمر تک تھی۔
آپ شاعر نہ تھے، مگر شعر و ادب سے دلچسپی تھی، آپ نے ۱۹۲۷ء میں ایک ضخیم کاپی پر مشہور شعراء کا کلام جمع کیا، جو ۴۵۵ صفحات پر محیط ہے۔ اس میں نظم، مثنویات اور قطعات وغیرہ ہیں، اس مجموعہ کا نام آپ نے "گلدستۂ گلچیں" رکھا ہے جو شعراء کے منتخب کلاموں کا مجموعہ ہے۔ ظاہر ہے اتنے ضخیم اور چار پانچ ہزار اشعار پر مشتمل یہ مجموعہ ایک دو سال میں تیار نہیں ہوا ہوگا بلکہ اس میں دس بارہ سال لگے ہوں گے۔ اس مجموعہ میں پہلی نظم "بندے کی فریاد" کے عنوان سے ہے، شاعر کا نام نہیں لکھا ہے، اس کے چند شعر یہ ہیں:۔

کچھ کہہ رہا ہے تجھ سے اک شرمسار سن لے — چشم کرم کا صدقہ آمرزگار سن لے
جو تو نہیں سنے گا، ہے کون سننے والا؟ — دونوں جہاں کے خالق، پروردگار سن لے
آنکھوں میں اشک حسرت، لب پر صدائے توبہ — اب دل سے تیرا بندہ ہے شرمسار سن لے
ناشاد بیکسوں کو او شاد کرنے والے — بے آس ہو رہا ہے امیدوار سن لے
مجرم کی التجا ہے، ناشاد کی دعا ہے — آمرزگار سن لے، پروردگار سن لے

کچھ اور اشعار:

تلاش حق سے فروزاں تھی کائنات تری — اسی تلاش میں گم ہو گئی حیات تری
زہے خلوص محبت کہ حادثات جہاں — مجھے تو کیا مرے نقش قدم مٹا نہ سکے
بخشی ہیں ہم کو عشق نے وہ جرأتیں مجاز — ڈرتے نہیں سیاست اہل جہاں سے ہم
دیکھیں گے ہم بھی کون ہے سجدہ طراز عشق — لے سر اٹھا رہے ہیں ترے آستاں سے ہم

عنفوان شباب ہی سے دینی کاموں سے دلچسپی تھی اور ہمارے جد امجد حاجی حافظ عبدالرحمٰن مرحوم نے گھر کا جو ماحول بنایا تھا، اس کا اثر ہونا بھی لازمی تھا۔ یہ وہی شخص ہیں جن کے نام پر انجمن رحمانیہ اور مدرسہ رحمانیہ کا قیام عمل میں آیا ہے۔ آپ کافی دیندار اور غریب پرور تھے۔ خدا نے آپ کو دولت بھی بہت دی تھی، جس کی وجہ سے آپ "بیوپاری" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ بنارس کے مہاجن اور افسران بھی آپ کی عزت کرتے۔ دین سے لگاؤ اتنا تھا کہ آپ کی زندگی میں ریڈیو سے گانا سننے کی ہمت کسی کو نہ ہوتی۔ آپ کے مکان سے کافی دور پہلے باجا وغیرہ کی آواز بند کر دی جاتی تھی کہ حافظ صاحب کے کان میں نہ پڑ جائے۔ غریبوں میں اناج و پیسہ تقسیم کرتے، محلہ والوں کا خیال رکھتے

مدنپورہ کے علاقہ گول چبوترہ پر کنواں آپ ہی کا بنوایا ہوا ہے ۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جب بنارس میں فساد ہوا تو آپ نے بیل گاڑی پر اناج منگا کر ایک بڑے کمرے میں بھروادیا اور سب محلہ والوں میں تقسیم کرادیا۔ جب آپ حج بیت اللہ پر تشریف لے گئے تو وہاں بھی کافی چادر، کپڑا اور روپیہ تقسیم کیا۔

اسی ماحول میں آپ کے تینوں فرزند، مولوی عبدالاحد و حاجی عبدالحق و مولانا عبدالمتین صاحبان نے بھی پرورش پائی جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ دینی ماحول گھر میں باقی رہا، ان کے بعد ان تینوں کے اولاد میں بھی بچوں نے دینی تعلیم حاصل کی مگر خاندان کی روایت اور رہن سہن میں پہلی جیسی بات نہ رہی، موجودہ دور کی آلائشوں نے اس خاندان پر بھی اثر ڈالا، مگر اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اب بھی یہ خاندان دینی کاموں میں سرگرم عمل ہے، اور دامے، درمے، سخنے، قدمے ہر طرح سے دینی کام میں لگا ہوا ہے، میرے والد محترم بچپن سے ہی دینی ماحول میں رہے ہیں۔ تعلیم کے ایام میں بھی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے، چنانچہ آپ نے لکھا ہے، "۲۵ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ ۲ اپریل ۱۹۴۳ء جمعہ، مئو آئمہ اہلحدیث کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے، بیرسٹر ظہور احمد کے مکان پر قیام ہوا، بہت آرام ملا" اس وقت آپ کی عمر انیس سال تھی، اس کے بعد بھی آپ کی تعلیم جاری تھی چنانچہ ۱۵ اپریل ۱۹۴۳ء پر رقمطراز ہیں "امتحان میں ہم اور محمد زبیر اور مولوی ابوالخیر سکنڈ پاس ہوئے" اس کے بعد ۱۹۴۶ء میں نوٹ کیا ہے کہ "امتحان کا فارم آج بھرا" غالباً انگریزی کا امتحان تھا، اس کی مارک شیٹ میرے پاس تھی جو تلف ہوگئی۔

آپ کو ذمہ داری کا بہت احساس تھا، جوانی کی عمر میں ہی خاندان کے بزرگوں کی نظر آپ پر پڑنے لگی تھی، جب ہمارے یہاں کاروبار الگ ہوا اور کام تقسیم ہوا تو حساب کتاب کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی۔ خط وکتابت بھی آپ ہی کرتے تھے۔ سیاست میں کھل کر حصہ کبھی نہیں لیا، لیکن سیاست سے کنارہ کش بھی نہ تھے، ۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو مولانا عبدالمجید صاحب حریری مرحوم کے الیکشن میں حمایت کے لیے مئو گئے تھے، آپ نے لکھا ہے کہ "ہم اور عیسیٰ کرہاں دیہات میں تھے۔ ۱۳ مارچ کو خبر آئی مولوی صاحب ۲ ہزار ووٹ سے ہار گئے" جب میرے بڑے ابا حاجی عبدالعلیم صاحب مرحوم ۱۹۵۲ء میں چیرمین کے الیکشن کے لیے کھڑے ہوئے، اس میں بھی آپ نے حصہ لیا تھا، اور حال میں میرے پھوپھا محمد صالح انصاری صاحب کے میئر کے الیکشن میں کافی سرگرم عمل رہے۔ بڑے بڑے سیاسی رہنماؤں سے ربط و تعلق تھا اور سب آپ کی عزت کرتے تھے، جب آپ ۱۹۸۱ء میں یوپی حج کمیٹی کے ممبر بنے اور قرعہ اندازی میں ۳ مئی ۱۹۸۳ء کو لکھنؤ تشریف لے گئے تو ریاستی وزیر محمد امین انصاری نے جو حج کمیٹی کے سربراہ تھے، آپ سے قرعہ اندازی کے آغاز کی فرمائش کی، آپ وہاں کے کام سے مطمئن نہ تھے

اس لیے اس سے الگ ہوگئے۔ آپ نے ۵ رمئی ۱۹۴۷ء کو دہلی میں منعقدہ آل انڈیا مومن کانفرنس میں شرکت کی تھی، آپ اس کے رکن بھی تھے۔

مدنپورہ کی جامع مسجد (طیب شاہ) میں آپ نے تیس سال تک امامت کی ذمہ داری کو انجام دیا، ۱۹۵۹ء میں میرے نانا ؒ مولوی عبدالاحد صاحب مرحوم جب بیمار و کمزور ہوگئے تو یہ ذمہ داری آپ کو سپرد کردی۔ اللہ تعالیٰ نے والد صاحب کو بلند اور دلکش آواز عطا کی تھی۔ لوگ آپ کی قرأت کی بہت تعریف کرتے۔

آپ رمضان المبارک میں شب قدر کی نماز مسجد میں پابندی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ اس نماز کا یہ حال تھا کہ لوگ شہر اور مضافات شہر سے رات کی تاریکی میں آپ کے پیچھے نماز ادا کرنے آتے اور مسجد نمازیوں سے تنگ پڑجاتی۔ عورتیں بھی تہجد کی نماز مسجد میں آپ کے پیچھے پڑھنے لگی تھیں۔ آپ نے یہ ذمہ داری اخیر عمر تک نباہی، مگر پیر کی تکلیف کی وجہ سے فجر کے علاوہ چار وقت کی نماز اکثر گھر پڑھ لیا کرتے تھے۔ فجر کی نماز برابر پڑھاتے رہے۔ آخری نماز ۲۷ر اکتوبر ۱۹۸۹ء جمعہ کو پڑھائی جس روز آپ کے پیٹ میں درد شروع ہوا، پھر آپ مسجد میں دوبارہ نہ جاسکے۔

جامعہ حمایہ مدنپورہ بنارس جو ہمارے خاندان کا قائم کردہ پرانا ادارہ ہے، مختلف مدارج طے کرتا ہوا موجودہ منزل پر پہنچا ہے، اس کے قیام کی کڑی ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء سے ملتی ہے۔ جس وقت ہمارا خاندان حنفی سے اہلحدیث ہوا اور اپنے بچوں کی تعلیم صحیح مسلک اور کتاب و سنت کے مطابق دینے کی فکر ہوئی۔ یوں تو ہمارا خاندان بہت بڑا ہے اور ہمارے جد امجد پیر محمد عرف فرنگی جن کی پیدائش اندازاً ۱۷۵۰ء میں ہوئی تھی کی طرف منسوب کرکے "فرنگی" مشہور ہے۔ اس خاندان کے افراد میں آج بھی بہت سے حنفی ہیں اور شہر بنارس کے علاوہ بیرونی شہروں میں بھی آباد ہیں، مگر جہاں سے ہمارا خاص خاندان ممتاز ہوتا ہے وہ اللہ بخش ولد نذر محمد پیر محمد کے پوتا ہیں۔ آپ کو چار بچے تاج محمد، وارث محمد، نور محمد اور عبدالرحیم اور ایک بچی رحیم بی بی تھی۔ یہی تاج محمد و وارث محمد کے اعتبار سے ہمارا خاندان "تایا وارث" کے نام سے مشہور ہے۔ اہل بنارس عموماً حنفی تھے۔ ان میں تاج محمد وغیرہ بنارس کے اولین اہلحدیث میں سے ہیں۔ انھیں بزرگوں کی محنت کا ثمرہ ہے جو بنارس میں اتنی بڑی تعداد میں کتاب و سنت کے متبع اور مسلک اہلحدیث کے ماننے والے پائے جاتے ہیں۔

والد محترم بچپن سے ہی اپنے خاندان والوں کی معلومات جمع کر رہے تھے۔ آپ نے خاندان کا جو شجرہ نسب مرتب کیا ہے وہ ایک نادر چیز ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جو بھی دیکھتا ہے، تعجب کرتا ہے اور والد صاحب کی محنت کی تعریف کرتا ہے۔ اتنے بڑے خاندان کے تمام افراد کی واقفیت اور ان کی اولاد کا عمر کے حساب سے تذکرہ وہی کرسکتا ہے جس کو

خدا کی طرف سے ایسی صلاحیت عطا ہوئی ہو۔ والد صاحب کہتے تھے، قرابتداری کا علم رکھنا اور سب کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اسلام کا شعار ہے، اور بغیر معلومات حاصل کیے اپنے خاندان والوں کو کیسے جان سکتے ہو۔ آپ نے جو شجرہ مرتب کیا ہے، اس کے مطابق آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ عبدالوحید بن حاجی عبدالحق بن حافظ عبدالرحمٰن بن حافظ عبدالرحیم بن اللہ بخش بن نذر محمد بن پیر محمد عرف فرنگی بن غلام محمد عرف غلامن ان کے بعد بھی پانچ پشت کا ذکر ہے، مگر ان کے حالات کا صحیح علم نہیں ہے۔

نذر محمد کو تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں، جن میں اللہ بخش سب سے بڑے تھے۔ اللہ بخش کو پانچ اولاد ہوئی جن میں تاج محمد پھر وارث محمد پھر نور محمد پھر رحم بی بی اور سب سے چھوٹے عبدالرحیم تھے۔ عبدالرحیم کو دو لڑکے عبدالرحمٰن و عبدالخالق اور ایک لڑکی نوبی بی تھی۔ عبدالخالق جو چھوٹے تھے بچپن میں انتقال کر جانے کی وجہ سے حافظ عبدالرحمٰن اپنے باپ کے اکلوتے لڑکے بچے، ان کی والدہ مریم بی بی بنت حاجی نہنو کی دعا تھی کہ آپ کو اتنی عزت نصیب ہوئی، اور ایک زمانہ وہ آیا جب خاندان کے تمام افراد انھیں کی سرپرستی اور دیکھ بھال میں رہتے۔ آپ نے تجارت کو وسعت دی اور اللہ تعالیٰ نے برکت دی۔ آپ ہی کے نام کی نسبت سے آج بھی ہمارا خاندان "تاجا بیوپاری" کے نام سے مشہور ہے۔ دینداری اور خدا ترسی آپ کو اللہ کی طرف سے ملی تھی۔ آپ کے والد حافظ عبدالرحیم بھی بہت دیندار تھے۔ والد صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ تاریخی مضمون ایک سند کے طور پر یاد کیا جائے گا۔

سنہ ۱۳۰۹ھ مطابق سنہ ۱۸۹۲ء: کچھ عرصہ سے بنارس میں جماعت اہل حدیث کا تبلیغی سلسلہ جاری تھا اور بہت سے لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ ان میں حاجی تاج محمد و حافظ عبدالرحیم، ولال محمد و بھیا دا، محمد یوسف (شیر کے یاما کے) وغیرہ پیش پیش تھے۔ چنانچہ مولانا عبداللہ صاحب غازیپوری کی آمد پر لوگوں کے اعتقاد میں پختگی آئی اور لوگوں نے اپنے فیصلہ کو کھلم کھلا بنارس والوں کو سنانا چاہا۔ اس وقت حاجی تاج محمد حج بیت اللہ کے لیے گئے ہوئے تھے، کچھ لوگوں نے حاجی تاج محمد کی واپسی تک اس اعلان کو ملتوی رکھنا چاہا، مگر خدا جب راہِ راست دکھلاتا ہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ طے یہ ہوا کہ نیک کام میں کسی کا انتظار کرنا ٹھیک نہیں۔ اس وقت خوش خیال جماعت میں سب سے بزرگ ہستی حاجی تاج محمد کی تھی، لیکن ان کی غیر موجودگی ہی میں مولانا عبداللہ صاحب غازیپوری کی قیادت میں طیب شاہ کی مسجد میں پہلی بار آمین بالجہر اور رفع الیدین شروع کیا گیا، اور اس کے بعد پھر جماعت اہلحدیث کی بنیاد، بنارس میں مضبوط ہوتی گئی۔ اسی جد و جہد میں مولانا محمد منیر خاں مرحوم نے بنارس میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔"

اس وقت مدرسہ کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ حاجی محمد صدیق صاحبؒ کے مکان سے جو مسجد طیب شاہ کے بغل میں واقع

ہے درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا جو بعد میں مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے جانا جانے لگا۔ جب یہ مدرسہ اٹھ کر اس مقام پر گیا جہاں آج مولانا عبدالمجید حریری مرحوم کا مکان ہے تو اس کو اور وسعت ہوئی اور اس کا نام مدرسہ عربیہ اسلامیہ رکھا گیا۔ پھر جب ۱۹۳۳ء میں موجودہ جامعہ رحمانیہ بنات کی بلڈنگ حافظ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم نے بنوائی تو مدرسہ نئی بلڈنگ میں منتقل ہو گیا اور ۱۹۴۳ء میں حافظ عبدالرحمٰن صاحب کے انتقال کے بعد اس کا نام بدل کر انھیں کے نام پر جامعہ رحمانیہ رکھا گیا۔ اس وقت مدرسہ کی دیکھ بھال حافظ عبدالرحمٰن مرحوم کے فرزندان وغیرہ کر رہے تھے اور اپنے ذاتی خرچ سے مدرسہ چلا رہے تھے۔ ۱۹۶۵ء سے پہلے اس کے ناظم مولانا عبدالمتین صاحب مرحوم تھے۔ مدرسہ کے اراکین اور اہل خاندان نے اس ذمہ داری کو ۴ دسمبر ۱۹۶۵ء کو والد محترم کے سپرد کر دیا اور آپ اس کے ناظم ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۳ سال تھی۔ مدرسہ کی مالی و انتظامی حالت توجہ طلب تھی آپ نے اپنی خداداد صلاحیت اور حوصلہ و ہمت سے اس کے سدھار کا بیڑا اٹھایا۔ رمضان میں گھر کی عورتوں سے ان کے زیور کی زکوٰۃ وصول کی اور شوال آنے سے پہلے پہلے مدرسہ کی مرمت و سفیدی کرائی۔ اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کیا اور مدرسہ میں ایک حرکت پیدا کر دی۔ والد صاحب کی نظامت کے زمانہ میں مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی رحمہ اللہ جامعہ رحمانیہ کے صدر مدرس تھے۔ ان کے دور کے کئی دلچسپ واقعات اہم ہیں لیکن ان کو بیان کرنے کا یہ موقع نہیں، البتہ ان کی تفصیل کسی اور موقع سے ضرور پیش کروں گا، کیونکہ ان واقعات سے کچھ دوسری کہانیاں وابستہ ہیں، جن کی حقیقت منظر عام پر آنا ضروری ہے۔ اسی تفصیل سے یہ علم بھی ہوگا کہ مولانا مرحوم کی غیرت و خودداری اور بیکسی و تنگدستی کا تذکرہ زور دے کر کیوں کیا جاتا ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کر دوں کہ جامعہ رحمانیہ کی نظامت جب والد صاحب کے حوالہ کی گئی تو مولانا نذیر احمد صاحبؒ اپنی کسی مجبوری کے تحت رحمانیہ میں تدریس کے سلسلہ میں متردد تھے۔ والد صاحب کا بیان ہے کہ مولانا مرحوم نے تعلیمی سال کے اختتام پر گھر سے جامعہ کے ناظم کے نام ایک مکتوب معذرت کے طور پر ارسال کیا۔ ادھر میں نے تنخواہوں پر غور کیا تو کمی کا احساس ہوا اور اضافۂ تنخواہ کی خبر پر مشتمل ایک خط میں نے مولانا مرحوم کو لکھ دیا۔ عجیب اتفاق کہ ان کو میرا خط اور مجھے ان کا خط ایک دو روز کے اندر ملا۔ چند روز بعد مولانا مرحوم کا دوسرا خط موصول ہوا، جس میں انھوں نے وضاحت فرمائی کہ ان کا عذر دور ہو گیا اور آئندہ ماہ شوال میں وہ جامعہ آئیں گے۔

مولانا مرحوم کی بیماری کے ایام میں جامعہ رحمانیہ کے سرپرستوں اور والد صاحب نے ہر ممکن تعاون پیش کیا، علاج کے لیے بھاگ دوڑ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن نوشتۂ تقدیر کا پورا ہونا ضروری ہے۔ مرض جان لیوا تھا، جس سے سب کو مجبوری اور حسرت کا احساس تھا، لیکن اس کو مولانا مرحوم کی تنگدستی و بیکسی یا اہل مدنپورہ کی لاتعلقی دے تو تہمی کا رنگ

دینا غلط ہے۔ یہاں کے لوگ علماء کے ساتھ اچھا معاملہ کرتے ہیں، اسی وجہ سے معمولی حیثیت کے لوگ بھی یہاں سے آسودہ ہوکر واپس جاتے ہیں۔ والدصاحب ۶ رشعبان ۱۳۸۹ھ مطابق نومبر ۱۹۶۹ء تک جامعہ رحمانیہ کے ناظم رہے۔ جب جامعہ سلفیہ میں تعلیم کا آغاز ہوا، طلبہ کی نگرانی کے لیے اکثر دارالاقامہ جاتے۔ مجھے یاد ہے ایک بار فجر کی نماز میں اکثر طلبہ و اساتذہ غیر حاضر تھے۔ آپ مسجد سے سیدھے دارالاقامہ تشریف لے گئے اور وہاں جاکر سب کو تنبیہ کی۔ اس دوران آپ نے بہت کچھ سدھار کیا۔ آپ کے دورِ نظامت میں مدرسہ اپنے معیارِ تعلیم کے لحاظ سے ممتاز قرار پایا، جس کی وجہ سے شہر کے حنفی و شیعہ مکتبِ فکر کے اچھے گھرانے بھی اس مدرسہ میں بچوں کو تعلیم دلانا پسند کرنے لگے۔

آپ نے رحمانیہ کی نظامت کے ساتھ ساتھ جماعت کی تنظیم کا کام بھی شروع کیا اور ۲۷ راگست ۱۹۶۱ء بروز یکشنبہ، مسجد اہلحدیث مدنپورہ میں شہر جنوبی کی ایک عام میٹنگ طلب کی۔ آپ نے اکیس بیس آدمیوں کو دعوت دی جن میں اسّی آدمی جمع ہوئے۔ طے ہوا کہ شہر شمالی کی طرح شہر جنوبی میں بھی جملہ اہلحدیث باشندگان کی ایک تنظیم دینی اغراض کے لیے بروئے کار لائی جائے اور باضابطہ ممبر سازی وغیرہ کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ مولانا عبدالمجید حریری رحمۃ اللہ علیہ نے سات نام پیش کیے جو باتفاق رائے منظور ہوئے۔ ان میں مولانا نذیر احمد رحمانی، مولانا عبدالمتین صاحب، مولانا عبدالمجید صاحب حریری حاجی عبیداللہ صاحب حریری، مولوی محمد یحییٰ صاحب، مولوی عبدالقدوس صاحب اور مولوی عبدالوحید صاحب والد محترم شامل تھے۔ آپ اس کمیٹی میں عمر کے لحاظ سے سب سے چھوٹے تھے، مگر آپ داعی تھے، اس لیے آپ ہی کو کنوینر منتخب کیا گیا۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کی جب ۱۲ ررجب ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۹ رنومبر ۱۹۶۳ء کو تاسیس ہوئی، اس وقت آپ ہی انجمن جامعہ رحمانیہ کے ناظمِ اعلیٰ تھے۔ دارالعلوم کی بلڈنگ کی تعمیر آپ کی نگرانی میں شروع ہوئی۔ اس بلڈنگ کے نقشہ و ڈیزائن میں آپ کی ذہانت کا بہت بڑا دخل ہے۔ جامعہ کے اندر مسجد کا نقشہ آپ ہی کا بنایا ہوا ہے۔ میرے دادا حاجی عبدالحق صاحب مرحوم بھی جو خزانچی صاحب کے نام سے مشہور رہیں، تعمیرات کے سلسلہ میں کافی ماہر تھے۔ آپ کی زیرِ نگرانی کئی عالیشان عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ جامعہ رحمانیہ مدرسہ و دارالاقامہ کی بلڈنگ میرے دادا مرحوم کی نگرانی میں تعمیر ہوئی ہیں۔ جامعہ سلفیہ میں اترجانب پانچ کمرہ مکمل کرنے کے بعد ۲۹ رذیقعدہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۱ رمارچ ۱۹۶۶ء میں جامعہ مرکزیہ (مرکزی دارالعلوم) کے نام سے یہاں باقاعدہ تعلیم کا افتتاح ہوا اور آپ کی کوشش سے مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے دیرینہ خواب کی تعبیر مکمل ہوئی۔

۷ رذیقعدہ ۱۳۲۴ھ مطابق ۲۲ ردسمبر ۱۹۰۶ء کو ہندوستان میں جماعت اہلحدیث ہند کا قیام عمل میں آیا تھا کہ بڑی جماعت

نے جہاں بہت سے منصوبے تیار کیے وہاں ایک منصوبہ مرکزی دارالعلوم کے قیام کا تھا۔ ابھی ہمارے یہ بزرگانِ دین افرادِ جماعت کو منظم کرنے میں کوشاں ہی تھے کہ ۱۹۴۷ء کے فساد میں مسلمانوں کی عام اور جماعتِ اہلحدیث کی خاص تباہی میں جماعت کا شیرازہ بکھر گیا۔ جب حالات معمول پر آئے تو دوبارہ کوشش کے بعد جماعتی نظام کسی حد تک درست ہوا، لیکن مرکزی دارالعلوم کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ البتہ ہندوستان کے طول و عرض میں جماعت اہلِ حدیث کے چھوٹے چھوٹے بے شمار مدارس بن گئے۔ مگر ایک ایسی مرکزی درس گاہ کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی جو تمام جماعتی مدارس کو ایک لڑی میں پرو سکے۔ اسی اثناء میں ایسے واقعات بھی پیش آئے جس سے اس کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا۔ آخر ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹ ر نومبر ۱۹۶۶ء کو نوگڑھ کے اجلاس میں یہ طے پایا کہ اہلِ بنارس اس ذمہ داری کے لیے آمادہ ہیں، اس لیے اس کا قیام بنارس شہر میں ہوگا، ہمارے آباء و اجداد نے بہت پہلے سے یہ زمین جہاں آج جامعہ کی عالیشان عمارتیں قائم ہیں دینی ادارہ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اللہ کا کرم ہے کہ ان کا خلوص بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہوا اور جماعت اہل حدیث ہند کا مرکزی ادارہ اس روئے زمین پر ۱۹۶۶ء میں عالمِ وجود میں آگیا۔ اب اس کے انتظام و انصرام کو چلانے کے لیے باصلاحیت فرد کی ضرورت تھی۔ اکابر جماعت کی نظر والد صاحب پر پڑی، کیونکہ جامعہ رحمانیہ کو سنبھالنے کے بعد اس کا جو معیار قائم ہوا تھا، اس کی عمدہ مثال ان کے سامنے موجود تھی اور ایک مرکزی ادارہ کو چلانے کے لیے ایسا ہی باصلاحیت و باہمت شخص درکار تھا، آپ نے جس محنت و جانفشانی کے ساتھ اس جامعہ کو ایک تناور درخت کی شکل میں کھڑا کیا ہے، وہ اربابِ جماعت سے مخفی نہیں۔ اسی لیے یومِ تاسیس سے لے کر آخر عمر تک آپ جامعہ کے نظامت علیا جیسے اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ نے ضعیفی اور بیماری کے باوجود اپنی انتھک محنت اور مسلسل جانفشانی سے جامعہ کو اس منزل پر لا کھڑا کیا ہے کہ تعلیم و تدریس، ترجمہ و تالیف اور شرح و تحقیق ہر میدان میں اس کا سر اپنے وقیع کارناموں سے بلند ہے اور پوری جماعت اور ساری دنیا کے سلفی بڑے اعزاز کے ساتھ اسے اپنا مرکز قرار دیتے ہیں اور یہاں سے فارغ شدہ علماء سے بڑی امیدیں وابستہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ سدا بہار رکھے اور یہاں کے عاملین و معاونین کے اندر خلوص پیدا کرے۔ آمین

اس مدت میں آپ نے جامعہ کے اندر کئی کانفرنسیں اور بڑے بڑے جلسے منعقد کیے تاکہ لوگوں کے دلوں میں جامعہ کو جگہ مل سکے اور اس کے مقاصد کو اجاگر کیا جا سکے۔ ان جلسوں کے انتظام میں جو محنت اور مشقت جھیلنی پڑتی ہے وہ آپ کے ساتھ کام کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کے انتظام میں آپ رات رات بھر جاگتے، کھانا، پینا مشکل ہو جاتا،

فکر رہتی کہ جامعہ کا نام بلند رہے، لوگوں کے دل میں اس کی عزت بڑھے اور جس مقصد کے لیے اکابر جماعت نے اس کو قائم کیا ہے وہ مقصد پورا ہو سکے۔ آپ کو بہت کچھ سننا بھی پڑتا تھا۔ مگر آپ نے جس صبر وتحمل اور رواداری کی مثال قائم کی ہے وہ آپ کے بعد کام کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ کا کام دے گی۔ آپ کو جامعہ کے در و دیوار سے محبت تھی، اس میں جن جن لوگوں نے ہاتھ بٹایا، ان سے محبت تھی، آپ ان کی قدر کرتے تھے۔ اس جامعہ کی ترقی کے سلسلہ میں ہر طرح کے لوگوں سے تعاون کی اپیل کی اور ان کی ہمدردی کو خوش آمدید کہا۔ آپ جامعہ کے مستقبل کے لیے ہمیشہ فکرمند رہا کرتے۔ زندگی کے اخیر ایام ہسپتال میں بھی آپ اکثر جماعت و جامعہ کے مسائل پر گفتگو فرماتے تھے۔ آپ نے جامعہ کے اندر جو آخری تقریر کی ہے وہ آپ کے جذبات کی صحیح ترجمانی ہے۔ آپ نے کہا تھا:

"یہ در و دیوار اور میری زندگی، یہ لازم و ملزوم ہیں۔ ایک دوسرے سے اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ اس کو الگ نہیں کیا جاسکتا اور ذمہ داریوں کو سنبھالنا اسے پورا کرنا یہ ایک ایسا فریضہ ہے اور بحیثیت مسلمان ہونے کے ہر مسلمان کو جب کوئی ذمہ داری دی جاتی ہے تو اس کی ادائیگی امانت داری کے ساتھ کرنے کے لیے اپنے شب و روز کو بالکل قربان کر دینا پڑتا ہے۔"

آگے فرماتے ہیں:۔

"سب برابر ہیں اور سب کو برابر بن کے رہنا ہے، عہدہ کی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے ہر شخص کا فرض ہے کہ ہم نے اگر کسی کے ذمہ کوئی عہدہ دیا ہے، کوئی ذمہ داری دی ہے تو اس کی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے بھی ہم کوشش کریں ورنہ وہ اکیلا نہیں ادا کر پائے گا۔ میری بھی یہی گزارش ہے۔"

والد صاحب جماعت کے کاموں میں شروع سے منسلک رہے، کتاب و سنت کے سچے داعی تھے، کاروباری مشغولیت کے باوجود آپ سفر کے لیے وقت نکال لیا کرتے، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی مدظلہ العالی سے ملاقات اور مشورہ کے لیے اکثر مبارکپور تشریف لے جاتے، آپ نے جملہ اہم کاموں میں شیخ صاحب سے رائے لینا ضروری سمجھا اور ہمیشہ آپ کی رہنمائی کو تمام امور پر مقدم رکھا۔ دہلی کا سفر بسا اوقات ہوتا رہتا تھا، گھٹنے میں درد کی وجہ سے ریل پر سفر میں تکلیف ہوتی تھی۔ ہم لوگوں کے بہت اصرار پر اخیر ایام میں ہوائی جہاز سے سفر کرنے لگے تھے۔ آپ ایک زمانہ سے مرکزی جمعیۃ کے ممبر تھے۔ ۱۹۷۲ء میں جب انتخاب ہوا تو آپ نائب صدر بنا دیے گئے، اور پھر ۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو آپ کو صدر چن لیا گیا۔ آپ پر جامعہ کے ساتھ ساتھ جمعیۃ کی بھی ذمہ داری ڈال دی گئی۔ کن حالات میں آپ امیر بنائے گئے، یہ اہلِ جماعت سے مخفی نہیں۔ والد صاحب نہیں چاہتے تھے کہ میری وجہ سے انتشار پیدا ہو، آپ کا

خواہش تھی کہ جماعت میں اتحاد قائم ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے ۱۹ر دسمبر ۱۹۸۰ء کو جماعت کے متعدد حضرات کو خط میں لکھا تھا۔

"جماعت کے چند معتمد اصحاب اگر آگے آویں اور اختلاف کو ختم کرانے کی کوشش کریں تو یہ ایک بہت بڑا احسان جماعت پر ہوگا، میں اس اختلاف کی موجودہ فضا میں صدارت پر نہیں رہنا چاہتا میری صحت بھی اس لائق نہیں ہے کہ اتنی بڑی ذمہ داری اٹھا سکوں، اس لیے کسی مناسب شخص کا انتخاب کرلیا جائے۔ جماعت میں اتحاد واتفاق پیدا ہو جائے، یہی میری سب سے بڑی خواہش ہے، امید ہے کہ آپ فوری توجہ دیں گے۔"

اس طرح کے مضمون کا کئی خط آپ نے متعدد ذمہ داران جماعت کو لکھا تھا مگر ارباب جماعت نے آپ کو اس عہدۂ عظمیٰ سے الگ ہونے نہ دیا اور بار بار آپ ہی کا انتخاب کرکے یہ عظیم ذمہ داری آپ ہی کے سر باقی رکھی، آپ نے جماعت کو کیا کچھ دیا یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ جب آپ صدر بنائے گئے تو جمعیۃ کا دفتر کرایہ کے مکان میں تھا، اس کی اپنی کوئی جگہ نہ تھی۔ ۱۹۵۸ء میں آپ نے جمعیۃ اہلحدیث ہند کو جامع مسجد جیسے اہم اور گنجان مسلم علاقہ میں مستقل بلڈنگ عطا کی۔ اس کے پاس فنڈ کی کمی تھی، آفس کا خرچ چلانا مشکل تھا۔ مگر آپ نے جس حوصلہ اور ہمت سے کام کیا ہے اسے بھولنا آسان نہیں۔ آپ نے جمعیۃ کو منظم کیا، ریاستوں اور ضلعوں سے اس کو جوڑا، اس کو متحرک بنانے کے لیے متعدد پروگراموں کی تشکیل دی، شعبۂ دعوت وتبلیغ کو آگے بڑھایا، ریلیف فنڈ قائم کیا، آپ کی خواہش تھی کہ اہل حدیث ویلفیئر ٹرسٹ کا بھی قیام عمل میں آجائے جو جمعیۃ کی بلڈنگ وغیرہ کا انتظام دیکھے، اس کے لیے بھی برابر کوشاں رہے۔ مگر آپ کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ کام ادھورا رہ گیا۔

آپ جمعیۃ اور اہل حدیث منزل کی نگرانی کے لیے برابر دہلی کا سفر کرتے رہے، اندرون ہند اور بیرون ملک کے کئی جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کی، کئی بار حج کی ادائیگی کے لیے سفر کیا، آپ کا پہلا سفر حج یکم ستمبر ۱۹۳۰ء کو ہوا تھا، اس کے بعد ۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو میرے دادا حاجی عبدالحق صاحب کا انتقال ہوگیا تو میری دادی کو لیکر مع اہل وعیال ۲۲ر اپریل ۱۹۵۰ء کو حج کا فریضہ ادا کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں تیسرا حج کیا، پھر کئی بار حج پر جانا ہوا، میری والدہ محترمہ حفظہا اللہ کے ساتھ آخری حج ۱۹۸۲ء مطابق ۱۴۰۲ھ میں کیا جب آپ نے پورا رمضان المبارک مکہ مکرمہ میں گزارا اور اپنی زندگی کا آخری حج جولائی ۱۹۸۹ء میں رابطہ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ کی ضیافت میں ادا کیا، آپ نے یہ حج اپنی والدہ محترمہ خدیجہ بی بی بنت مولوی عبدالحکیم مرحوم کی زندگی میں ان کی طرف سے حج بدل کے طور پر کیا تھا۔

تعالیٰ سب کو شرفِ قبولیت بخشے آمین۔ اس دوران مملکتِ سعودیہ عربیہ کے کئی مؤتمر میں شرکت کی، پہلی شرکت موتمر المسجد فی العالم مکہ مکرمہ میں رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ میں ہوئی۔ موتمر رسالۃ المسجد میں بھی شریک ہوئے، جسے رابطۃ العالم الاسلامی نے مکہ مکرمہ میں منعقد کیا تھا۔ الموتمر العالمی لتوجیہ الدعوۃ واعداد الدعاۃ جو صفر ۱۳۹۷ھ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں منعقد ہوئی، شریک ہوئے اور الموتمر العالمی الاول للتعلیم الاسلامی ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ جو جامعۃ الملک عبدالعزیز کی طرف سے مکہ مکرمہ میں منعقد ہوئی تھی، اس میں بھی شامل ہوئے، ان کے علاوہ خلیج کے ملکوں کا کئی بار سفر کیا۔
۱۴ر مئی ۱۹۷۶ء کو لودھیانہ تشریف لے گئے تھے۔ ۲۵ر فروری ۱۹۸۲ء کو کالیکٹ کیرالا میں منعقدہ مجاہدین اسٹیٹ کانفرنس میں شرکت کی۔ ۲۵ر مارچ ۱۹۸۲ء کو بریلی وکلکتہ کا سفر کیا، اسی سال ۱۵ر مئی کو اپنی گاڑی سے بانسی ضلع بستی تشریف لے گئے اور ۴ر مئی ۱۹۸۲ء کو بنارس میں نئی چوک کی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور اس مسجد کو ادارۃ اصلاح المساجد کے تعاون سے اپنی نگرانی میں مکمل کرایا۔ اس مسجد میں مدرسہ محمدیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کر کے اس علاقہ کے بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا، آپ اس کی نگرانی خود کرتے تھے۔ بنارس کی کئی اور مساجد کی تعمیر میں آپ کا ہاتھ ہے۔ آخری مسجد جلالی پورہ کی رحمانیہ مسجد ہے جو آپ ہی کی خواہش کے مطابق اس علاقہ میں تعمیر ہو رہی ہے۔ بمبئی کا سفر اکثر ہوتا تھا۔ ۴ر مارچ ۱۹۸۳ء کو مالیگاؤں جامعہ محمدیہ دیکھنے گئے تھے، وہاں آپ کئی بار تشریف لے گئے۔
۱۲ر ۱۳ر مئی ۱۹۸۳ء کو بھدوہی میں منعقدہ ریاستی کانفرنس آپ ہی کی صدارت میں ہوئی جو ریاستی جمعیۃ اہل حدیث مشرقی یوپی کی طرف سے منعقد کی گئی تھی۔ مئو والوں سے پرانا تعلق تھا، ۱۳ر جولائی ۱۹۸۴ء کو عالیہ ہسپتال اور مسجد کے سنگ بنیاد کے موقع پر آپ وہاں تشریف لے گئے اور جب ۱۶ر نومبر ۱۹۸۵ء کو اس کا افتتاح ہوا، اس میں بھی حاضر ہوئے۔ ۱۱ر مئی ۱۹۸۵ء کو بنگلور کا تاریخی اجلاس آپ ہی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ۲۷ر جنوری ۱۹۸۶ء کولال گوپال گنج میں مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ ۷ر مارچ ۱۹۸۶ء کو بینی پورہ میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی، ۲۵ر مارچ ۱۹۸۶ء کو مرکزی جمعیۃ کے سلسلہ میں کلکتہ کا سفر کیا، ۱۶ر ۱۷ر اپریل ۱۹۸۶ء کو اٹوا بازار ضلع بستی اپنی موٹر سے تشریف لے گئے اور وہاں ریاستی کانفرنس جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی کی صدارت کی۔ اس سال آپ حج پر تشریف لے گئے تھے۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۸۶ء کو جامعہ سلفیہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ پر سیمینار ہوا اور ۲۷ر نومبر کو دہلی میں حرمت حرمین شریفین کنونشن میں شرکت کی جو آپ ہی کی صدارت میں منعقد ہوا۔
والد صاحب کو ۷ر مارچ ۱۹۸۹ء کو دل کے دورہ کی شکایت ہوئی تھی، جس کے علاج کے سلسلہ میں دس دن

تک آپ ہسپتال میں بھرتی رہے، اس کے بعد بھی آپ کی مصروفیت میں کمی نہ آئی۔ ۲۰ مئی ۱۹۸۹ء کو جامعہ سلفیہ میں مرکزی جمعیت کی مجلس عاملہ کی میٹنگ بلائی۔ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مدظلہ العالی سے آخری ملاقات ۲۶ جون کو مبارکپور میں کی۔ آپ کا آخری خطبۂ صدارت ۳۰ ستمبر ۱۹۸۹ء کا وہ خطبہ ہے جس کو آپ نے دہلی کے پیرو ہاؤس میں کل ہند شبان اہلحدیث کنونشن کے موقع پر کھڑے ہو کر پڑھا تھا۔ اس میں آپ نے جماعت سے ہمدردی رکھنے والوں اور جوانوں سے خاص طور پر خطاب فرمایا اور ان کو یاد دلایا کہ موجودہ دور میں ان کی کیا ضرورت ہے۔ عملی میدان میں سب مل جل کر دین و ملت کے لیے کام کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا:

"بلاشبہ انسانی نفوس وطبائع میں اختلاف کا عنصر موجود ہے، عداوت وکینہ بھی دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے، ایک شخص کو دوسرے سے ذاتی یا اجتماعی طور پر شکایت ہو سکتی ہے، لیکن اسلام نے اس صورتحال کو ختم کرنے کے لیے موثر طریقہ بتایا ہے۔ بہت سے اختلاف بے بنیاد ہوتے ہیں اور بہت سے اختلافات کی معقول بنیاد ہوتی ہے۔ دونوں صورتوں میں مناسب طور پر ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے تبادلۂ خیال کیا جائے تو بڑی سے بڑی غلط فہمی اور عداوت وکینہ دور ہو سکتا ہے"

آج ضرورت ہے کہ ایک امیر جماعت ہونے کی حیثیت سے آپ کے فرمودات کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے، اس میں ہمارے لیے بڑی معنویت اور تجربات مضمر ہیں، جس ذات نے اپنی پوری زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور بیماری و تکالیف کے ساتھ ساتھ کاروباری مشغولیت فرض کی ادائیگی میں حائل نہ ہو سکیں، اس کے خلوص اور محبت کی ہمیں قدر کرنی چاہیے۔ دنیا میں انسان آتے اور جاتے رہتے ہیں مگر اللہ کے خاص بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ باقی و زندہ رہتے ہیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲۹ راکتوبر ۱۹۸۹ء کو اپنڈکس کے آپریشن کے لیے ہسپتال میں داخل کیے گئے، اسی روز رات ۱۱ بجے آپریشن ہوا جو کامیاب رہا۔ آپ اچھے ہو گئے، سب کام خود سے کرتے، ۱۶ رنومبر کو سر میں شدید درد ہو کر بخار آ گیا، ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ دوا چل رہی تھی مگر بخار جاری تھا جو کبھی کبھی شدت اختیار کر جاتا تھا۔ ۲۵ رنومبر ۱۹۸۹ء شنبہ کے دن صبح سے طبیعت کچھ بدلی لگ رہی تھی۔ مگر بات چیت سے سکون معلوم ہوتا تھا۔ ۲ ½ بجے منہ گلا دھو کر کلی کی، ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے، عصر کا وقت نہیں ہوا تھا۔ میں نے کہا عصر بھی پڑھ کر آرام کریں کہا کہ وقت سے پہلے کیسے پڑھ لوں؟ پھر اس کے بعد شام ۷ بج کر دس منٹ پر یکایک گلا صاف کر کے کلی کی، منہ دھویا، سانس بدل گئی اور آپ ہم سب کو سوگوار و ہراساں چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ لِلّٰہ ما اعطی وللّٰہ ما اخذ۔ العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول إلا ما یرضی ربنا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

رب العلمین آپ کو غریق رحمت کرے۔ اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ہم سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی رسولہ الکریم وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔ ••

مولانا عبدالوحید صاحب سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر

چند تعزیتی مکتوبات

محترم امیر جمعیۃ اہلحدیث ہند جناب مولانا عبدالوحید صاحب سلفی رحمہ اللہ کے انتقال پر ملک و بیرون ملک سے برقیات، ٹیلیفون، تعزیتی قراردادیں اور مکتوبات بڑی تعداد میں موصول ہوئے۔ اس خلوص کیلیے ہم تمام حضرات کے شکرگزار ہیں، ساتھ ہی آئندہ اشاعتوں میں ہم انھیں ان شاء اللہ محدث کے صفحات میں شائع بھی کرتے رہیں گے، اس اشاعت میں صرف چند خطوط پیش کیے جا رہے ہیں جن میں ایک خط جماعت کے ایک مایۂ ناز سپوت کا ہے۔ اس خط کی چند سطریں صرف اس لیے پیش کی جا رہی ہیں کہ ان سے ان بہت سے افراد جماعت کے جذبات کی عکاسی ہو جاتی ہے، جن کی نظر جماعت کے حال سے زیادہ مستقبل پر ہے اور جو معاصر شخصیتوں کی بڑی حد تک ٹھوک بجا کر دیکھ چکے ہیں۔

(۱) محترم ڈاکٹر سید عبدالحفیظ صاحب سلفی نے فرمایا کہ: "محترم رفیق جناب مولانا عبدالوحید سلفی کے انتقال پُرملال کی خبر سہ روزہ دعوت اخبار کے ذریعہ ۲ر دسمبر کو اس ناچیز کو ملی اور اسی وقت عجب سکتہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ مرحوم بھائی کی جدائی کا صدمہ اور خسارہ ایک خاندان کا نہیں بلکہ پوری جماعت اور ملت کا ہے۔"

(۲) محترم مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری نے فرمایا کہ: "یقیناً مرکزی دارالعلوم بنارس کے ناظم اعلیٰ، اور مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا عبدالوحید صاحب سلفی کی وفات حسرت آیات جماعت و ملت کے لیے ایک عظیم حادثہ ہے، جس سے ہر فرد جماعت کو بے انتہا صدمہ و غم ہے۔"

(۳) ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب نے تحریر فرمایا:

"مولانا عبدالوحید سلفی کی رحلت کی اطلاع جامعہ السلفیہ کے ناظم مولانا سالم محمد فاروقی صاحب نے دی تھی، یاد آتا ہے کہ تعزیت کا خط انھیں لکھ دیا تھا۔ اب آپ کا رسالہ آیا تو اس سے ان کی علالت، عمل جراحی اور وفات کی خبر ملی، لیکن بہت اختصار سے، ضرورت تھی کہ آپ کے عربی و اردو رسالوں میں زندگی اور ان کے کارناموں پر مفصل مضمون ہو۔

کیا کہوں ان کی وفات کا کس قدر صدمہ ہوا، ان کی رحلت ایسے وقت ہوئی جب ملت اسلامیہ جمعیۃ اہلحدیث اور جامعہ سلفیہ کو ان کی ضرورت تھی، انھوں نے اپنی جماعت کو مستحکم کیا اور بہت حد تک منظم اور جامعہ سلفیہ کو ترقی دے کر دین کی بڑی خدمت انجام دی۔ اللہ انھیں اس کا اجر دے، ان کے گناہوں کی مغفرت فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔

آپ کو جو صدمہ پہنچا ہوگا، اس کا مجھے اعتراف ہے۔ خدا آپ کو صبر جمیل عطا کرے، اور آپ سب لوگوں کو اس کی توفیق دے کہ ان کے شروع کیے ہوئے کاموں کو درجۂ تکمیل تک پہنچائیں۔"

(۴) "محترم جناب ناظم صاحب کے انتقال کی خبر پہلے جناب عبدالہادی عمری صاحب نے دی، پھر آج گھر سے ایک خط کے ذریعہ معلوم ہوا، اچانک اس غیر متوقع خبر سے بڑا دھچکا لگا۔ جماعت میں ایک مخلص انسان جو بے لوث خدمت کے لیے تیار رہتا تھا، اور جس نے کبھی جماعت یا دین کے نام پر تجارت کرنے کی نہیں سوچی، وہ بھی چلا گیا، اب مفاد پرستوں اور دنیاداروں کے لیے پلیٹ فارم خالی ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور متعلقین اور لواحقین کو صبر کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

میری طرف سے جامعہ سلفیہ کے تمام اساتذہ، طلبہ اور راشاف اور مرحوم کے خاندان کے تمام لوگوں کی خدمت میں تعزیت فرمادیں۔

(ایک صاحب برطانیہ (لندن) سے)

(۵) محترم ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن اعظمی نے فرمایا: "ناظم جامعہ سلفیہ جناب عبدالوحید صاحب کے انتقال کی افسوسناک خبر سے دل کو بڑا صدمہ پہنچا، مرحوم کی دینی اور ملی خدمات کا ایک تسلسل ذہن میں گھومنے لگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کی ان خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔

(۶) محترم شیخ عین الباری نے فرمایا: "مرحوم کی رحلت جماعت کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ اسے پُر کریں، اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔"

●●●

سایۂ افسردگی

(بر وفات مولانا عبدالوحید رحمۃ اللہ علیہ)

مجازؔ اعظمی

روح فرسا حادثے باچشمِ نم دیکھا کریں، ہم مشیت کا یہ اندازِ کرم دیکھا کریں،
سایۂ افسردگی عرب وعجم دیکھا کریں جس طرف نظریں اٹھیں تصویرِ غم دیکھا کریں
اوّلِ شب کون اس خاکِ عجم سے اٹھ چلا آبدیدہ رات بھر شمعِ حرم دیکھا کریں
بزم سے ناگاہ اٹھ جانا امیرِ بزم کا بے صدا سازِ قضا کا زیروبم دیکھا کریں
جانے والے کا عجب انداز تھا ہر گام پر دیر تک اہلِ نظر نقشِ قدم دیکھا کریں
گفتگو میں دلنوازی تھی کہ ہر دل کی صدا وہ رہیں محوِ تکلم اور ہم دیکھا کریں
منصبِ عز وشرف پر وہ مثالی انکسار ایسے کم ہوں گے یہاں جو خود کو کم دیکھا کریں
اجتماعِ دین ودنیا تھا، مگر کس شان سے آستانِ دین پر دنیا کو خم دیکھا کریں
ایک سکتہ ہوگیا طاری جب آئی ہے خبر دم بخود قاصد ہمیں قاصد کو ہم دیکھا کریں
ختم ہے اک بابِ زریں خدمت واخلاص کا ملک وملت اس کو حیرت سے بہم دیکھا کریں
سرنگوں ہے جو جماعت کی قیادت کا علم کون بڑھ کر اب اٹھائے وہ علم دیکھا کریں
اے خدا ان پر ہوں تیری رحمتیں شام وسحر مرقدِ پُرنور میں باغِ ارم دیکھا کریں

ان کے اوصافِ حمیدہ ضبط کرنے میں مجازؔ
ٹوٹ جائیں گے بہت سارے قلم دیکھا کریں

★

قطعاتِ سنِ وفات

بر وفات حضرت آیات حضرۃ العلام مولانا الحاج عبدالوحید صاحب رحمہ اللہ

نتیجۂ فکر: محمد حبیب اللہ شہیمؔ صدیقی گونڈوی

عالم بے مثل تھے عبدالوحید نکتہ بیں　　دیدہ ور، بالغ نظر، سنجیدہ دل، اہلِ یقیں
ہاں مگر حکمِ خدا سے پی کے جامِ مرگ آج　　اب ہوئے آخر کو وہ بھی راہیٔ خلدِ بریں

= ۸۹۶ + ۲۱۷ + ۲۳ + ۸۲۸ + ۲۵
۱۹۸۹ء

عمر بھر کرتے رہے تربیتِ اہلِ حدیث　　ان کا مقصد تھا کہ ہو تقویتِ اہلِ حدیث
آہ لیکن کر گئے رحلت تو یوں لکھو شہیمؔ!　　ہے وفاتِ رہبرِ جمعیتِ اہلِ حدیث

= ۵۵۸ + ۵۲۳ + ۳۰۷ + ۵۰۲
۱۹۸۹ء

علمِ دیں، علمِ تجارت میں تھے یکتا اور طاق　　جامعہ کی نصرت و وسعت میں تھے چوبند و چاق
اِس خصوصیت کے باعث لے جنابِ عبدالوحید　　آج ایسے ہے رنج فرسا آپ کا داغِ فراق

= ۱۳۸۶ + ۲۵ + ۵۵۵ + ۲۳
۱۹۸۹ء

دین میں ہیں جتنے ارکان و فرائض یا وجوب　　تا حدِ مقدور کرتے تھے عمل مرحوم خوب
صدرِ جمعیت بھی تھے لیکن کیا دنیا سے کوچ　　اس طرح گویا ہوا اب بدرِ جمعیت غروب

= ۱۷۳۱ + ۲۰۶ + ۵۲
۱۹۸۹ء

اک زعیم قوم وملت اور اک فرد فرید — جاں نثارِ مسلک اسلاف اک مرد سعید
بندۂ مخلص تھا تیرا اے خداوندِ مجید — ہے دعا ہو آج عکم بخشش عبد الوحید

= ۱۳۵   ۱۲۰۲ + ۷۳

۱۴۱۰ھ

شرک وبدعت سے یقیناً صاف تھا ان کا نجلاج — اس بنا پر رکھ خدایا عاملِ سنت کی لاج
بخش دے ہر سہو ونسیاں یاالٰہی اور پھر — ہو منور روح نورِ لطعت سے مرقد بیں آج

= ۴۴۴ + ۴۴۵ + ۲۱۴ + ۳۱۷

۱۴۱۰ھ

لاریب تھے وہ دین وشریعت کے خیر خواہ — تھے جامعہ کے حسنِ تدبر سے سر براہ
اب جامعہ کو چھوڑ چلے تو کہو شبیمؔ — لو غم فروش جامعۂ سلفیہ ہے آہ

= ۲۲ + ۳۰۵ + ۵۸۲ + ۱۶۲

۱۹۸۹ء

رکھتے تھے جامعہ کو دل وجان سے وہ حبیب — پر آج اس سے دور ہوئے اب نہیں قریب
رب کریم تیرے کرم کے طفیل سے — ہوجائے اب بھی ناظم نعم البدل نصیب

= ۱۵۲ + ۲۲۷ + ۹۹۱ + ۱۵ + ۲۵

۱۴۱۰ھ

"سیپارۂ دل"

(یوپی اور بہار کے حالیہ فساد سے متاثر ہوکر)

تابش حجازی

اپنا جو نگہباں ہے وہ خونخوار بہت ہے
آساں ہے اجل زندگی دشوار بہت ہے

اس گردشِ ایام نے یہ دن ہیں دکھائے
اب جینے سے جی اپنا بھی بیزار بہت ہے

سب کھل گئے شاید دلِ مجروح کے ٹانکے
اب دیدۂ گریاں مرا خونبار بہت ہے

میرٹھ ہو، بدایوں کہ ہو شہر بریشم
میرے لیے یہ درد یہ آزار بہت ہے

بکھرا ہوا ہے چاروں طرف خونِ شہیداں
رنگین ہر اک وادی و کہسار بہت ہے

اس طرح سے صیاد نے پھونکا ہے نشیمن
ہر شاخِ چمن اب کی شرربار بہت ہے

صد حیف! کہ وہ لوگ جو ایواں کے مکیں تھے
اب اُن کے لیے سایۂ دیوار بہت ہے

ہر سمت نظر آتا ہے اک گنجِ شہیداں
قاتل ترے خنجر کی رواں دھار بہت ہے

بکھرے ہوئے ہر سمت ہیں تسبیح کے دانے
محفوظ مگر حلقۂ زنار بہت ہے

سب اپنے ہی کرتوت کے انجام ہیں اے دوست
تو دامِ بلا میں جو گرفتار بہت ہے

اب کچھ تو ٹھہر جا کہ مرا دم ہے لبوں پر
اے گردشِ دوراں تری رفتار بہت ہے

تو تختِ سکندر سے گرا فرشِ زمیں پر
ظالم! تجھے اللہ کی یہ مار بہت ہے

پھوٹے گی کرن ایک نئی صبح کی تابش
تاریک اگرچہ یہ شبِ تار بہت ہے۔

★

ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن

اور اُمت میں ان کے غلط اثرات

شبِ برارت کے متعلق ضعیف اور موضوع احادیث

احمد مجتبیٰ سلفی

"محدث" کا یہ شمارہ جب قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہوگا، اس وقت شب برات کا وقت قریب ہوگا،
ی مناسبت سے اس شمارہ میں شب برارت ہی سے متعلق ضعیف اور موضوع احادیث اور امت میں ان کے غلط
ژات پر بحث دی جا رہی ہے۔

نوٹ: شب برارت سے متعلق تمام حدیثیں یا تو موضوع ہیں یا ضعیف، ہاں بعض ضعیف احادیث ایک
وسرے کی مؤید ہو کر صحت کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں، دیکھیے حدیث ۱۲۔

۸- إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصفِ مِن شعبان فَقُومُوا لَيْلَهَا وصُومُوا نَهارَهَا،
انَّ اللهَ يَنْزِلُ فِيهَا لغروبِ الشَّمسِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنيا فيقول: أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ
اغْفِرَ لَهُ؟ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ؟ أَلَا مبتلىً فَأُعَافِيَهُ؟ أَلَا كذا أَلَا كذا
..... حتى يَطلع الفجر۔

ترجمہ: جب پندرہویں شعبان کی رات آئے تو اس رات کو قیام کرو (یعنی نمازیں پڑھو) اور دن کو روزے رکھو
ں کہ غروبِ شمس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ اس رات کو قریبی آسمان پر نزول فرما کر اعلان فرماتا ہے، ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا
میں اسے بخش دوں، ہے کوئی روزی طلب کرنے والا کہ میں اسے روزی دوں؟ ہے کوئی بیمار جسے میں شفا رعطا
روں؟ ہے کوئی ایسا، ہے کوئی ایسا ..... یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے۔

یہ حدیث حد درجہ ضعیف ہے، بلکہ ممکن ہے موضوع ہو۔ کیونکہ اس کا راوی "ابن ابی سبرہ"

حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔[۱] اس حدیث کو ابن ماجہ (۲) اور بیہقی (۳) نے اسی کے واسطے سے حضرت علی سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی دو شقیں ہیں (۱) قیام وصیام کا حکم (۲) اور رات میں نزول باری تعالیٰ اور اس کا اعلان۔ دوسری شق کی تقویت (بدرجۂ صحت) نمبر ۱۲ پر آنے والی حدیث سے ہو جاتی ہے۔ مگر پہلی شق کا شدید ضعف علیٰ حالہٖ باقی رہ جاتا ہے۔ ہاں قیام کو بھی نمبر ۱۲ کی حدیث سے تقویت بایں طور حاصل ہو جاتی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ سے استغفار، رزق اور صحت کی دعا سے پہلے بندہ باری تعالیٰ کو ہدیۂ حمد وثنا اور عبادت بشکل نماز و تلاوت پیش کر سکتا ہے، مگر روزہ کے لیے کسی بھی دوسری حدیث سے تقویت نہیں مل پائی ہے۔

اس ضعیف حدیث کا اثر اتباع سنت اور اجتناب بدعت کی داعی جماعت پر بھی ایسا ہوا کہ بہت سے اہلحدیث حضرات بھی ۱۵ شعبان کا روزہ اس تاثر کے ساتھ رکھتے ہیں کہ "شب برات" منانے کا "سلفی طریقہ" یہی ہے۔ باقی حلوہ، مانڈہ، نیاز فاتحہ اور قبرستان کی زیارت تو بدعت ہے۔ حتیٰ کہ جب ہم لوگوں نے اپنے علاقہ میں اس روزہ کی حقیقت بیان کی تو سلفی حضرات کی طرف سے بھی ہمارے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ مگر اب دھیرے دھیرے بات لوگوں کی سمجھ میں آنے لگی ہے۔

واضح رہے کہ ۱۵ شعبان کی تخصیص کے بغیر ماہ شعبان میں نفلی روزہ کی کثرت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جس میں سے بعض صحیحین کی حدیثیں ہیں۔

۹۔ عَنْ عائشۃ ان النبی صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وسلم صلی لیلۃ النصف من شعبان وقال: ھل تدرین ما فی ھٰذہ اللَّیْلَۃَ؟ قلت: مَا فِیھا یارَسُول اللہ؟ قال: فیھا یکتب کل مولود بنی آدم فی ھٰذہ السنۃ، وفیھا یکتب کل ھالک من بنی آدم فی ھٰذہ السنۃ، وفیھا تَرْفع اعمَالھم، وفیھا تنزل ارزاقھم۔

(حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہویں شعبان کی رات نفل نماز پڑھی، پھر فرمایا: جانتی ہو اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس میں کیا ہوتا ہے؟ فرمایا:

(۱) المیزان (۲/۵۰۳) (۲) سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ باب ۱۹۱

(۳) السلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (ص ۲۳)

اس سال پیدا ہونے والوں اور مرنے والوں کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اسی رات لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، ان کی روزی روٹی لکھی جاتی ہے۔

یہ حدیث بہت ہی ضعیف ہے اس کو بیہقی نے دعوات کبیر[1] میں بعض مجہول رواۃ کے واسطے سے روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ ہی سے ایک روایت مسند ابی یعلی[2] میں آئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

۱۰- ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصوم شعبان کلہ، قلت: یارسول اللہ! احب الشھور الیک ان تصومہ شعبان؟ قال: ان اللہ یکتب فیہ علی کل نفس میتۃ تلک السنۃ، فاحب ان یاتینی اجلی و انا صائم۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا: روزہ رکھنے کے لیے آپ کو شعبان کا مہینہ بہت ہی پسند ہے؟ فرمایا اس مہینہ میں سال بھر کے مرنے والوں کی موت کا فیصلہ ہوتا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ میرا وقت مقرر اس حال میں آئے کہ میں روزے سے رہوں۔

لیکن اولاً تو یہ حدیث بھی ضعیف ہے، کیونکہ اس کے رواۃ میں مسلم بن خالد زنجی[3] اور سوید بن سعید[4] ضعیف ہیں۔

ثانیاً اس میں پندرہویں کی رات کی قید نہیں اور نہ کوئی اس رات کی فضیلت۔

اسی طرح حضرت اسامہ بن زید سے نسائی میں[5] ایک روایت آئی ہے، جس میں شعبان کے اندر اعمال پیش کرنے کا ذکر ہے، حدیث کے الفاظ ہیں:

۱۱- قلت لم ارک تصوم فی شھر من الشھور ما تصوم فی شعبان؟ قال: ذالک شھر یغفل عنہ الناس بین رجب و رمضان وھو شھر ترفع فیہ الاعمال الی رب العالمین واحب ان یرفع عملی وانا صائم۔

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ: باب قیام شہر رمضان والسلسلۃ الانصاریہ للشیخ حماد الانصاری (ص ۱۹)

(۲) ج ۸/ص ۳۱۲؛ مجمع الزوائد (ج ۳/ص ۱۹۲)

(۳) المیزان (۴/۱۰۲) (۴) مصدر سابق (۲/۲۴۸) (۵) کتاب الصیام باب ۷۰ حدیث ۲۳۵۸۔

یعنی میں نے کسی مہینہ میں آپ کو اتنا روزہ رکھتے نہیں دیکھا جتنا کہ آپ شعبان میں رکھتے ہیں ؟ فرمایا رجب و رمضان کے درمیان واقع اس ماہ کی فضیلتوں سے لوگ غافل ہیں، یہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں اللہ رب العالمین کے دربار میں لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، تو میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں پیش کیے جائیں کہ میں روزے سے رہوں۔

لیکن یہ حدیث بھی ضعیف ہے[1] کیونکہ اس میں ایک راوی "ثابت بن قیس ابوالغصن مدنی ہے جو بقول حافظ ابن حجر "صدوق یھم" ہے، یعنی صدوق تو ہے لیکن اسے وہم ہوجاتا ہے اور شاید اسی وہم کا نتیجہ ہے کہ اس روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ جس سند سے نسائی میں اس کی یہ روایت مذکورہ الفاظ سے مروی ہے ٹھیک اسی سند سے اسی کے فوراً بعد اس کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں[2]:

قلت : انک یا رسول اللہ تصوم حتی لا تکاد تفطر وتفطر حتی لا تکاد ان تصوم الا یومین ان دخلا فی صیامک و الا صمتھما ؟ قال: ای یومین : قلت یوم الاثنین ویوم الخمیس قال ذانک یومان تعرض فیھما الاعمال۔

میں نے عرض کیا : یارسول اللہ آپ روزے رکھتے ہیں تو لگتا ہے کہ کسی دن بلا روزہ رہیں گے ہی نہیں، اور کبھی روزے نہیں رکھتے تو لگتا ہے کہ کبھی روزہ رکھیں گے ہی نہیں۔ مگر دو دن ایسے ہیں کہ ضرور روزے سے رہتے ہیں۔ فرمایا : وہ دو دن کون ہیں ؟ عرض کیا دوشنبہ اور جمعرات۔ فرمایا : ان دونوں دنوں میں لوگوں کے اعمال اللہ کے دربار میں پیش کیے جاتے ہیں۔

یہ تو ہوئی متن میں اضطراب کی بات، سند بھی اضطراب سے محفوظ نہیں۔ مذکورہ سند یوں ہے "ثابت بن قیس عن ابی سعید المقبری عن اسامۃ" اور دوسری سند اس طرح ہے "ثابت بن قیس عن ابی سعید المقبری عن ابی ہریرۃ عن اسامۃ"[3] اور ثانی الذکر سند میں متن ایک تیسرا ہی ہے۔ اس میں نہ شعبان کا ذکر ہے اور نہ ہی دوشنبہ اور جمعرات کا اس کے الفاظ ہیں:

---

(۱) ۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو "صحیح سنن النسائی" میں درج نہیں کیا ہے۔

(۲) ۔ حدیث ۲۳۵۹

(۳) ۔ کتاب الصیام باب ۷۰ حدیث ۲۳۶۰

كَانَ النبي صلى الله عليه وسلم يسرد الصوم فيقال : لا يفطر، ويفطر فيقال : لا يصوم -

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل روزے رکھتے یہاں تک کہ کہا جاتا: اب کسی دن بلا روزہ کے نہیں رہیں گے - اور روزے نہیں رکھتے تو کہا جاتا کہ اب روزے رکھیں گے ہی نہیں -)

خلاصۂ کلام: حدیث ۹، ۱۰، ۱۱ کے طرق خاص طور پر ۱۰، ۱۱ کے طرق میں بہت زیادہ ضعف نہیں ہے اور تینوں کے مجموعہ سے ایک دوسرے کا ضعف دور ہو جاتا ہے، اور ان سے جو ایک اجمالی بات ثابت ہوتی ہے وہ حجت کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اس رات کی مجملہ فضیلت ثابت ہے۔ مگر اس فضیلت کا کیا تقاضہ ہے اور اس رات میں کیا کرنا چاہیے اور کیا جاتا ہے، اس پر بحث بعد کی حدیث میں آ رہی ہے۔

۱۲: ان الله تبارك وتعالىٰ ينزل (وفي رواية: يطلع) ليلة النصف من شعبان الى سماء الدنيا فيغفر لجميع خلقه الا لمشرك او مشاحن

(پندرہویں شعبان کی رات میں اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا (قریبی آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور مشرک وکینہ پرور کے سوا سب کی بخشش فرما دیتا ہے۔)

یہ حدیث تھوڑی سی کمی بیشی کے ساتھ مندرجہ ذیل صحابہ کرام سے روایت کی گئی ہے:

ابو بکر صدیق، عائشہ، ابو ہریرہ، ابو موسیٰ اشعری، ابو ثعلبہ خشنی، عوف بن مالک، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عثمان بن ابی العاص اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اور سند کے اعتبار سے ہر ایک کی حدیث ضعیف ہے، حضرت ابو بکر کی سند میں عبدالملک بن ہشام ضعیف ہے[1]۔ عائشہ کی سند میں دو جگہ انقطاع ہے[2]۔ ابو ہریرہ کی سند میں عبدالرحمن بن ہشام مجہول ہے[3]۔ ابو موسیٰ اشعری کی سند میں بقیہ اور عبدالرحمن بن عرزب ضعیف ہیں[4]۔ ابو ثعلبہ کی سند میں احوص بن حکیم ضعیف ہے[5]۔ عوف بن مالک کی سند میں بقیہ اور عبدالرحمن بن ابی النعم افریقی ضعیف ہیں[6]۔ اور عبداللہ بن عمرو کی سند میں بقیہ ضعیف ہے[7]۔ اور معاذ کی سند میں انقطاع ہے اور عثمان کی سند میں کئی مجہول راوی ہیں ہاں بعض علماء کے نزدیک یہ حدیث صحت کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، جیسا کہ علامہ البانی (۸) اور علامہ عبیداللہ

(۱) - (۷) - دیکھیے: سلسلة الاحادیث الصحیحة رقم ۱۱۴۴ (۸) مصدر سابق -

رحمانی شیخ الحدیث مبارکفوری (۱) کا خیال ہے اور ان کی رائے کی تائید شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتوی (۲) سے بھی ہوتی ہے۔
مذکورہ تینوں ائمہ فن جہاں فن حدیث کی چوٹی کے ماہرین ہیں وہیں غایت درجہ سنت کے متلاشی اور بدعت سے اجتناب کرنے والے ہیں۔ اس لیے ان کے اس حدیث پر حکم کو ناقابل اعتبار نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مگر انھوں نے اور ان سے پہلے دیگر علماء سلف نے اس رات کی عبادت کے لیے جو قیود و شروط لگائے ہیں اور سلف صالحین نے جس طرح اس رات عبادت کی ہے، اس کا لحاظ بھی ضروری ہے۔
یعنی اس حدیث سے صرف اتنا ہی تو ثابت ہوتا ہے کہ پندرہویں شعبان کی رات کو سال کی دیگر راتوں پر (ماسوا شب قدر) ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ تو اس رات میں نفلی عبادات پر خاص اجر و ثواب حاصل ہوگا۔
اب یہ دیکھا جائے کہ سلف صالحین جو ہم سے زیادہ اجر و ثواب کے حصول میں کوشش کرنے والے تھے، ان کا اس رات میں کیا طریقہ تھا۔ تو ہمیں تاریخ سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے (۳) کہ وہ فرداً فرداً یا محدود اجتماع کے ساتھ اس رات میں کچھ زیادہ عبادت کرتے تھے، وہ بھی بستی یا محلہ کے تمام لوگ بھی نہیں بلکہ صرف معدودے چند، کوئی نفلی نمازیں پڑھتا تو کوئی قرآن کی تلاوت کرتا تو کوئی دعاؤں میں مشغول ہوتا۔ اور بس۔
مگر اجتماعی شکل میں نمازیں پڑھنا یا تسبیحات اور درود و سلام اور اجتماعی شکل میں قبرستان جانا، قبروں پر چراغاں کرنا اور فاتحہ خوانی اور صرف میٹھی چیزوں کی خیرات! وہ بھی "فاتحہ بدعیہ" کے بعد۔ کیا یہ سب خرافات مذکورہ احادیث سے مستنبط ہوتی ہیں؟ کیا اسلاف نے یہ سب کیا ہے؟ لیکن منہ زوری کا دنیا میں کوئی جواب نہیں۔
جب مشروع نفلی عبادتوں کا ثبوت بھی ان احادیث سے بمشکل مستنبط کیا جا سکتا ہے (یعنی کثرت طرق کی وجہ سے) تو جو اعمال سرے سے بدعت ہیں ان کے لیے اس حدیث کو کیسے مستدل بنایا جا سکتا ہے؟
حضرت عائشہ کی حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیع جانے کا تذکرہ ہے۔ اس سے اس رات قبرستان [illegible] کی دلیل پکڑی جاتی ہے۔ تو عرض ہے کہ یہ حدیث بنفسہ تو بہت ضعیف ہے اس لیے اس کے تمام مشمولات دلیل نہیں بنائے جا سکتے۔ اس حدیث کو تقویت دیگر سات صحابہ کی احادیث سے دی گئی ہے، جن میں قبرستان جانے کا ذکر نہیں ہے اس لیے اس شق کے لیے تقویت ثابت نہیں کی جا سکتی۔

---

(۱) مرعاۃ المفاتیح (ج ۴ / ص ۳۲۵)   (۲) مجموع فتاوی ابن تیمیہ (ج ۲۳ / ص ۱۳۱-۱۳۲)   (۳) مصدر سابق

اگر حضرت عائشہ کی حدیث بنفسہٖ صحیح بھی ہوتی تو بھی اس سے اس رات میں خاص طور پر قبرستان جانے کی دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔ کیونکہ اللہ کے رسول کا معمول ہی تھا کہ وہ حضرت عائشہ کی باری میں قبرستان جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ "صحیح مسلم" میں انہی سے روایت ہے: فرماتی ہیں: کلما کان لیلتھا من رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یخرج من آخر اللیل الی البقیع۔ (الحدیث) (یعنی جب بھی ان کی باری ہوتی خدا کے رسول رات کے آخری پہر میں بقیع چلے جاتے۔) تو اسی معمول کے مطابق اس رات کو بقیع گئے ہوں گے نہ کہ خاص اس رات کی وجہ سے

یہاں پر یہ بات واضح رہے کہ بعض مفسرین نے سورہ دخان کی آیت:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ — ہم نے قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل فرمایا،
إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ — بے شک ہم ڈرانے والے ہیں۔ اس رات میں تمام باحکمت
كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ۔ (۴-۳) — امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

میں "لیلۃ مبارکۃ" اور "فیھا یفرق کل امر حکیم" سے پندرہویں شعبان کی رات مراد لی ہے جیسا کہ طبری نے عکرمہ سے روایت کی ہے۔ لیکن یہ تفسیر سراسر باطل ہے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ سورۃ بقرۃ میں ارشاد فرماتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (۱۸۵) — رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔

نیز سورہ قدر میں ارشادِ باری ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ — ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

اس واضح ارشادِ خداوندی کے بعد سورہ دخان کی آیت "لیلۃ مبارکۃ" سے شب برات (پندرہ شعبان کی رات) مراد لینا کیا معنی رکھتا ہے، ہر مومن اس کو سمجھ سکتا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

ومن قال: انھا لیلۃ النصف من شعبان کما روی عن عکرمۃ فقد ابعد النجعۃ فان نص القرآن انھا فی رمضان۔

اور جس نے یہ کہا کہ یہ پندرہویں شعبان کی رات ہے وہ مقصد سے بہت دور چلا گیا ہے، اس لیے کہ خود قرآن نے تنصیص کر دی ہے کہ یہ رات رمضان کے اندر ہے۔

خود طبری نے عکرمہ کا قول روایت کرنے کے بعد اس کی تردید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں، اپنے کتاب کی باطل تاویل سے بچائے۔ آمین، ثم آمین۔ ●●●

فضلُ اللہ سَلفی

جذبۂ مسابقت

مقابلہ اور مسابقہ کی اس دنیا میں ہر کوئی اپنی کامیابی کے لیے تگ و دو اور بے پناہ دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ اسے ڈر ہے کہ کہیں غافل ہوا تو کامیابی اس کے قریب بھی نہیں پھٹکے گی اور وہ خائب و خاسر رہے گا۔ اسے کامیابی ملے اور وہ فاتح و کامراں ہو، اس کے لیے وہ خونِ جگر سے چراغ شب روشن کرتا ہے۔ شبانہ روز اسی کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ؎ نقش ہیں سب ناتمام، خونِ جگر کے بغیر

نغمہ ہے سودائے خام، خونِ جگر کے بغیر

خونِ جگر کے بغیر نقش بھی ہیں ناتمام اور نغمہ بھی ہے سودائے خام، یہ تو مقابلہ و مسابقہ اور اس میں حصول کامیابی کی بات ہے، جس میں کوشش و جانفشانی از بس ضروری ہے۔ شعبہ جاتِ زندگی کا خواہ کوئی بھی مقابلہ ہو۔ بغیر جذبۂ مسابقت اور محنت و مشقت کے کامیابی مشکل بھی ہے اور درحقیقت ناممکن بھی۔ زندگی کے مثبت مقابلوں میں خدا ہمیں اور آپ کو کامیاب و کامران بنائے (آمین)۔ لیکن کیا ایک مسلمان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ دنیاوی امور کے لیے وہ اپنے اندر جذبۂ مسابقت پیدا کرے اور محنت و مشقت کر کے کامیاب ہو جائے۔ اپنی اس زندگی کو شادکام اور آرزوئے حیات کو تمام کرنے میں اخروی زندگی فراموش کر جائے۔ اس کی آرائش میں اُخروی بگاڑ لے اور فانی کے لیے لازوال وجاودان سے بے فکر و بے پروا ہو جائے۔ واضح ہو کہ عدم استعداد کا نتیجہ، ندامت، صرف دنیاوی کلیہ نہیں، بلکہ آخرت میں بھی اس کا نفاذ یقیناً ہوگا۔ سچ ہی کسی نے کہا کہ ؎

اذا أنت لم ترحل بزاد من التقی ... وأبصرت یوم الحشر من قد تزودا

ندمت علی الا تکون کمثلہ ... وانت لم ترصد کما هو ارصدا

یعنی، جب تو بغیر توشۂ تقویٰ کے رہے گا اور بروزِ حشر صاحبِ توشہ کو دیکھے گا تو شرمندہ ہو کے رہے گا کہ تو اس کی طرح نہیں اور نہ ہی اس کی طرح تیاری کی۔ بروزِ قیامت شرمندگی اور ندامت سے بچنے کے لیے قرآن نے ہمیں ایک نسخہ بتلایا کہ فاستبقوا الخیرات: یعنی، کارِ خیر کی طرف سبقت کرو اور کہا کہ: وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضہا السمٰوات والارض اعدت للمتقین[1]: ذرا دیکھیے حبیبِ خدا کی فکرِ عقبیٰ اور کارِ خیر کے لیے جذبۂ سبقت۔

حضرت عقبہ بن حارث کہتے ہیں کہ: صلیتُ وراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ العصر فسلم ثم قام مسرعاً فتخطی رقاب الناس الی بعض حجر نسائہ۔ ففزع الناس من سرعتہ فخرج علیھم فرای انھم قد عجبوا من سرعتہ قال: ذکرت شیئاً من تبر عندنا فکرھت ان یحبسنی فامرت بقسمتہ۔ یعنی، میں نے مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی۔ آپ سلام پھیرنے کے بعد بڑی تیزی سے کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردن پار کرتے اپنی کسی بیوی کے گھر میں گئے۔ آپ کی جلد بازی سے لوگ بھی گھبرا گئے۔ چنانچہ جب ان کے پاس آپ پہنچے تو دیکھا کہ سب آپ کی جلد بازی سے حیران ہیں۔ آپ نے کہا کہ ہمیں اپنے تبر (سونا یا چاندی کے ٹکڑے) یاد آگئے تو میں نے ناپسند سمجھا کہ وہ مجھے (ذکرِ خدا سے) روک دیں۔ چنانچہ میں نے (فوراً) انھیں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ کارِ خیر کے لیے آپ کا یہ جذبۂ سبقت دیدنی اور قابلِ رشک ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ احد کے دن ایک آدمی نے حضورؐ سے کہا کہ میں اگر مارا گیا تو کہاں جاؤں گا؟ آپ نے کہا کہ جنت میں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے کھجور پھینکے، پھر لڑائی کی اور شہید کر دیے گئے۔

غزوۂ احد ہی کا ایک واقعہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ: حضورؐ کے دستِ مبارک میں ایک تلوار تھی۔ آپؐ نے پوچھا کہ مجھ سے یہ تلوار کون لے گا۔؟ سبھوں نے (جھٹ سے) اپنے ہاتھ بڑھائے اور ہر کوئی کہنے لگا میں لوں گا، میں لوں گا تو آپ نے فرمایا (اچھا بتاؤ) کہ اس کا حق کون ادا کرے گا؟ اب تو سب رک گئے۔ مگر ابو دجانہ نے کہا کہ میں۔ چنانچہ انھوں نے حضور سے تلوار لی اور مشرکوں کے سر مذرِ تیغ کئے۔ کارِ خیر کے لیے اس مقابلہ میں ابو دجانہ کامیاب ہوئے اور نہ کہ صرف مشرکین کا کام اس تلوار سے تمام کیا، بلکہ اس کی وجہ سے خدا اور حبیبِ خدا کے حبیب بھی ٹھہرے۔

حضرت ابو بکر صدیق کا واقعہ اور کارِ خیر کے لیے ان کا جذبۂ مسابقت تاریخ کے کسی طالبِ علم سے مخفی نہیں۔ ایک روز حضرت عمر فاروق جیشِ عسرت یا جنگِ تبوک کے چندہ کا تذکرہ کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ آں حضرتؐ نے جب ہمیں مال تصدق

---

[1] دوڑو اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف، جس کا پھیلاؤ زمین و آسمان کے برابر ہے (یہ جنت) پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

کرنے کا حکم دیا تو میں نے حضرت ابوبکر صدیق سے بڑھ کر مال تصدق کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور اپنا نصف مال تصدق کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا کہ اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ چھوڑا؟ میں نے عرض کیا کہ باقی نصف۔ اتنے میں ابوبکر اپنا سارا مال لیے آگئے۔ آں حضرت نے ان سے بھی وہی سوال کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اہل وعیال کے لیے خدا اور رسول کافی ہیں۔ میں نے یہ دیکھ کر کہا کہ میں کبھی ابوبکر صدیق سے کسی بات میں بڑھ نہ سکوں گا۔

(تاریخ اسلام ج ۱ ص ۱۵۰)

قربان جائیے حضرت ابوبکر صدیق کے اس جذبۂ مسابقت پہ۔ جس میں کامیابی کے لیے انھوں نے اپنی فکر کی اور نہ ہی اپنے اہل وعیال کی۔ خدا اور رسول کو اپنے لیے کافی سمجھنا اتنی بڑی بات ہے کہ ایک مومن کے لیے اس سے بڑی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ اس واقعہ کی روشنی میں ہمیں بھی اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے اندر کارِ خیر کے لیے کتنا جذبۂ مسابقت موجود ہے اور اس میں کامیابی کے لیے ہم کیا کچھ کرتے ہیں۔ کھوکھلی شہرت وعزت، فانی عیش وعشرت اور دولت وثروت کے لیے ہمارے اندر پایا جانے والا جذبۂ مسابقت اتنا بلند کہ ہمہ دم "سب سے پہلے ہم تو پہلے ہم" کا خیال ہمارے ذہن میں گھر کیے رہتا ہے زندگی کا کوئی معاملہ ایسا نہیں، جس کے لیے ہمارے اندر جذبۂ مسابقت پایا نہ جاتا ہو۔ اس میں کامیابی کے لیے ہم بے پناہ کوشش اور انتھک تگ ودو نہ کرتے ہوں۔ "ہم کسی سے کم نہیں" والا خیال وہیں موجود ہوتا ہے، جہاں دینی معاملہ مفقود ہوتا ہے۔ کارِ خیر، نیکیاں اور دینی امور میں ایک دوسرے سے بڑھنا نہیں چاہتے، بلکہ ان کے لیے ہی ہم بڑھنا نہیں چاہتے۔ ہماری حقیقی کامیابی اسی میں ہے کہ ہم کارِ خیر اور جاوداں زندگی کے لیے بھی اپنے اندر جذبۂ مسابقت پیدا کریں اور کامیابی کے لیے ہر ممکن کوشش کریں۔ ہم فانی کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے، جبکہ باقی اور سرمدی کے لیے ہم کچھ کرتے ہی نہیں۔ چاہیے کہ ہم اخروی سنوارنے کی کوشش کریں اور جہاں تک ہوسکے زیادہ سے زیادہ کارِ خیر اور نیکیاں کرلیں، ورنہ پھر بڑی ندامت اور شرمندگی ہمیں اٹھانا پڑے گی۔ مگر خیال رہے کہ اس ندامت سے پھر گئی چیز ہاتھ آتی نہیں۔

کارِ خیر کے لیے خدا ہمارے اندر جذبۂ مسابقت پیدا کرے۔ (آمین)

● ● ●

جماعت کی دعوتی خدمات کا تعارف

جامعہ سلفیہ کے قیام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ تھا کہ جماعت اہل حدیث کی علمی و تبلیغی خدمات کا خاطر خواہ تعارف کرایا جائے اور انگریزوں کے عہد سے لے کر آج تک جماعت نے جو کارنامے انجام دیے ہیں ان کو منظم شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، نیز جماعت کے منہج عمل اور طریقۂ کار کی جو خصوصیت ہے اس کو نمایاں کیا جائے۔

یہ کام جماعت کے کسی فرد کا نہیں بلکہ اہل علم و قلم کی پوری ٹیم کا تھا جو اس اہم تحقیقی خدمت کے لیے برسوں محنت و کاوش کرکے ایسا لٹریچر تیار کرتی جس کے ذریعہ جماعتی خدمات کے تعارف میں مدد ملتی اور لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس جماعت نے آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کس نہج پر کام کیا، اور اس کے کام کی اہمیت کیا ہے۔

جامعہ سلفیہ کی مرکزی حیثیت اس بات کی متقاضی تھی کہ جماعت کے حساس افراد اس کے ساتھ تعاون کریں اور ماضی کے جماعتی نقوش کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ مستقبل کے لیے ایسا لائحۂ عمل تیار کریں، جس سے افراد جماعت کی تعلیمی و تبلیغی کوششوں کو جماعتی رشتہ میں منسلک کیا جا سکے، اور کسی بھی موڑ پر انتشار و افتراق کا احساس نہ ہو۔ مرکزی ادارہ کے قیام سے پہلے جماعت کے جن افراد کو نقطۂ اجتماع کی تلاش تھی ان کا مدعا جامعہ سلفیہ کی تاسیس سے حاصل ہو چکا تھا، اسی طرح جو لوگ جماعتی بے توجہی و ناقدری کا رونا رونے کے خوگر تھے ان کا عذر بھی ختم ہو چکا تھا، کیوں کہ جماعت نے ایک کام کے لیے صاف ستھرا وسیع میدان مہیا کر دیا تھا، لیکن بیحد افسوس کا مقام ہے کہ مرکزی ادارہ کو جس ہمہ جہتی توجہ و تعاون کی ضرورت تھی وہ اسے ابتک حاصل نہ ہو سکا اور افراد جماعت اس سلسلہ کی اپنی ذمہ داریوں کو پورے طور پر محسوس نہ کر سکے۔
صرف یہی نہیں بلکہ وقت گزرنے پر مرکزی ادارہ کے ساتھ ایک طرح کی منافست و تقابل کا جذبہ بھی بعض حلقوں میں ابھرا جسے جماعتی ترقی کی راہ میں کھلی رکاوٹ کی حیثیت حاصل ہونے لگی۔ اس صورتحال کے وجود پذیر ہونے کے اسباب و محرکات خواہ کچھ بھی ہوں لیکن ہماری اجتماعی زندگی کے لیے اس طرح کا رجحان سم قاتل سے کم نہیں۔

مذکورہ تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کے بعد یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ جماعت نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے

مرکزی ادارہ قائم کیا اور ابتک اسے کسی نہ کسی سطح پر اپنے اعتماد و تعاون سے سرفراز کیا، آنے والا مورخ جماعت کے اس احساس ذمہ داری کو یقیناً قدر کی نگاہ سے دیکھے گا، لیکن اس کی نگاہیں یقیناً اس رویہ پر بھی ہوں گی جسے ادارے کے تعلق سے افرادِ جماعت آئندہ اختیار کریں گے۔

اس موقع پر یہ اظہار بھی مناسب ہے کہ مرکزی ادارے نے اپنی بساط کے مطابق ابتک قدم آگے ہی بڑھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور افرادِ جماعت کے تعاون سے اس نے متعینہ لائحہ عمل کے مطابق خدمات انجام دی ہیں، پھر بھی یہ اعتراف قرینِ انصاف ہے کہ جماعتی میدان میں جس نوعیت کے کام کی ضرورت ہے وہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ جامعہ سلفیہ نے ۱۹۸۰ء میں منعقد ہونے والی دعوت وتعلیم کانفرنس کے موقع پر جماعت کی علمی تاریخ سے متعلق چند کتابیں تیار کرائی تھیں۔ ایک کتاب تدریسی خدمات سے متعلق تھی، جس میں تمام جماعتی مدارس ومکاتب کا تعارف کرایا گیا تھا۔ اس کتاب کی دوسری اشاعت مزید ترمیم واضافہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، اور اس طرح یہ اپنے موضوع پر ابتک کی سب سے مکمل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

دوسری کتاب جماعت کی تصنیفی خدمات سے متعلق تھی، اس میں علماء اہلِ حدیث کی تصنیفات کا فنی ترتیب سے تعارف کرایا گیا تھا۔ اس میں صرف تین چار سو کتابوں کے نام درج ہو سکے تھے، لیکن اب اس کا دوسرا ایڈیشن تیار ہو گیا ہے جس میں تین ہزار سے زائد کتابوں کا تعارف درج ہے۔ جماعتی تصنیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ کسی دوسری کتاب میں نہیں ملے گا۔

تصنیفی خدمات ہی سے متعلق دو اور کتابیں بھی اس وقت شائع ہوئی تھیں، جنھیں تمام علمی حلقوں نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا، ایک کتاب میں ان تمام تصنیفات کا تعارف کرایا گیا تھا جنھیں علماء جماعت نے قرآن کریم کے ترجمہ یا تفسیر سے متعلق تالیف کیا ہے۔ اور دوسری کتاب ہندوستان میں علم حدیث کے موضوع پر ایک موضوعی مطالعہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں حنفی واہلحدیث دونوں مکتب فکر کے علماء حدیث اور ان کی علمی خدمات و منہج، فکر وعمل کا مفصل تعارف موجود ہے، اپنے موضوع پر یہ بھی ایک منفرد کتاب ہے اس کا دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن پچھلے دنوں منظر عام پر آ چکا ہے۔

جامعہ سلفیہ جیسے عظیم ادارہ کے لیے مذکورہ کوششوں کو ہم بہت زیادہ معیاری نہیں کہہ سکتے ہیں اور نہ جماعت میں ان کی پذیرائی کے لیے خطوط وٹیلی فون کی کثرت کا حوالہ دے سکتے، ہاں تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جماعت میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا کام تھا اور آج بھی اس کی اہمیت وافادیت کا اعتراف کیا جا رہا ہے۔

تدریس وتصنیف کے بعد اب جامعہ سلفیہ نے دعوتی وتبلیغی خدمات کے تعارف کا عزم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مکمل

کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ دعوتی خدمات کے تعارف کا کام اس دور میں بہت زیادہ اہم اور ساتھ ہی بہت زیادہ مشکل بھی ہے۔ اس کام کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے موجودہ ہندوستان کی مسلم و غیر مسلم آبادی کے احوال پر ایک نظر کافی ہے۔ مسلمان اپنے دین سے دور ہو کر بھی خوش فہمی میں مبتلا ہیں اور صحیح عقیدہ وعمل کی دعوت آج بھی ان کے لیے باعث توحش ہے ان کا ایک بہت بڑا طبقہ شرک و بدعات کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ ہوا پرست زعماء و قائدین ان کو اپنے مفاد کے لیے آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں اور مذہب کے نام پر مہلک رسم و رواج سے انھیں وابستہ کردیا ہے۔

غیر مسلمین کے لیے موجودہ سیکولر نظام اور بغض وتعصب کے جذبات سے مسموم فضا میں تحریر و تقریر کے ذریعہ دعوت کا کام بہت سے نئے مسائل پیدا کردیتا ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ اخلاق و کردار کی استواری کے ذریعہ دعوت کا کام کیا جائے اور برادران وطن کے سامنے اسلامی شریعت کے ان محاسن کو عملی شکل میں پیش کیا جائے، جن کا موجودہ ہندوستانی معاشرہ زیادہ محتاج ہے۔ طبقاتی نظام کی موجودہ کشمکش میں اسلامی عدل ومساوات کی اثر انگیزی محتاج بیان نہیں۔ لیکن صرف نظریات اور زبانی باتوں سے مخاطب کو مطمئن کرنا مشکل ہے۔

اس کام کی دشواری کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ سب کے لیے واضح ہے، مادی وسائل اور باصلاحیت افراد کی کمی کے ساتھ ہی ماحول کی ناہمواری کا اس میں بڑا دخل ہے، کام کے لیے متحدہ منصوبہ نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دعوتی کوشش کو ملیامیٹ کرنے کے لیے خود ہماری صفوں میں افراد بلکہ جماعتیں موجود ہیں، لیکن دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری کو کامیابی کے ساتھ مشروط کرنا صحیح نہیں۔ یہ ادائیگی فرض کی بات ہے۔ کامیابی کی توقع قوی ہو یا کمزور آدمی کو فرض کی ادائیگی میں اخلاص ومحنت سے کام لینا چاہیے۔

جامعہ سلفیہ کے ذمہ داروں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دعوت وتبلیغ کے میدان میں علماء جماعت نے جو کارنامے انجام دیے ہیں ان کا تعارف لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور جماعتی منہج دعوت کو پورے اخلاص وبصیرت کے ساتھ دنیا کے سامنے لایا جائے تاکہ اس میدان میں کام کرنے والوں کو رہنمائی ملے اور مذکورہ منہج کی اہمیت بھی واضح ہوسکے۔ اس کام کی تکمیل کے لیے موضوع کو ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے، تاکہ جماعت کے افراد جس پہلو پر نظر رکھتے ہوں، اسے قلمبند کرکے پیش کریں۔ پھر ان تحریروں کی مدد سے ایک جامع تعارف تیار کرنے کی کوشش کی جائے۔ جماعت کی دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کے لیے ملک کے بعض علاقے خصوصیت کے ساتھ معروف ہیں، اگر کچھ اہل قلم اس بات کے لیے تیار ہوجائیں کہ اس طرح کے کسی علاقہ کا مکمل جائزہ پیش کردیں تو یہ بڑی آسانی کا باعث ہوگا۔

اسی طرح جماعت کی بعض شخصیات دعوت و تبلیغ کے لیے بہت مشہور ہیں، ان میں اللہ کے بہت سے نیک بندے ایسے ہیں، جن کی پوری زندگی اسی کام کے لیے وقف رہی ہے۔ ان شخصیات کے دعوتی کارناموں کو مرتب کرنے کی ذمہ داری اہم ہے۔ اس میں ان شخصیات کے احوالِ زندگی سے بحث کی ضرورت نہیں، صرف دعوتی خدمات کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ یہ اندازہ ہوسکے کہ اس میدان میں ان کا تعاون کس درجہ کا ہے۔

ان گزارشات کے بعد ذیل میں وہ نقاط ملاحظہ فرمائیے، جن پر روشنی ڈالنا مطلوب ہے، جس مخلص و ہمدرد سے جس قدر تعاون ممکن ہو، پیش کرے، ہم اس کی قدر کریں گے، نیز اس خاکہ میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہو تو اس کے لیے بھی ہم اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو اپنے فضل و کرم سے مکمل فرمادے۔

دعوتی خدمات کے تعارف سے متعلق سوالات

۱۔ دعوتِ عمل بالکتاب والسنہ (سلفیت) کا آغاز کب اور کس طرح ہوا؟

۲۔ علاقہ میں دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والے علماء کے احوال جس قدر بھی معلوم ہوسکیں۔

۳۔ دعوت و تبلیغ کے وسائل اور طریقے کیا تھے؟ (عام اجتماعات، مساجد میں درس، ملاقاتیں یا مقالات ومولفات وغیرہ)

۴۔ عام جلسوں اور مناظرات کی تفصیل۔

۵۔ تبلیغی اجلاسوں کے احوال و کیفیات۔

۶۔ تبلیغ کے سلسلہ میں خاص دشواریاں، جن کا علماء کو سامنا کرنا پڑا۔

۷۔ غیر مسلموں میں تبلیغ کا کیا انتظام تھا؟

۸۔ موجودہ دور میں اصلاح و تبلیغ کی کیا کوشش ہو رہی ہے؟

۹۔ علاقہ میں جماعت اہلِ حدیث کے افراد کی تعداد کتنی ہے؟

۱۰۔ علاقہ میں کوئی مدرسہ یا لائبریری ہو تو اس کے مختصر احوال؟

عرض پرداز

مقتدیٰ حسن ازہری

ہماری نظر میں

نام کتاب : قبر پرستی دنیا میں کیونکر پھیلی ـــ اسباب وعلاج
مؤلف : علامہ سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر : شعبۂ نشر واشاعت المعہد الاسلامی رچھا بریلی یوپی
قیمت : چھ روپئے۔

مولف کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، وہ تحریک عمل بالکتاب والسنہ کے ستون تھے اس لئے کتاب بھی مؤلف کی عظیم شخصیت کی آئینہ دار ہے، موضوع کی تفہیم کے لیے مولف محترم نے درج ذیل سرخیاں قائم کرکے انھیں دلائل کتاب وسنت سے مزین کیا ہے۔

(۱) قبر پرستی کیونکر پھیلی (۲) سلف صالحین کی مساعی جمیلہ (۳) فتنۂ قبور (۴) شیطانی تعلیم کے درجہ بدرجہ اسباق اس ضمن میں آپ نے پانچ درجات کا ذکر کیا ہے وہ فتنۂ قبر پرستی کے انسداد کیلیۓ وسائل وذرائع اس سے متعلق آپ نے آٹھ ذرائع کا ذکر فرمایا ہے۔

کتاب چھوٹی تقطیع میں ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت، طباعت اور کاغذ صاف ستھرا اور عمدہ ہے تحریک کتاب وسنت کے وابستگان اور اس سے تعلق خاطر رکھنے والے اصحاب کے لئے یہ کتاب قابل مطالعہ ہے۔

(ادارۂ تحریر)

نام کتاب : کلام حکمت
مؤلف : صفی احمد سلفی مدنی
ملنے کا پتہ : صفی احمد مدنی مسجد محبوبیہ چنچل گوڑہ، حیدرآباد

اس کتاب میں محسن انسانیت پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی جامع احادیث کی تشریح کیگئی ہے

جو اسلام کی اساسی تعلیمات یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق پر مشتمل ہیں. تشریح میں سلف صالح رحمہم اللہ کے فہم کی حتی الامکان پیروی کی گئی ہے جو کسی بھی دینی کتاب کو درجہ استناد تک پہونچانے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کتاب میں پچاس سے زائد موضوعات کی توضیح کی گئی ہے۔ نمونتاً چند موضوعات ذکر کر رہے ہیں (۱) آخرت کا فقیر۔

(۲) دنیا و آخرت کی درستگی

(۳) اہل ذکر۔

(۴) عرش کے سایہ میں

(۵) صحابہ کرام کو برا کہنا حرام ہے

(۶) طاقتور مومن اور کمزور مومن

(۷) احترام مسلم

(۸) مال کس کا ہے (۹) کافر کیلئے ذلت وخواری ہے (۱۰) لڑکیاں جہنم کی آڑ ہیں (۱۱) پریشانیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں (۱۲) فتنے اور آزمائشیں (۱۳) قرب قیامت کے فتنے (۱۴) قبروں کو مسجدیں بنانے کی ممانعت (۱۵) حسن اخلاق کی اہمیت (۱۶) دعوت کا طریقہ کار (۱۷) نفس کا تقوی (۱۸) دل کی اصلاح (۱۹) ایمان کی حقیقت (۲۰) بری صحبت کا نقصان۔

اوسط سائز میں کتاب ۲۰۵ صفحات پر مشتمل ہے، خوبصورت اور مضبوط ٹائیٹل، کتابت طباعت اور کاغذ عمدہ ہے، دینی تعلیمات سے روشنی حاصل کرنے والے اصحاب کے لئے یہ کتاب پر تاثیر اور مفید ہے۔

(ادارۂ تحریر)

شمارہ: ۴ • اپریل ۱۹۹۰ء • رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ • جلد: ۸

اس شمارے میں

مدیر

عبدالوہاب حجازی

•

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب، وارانسی ۱۰

بدلِ اشتراک

• سالانہ تیس روپے • فی پرچہ تین روپے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درسِ قرآن

خود را فضیحت دیگراں را نصیحت

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ. (بقرہ: ۴۴)

(کیا تم لوگوں کو بھلی باتیں بتلاتے ہو اور اپنے آپ کو باوجود کتاب پڑھنے کے بھلاتے ہو، کیا تم ہوش نہیں رکھتے ؟)

... ...

قرآن مجید میں یہ آیت مبارکہ اہلِ کتاب سے خطاب کے دوران ایک اہم مسئلہ کی طرف ان کی توجہ موڑتی ہے، اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ اے اہلِ کتاب تم نے اپنے لیے یہ کیسے روا کر لیا ہے کہ تم لوگوں کو تو بھلائی اور خیر کی دعوت دیتے ہو لیکن ان تعلیماتِ حسنہ پر خود عمل سے گریز کرتے ہو، یہ کیسی دعوت و تبلیغ اور خطابت ہے کہ عوام کو خیر کی طرف بلاؤ اور خود ان اعمال کو نہ بجالاؤ، حالانکہ تم کتاب ہدایت کی تلاوت کرتے رہتے ہو۔ اور تمھیں معلوم ہے کہ اللہ کے احکامات و فرائض کے بجالانے میں کوتاہی اور تقصیر کرنے والوں پر کیا وعید و پھٹکار ہے۔ اپنی زندگی کے ساتھ اس طرز اور روش کے بارے میں تم غور و فکر کیوں نہیں کرتے، کیا تمھیں عقل و ادراک نہیں ہے کہ یہ تم کیا کر رہے ہو، خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ، ہوش کے ناخن لو۔

آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل لوگوں کو تقویٰ شعاری اور اللہ کی اطاعت اور بھلی باتوں کا حکم دیتے تھے اور خود اس کی مخالفت کرتے تھے اس پر اللہ رب العزت نے ان کو عار دلائی ، اس لیے جو شخص کسی خیر کا حکم دے اس پر عمل میں اس کو سب سے پہلے سبقت کرنی چاہیے۔

الغرض اللہ رب العزت نے اہلِ کتاب کی اس منافقانہ روش پر ان کی مذمت فرمائی، اور اپنے حق میں ان سے جو خطاو تقصیر سرزد ہوئی ہے اس پر ان کی سرزنش فرمائی کیونکہ وہ اچھی باتوں کی لوگوں میں تبلیغ کرتے تھے اور خود اس سے

غافل وبے پرواہ تھے ۔ یہاں پر ان کی مذمت اس واسطے نہیں کی گئی کہ انھوں نے لوگوں کو بھلی باتوں کا حکم دیا اور خود اس پر عامل نہ ہوئے ، بلکہ ان کی مذمت صرف اس واسطے ہوئی کہ انھوں نے ان بھلائیوں پر خود عمل کیوں نہیں کیا ، اس لیے کہ امر بالمعروف عالم دین کا فریضہ ہے ، اس کے لیے زیادہ بہتر اور مفید بات یہ ہے کہ وہ جن امور کی طرف لوگوں کو بلائے ، اس پر خود عمل پیرا ہو ، اور ان سے پیچھے نہ ہو ۔ شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تم کو جن باتوں سے میں روکتا ہوں اس میں تم سے مخالفت کا میرا ارادہ نہیں ہے ، میرا تو صرف مقصد بقدر استطاعت اصلاح ہی کا ہے ۔ اور ہمیں اس کی توفیق اللہ ہی عطا فرمائے ، جس پر میرا توکل ہے اور اس کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ۔

حافظ ابن کثیر اس کے بعد فرماتے ہیں : امر بالمعروف اور عمل بالمعروف دونوں واجب ہیں ۔ علماء سلف وخلف کے صحیح اقوال کی روشنی میں ایک کے ترک سے دوسرا فریضہ ساقط نہیں ہوتا ۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ معاصی کا ارتکاب کرنے والا دوسروں کو اس سے نہ روکے ، یہ کمزور بات ہے اور اس سے کمزور زیر بحث آیت سے استدلال ، اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے ۔ صحیح بات یہی ہے کہ عالم چاہے خود معروف پر عمل نہ کرے لیکن معروف کی تبلیغ کرے ، اس طرح ارتکاب منکر کے ساتھ وہ لوگوں کو منکرات و فواحش سے روکے گا ۔

ایسی حالت میں وہ اطاعت کے ترک اور معصیت کے ارتکاب پر قابل مذمت و نفرین ہوگا ، کیونکہ وہ اس کو جانتا ہے اور جان جان کر علی وجہ البصیرت ان احکام شرعیہ کی مخالفت کرتا ہے ، اس لیے کہ جو شخص علم رکھتا ہے وہ جاہل کی طرح نہیں ہے ، اسی واسطے بے عمل عالم پر زیادہ وعید آئی ہے ۔

حضرت انس بن مالک کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسراء کی رات میرا گزر چند ایسے آدمیوں کے پاس سے ہوا ، جن کے ہونٹ اور زبانیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں ، میں نے جبرئیل سے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب حضرات ہیں جو لوگوں کو بھلی باتوں کی تبلیغ فرماتے تھے اور خود کو بھلا رکھا تھا ۔

ان گزارشات کی روشنی میں ہمیں اپنی علمی و ادبی اور دعوتی و تبلیغی زندگی کا جائزہ لینا چاہیے اور محاسبہ کرنا چاہیے کہ نصوص شرعیہ کی تصریحات کی روشنی میں اللہ رب العزت کے یہاں ہمارا کیا مقام ہے ، منافقین کی سزا کے بارے میں قرآن میں ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے ، مذکورہ آیت میں جو کچھ کہا گیا ہے اس پر نفاق کی تعریف صادق آتی ہے ، علماء نے نفاق اور منافق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ الذی یصف القول ولا یعمل بہ ۔ جو زبانی جمع خرچ کرے اور عمل سے کورا ہو ۔ اللہ رب العزت ہم کو ایمان و عمل اور ثبات قدمی کی توفیق عطا فرمائے ۔ (ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی) • • •

درس حدیث

عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی

امانتوں کی حفاظت کیجیے!

إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر السّاعة

(صحیح بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں لوگوں سے محوِ گفتگو تھے کہ ایک اعرابی نے آکر سوال کیا کہ: قیامت کب واقع ہوگی؟ آپ اپنی گفتگو جاری رکھے ہوئے تھے، ایک آدمی نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کی بات سن لی اور اس کو ناپسند فرمایا۔ ایک دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ آپ جب اپنی گفتگو پوری فرما چکے تو پوچھا کہ قیامت کے بارے میں کس نے سوال کیا تھا؟ اعرابی نے کہا کہ وہ میں ہوں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ جب امانتیں ضائع کر دی جائیں گی تو قیامت کا انتظار کرو، کہا: امانت کا ضائع کرنا کیسے ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: جب امور و معاملات نا اہلوں کو سونپ دیے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد مبارک میں ہر طرح کے مناصب کے لیے مناسب افراد کی تعیین انسانوں کے تقویٰ و طہارت علم و فضل اور فہم و تدبر کے معیار پر ہوتی تھی، امامت و خطابت، گورنری، قضاء و افتاء اور فوجوں کی قیادت اور دوسرے سیاسی و اجتماعی و معاشرتی اور تعلیمی مناصب پر فائز لوگوں کی تاریخ و سیرت کے جائزہ کے لیے اگر سرسری طور پر طبقات و تراجم اور تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی کی جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ بعد میں امت مسلمہ میں اجتماعی اور انفرادی مفاسد کے راہ پانے کے موثر اسباب میں سے ایک سبب نا اہلوں کو خانہ ساز وجوہات کی بنا پر عہدوں اور مناصب پر بٹھانا ہے۔

اب تو صورت حال یہ ہے کہ مناسب اور باصلاحیت افراد اور عہدوں اور مناصب میں گویا بعد المشرقین ہے اور مادیت کے اس دور میں امانت و دیانت کو صرف روپیہ پیسہ اور سونے چاندی کی امانت سے خاص کر دیا گیا ہے، جبکہ کتاب و

سنت میں اس کے مفہوم میں بہت وسعت وعمومیت ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کو کتاب العلم میں ذکر کیا ہے، اس کی اس کتاب سے مناسبت کو حافظ ابن حجر نے اس طور پر بیان کیا ہے کہ کسی کام کی ذمہ داری کو کسی نااہل کو اسی وقت سونپا جاتا ہے جبکہ جہالت کا غلبہ ہو اور علم اٹھ گیا ہو۔ اور یہ منجملہ علاماتِ قیامت کے ایک علامت ہے۔ اس کا تقاضا اور مدعیٰ یہ ہے کہ جب تک علم کا دور دورہ ہو تو مسئلہ میں گنجائش موجود ہے، گویا امام بخاری نے یہاں پر یہ اشارہ فرمایا ہے کہ علم اکابر سے اخذ کیا جاتا ہے، اس میں اس حدیث کی طرف تلمیح ہے کہ جس میں یہ وارد ہے کہ: قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ علم اصاغر سے حاصل کیا جائے۔

(فتح الباری ۱/۱۴۳)

امام بخاری نے کتاب الرقاق میں ایک باب رفع الامانۃ کا تحریر فرمایا ہے جس میں اس حدیث کا اعادہ فرمایا ہے۔ امانت، خیانت کی ضد ہے، امانت کے رفع ہوجانے کا مطلب اس کا اس طور پر اٹھ جانا ہے کہ امانت دار بالکل یا تقریباً ناپید ہوجائیں۔

اس حدیث میں "امر" کا لفظ وارد ہے۔ اس سے تمام دینی و دنیاوی امور مراد ہیں، جیسے خلافت، امارت، وزارت گورنری، قضاء، افتاء، نظامت و صدارت، ان عہدوں میں سے کوئی عہدہ کسی بھی نااہل کو سونپ دینا خیانت کے مترادف ہے۔ اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ آج ساری دنیا میں فتنہ و فساد کے پیچھے یہی نااہلوں کی کھیپ ہے۔ جو انسانی معاشرہ کو تیزی کے ساتھ ہلاکت کے راستہ پر لے جارہی ہے۔

اس حدیث میں امام وقت، یا ذمہ دار کو اس مسئلہ سے باخبر کیا گیا ہے کہ وہ خیر خواہی اور سعادتمندی کی راہ کو اپناتے ہوئے ایسے دیندار اور صاحب فکر و نظر کے ہاتھ میں امور کی باگ ڈور دیں جو مسلم معاشرے کو امن و چین اور تعمیر و ترقی کی راہ پر ڈالے اور اسلامی اداروں کو امت و انسانیت کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔

اگر نااہل لوگ ان اداروں کے سیاہ و سپید کے مالک بنادیے گئے تو اس امانت کو وہ برباد کردیں گے جو اللہ رب العزت کی طرف سے انھیں سونپی گئی ہے۔ آج جس عہد اور زمانے سے ہم گزر رہے ہیں، اور اس میں جس طرح کے مسائل و مشکلات سے ہم دوچار ہیں، اس کو سامنے رکھ کر اگر ہم اس حدیث نبوی پر غور کریں تو ہمارے لیے اس میں بے پناہ عبرت کا سامان موجود ہے۔

ہر شخص کو اس فرمانِ نبوی کی روشنی میں سوچنا چاہیے کہ نااہلوں کی فوج ظفر موج کا کہیں وہ خود سپاہی تو نہیں ہے، یا اس فوج کی بھرتی میں وہ اپنے ووٹوں، تائیدی کلمات، اور منافقانہ طرز عمل سے ملوث تو نہیں ہے۔

افتتاحیہ

غیر فطری نظام کا فطری انجام

اردو کے ایک معروف مسلم شاعر نے جس کے فکر و نظر کے تار و پود جدید تہذیب و ثقافت نے تیار کیے تھے، آج سے برسوں پہلے کیمونزم کی بگڑتی ہوئی صورتحال سے متعلق اپنے حسرت و یاس کا نذرانہ بانیٔ کیمونزم کے حضور میں اس طرح پیش کیا تھا۔

کیا جانئے تری امت کس حال کو پہنچے گی
بڑھتی چلی جاتی ہے تعداد اماموں کی
ہر گوشۂ مغرب میں، ہر خطۂ مشرق میں
تشریح دگرگوں ہے اب تیرے پیاموں کی

اس میں ہر ہر لفظ کیمونزم سے قلبی لگاؤ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ یہ سچ ہے کہ تقریباً ایک صدی تک فکر و نظر، حرکت و عمل اور حکومت و تسلط کے اعتبار سے کیمونزم نے جدید تہذیب و ثقافت کے پروردہ اشخاص کی ایک بڑی تعداد کو اپنے حلقۂ اثر میں لے رکھا تھا اور حکومت و اقتدار پا جانے کے بعد نوع انسانی کو دو بلاکوں میں بانٹ کر ایک بلاک کا مطلق العنان قائد بن گیا تھا، تمام حاملین ادیان اس کے مقابل بھیگی بلی بن چکے تھے، پوری دنیا کا عام انسان اس کے سطوت و جبروت کو دیکھ کر یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ یہ نظام زندگی بھی کبھی فنا ہو سکتا ہے۔ تمام اقوام و ملل کا نیا تعلیم یافتہ طبقہ سوتے جاگتے اسی کے نغمے گاتا تھا۔ اور اسے دین عصر جدید اور لینن کو پیغمبر عصر جدید کہتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ دنیا کی ہر قوم میں حقائق سے باخبر شخصیات بھی تھیں۔ جو اس نظریۂ حیات کے حدود و اربعہ سے اچھی طرح واقف تھیں گو ان کی صدائیں اس طاغوت کے عالمی نقارخانہ میں طوطی کی صدا کی طرح غیر مسموع تھیں، ان میں ملت اسلامیہ کی قومی و دینی زبان عربی کے عصر جدید کے سب سے بڑے ادیب جناب عباس محمود عقاد نیز ڈاکٹر طارق حجی مصری ممتاز تر ہیں۔

انسانی اجتماع و تمدن کی تاریخ بتاتی ہے کہ انسانوں کی اکثریت ہمیشہ حقائق کے ادراک میں دیر لگاتی ہے، جس کی

ہماری قسمت ہمیشہ انسانیت کو چکانی پڑتی ہے، بعینہٖ یہی معاملہ کمیونزم کے بارے میں بھی ہوا ہے، کمیونزم کا دو رُخا اژدہا کن ہاتھوں نے پالا، جس نے ایک منہ سے مشرق کو اور دوسرے منہ سے مغرب کو عرصہ سے دبوچ رکھا ہے؛ اس کے اسرار سے پردہ اٹھانے کے لیے رابطہ عالم اسلامی کے سابق سکریٹری محمد صفوت سقا نے اپنی کتاب "الماسونیۃ" میں دستاویزی ثبوت فراہم کیے ہیں، ان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے مملکت اسرائیل کے قیام سے پہلے اور یورپ و امریکہ میں قیام کے مرحلہ میں بڑی بڑی عبقری شخصیات اور ذہین تعلیم یافتہ لوگوں کو کس طرح اپنے دام میں گرفتار کیا، اور عالمی یہودی حکومت کے قیام کے لیے کس طرح مرحلہ وار تخطیط کے ساتھ یورپی اقوام بلکہ پوری دنیا کو دو گروپوں میں تقسیم کرکے لڑایا اور سارے ادیان اور ان کے اثرات ختم کر دینے کے منصوبوں پر عمل کرایا۔ یہودیوں نے خفیہ طور پر جرمنی نژاد عبقری شخصیت وائز ہاٹ کو جملہ ادیانِ عالم کو ختم کرنے اور اپنے عالمی منصوبوں کے لیے تیار کیا، جس نے انقلابِ فرانس اور برطانوی استعماریت کی شکست و ریخت کے کامیاب ذرائع استعمال کیے۔ اٹلی کا مازینی اور امریکہ کا جیوز سن اسی مہم کی کڑیاں ہیں، انیسویں صدی کی ابتدا میں نیویارک میں یہودیوں کی خفیہ تنظیم نے تخریبی تنظیموں کو ملا کر کمیونزم کی عالمی تنظیم قائم کی اور عالمی یہودی منصوبوں کی تکمیل کے لیے کارل مارکس اور انجلز کو مامور کیا۔ مارکس جرمن نژاد یہودی ہے اور جرمن نژاد انجلز اس کا گہرا دوست۔ اس کے ساتھ ہی یہودیوں نے ایک اور جرمن نژاد ہٹلر کو آری نسل کے تفوق کی دعوت پر مامور کیا۔ بیک وقت دو متضاد نظریوں کے قیام سے یہود کا منصوبہ تھا کہ دونوں کے ماننے والوں میں ٹکراؤ ہوگا، جس میں لازماً ایک برباد ہو جائے گا۔ چنانچہ دوسری جنگِ عظیم ہوئی اور جرمن برباد ہوگیا۔ انیسویں صدی کے نصف اول میں یہودیوں نے امریکی جنرل پایک کو بھی اپنے عالمی منصوبوں کی تکمیل کے لیے مامور کیا تھا۔ اس نے تین عالمی انقلابات کے منصوبے بنائے جن کی تکمیل کے لیے وہ کمیونزم، نازیت اور صہیونیت جیسی عالمی تحریکات پر خصوصیت سے اعتماد کرتا تھا۔ پہلے انقلاب سے پہلی عالمگیر جنگ مراد ہے، جس سے وہ روسی قیصریت کا خاتمہ اور کمیونزم کی بالادستی چاہتا تھا۔ یہود کا یہ تیر ٹھیک نشانہ پر لگ گیا، دوسرے انقلاب سے دوسری عالمگیر جنگ مراد ہے، جس سے وہ فلسطین میں یہودی حکومت کا قیام اور مسیحی دنیا کے مقابلہ کے لیے عالمی کمیونزم کو مضبوط تر کرنا چاہتا تھا۔ یہود کا یہ تیر بھی نشانہ پر بیٹھ چکا ہے۔ تیسرے انقلاب سے مراد تیسری عالمگیر جنگ ہے۔ گزشتہ دونوں جنگیں ٹھیک یہودی منصوبہ کے مطابق لڑی گئیں۔ تیسری عالمی جنگ کے لیے پایک کا منصوبہ یہ ہے کہ عالمی صہیونیت اور عالم اسلام کے درمیان کشمکش سے ایک طاقت لازماً تباہ ہو جائے گی۔ اس منصوبہ پر مشتمل پایک کا ایک دستاویزی خط لندن کے برٹش میوزیم میں محفوظ ہے، جس میں اس نے لکھا ہے کہ: ہم الحادی اور تخریبی تنظیمات کو مطلق العنان کر دیں گے۔

یہ عظیم ترین خونریزی کی تحریک ہوگی، اس وقت تمام اقوام عالم بشمول مسیحی عالمی انقلاب کے داعیوں کی اس چھوٹی سی جماعت کے سامنے اپنے دفاع کے لیے خود کو مجبور پائیں گی، پھر ایسے شخص کی حاجت محسوس کریں گی جس کی طرف عبادت کا رخ کر سکیں۔
قارئین کرام غور فرمائیں پایک کی یہ ساری باتیں حکمائے آل صہیون کے پروٹوکولز کی اس موضوع سے متعلق باتوں سے کس قدر مشابہ بلکہ مطابق ہیں۔ کیمونزم کو دین عصر جدید اور لینن کو پیغمبر عصر جدید ماننے والے ہمارے جدید تعلیم یافتہ حضرات نے کبھی کیمونزم کے اس یہودی پس منظر پر بھی غور فرمایا؟ نہیں! گلے میں خوبصورت ٹائیوں کی پھانس اور کامریڈ کے اجلے اور حسین خطاب نے انھیں اس کا موقع نہیں دیا۔

کیمونزم کا نظریۂ حیات انسانی فطرت سے کس قدر دور اور اس کی سعادت کا کتنا بڑا دشمن ہے، اسے پرکھنے کے لیے جناب عباس محمود عقاد اور ڈاکٹر طارق حجی نے جس منہج بحث و تحقیق پر اتفاق کیا ہے وہ اس قدر مبنی برحقیقت اور ٹھوس ہے کہ دنیا کے کسی مذہب، دعوت، نظریہ اور تحریک کو اس پر پرکھا جا سکتا ہے اور بجا طور پر اس کے صلاح و فساد کا حکم لگایا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ مذہب و نظریہ کی تحقیق سے پہلے اس کے بانی، داعی اور اس کے متعلقین کی تحقیق کی جائے، کیونکہ پاکیزہ شئ سے پاکیزہ شئ پیدا ہوتی ہے اور خبیث سے خبیث ہی جنم لیتی ہے۔ دونوں شخصیتوں نے "الشیوعیۃ والانسانیۃ"، "مذہب ذوی العاہات"، "افکار مارکسیۃ فی المیزان" اور "الشیوعیۃ والادیان" میں اسی منہج کے مطابق کیمونزم کی تحقیق کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ کیمونزم کوئی دعوت یا نظریۂ حیات بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ چند بگڑے ہوئے فکر و عمل کے حامل اشخاص کا مزاج و طبیعت ہے۔ ڈاکٹر طارق حجی نے ثابت کیا ہے کہ دین کے متعلق کارل مارکس کے افکار کی بنیاد بنا رتحتی اور بنا رفوقی کا فلسفہ نہیں ہے بلکہ اپنے یہودی آباء و اجداد سے ملی ہوئی پیچیدہ اور بگڑی ہوئی موروثی مذہبیت اور اس کے متعلق اس کے ذاتی تجربات ہیں۔ خاندان سے متعلق مارکس کی رائیں کسی فلسفیانہ اساس پر مبنی نہیں بلکہ اس کے ذاتی خاندانی تجربے اس کی اساس ہیں۔ وہ خاندانی ذمہ داریوں سے بہت ضیق محسوس کرتا تھا، وہ تمام ابناء میں سب سے زیادہ نافرمان تمام شوہروں میں سب سے زیادہ تنگ دل شوہر اور ابوت و پدرانہ ذمہ داریوں سے سب سے زیادہ دور تھا۔ اسی خاندانی تجربے اور مزاج و طبیعت نے اس میں پوری نوع انسانی کے خاندانی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی رغبت پیدا کی۔ قیمت اور مال کے لیے عمل واحد ذریعہ ہے۔ اس نظریہ پر سب سے زیادہ گفتگو کرنے والا مارکس زندگی بھر دوسروں کے سہارے جیتا رہا۔ دین اور امپریلزم کا یہ دشمن دینی مجلات اور جریدہ ٹریبون نیویارک میں بالالتزام لکھتا تھا، جس میں اشتراکیت کے سوا ہر بات ہوتی تھی۔ جریدہ کو جب اس کا علم ہوا تو مارکس کی امداد بند کردی۔ استحصال کا یہ دشمن مطابع سے کسی کتاب کے لیے

معاہدہ کرتا پھر پیشگی رقم لے کر کبھی عہد کو پورا نہ کرتا تھا۔ اسی طرح انجلز زنانہ کردار کا حامل تھا، یا خونیں تاریخ کا سب سے بڑا لا قانونیت پسند تھا، لینن بچپن کا مسخ شدہ تھا۔ اسٹالن انسانی تاریخ کا عظیم مجرم تھا، اور جوزف اسٹالن ضمیر پارہ پارہ کرنے والا تھا، یہ عاق بیٹا، اپنی بیویوں کا قاتل، اپنے بیٹے کی محبوباؤں کا عاشق اور اپنے دوستوں کا خائن اور متعدد جماعتوں کا قاتل تھا۔ اسی طرح کیمونزم کے عام پیروکار اس نظریہ حیات میں اپنی جنسی بھوک کی تسکین پاتے ہیں اور مال و دولت کے حصول کے لیے اسے اہم ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ اس منہج بحث و تحقیق سے کوئی صاحب نظر جب کیمونزم کے مبادی پر نظر ڈالے گا تو عقل و ضمیر کے اعتبار سے غایت درجہ بگڑے ہوئے لوگوں کی یہ دعوت اسے عقل سلیم کی راہ میں فاسد ہی نظر آئے گی۔ جو پانی گندے مقامات سے گزرا ہو وہ گندا اور بدبودار ہو کر ہی نکلے گا۔

کیمونزم کو روس میں جب اپنا مرکزی اقتدار حاصل ہوگیا تو عمل کی دنیا میں خود اپنے بنائے ہوئے قانون تضاد کے دام میں گرفتار ہوتا گیا اور جبر و اقتدار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں اپنی بے شمار نقیضیں پیدا کرتا گیا۔ اسلام کے علماء اصول نے اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کی پانچ بنیادی ضروریات کی تعیین کی ہے، صاحب "الموافقات" امام شاطبی نے لکھا ہے کہ علماء اصول اتفقں تمام اقوام و ملل کے لیے عام مانتے ہیں کہ دنیا کا جو مذہب، نظریۂ حیات اور حکومت انسانوں کی ان پانچ بنیادی ضروریات کا تحفظ کرے گی وہ خیر و صلاح کی راہ پر گامزن رہے گی، اور جو ان سب کو یا ان میں سے کسی ایک کو ضائع کردے گی وہ فساد اور تباہی کی نذر ہو جائے گی۔ وہ بنیادی ضروریات دین، جان، نسل، مال اور عقل کا تحفظ ہیں۔ نظر و استقراء سے ثابت ہے کہ یہ پوری نوع انسانی کی فطری ضروریات ہیں، اس معیار سے بھی جب ہم عمل کی دنیا میں کیمونزم کو جانچتے ہیں تو یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کیمونزم نے نوع انسانی کی ان تمام بنیادی اور فطری ضروریات کو ضائع کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں خود تباہی اور فساد کی نذر ہو چکا ہے، دین کے متعلق کیمونزم کا نظریہ بالکل واضح ہے کہ انسانی معاشرہ میں بناء اساسی صرف ذرائع پیداوار ہیں، بناء علوی یعنی سیاسی نظام، افکار و معتقدات، قوانین و تقالید اور جملہ ادیان محض بناء اساسی کا عکس ہیں، ان کا کوئی حقیقی وجود نہیں۔ بناء اساسی کی تبدیلی سے بناء علوی کی تبدیلی لازمی ہے۔ اللہ صرف مادہ ہے، جملہ انبیاء اور ان کی شریعتیں صرف بناء اساسی کی خادم تھیں، انبیاء اور ان کا دین وقت کے ذرائع پیداوار اور سرمایہ داروں کے معاون اور غریبوں کے دشمن تھے، اس طرح کیمونزم کی نظر میں دین افیون ہے جس سے محروم طبقہ کو بہلایا جاتا ہے۔ روس میں کیمونسٹ پارٹی کے بانی لینن نے ۱۹۰۵ء میں کہا تھا کہ دین پر کلی غلبہ حاصل کرنا ہماری حکومت کا فریضہ ہے۔ کیمونسٹ ہمیشہ اس بات کو دہراتے رہے ہیں کہ متحدہ روس میں ایسے لوگ نہیں رہ سکتے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہوں

نیز کیمونسٹ پارٹی کسی دین پسند کو اپنا رکن نہیں بنا سکتی، اسی لیے کیمونزم نے روس، چین، البانیہ اور دیگر بہت سے اپنے ممالک میں مختلف ادیان کے لاکھوں عبادت خانے مقفل کردیے، یا انھیں اسٹیڈیم، الحادی مراکز، اور عجائب گھروں میں تبدیل کردیا اور دین پسند عوام اور رہنماؤں کو اجتماعی کاشتکاری یا کارخانوں میں کام پر لگادیا۔ کیمونزم نے "انسانی جانوں کا ضیاع جس بڑے پیمانے پر کیا ہے پوری تاریخ بشر میں اس کی مثال نہیں ہے۔ جریدہ ٹیلی گراف شمارہ ۱۹ر۳ر۱۹۷۹ء نے لکھا ہے کہ: کیمونزم نے ایک سو تینتالیس ملین افراد کا قتل کیا ہے۔ حالیہ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۸۰ء تک کیمونزم نے ایک سو پینتالیس ملین انسانوں کو قتل کیا ہے۔ یعنی روس، چین، جرمنی، کمبوڈیا اور دیگر مقامات پر کیمونزم نے پندرہ کروڑ انسانوں کو قتل کیا ہے۔ نسل سے متعلق کیمونزم صراحت سے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اسے وہ اعلیٰ ترین معاشرہ قائم کرنا ہے، جس میں تمام عورتیں تمام لوگوں کے لیے عام ہو جائیں۔ جس طرح مال کی خاص ملکیت درست نہیں۔ اسی طرح کوئی مرد کسی عورت کے لیے اور کوئی عورت کسی مرد کے لیے خاص نہیں۔ اسی طرح نسب، نکاح، خاندان، میاں بیوی، اور اولاد سب حکومت کیمونزم کی ملکیت ہوتے ہیں چنانچہ کیمونزم بچوں کو ایسے ماحول میں نشو ونما دیتا ہے، جس میں کسی معین باپ، ماں، خاندان اور نسب سے اس کی کوئی نسبت نہ رہے، خاندان، حکومت اور ذاتی ملکیت کے متعلق انجلز اور مارکس کی کتابیں یہی سکھاتی ہیں۔ تصور فرمایئے اگر کیمونزم کا یہ غیر فطری ضابطہ حیات کچھ عرصہ اور نوع انسانی میں باقی رہ جاتا تو انسان جانوروں کے بے ترتیب ریوڑ کے سوا کیا رہ جاتا۔ کیمونزم کا سب سے بڑا مقصد انفرادی ملکیت کو ختم کرنا ہے، وہ اسے تمام مظالم کی جڑ سمجھتا ہے، وہ اس بات کا دشمن ہے کہ کسی مال کا کوئی شخصی طور پر مالک ہو۔ کیمونسٹ اس بات کو کثرت سے دہراتے ہیں کہ کیمونزم کے اعلیٰ مرحلہ میں مال کی ملکیتِ خاص ختم ہوجائے گی۔ کیمونزم ذاتی ملکیت کو تو نہیں ختم کرسکا، اس لیے کہ وہ ہر انسان کا فطری حق ہے۔ البتہ اپنے اس غیر فطری ضابطہ پر عمل کرنے کی وجہ سے متعدد یورپی اور ایشیائی ممالک سے وہ خود ختم ہوگیا۔ کیمونزم نے اپنی اقوام میں شراب پانی کی طرح مہیا کی ہے۔ کیمونسٹ ممالک میں جانے والا ہر سیاح اس کی شہادت دیتا ہے۔ یہ عقلِ انسانی کے ضیاع کی عظیم علامت ہے۔

کیمونزم کے اس غیر فطری نظام فکر و عمل کو اختیار کرکے پورے عالم کا کیمونسٹ معاشرہ کن مشکلات میں گھر چکا ہے اس کی ایک تصویر خود روسی کیمونسٹ پارٹی کے قائد اور سوویت یونین کے موجودہ صدر میکائیل گورباچوف کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے، وہ پریسترویکا میں کہتے ہیں: "سوویت یونین جن نوع بہ نوع مشاکل میں گھرا ہوا ہے، ان کا حل آسان نہیں اور پچھلے طریقہ پر چل کر ہم انھیں دور نہیں کرسکتے۔ اقتصادی قومی آمدنی اسی کی دہائی میں فنا کے قریب

پہونچ گئی، علمی اور ٹیکنالوجی صلاحیت میں بھیانک خلا رونما ہو چکا ہے۔ عام اخلاقیات اور شعور میں ضعف اور اجتماعیت میں مشکلات اور قوتِ دفاع کا فقدان ہویدا ہو چکا ہے۔ عرصہ سے شراب نوشی کی اجتماعی برائی جڑ پکڑ چکی ہے۔ علمی مراکز اور صنعتی کارخانوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے عورت ماں، گھر کی مالکہ اور بچوں کی تربیت کا فریضہ بھول چکی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم عورت کے ان حقوق پر توجہ دیں۔ فرد کی روح اور اس کے مصالح کا لحاظ کرتے ہوئے ہمیں کلیت پسندانہ نظام سے جمہوری نظام کی طرف منتقل ہونے کی ضرورت ہے۔ اپریل ۱۹۸۶ء میں ایٹمی ری ایکٹر پلانٹ چرنوبل کا حادثہ ہماری غیر مقبول اور ناقص سیاست کا نتیجہ ہے۔"

غرض یہ ہے کہ کمیونسٹ معاشرہ پوری طرح شکست وریخت کی نذر ہو چکا ہے۔ جرمنوں نے دیوار برلن ڈھادی پولش قوم نے پولینڈ میں غیر کمیونسٹ حکومت قائم کرلی۔ ہنگری میں کمیونسٹ پارٹی کی مخالف جماعت حکمراں بن چکی ہے۔ چیکوسلواکیہ اور بلغاریہ میں کمیونسٹ پارٹی کی بالادستی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ سوویت یونین میں متعدد غیر کمیونسٹ پارٹیوں، جماعتوں اور اخبارات وجرائد کا ظہور ہو چکا ہے۔ اجرتوں کی بہتری کے لیے مظاہرے اور فسادات الگ ہیں۔ البانیہ اور دوسری متعدد کمیونسٹ جمہوریاؤں میں قومی اور دینی آزادی کی تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں، اور افغانستان سے مجاہدوں کے ہاتھوں کمیونسٹ روسی فوجوں کی کمالِ رسوائی و ذلت سے واپسی کے بعد مشرق و مغرب کی متعدد کمیونسٹ روسی جمہوریتوں میں نہ صرف کمیونسٹ پارٹی سے بلکہ سوویت یونین سے مکمل آزادی حاصل کرنے کی زبردست تحریکیں زور پکڑنے لگی ہیں۔ اس سلسلہ میں آذربیجان اور قفقاز کی دیگر جمہوریتوں کے عوام زور شور سے تحریکیں چلا رہے ہیں، اسی طرح گورباچوف اور ان کے ساتھیوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ لتھوانیا، مولداویا، یوکرین، اسٹونیا، لٹویا اور جارجیا کے آنے والے انتخاب میں کس طرح کے لوگ منتخب ہوں گے، نیز وہ سوویت کمیونسٹ پارٹی سے علیحدگی کے علاوہ سوویت یونین سے بھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے والے ہیں۔ انھیں بگڑتے ہوئے حالات کو دیکھ کر روسی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے ملکی آئین کی دفعہ ۶ کو منسوخ کرنے کا فیصلہ کرکے دوسری پارٹیوں کو بھی اقتدار میں شریک کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ جس دفعہ کی رو سے بہتر سال سے بلا شرکت غیرے صرف کمیونسٹ پارٹی روسی اقتدار کی اجارہ دار تھی، ان تمام احوال کے پیش نظر یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مارکس اور انجلز کی غیر فطری تعلیمات پر بنی ہوئی لینن کی کلیت پسندانہ اور جابرانہ حکومت کا خاتمہ یقینی ہے اور یہ بھی کہ روسی قلمرو میں بسنے والی مختلف اقوام کو اپنی پانچوں بنیادی ضروریات کا تحفظ اپنے دوبہ کے دائرہ میں بڑی حد تک مل سکتا ہے۔ فرنگی اقوام عیش جہاں کے دوام کی طلب میں سرگرداں ہو سکتی ہیں جبکہ خاتم الانبیاء والرسل محمد صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لاعیش إلا عیش الآخرۃ ۔ دوام عیش تو بس عیشِ آخرت کو حاصل ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یقینی ہے کہ یہودیوں نے تمام تخریبی اور الحادی قوتوں کو اکٹھا کرکے جس کمیونزم کو اپنے عالمی منصوبہ کے لیے قائم کیا تھا اور جس نے اپنے بہتّر سالہ دور اقتدار میں، الحاد اور تخریب کاری کے بیج تمام اقوام عالم میں بو دیے ہیں وہ اپنا پھل دیتے رہیں گے والقدر ماقدرہ اللہ ، اس لیے کمیونزم کا نظریاتی اور اقتدار کے ناحیہ سے ختم ہوجانا ان انسانوں کے لیے بڑا واقعہ ہوسکتا ہے جنھیں بہتّر سال کے بعد اپنی بنیادی ضروریات کے تحفظ کا موقع نصیب ہوگا ، لیکن عالم اسلام اور امتِ مسلمہ کے لیے یہ کوئی بڑا واقعہ اس لیے نہیں ہے کہ عالمی صہیونیت امریکہ کے تشکیکی الحاد اور کمیونزم کے پیدا کردہ صریح الحاد نیز دنیا کی مختلف اقوام میں قائم کی گئی تخریبی قوتوں کے خفیہ متحدہ محاذ کے ذریعہ اب زیادہ سہولت اور تیز رفتاری سے اپنا وہ عالمی منصوبہ بروئے کار لاسکتی ہے ، جسے امریکی جنرل پایک نے تیسرے انقلاب کا نام دیا ہے ۔

بہرحال اللہ تعالیٰ تو موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا ۔ اس لیے کہ وہ حی وقیوم ہے ، نہ رہا تو وہ کمیونزم کا طاغوت جس نے اللہ کا انکار کیا تھا ، کمیونزم اپنے تعمیر کئے ہوئے بناء سفلی اور بناء علوی کے ملبہ میں دب کر فنا ہوگیا ، لیکن نہ فنا ہوا تو انبیاء علیہم السلام کا فطری دین اور ان کا روشن نام اور یہ دونوں ہی قیامت تک باقی رہنے والے ہیں ، انسان کی ضروریات خمسہ کو ضائع کرنے والا کمیونزم تو مٹ گیا ، لیکن نہ مٹیں تو اسلام کی فطری تعلیمات ، جس نے ہر دور میں تمام ابناء آدم کو ان کا درس دیا ہے اور ہمیشہ دیتا رہے گا ۔ آج عالم اسلام کو بحیثیت حکومت واقتدار کے اور امت مسلمہ کو بحیثیت امتِ وسط اور خیر امت ہونے کے اور افراد امت کو بحیثیت مومن ومسلم ہونے کے عالمی الحاد اور عالمی صہیونیت کے آنے والے خونریز عالمی انقلاب کے مقابلہ کے لیے تیار ہوجانا چاہیے اور اس کا مقابلہ ہمیشہ کی طرح آج بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی ہی کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے ۔

عشق اب پیروی عقل خداداد کرے
آبرو کوچۂ جاناں میں نہ برباد کرے
کہنہ پیکر میں نئی روح کو آباد کرے
یا کہن روح کو تقلید سے آزاد کرے ،

اگر آج بھی کچھ مسلم حکومتیں اور مسلم افراد کمیونزم اور الحاد میں اپنے درد کا مداوا سمجھتے ہیں تو انھیں قرآن حکیم کا

یہ نسخۂ شفا پینا چاہیے، یقیناً شفا ملے گی۔

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ واٰمنوا برسولہ یؤتکم کفلین من رحمتہ ویجعل لکم نورا تمشون بہ ویغفر لکم، واللہ غفور رحیم، لئلا یعلم اھل الکتاب الا یقدرون علیٰ شیئ من فضل اللہ وان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء، واللہ ذو الفضل العظیم

(الحدید ۲۸، ۲۹)

مومنو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور اس کے رسول پر ایمان رکھو، وہ تمھیں اپنی رحمت سے دوگنا حصہ دے گا اور تمھارے لیے نور پیدا کرے گا، جس کے ساتھ تم چلو پھروگے اور تمھاری مغفرت فرمائے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے، تاکہ اہل کتاب سمجھ لیں کہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر ان کو اختیار نہیں ہے، اور فضل و رحمت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہتا ہے، دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ ●●●

خصوصی شمارہ کی اشاعت کا فیصلہ

جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق ناظم اعلیٰ اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے سابق امیر جناب مولانا عبدالوحید صاحب سلفی رحمہ اللہ کے حیات و اعمال پر مشتمل ماہنامہ محدث بنارس کے خصوصی شمارہ کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ہم جماعت اور ملت کے اعیان و علماء حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ موصوف سے متعلق اپنے تاثرات، نگارشات اور مقالات ارسال فرما کر اس خصوصی شمارہ کو زینت بخشیں۔

(ادارہ محدث)

رمضان المبارک کے فضائل و مقاصد

احادیث صحیحہ کی روشنی میں

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی حفظہ اللہ

روزے کی فرضیت پر عقلی دلائل اور فلسفیانہ حکمت و مصلحت سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم چاہتے ہیں کہ رمضان کے فضائل اور منافع احکام اور مسائل مختصر طور پر ذکر کردیں جو صحیح احادیث اور مستند آثار و اقوال سے ثابت ہیں

اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء وفی روایۃ فتحت ابواب الجنۃ وغلقت ابواب جھنم و سلسلت الشیاطین وفی روایۃ فتحت ابواب الرحمۃ (صحیحین)

جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے اور ایک روایت میں ہے کہ بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں اور دوسری روایت کے مطابق رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ جنت یا آسمان یا رحمت کے دروازوں کا کھولنا اور اسی طرح دوزخ کے دروازوں کا بند کرنا شیاطین کا زنجیروں میں جکڑ دیا جانا حقیقۃً ہے۔ مجاز اور کنایہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور بعض علماء نے مجاز پر محمول کرتے ہوئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آسمان کے دروازوں کا کھولنا نزول رحمت سے کنایہ ہے اور جنت کے دروازوں کے کھولنے سے اچھے اور نیک کاموں کی توفیق دینی مراد ہے اور دوزخ کے دروازوں کا بند کرنا کنایہ ہے روزہ داروں کا نفسانی خواہشوں کے دبانے کے باعث معاصی اور طغیانی سے خلاصی پانے سے۔ اسی کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ میں زیادہ تفصیل اور وضاحت سے بیان

فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا روزہ رکھنا، راتوں میں قیام کرنا اور شیفتگان سنت نبویہ کا انوار الٰہی میں غوطہ زن ہونا اور ان کی دعاؤں کا اثر دوسروں تک پہنچنا ان کے نور کا پرتو دوسرے مسلمانوں پر پڑنا ان کی برکتوں سے تمام مسلمانوں کا مستفیض ہونا اور ہر مسلمان کا حسب توفیق و استعداد نیک اور اچھے عمل کرنا اور ہلاکت و تباہی میں ڈالنے والی برائیوں سے بچنا گویا ان پر جنت کے دروازوں کا کھول دینا اور دوزخ کے دروازوں کا بند کر دینا ہے۔ کیونکہ یہی چیزیں دوزخ سے بچا کر جنت میں لیجانے والی ہیں۔ اسی طرح جب قوت بہیمیہ دبا دی گئی اور اس کا اثر اور عمل ظاہر نہیں ہوا اور تمام مسلمان اچھے کاموں میں مشغول ہو گئے اور قوت ملکیہ کے آثار و اعمال کا ظہور ہوا تو سمجھنا چاہیئے کہ برائیوں پر برانگیختہ کرنے والے نیک کاموں سے باز رکھنے والے شیاطین قید کر دیئے گئے۔

من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه	جس نے رمضان کے روزے ایمان اور اجر و ثواب کی نیت سے رکھے اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

ہر چھوٹے بڑے شرعی کام اور عبادت کی صحت اور مقبولیت کے لئے اخلاص نیت شرط ہے اسی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔

کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنة بعشر امثالها الی سبعمائة ضعف قال الله تعالی الا الصوم فانه لی وانا اجزی به، یدع شهوته وطعامه من اجلی، للصائم فرحتان فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه ولخلوف فم الصائم اطیب عند الله من ریح المسك والصیام جنة۔ الحدیث	انسان کے ہر نیک عمل کا دس گنا ثواب ملتا ہے اور یہ ثواب سات سو گنا تک بھی بڑھا دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزے کا حکم ثواب کے بارے میں جداگانہ ہے اس کا اجر و ثواب بے شمار ہے۔ بندہ میرے ہی لئے روزہ رکھتا ہے، میں ہی اس کا بدلہ دونگا۔ وہ محض میری خاطر اپنی خواہش کی چیزوں اور کھانے پینے کو چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ دار کو دو خوشی ہے ایک طبعی افطار کے وقت دوسری خوشی جب اس کو خدا کا دیدار حاصل ہوگا۔ اس کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے بھی بڑھ کر ہے اور روزہ برے کاموں اور عذاب الٰہی سے بچاؤ اور ڈھال ہے

افسوس ہے ایسے لوگوں پر جو اس بابرکت اور مقدس مہینہ کو لہو و لعب فسق و فجور عصیاں و طغیان برائی اور بحیائی غفلت اور بے پروائی میں گذار دیتے ہیں اور اس مبارک مہینہ کی رحمتوں اور برکتوں کو ڈھونڈھنے کی

کوشش نہیں کرتے، کتنے مسلمان ہیں جو روزہ نہیں رکھتے اور اس سے بچنے کے لئے طرح طرح کے حیلے اور بہانے ڈھونڈھتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو رمضان کا مہینہ دور کے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ملنے کے لئے مخصوص کر لیتے ہیں اور رمضان میں مسافر بن کر سارا مہینہ اسی سفر میں بغیر روزہ کے گذار دیتے ہیں۔ اگر کوئی پوچھ بیٹھتا ہے تو سفر کا عذر پیش کر دیتے ہیں۔ دنیا میں انسانوں کو دھوکا دینے کے لئے بیماری اور سفر کے بہانے کام آ جائیں گے۔ مگر خالق عالم ظاہر اور باطن دل اور زبان کی حالتوں سے آگاہ ہے اس کے سامنے کیا جواب دیں گے؟ بڑے بڑے شہروں میں جہاں مختلف قسم کے کارخانے اور ملیں ہیں اور کالجوں یونیورسٹیوں میں ہزاروں نوجوان ایسے ملیں گے جو روزے نہیں رکھتے اور روزے رکھنے والوں کے ساتھ تمسخر اور مخول کرتے ہیں۔ ایک وہ لوگ بھی تھے کہ سفر میں جہاد کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افطار کر دینے اور افطار کی رخصت و اجازت ملنے کے بعد بھی روزہ چھوڑنے میں تردد کرتے تھے۔ اسلامی شعائر اور دینی فرائض سے محبت و شیفتگی اور بعد و نفرت کے دونوں دور پر نظر ڈالیے کس قدر عبرت خیز ہے انہی فرائض و واجبات کی محبت و اتباع نے ان کو بام عروج تک پہنچایا۔ اور آج ان کی تعمیل کو تضیع اوقات اور تکلیف مالا یطاق سمجھ کر ترقی سے مانع سمجھا جاتا ہے لیکن باوجود چھوڑ دینے کے اسی ذلت اور پستی غلامی و عبودیت میں گھرے ہوئے ہیں بلکہ بدترین اور دوسروں کی نظروں میں ذلیل انسان بنے ہوئے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔

روزے کا ثمرہ اور مقصد

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۔

مسلمانو! جس طرح تم سے پہلی قوموں پر روزے فرض کئے گئے تھے اسی طرح تم پر بھی فرض کئے گئے۔

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۔

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور جو ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کی دلیل ہے پس جو اس مہینہ میں زندہ رہے وہ روزے رکھے جو بیمار یا مسافر ہو وہ ان کے بدلے

اور دنوں میں روزے رکھے خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا اور تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور تاکہ تم خدا کی ہدایت پر اس کی بڑائی کرو اور شکر ادا کرو۔

قرآن پاک نے روزہ کے حکم کے موقع پر ہم کو روزے کے تین نتیجے بتائے ہیں۔ اتقاء، تکبیر، شکر، انسانی کاموں کا حقیقی وجود ان کے نتیجوں اور ثمروں کا وجود ہے اگر نتیجہ اور ثمرہ ظاہر نہیں ہوا تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ کام بھی نہیں ہوا۔ اگر بیمار کو حکیم نے دوا دی لیکن جس فائدے کے لیئے دی تھی وہ فائدہ حاصل نہیں ہوا تو سمجھنا چاہیئے کہ حکیم نے دوا نہیں دی اور نہ بیمار نے دوا استعمال کی۔ اسی طرح روزہ کو بیمار روحانی علاج سمجھنا چاہیئے پس اگر روزہ سے روحانی شفا یعنی تقویٰ، تسبیح و تقدیس، تکبیر و تہلیل، حمد و ثناء وغیرہ نہ حاصل ہو تو حقیقت میں وہ روزہ نہیں ہے بلکہ فاقہ ہے۔ اور ایسا روزہ دار فاقہ کش ہے جس کو بھوک پیاس کی تکلیف کے علاوہ کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا خدا کے نزدیک ایسے روزہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

کم من صائم لیس من صیامہ الا الظمأ وکم من قائم لیس من قیامہ الا السھر (دارمی)

کتنے روزہ دار ہیں جن کو بجز تشنگی کچھ حاصل نہیں اور کتنے تہجد گذار ہیں جن کے تہجد سے بجز بیداری کچھ فائدہ نہیں۔

روزے کا پہلا ثمرہ اتقاء بتایا گیا ہے جس کے معنی اصطلاح شرع میں ہر قسم کی جسمانی نفسانی دنیاوی لذائذ اور خواہشات سے جسم اور روح کو محفوظ رکھنے کے ہیں اور یہی روزہ کی حقیقت ہے۔ جس کے ساتھ تکبیر حمد و ثنا بھی ہونا چاہیئے ہم خیال کرتے ہیں کہ گناہ کے ارتکاب، نفسانی خواہش کی پیروی عصیان و طغیان سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر یاد رکھنا چاہیئے دل اور روح کا روزہ ضرور ٹوٹ جاتا ہے اور جب روح و قلب کا روزہ باقی نہیں رہا تو محض جسم کا روزہ بے سود اور غیر مفید ہے۔

الصائم فی عبادۃ من حین یصبح الی ان یمسی مالم یغتب فاذا اغتاب خرق صومہ

(دیلمی) روزہ دار صبح سے شام تک خدا کی عبادت میں رہتا ہے جب تک کسی کی غیبت نہ کرے جب وہ غیبت کرتا ہے تو اپنے روزے کو پھاڑ ڈالتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے برے اور بیہودہ کام لغو باتیں، سرکشی نفس، روزہ کے منافی نہیں ہیں لیکن یہ خیال جھوٹا اور غلط ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لیس الصیام من الاکل والشرب انما الصیام من اللغو والرفث۔ (حاکم، بیہقی) روزہ کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں ہے بلکہ

حقیقت میں برے اور لغو کام سے بچنے کا نام ہے۔

ہمارے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم جھوٹی باتوں برے عملوں کو روزہ کی صحت کیلئے مضر نہیں خیال کرتے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہٗ (بخاری وغیرہ) جو شخص روزے کی حالت میں بھی کذب وزور اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو خدا کو کوئی ضرورت نہیں کہ اس کے لئے روزہ دار اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

پس اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ روزہ دار حقیقت میں نیکی اور بھلائی کا مجسمہ ہوتا ہے۔ نہ تو کسی کی غیبت کرتا ہے نہ لغو اور بیہودہ عمل کرتا ہے نہ کذب وزور اور جہالت کے کاموں میں اپنے کو ملوث کرتا ہے نہ نفسانی خواہشات کی اتباع کرتا ہے بلکہ برائی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دیتا ہے۔ اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی امرؤ صائمٌ (بخاری وغیرہ) تم میں سے جب کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ بدگوئی کرے نہ شور وغل کرے اگر کوئی اس کو برا کہے یا اس سے آمادۂ پیکار ہو تو کہہ دے میں روزے سے ہوں۔

ماہ رمضان میں نیک کاموں کا ثواب زیادہ ہو جاتا ہے

من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ فیما سواہ ومن ادی فریضۃ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ جس شخص نے رمضان میں ایک نیک نفلی کام کے ذریعہ اللہ کی نزدیکی چاہی تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک فرض ادا کیا اور جس نے ایک فرض ادا کیا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ماسوا رمضان میں ستر فریضے ادا کئے۔

معلوم ہوا کہ اس مقدس اور بابرکت مہینے میں ہر ایک نیک اور اچھے کام کا ثواب بہت زیادہ ملتا ہے خواہ نفلی ہو یا فرض۔ پس قرآن کی تلاوت، تسبیح وتقدیس، تکبیر وتہلیل، حمد وشکر، تراویح اور دوسرے نیک کاموں میں بہت زیادہ کوشش کرنی چاہئے۔ اس مبارک مہینے میں دل کھول کر صدقات وخیرات کرنا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت تیز وتند ہوا سے بھی زیادہ ہو جایا کرتی تھی۔ اسی لئے آپ نے اس مہینہ کو شہر المواساۃ (ایک دوسرے کی غمخواری اور مدد کرنے کا مہینہ) بتایا ہے۔ ہمارا اسلامی فرض دو ہے۔ ایک جسمانی اور ایک مالی۔ فریضہ مالی (زکوٰۃ) اگرچہ کسی وقت کے ساتھ محدود اور مخصوص نہیں ہے۔ مگر جب رمضان میں ایک فرض کی ادائیگی سے ستر فریضہ کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے تو ادائیگی زکوٰۃ (فریضہ مالی) کے لئے رمضان سے بڑھ کر دوسرا کون سا وقت ہوگا۔

تراویح یا تہجد یا قیام رمضان

تراویح، تہجد، قیام رمضان تینوں ایک چیز ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی لمبی حدیث اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے آپ نے آخر دہے کی تین راتوں میں ہمارے ساتھ (تراویح کی) نماز (قیام لیل) اس طرح پڑھائی۔ پہلی رات میں اول شب میں ادا کی یہانتک کہ تہائی رات گذر گئی۔ اور دوسری رات میں نصف شب تک پڑھائی ہم نے بقیہ نصف شب بھی پڑھنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا جس نے امام کیساتھ قیام کیا اس نے پوری شب کا قیام کیا۔ تیسری رات میں آپ نے آخر شب میں گھر والوں کو جمع کیا۔ اور سب کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھی۔ یہاں تک کہ ہم کو ڈر ہوا کہ سحری کا وقت ختم نہ ہو جائے۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تراویح کو رات کے تینوں حصوں میں ادا فرمایا ہے۔ اور اس کا وقت عشاء کے بعد سے آخر رات تک اپنے عمل کے ذریعہ بتا دیا۔ اب تہجد کے لئے کون سا وقت باقی رہا۔ پس تراویح اور تہجد کے ایک ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

"العرف الشذی" (تقریر ترمذی از مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی) میں ہے۔ لامناص من ان تراویحه علیه السلام کانت ثمانیة ولم یثبت فی روایة من الروایات انه علیه السلام صلی التراویح والتهجد علیحدة فی رمضان الخ۔

یعنی اس بات کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح آٹھ رکعت تھی اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح اور تہجد علیحدہ علیحدہ پڑھا۔ تراویح یا تہجد کا جماعت کے ساتھ یا تنہا مسجد میں یا گھر میں آخر رات میں پڑھنا افضل ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون تراویح آخر رات میں پڑھنا جسمیں تم سوتے ہو اول رات میں پڑھنے سے افضل ہے۔ مگر اس غفلت حیلہ سازی، بہانہ جوئی، عذر تراشی کے زمانہ میں مسجدمیں اول رات میں جماعت کے ساتھ تراویح ادا کی جائے ورنہ اکثر لوگ اس سے غافل ہوکر چھوڑ بیٹھیں گے اور کبھی پورے قرآن کی تلاوت تو درکنار اس کا سماع بھی نصیب نہیں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تراویح باجماعت مسجد میں اول شب میں ہوا کرتی تھی۔ اور آپ نے بھی تین راتوں میں سے پہلی رات میں اول شب میں ادا فرمائی تھی۔

تعداد رکعات تراویح

تراویح کے بارے میں سلف کے مختلف اقوال ہیں۔ چالیس ۴۰ چھتیس ۳۶ چونتیس ۳۴ اٹھائیس ۲۸، چوبیس ۲۴، اڑتیس ۳۸، بیس ۲۰، آٹھ ۸، ان اقوال کو عینی وغیرہ نے بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ ان مختلف اقوال سے اس دعویٰ کی حقیقت واضح ہوگئی کہ بیس رکعت پر حضرت عمر رضی اللہ کے زمانہ میں اجماع ہوگیا تھا۔ ان اقوال مختلفہ میں پچھلا قول یعنی آٹھ رکعت اور وتر کو شامل کر کے کل گیارہ رکعت یہی صحیح ہے اور سنت کے مطابق اور اس کے علاوہ کوئی قول سنت کے موافق نہیں ہے، ہاں کوئی آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے چاہے بیس پڑھے یا چوبیس یا اٹھائیس یا چونتیس یا چالیس یا چھتیس، آٹھ کے بعد سب تعداد برابر ہے، بیس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے جیسا کہ آج کل سمجھا جاتا ہے۔ اور نہ یہ سنت عمری ہے بلکہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں کل گیارہ ہی رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

دلائل گیارہ رکعت تراویح مع وتر

(۱) عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدیٰ عشر رکعۃ (صحیحین)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں تراویح (تہجد) گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے

(۲) عن جابر قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات واوتر طبرانی محمد بن نصر ابن خزیمۃ ابن حبان۔ —————— یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان کے مہینہ میں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی پھر وتر پڑھا۔

(۳) عن جابر انہ قال جاء ابی بن کعب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم فقال یا رسول اللہ انہ کان منی اللیلۃ شی قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ فی داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی بصلوتک قال فصلیت بھن ثمان رکعات واوترت فکانت سنۃ الرضا ولم یقل شیئا (اخرجہ ابو یعلی قال الھیثمی فی مجمع الزوائد اسنادہ حسن)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھ سے رات ایک کام سرزد ہوگیا۔ فرمایا کیا ہوا؟ عرض کیا میرے گھر چند عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھتیں یعنی زیادہ یاد نہیں رکھتیں تمہارے

ساتھ نماز پڑھیں گی اور قرآن سنیں گی۔ پس میں نے ان کو آٹھ رکعت تراویح پڑھائی اور وتر ادا کیا۔ آپ خاموش رہے اور یہ سنت رضا ہو گئی۔

(۳) عن السائب بن يزيد انه قال امر عمر بن الخطاب ابي بن كعب و تميما الداري ان يقوما للناس باحدى عشر ركعة الحديث (اخرجه مالك في الموطا و سعيد بن منصور و ابوبكر بن ابي شيبة قال النيموي في آثار السنن اسناده صحيح)

حضرت عمر بن خطابؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔

بیس رکعت والی کوئی روایت اور اثر صحیح طور سے ثابت نہیں ہے۔ کما حققه شیخنا فی شرح الترمذی فلیرجع الیه من شاء علامہ ابن الہمام حنفی اور مولانا عبد الحق دہلوی مولانا عبد الحی حنفی اور دیگر علمائے حنفیہ نے بھی بیس رکعت والی مرفوع روایت کو ضعیف بتایا ہے اور گیارہ رکعت کو سنت اور اصل قرار دیا ہے۔

بقیہ اعتکاف صـــ کا :

بلکہ عورت کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھے، یا تن تنہا بیٹھے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں رسول اللہ کے ساتھ آپ کی ایک مستحاضہ بیوی (بعض روایت کے مطابق ام سلمہ) اعتکاف میں بیٹھیں وہ خون کی سرخی اور زردی دیکھتی تھیں، بسا اوقات ہم ان کے نیچے طشت رکھ دیتے اور وہ نماز پڑھ رہی ہوتیں۔

اور فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں تا وفات اعتکاف فرماتے رہے پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورتیں اعتکاف کر سکتی ہیں لیکن یہ ان کے اولیاء (جیسے باپ، شوہر، سرپرست) کی اجازت پر موقوف ہے، نیز فتنہ سے محفوظ ہو، مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو۔ اس بارے میں بہت سے دلائل اور عام فقہی قاعدہ ہے یعنی: درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح۔ مصالح کے حصول پر مفاسد و خرابیوں کو دور کرنا اور مٹانا مقدم ہے۔ وصلی اللہ علی محمد النبی وآلہ وصحبہ وسلم۔

ہمیں منصفانہ اندازِ فکر و بیان کی ضرورت ہے

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

نوٹ: مذکورہ مضمون کی تحریر کے ہفتوں بعد سہ روزہ دعوت دھلی نے محترم چودھری غلام جیلانی صاحب کی خبر وفات شائع کی اور انھیں خراج تحسین پیش کیا۔ (سہ روزہ دعوت مورخہ ۴ر فروری ۱۹۹۰ء) ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائے۔ چونکہ مذکورہ نوعیت کا تصور جماعت اہلحدیث کے بارے میں دوسرے لوگ بھی رکھتے ہیں، اس لیے مذکورہ تحریر یہاں شائع کی جارہی ہے۔ ازہری

نکتہ چینی کا یہ انداز یہ آئینِ سخن !
بزم تہذیب میں مستوجبِ رد ہے کہ نہیں ؟

سہ روزہ دعوت دہلی مجریہ ۱۹ر جنوری ۱۹۹۰ء میں ایک مضمون بعنوان "حب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑا نازک معاملہ ہے" شائع ہوا ہے۔ مضمون نگار ہیں چودھری غلام جیلانی مدیر ایشیا لاہور۔

چوں کہ اس مضمون کو سہ روزہ دعوت نے اپنے کالموں میں کسی دوسرے پرچے سے نقل کیا ہے، اس لیے فی الحال تخاطب اس سے نہیں بلکہ مضمون نگار چودھری صاحب سے ہے۔

مضمون میں ذیل کا جملہ مضمون نگار کی ناواقفیت کے ساتھ ساتھ ان کی سادہ لوحی یا صحافتی مزاج وافتاد کا آئینہ دار ہے۔ وہ مضمون کے آغاز میں فرماتے ہیں:

"یہ خطاب مولانا ابوبکر غزنویؒ کا ہے، انھوں نے جس درد سے مسلمانوں کو حبِ رسول کے حقیقی پہلو کی جانب متوجہ کیا ہے، اس سے

کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ یہ ایک اہلحدیث عالم دین کا بیان ہے ، مولانا ابوبکر غزنویؒ صاحب دل ، صاحب درد اور صاحب حال تھے۔

اس تمہید کے بعد چودھری صاحب نے مولانا مرحوم کی تقریر درج کی ہے ۔ ہمیں چودھری صاحب کی مذکورہ تمہید ہی پر کچھ عرض کرنا ہے ۔ مولانا ابوبکر کی تقریر پر کچھ کہنا نہیں ہے ۔

چودھری صاحب سے ہم واقف نہیں ، پاکستان کے ایک اہم پرچہ کے وہ مدیر ہیں ، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یقیناً اہلحدیث مخالف کسی فرقہ سے ان کا تعلق ہوگا ۔ یہی تاثر ان کی تحریر سے بھی قائم ہوتا ہے ۔ پاکستان کا کوئی اہلحدیث پرچہ اس جملہ کا نوٹس لیتا تو یقیناً زیادہ روشنی ڈالتا ۔

چودھری صاحب کی مختصر تحریر کا واضح مطلب یہ ہے کہ

" درد سے مسلمانوں کو حب رسول کے حقیقی پہلو کی جانب متوجہ کرنا کسی اہلحدیث عالم دین کا کام نہیں ۔ "

" درد " سے چودھری صاحب یقیناً جسمانی درد مراد نہیں لے رہے ہوں گے ، ورنہ ہم کہیں گے کہ اہلحدیث عالم مسلمانوں کو حب رسولؐ کے حقیقی پہلو کی جانب جب متوجہ کرتے ہیں تو جسم کے کسی حصہ میں درد یا تکلیف کے شکار نہیں ہوتے ، اور نہ ان کو اس درد کی تمنا ہے ، وہ خود کو دین کا کوئی بھی کام کرتے ہوئے کسی بھی طرح کے درد سے دور ہی رکھنا چاہتے ہیں ، بشرطیکہ اس کام میں کوئی خلل نہ ہو ۔ قوالی کے کسی مصرعہ کو یا " یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ " قسم کے شرکیہ وظیفہ کو یا کسی ہوا پرست پیر کی تقریر کے کسی شرکیہ نکتہ کو سن کر جب بدعتی لوگ پھڑکنے لگتے ہیں اور دیکھنے والوں کو " حال " میں مبتلا ہونے کا تاثر دینا چاہتے ہیں تو وہ شاید کسی طرح کی جسمانی تکلیف اور محسوس قسم کے درد میں مبتلا ہوجاتے ہیں ، جس کے بعد ان کو شریعت کے کسی حکم یا خود اپنے وجود کی خبر نہیں ہوتی ۔

اور اگر " درد " سے چودھری صاحب کی مراد حب رسولؐ کی کسک ، سنت رسولؐ سے عشق و محبت اور اس پر عمل کے لیے بیتابی و تشنگی مراد ہے (جو متبادر معنی ہے) ، تو پھر ان کو اس جماعت کے افراد کے پاکیزہ زندگیوں اور ان کے روزمرہ کے معمولات اور دوسروں کے ساتھ معاملات کا جائزہ لینا چاہیے ، اور جو کتابیں اس جماعت کے علماء نے لکھی ہیں ان کا مطالعہ کرنا چاہیے ۔ اگر چودھری صاحب جماعت اہلحدیث کے صرف ایک عالم علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ کی کتاب رحمۃ للعالمین پڑھ لیتے تو ان کو اندازہ ہو جاتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں اس جماعت کے علماء کا کیا رویہ تھا اور کس طرح وہ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبے رہتے تھے ، اور اتباع سنت کے لیے انھوں نے کیسے کیسے جتن کیے اور کس طرح اس راہ کی ہر مشقت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا ۔

اس جماعت کے افراد نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر عمل کے لیے جو مشقتیں برداشت کی ہیں ، ان کا تصور قرطاس وقلم کا کھیل کھیلنے والے صحافیوں اور الٹے سیدھے واقعات قلمبند کرنے والے مورخین کو گھر میں بیٹھ کر نہیں ہو سکتا ۔ اس

جماعت کو آمین بالجہر، رفع یدین، قراءۃ فاتحہ خلف الامام، نکاح بیوگان وغیرہ سنتوں کو زندہ کرنے کے جرم میں سماجی مقاطعہ یعنی سوشل بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ قبروں پر سجدے، تعزیہ پرستی، مُردوں سے مدد طلب کرنا، اولیاء وصلحاء کو مشکل کشا تصور کرنا، شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کو غوث اعظم ماننا اور اسی طرح کی دوسری اعتقادی وعملی بدعتوں کی تردید ومخالفت میں جب اس جماعت کے افراد آگے بڑھے تو ان کے اوپر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ اللہ کے ان نیک بندوں نے ہر طرح کی تکلیف ومشقت کو ثبات قدمی سے برداشت کیا، یہاں تک کہ اہل بدعت کا زور ٹوٹا، حق کی روشنی سامنے آئی اور لوگ بدعت سے تائب ہو کر جماعت اہلحدیث میں شامل ہوگئے۔ کیا چودھری صاحب بتا سکتے ہیں کہ ان اللہ کے بندوں نے گوں ناگوں مشقتوں کو کیوں برداشت کیا، اور کس جذبہ نے ان کو احیاء سنت اور تردید بدعت کی راہ کی دشواریوں کو انگیز کرنے پر آمادہ کیا، اور کیوں وہ پروانہ وار اس پُرخطر راہ پر آگے بڑھے؟ مجھے معلوم ہے کہ تراویح کی نماز ادا کرتے ہوئے اہلحدیث افراد پر لاٹھی چلائی گئی، رفع یدین کے جرم میں نماز کی حالت میں ان پر چھرے سے حملہ کیا گیا۔ آمین بالجہر کہنے پر مسجدوں سے زدوکوب کرکے نکالا گیا۔ کیا اللہ کے ان نیک بندوں نے ان تمام مشقتوں اور نقصانات کو کسی درد اور جذبہ عشق کے بغیر برداشت کر لیا؟ یہ سوچنے اور انصاف سے کام لینے کا مقام ہے۔

حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت، آپؐ کے ناموس کے لیے فداکاری اور اتباع سنت نبویہ کی راہ میں سرشاری کا درجہ اور آپؐ کی شان میں گستاخی وبے ادبی کرنے والوں کے لیے عبرتناک سزاؤں اور رسوائیوں کی ضرورت کے موضوع پر اسلامی کتب خانہ کی سب سے مشہور ووقیع تالیف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسولؐ" ہے۔ کیا چودھری صاحب غور کر سکتے ہیں کہ اس کتاب کے مصنف کے ساتھ عالم اسلام میں حب رسولؐ کا دم بھرنے والوں، سماع وقوالی کی محفلوں میں حال ووجد کا اظہار کرنے والوں اور جلسوں میں بے ہنگم طور پر "یا رسول اللہ" کا نعرہ بلند کرنے والوں کا کیا رویہ ہے، اور انہیں یہ لوگ کس القاب سے نوازتے ہیں؟ اور جس جماعت کے ایک فرد کی طرف سے مسلمانوں کو حب رسول کے حقیقی پہلو کی طرف متوجہ کرنے پر انہیں استغراب و تعجب ہے، اس جماعت کا مذکورہ امام کے ساتھ کیا رویہ ہے؟ کیا اس مصنف عالی تبار نے دفاع رسول اور مذمت گستاخان رسولؐ کے موضوع پر سیکڑوں صفحات کسی درد ومحبت اور جذبۂ احترام وعقیدت کے بغیر قرطاس وقلم کے حوالہ کر دیے اور اپنے زمانہ کے اہل بدعت کی مخالفت مول لی؟

ماضی قریب کی بات ہے۔ غیر منقسم ہندوستان میں ایک گستاخ رسول نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اپنی بدطینتی ودریدہ دہنی کا نشانہ بنایا اور "رنگیلا رسول" نامی کتاب لکھ کر اپنی حق دشمنی وشپرہ چشمی کا ثبوت دیا۔ چودھری صاحب بتائیں کہ کس شخص نے "مقدس رسولؐ" نامی کتاب لکھ کر مذکورہ رسوائے زمانہ مصنف اور اس کی کتاب کے بخیے ادھیڑے، اور اس سلسلے میں

کسی بھی طرح کی دھمکی اور سنگین نتائج کی پرواہ نہ کی ؟ کیا کسی جذبہ ، درد اور سوز کے بغیر یہ کام ممکن تھا ؟ وجد و حال اور " ہاؤ ہو " کی دنیا میں ڈوبے رہنے والے لوگ بھی اس وقت موجود تھے ، لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ سرخیل جماعت اہلحدیث شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی کتاب " مقدس رسول " کے علاوہ بھی کسی تصنیف کا چرچا ہوا ، اور کسی کو ویسی مقبولیت حاصل ہوئی ؟

چودھری صاحب نے جس اہلحدیث عالم کے بیان پر استعجاب ظاہر کیا ہے ، اگر انھیں کے خاندان کے دیگر افراد کے احوال کا مطالعہ کر لیتے تو ان کی حیرت دور ہو جاتی ۔ اور معلوم ہو جاتا کہ حب رسول ؐ کے حقیقی پہلو کی جانب درد و سوز سے متوجہ کرنا جماعت اہلحدیث کے کسی ایک فرد کا خاصہ نہیں بلکہ اس کے بیشتر علماء نے درد و اخلاص کے ساتھ اس پہلو کی جانب متوجہ کیا ہے

مولانا غلام رسول قلعوی متوفی ۱۲۹۱ ھ نے مولانا عبداللہ غزنوی ؒ کی سوانح عمری تالیف کی ہے ۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ مولانا غزنوی رحمہ اللہ کا حب رسول ؐ اور اتباع سنت نبویہ میں کیا مقام و مرتبہ تھا ، مولانا قلعوی رحمہ اللہ نے مولانا غزنوی ؒ کا ایک طویل قول روایت کیا ہے ، جس میں نماز میں خشوع و خضوع کی تلقین ہے ۔ اسی میں وضو سے لے کر اختتام نماز تک مصلی کے لیے آداب و شرائط کا بیان ہے ، اس کو غور سے پڑھنے کے بعد اندازہ ہوگا کہ علماء اہل حدیث فرائض اسلام اور سنن نبویہ کو کس احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کس درجہ محویت و فریفتگی کے ساتھ عبادت کا فرض انجام دیتے تھے اور دل میں اسلام کے لیے کتنا درد رکھتے تھے ۔

چودھری صاحب نے مولانا ابوبکر غزنوی ؒ کے حب رسول کی تلقین سے متعلق بیان پر اظہار تعجب کیا ہے ۔ اگر الحق غزنوی صاحب کی تالیف " داؤد غزنوی " کے مطالعہ کی زحمت کی ہوتی تو اس کے صفحہ ۱۴ پر یہ عبارت ملاحظہ فرماتے :

" ایک مرتبہ عصر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ یکایک سخت بارش ہو گئی ، ایسی سخت کہ مقتدی سب نماز چھوڑ کر بھاگ گئے ، صرف دو چار رہ گئے ۔ نماز سے فارغ ہو کر جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ہاتھ سب کیچڑ سے بھرے ہوئے تھے ، فرمانے لگے : باراں شد ، واللہ عبداللہ را خبر نہ شد "

اس طرح کی مثالیں علماء اہلحدیث کے سوانح اور تذکروں میں بے شمار ہیں ، خود چودھری صاحب کی نظر سے بھی ان میں سے اکثر گذری ہوں گی ، لیکن معلوم نہیں کس رو میں وہ مذکورہ جملہ کہہ گئے ۔

حیات شبلی ص ۳۰۸ حاشیہ کی درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیے :-

" مولانا سید نذیر حسین ؒ کے شاگردوں میں مولوی ابراہیم صاحب آروی ؒ خاص حیثیت رکھتے تھے ، وہ نہایت خوشگوار ،

پروردہ واعظ تھے ، وعظ کہتے تو خود روتے اور دوسروں کو رلاتے ۔"

سید سلیمان ندوی صاحب نے مولانا محمد ابراہیم آروی رحمہ اللہ کا جو تعارف اس عبارت سے کرایا ہے ، اس سے ان کی شخصیت کا علمی و عملی کمال گو پوری طرح واضح نہیں ہوتا ہے ، پھر بھی ہمارے مقصد کے لیے یہ کافی ہے ۔

اب میں ایک اقتباس ایسے محقق و مورخ و ادیب کا پیش کرنا چاہتا ہوں جو ملک اور زمانہ دونوں اعتبار سے چودھری صاحب سے بیحد قریب ہے ، اس کی درج ذیل تحریر کا اگر چودھری صاحب غور سے مطالعہ فرمائیں تو علمائے اہلحدیث سے متعلق ان کا تصور بڑی حد تک صحیح ہو جائے گا ، اور جس استعجاب کا وہ شکار ہوئے ہیں اس کو دور کرنے میں مدد ملے گی ۔

مولانا غلام رسول مہرؒ اپنی کتاب جماعت مجاہدین میں تحریر فرماتے ہیں کہ : "شیخ محمد اسحٰق گورکھپوریؒ کے دل پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بہت غالب تھی ، ایک مرتبہ مولانا شاہ اسماعیلؒ نے وعظ میں " والذین اٰمنوا اشد حبا للہ " کی تفسیر بڑے پرتاثیر انداز میں فرمائی ، شیخ محمد اسحٰق پر اس وعظ کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار رونے لگے اور کھانا پینا ترک کر دیا ، مولانا کو اس واقعہ کا علم ہوا تو بلا کر وجہ پوچھی ، شیخ نے کہا کہ مجھے اپنی بیوی سے محبت ہے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا ہے ۔ یہ صورت " والذین اٰمنوا اشد حبا للہ " کے منافی ہے ؛ مولانا نے پوچھا : کیا اس وقت بھی یہی کیفیت تھی جب آپ وطن میں تھے ؟ جواب دیا کہ اس وقت تو یہ کیفیت نہ تھی ، لیکن اب یہ خیال دل سے زائل ہی نہیں ہوتا ۔ مولانا نے پھر پوچھا کہ کیا آپ بیوی کی محبت کے جوش میں لشکر اسلام کو چھوڑ کر وطن جا سکتے ہیں ؟ جواب دیا ، ہرگز نہیں ، مجھے دل پر اتنا قابو حاصل ہے کہ یہاں اگر ہزاروں تکلیفیں بھی پیش آجائیں تو خوشی خوشی جھیل لوں گا اور وطن کا قصد نہ کروں گا ۔ مولانا نے فرمایا ، پھر اطمینان رکھیے کہ آپ یقیناً " اشد حبا للہ " کے گروہ میں شامل ہیں ؛ اس کے بعد کھانا کھایا ۔ (جماعت مجاہدین ص ۱۶۹)

چودھری صاحب سے میں عرض کروں گا کہ موجودہ دور میں علم دین بہت ترقی کر چکا ہے ، پرانے دینی ماخذ میں سے بیشتر ماخذ اب منظر عام پر آچکے ہیں ۔ برصغیر سے انگریزوں کو رخصت ہوئے تقریباً نصف صدی کا زمانہ گزر چکا ہے ۔ ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں دم توڑ چکی ہیں ، لوگ عملی طور پر مسلم جماعتوں کو پرکھ چکے ہیں ، اور ان کے افکار و خیالات کو خود ان کی تحریروں میں پڑھ چکے ہیں ، اس لیے کسی جماعت کی تصویر پیش کرتے ہوئے اور اس کے افکار و اصول کا جغرافیہ بیان کرتے ہوئے احتیاط و غور سے کام لینا ہوگا ۔ وہ زمانہ گزر گیا کہ کسی جماعت کو بدنام کرنے کے لیے اس کی طرف غلط باتیں منسوب کر دی جائیں ۔ ماضی میں جن لوگوں نے اسلامی شخصیات کے تئیں اس طرح کا معاندانہ و غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کیا تھا ، آج انھیں

حالات بدل جانے کی وجہ سے سخت دشواریوں کا سامنا ہے، کہیں تادیل کی جارہی ہے، کہیں کہی ہوئی باتوں کا انکار کیا جارہا ہے، اور کہیں اپنا جرم دوسروں کے سر منڈھا جارہا ہے۔ غیر ذمہ دارانہ تبصروں کا ہمیشہ یہی حشر ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس دور میں کسی بھی مسلم جماعت کو موروثی معلومات کی بنا پر مورد عتاب نہ بنایا جائے، بلکہ اس کی اپنی تحریروں سے اس کے اصول ومقاصد کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ●●●

بقیہ : ادب اسلام کے آئینہ میں :

سیکھتے ہیں، بنابریں ان کی بھی شاعری کے اندر وہی چیزیں غیر شعوری طور پر ملتی ہیں جس کو اساتذہ سے انھوں نے پایا ہے یہ عصر حاضر کا بہت بڑا ایک المیہ ہے کہ اس راہ بتدعین ومتشبعین ہی حضرات ہر ادارہ پر چھائے ہوئے ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ سلفی مدارس کے اساتذہ طلبہ اور علماء اس میدان میں قدم رکھیں اور عصری درسگاہوں کے اندر اپنا اثر ورسوخ قائم کریں، جہاں ملت کے سادہ مزاج طلبہ کے ذہن وفکر کو غلط رجحان ومیلانات سے آشنا کرا کر غایقت خریدی کا بازار گرم ہے۔ تاکہ

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ ...

ابنائے جامعہ سلفیہ توجہ فرمائیں !

جامعہ سلفیہ نے اپنے جملہ فضلاء کے احوال عنقریب مرتب کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے، تاکہ ادارہ کی تاریخ کا یہ اہم پہلو محفوظ ہوسکے۔ اس سلسلے میں ادارہ کو آپکے فوری اور مثبت تعاون کی ضرورت ہے، آپ درج ذیل سوالوں کے جوابات ارسال کرنے کی زحمت فرمائیں۔

(۱) نام (۲) ولدیت (۳) تاریخ پیدائش (۴) مستقل پتہ (۵) ادارے جہاں تعلیم حاصل کی (۶) فراغت کب اور کہاں ہوئی (۷) تعنیف وتحقیق اور ترجمہ کا کام (۸) تدریس کہاں اور کب سے (۹) تبلیغ کے میدان میں سرگرمی (۱۰) سماجی ورفاہی خدمات۔

پتہ :- محمد مستقیم سلفی
معرفت جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب وارانسی

ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن

احادیثِ ضعیفہ وموضوعہ بابت رمضان

احمد مجتبیٰ سلفی

● لاتقولوا "رمضان" فإن "رمضان" اسم الله، ولكن قولوا "شهر رمضان"

("رمضان" مت کہا کرو، کیونکہ "رمضان" اللہ کا نام ہے، ہاں "رمضان کا مہینہ" کہا کرو۔)

یہ حدیث موضوع ہے (۱) اس کو ابن عدی نے (۲) اور ان کے واسطے سے بیہقی (۳) اور ابن الجوزی نے (۴) بطریق: ابی معشر السندی عن سعید المقبری عن ابی ہریرۃ مرفوعاً" روایت کیا ہے۔ ابومعشر سندھی حد درجہ ضعیف راوی ہے (۵)۔ نیز اسماء حسنیٰ میں کسی نے بھی رمضان کا ذکر نہیں کیا ہے، جبکہ صحیحین کی ایک حدیث میں مطلق رمضان کا لفظ وارد ہے، ارشاد نبوی ہے۔

اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنة (۶) — جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

بیہقی نے اس کو محمد بن کعب کا قول قرار دیا ہے اور اپنی سند سے اس کی روایت بھی کی ہے۔

---

(۱) دیکھیے: الموضوعات (ج ۲/ص ۱۸۷) و الفوائد المجموعۃ للشوکانی: کتاب الصیام (ص ۸۷)

(۲) الکامل (ج ۷/ص ۲۵۱۷/ ترجمہ ابومعشر السندی)

(۳) السنن الکبریٰ (ج ۴/ص ۲۰۱)

(۴) الموضوعات (ج ۲/ص ۱۸۷)

(۵) میزان الاعتدال (ج ۴/ص ۲۴۶)

(۶) صحیح البخاری: کتاب الصوم، باب ۵ صحیح مسلم، کتاب الصیام باب ۱

• افترض اللہ علی امتی الصوم ثلاثین یوماً، وافترض علی سائر الامم اقل او اکثر (الحدیث بطولہ)

(اللہ نے میری امت پر تیس دن کا روزہ فرض کیا ہے، جبکہ دیگر امتوں پر اس سے کم یا زیادہ دنوں کا روزہ فرض کیا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے شجرۂ ممنوعہ سے کھالیا تو انھیں سزا کے طور پر اس درخت کے تنے کے سوراخ کے اندر تیس دن تک رہنا پڑا۔ جب اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تو انھیں تیس دن مع رات کے روزہ رہنے کا حکم دیا۔ لیکن میری امت پر دن ہی کا روزہ فرض کیا، ہم جو رمضان کی رات میں کھا پی لیتے ہیں تو یہ اللہ کا فضل ہے۔)

یہ حدیث موضوع ہے (۱) اس کو خطیب نے (۲) اور ان کے واسطے سے ابن الجوزی نے (۳) بطریق موسیٰ بن نصر الثقفی عن حماد بن سلمۃ عن ثابت، عن انس، مرفوعاً روایت کیا ہے۔ موسیٰ بن نصر جھوٹا راوی ہے (۴)

• ان اللہ یغفر فی اول لیلۃ من رمضان لکل اھل ھٰذہ القبلۃ۔

(رمضان کی پہلی رات میں اللہ تعالیٰ تمام اہل قبلہ کی مغفرت فرما دیتا ہے۔)

یہ حدیث منکر ہے (۵) اس کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں (۶) طبرانی نے معجم اوسط میں (۷) دولابی نے کنی میں (۸) اور بیہقی نے شعب الایمان میں (۹) بطریق، عمرو بن حمزۃ العیشی، عن خلف ابی الربیع، عن انس مرفوعاً روایت کیا ہے، عمرو بن حمزۃ العیشی ضعیف راوی ہے (۱۰) اور خلف ابوالربیع مجہول (۱۱)

---

(۱) دیکھیے، الموضوعات (ج ۲/ص ۱۸۶) واللآلی (ج ۲/ص ۹۷) وتنزیہ الشریعۃ (ج ۲/ص ۱۴۵)، والفوائد المجموعۃ (ص ۸۷)

(۲) تاریخ بغداد (ج ۱۳/ص ۳۵/ترجمہ موسیٰ بن نصر)

(۳) الموضوعات (ج ۲/ص ۱۸۶)

(۴) دیکھیے: تاریخ بغداد و میزان الاعتدال (ج ۴/ص ۲۲۵)

(۵) منکر اس ضعیف حدیث کو کہتے ہیں جو ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ کسی صحیح حدیث کے مخالف بھی ہو، صحیح حدیث کے مخالف ہونے کے مطلب میں دین کے مسلم اصول و قواعد کا مخالف ہونا بھی شامل ہے۔ جیسے اس ضعیف حدیث کا مفہوم دین کے اس مسلمہ اصول کے مخالف ہے کہ کسی کی مغفرت بغیر صحیح ایمان وعمل کے نہیں ہوسکتی، کتنا لغو اور بیہودہ مفہوم ہے اس حدیث کا !!!

(۶) صحیح ابن خزیمہ: کتاب الصیام، باب ۶ حدیث ۱۸۸۵ (۷ - ۹) الضعیفۃ رقم ۲۹۸

(۱۰) میزان الاعتدال (ج ۳/ص ۲۵۵) (۱۱) صحیح ابن خزیمہ و ضعیفہ،

اسی حدیث کو خطیب نے (۱) اوران کے واسطے سے ابن الجوزی نے (۲) مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ان اللہ تبارک و تعالیٰ لیس بتارک أحدا اول یوم من رمضان الاغفرلہ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ رمضان کے پہلے دن کی صبح کسی کو بغیر مغفرت کے نہیں چھوڑتا۔

... ...

اس سند اور لفظ سے بھی **یہ حدیث موضوع ہے** (۳) اس سند میں سلام الطویل (۴) اور زیاد بن میمون (۵) جھوٹے راوی ہیں۔

اسی معنیٰ کی ایک اور حدیث ہے جسے ابن الجوزی نے (۶) حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

• اذا کان اول لیلۃ من شھر رمضان نظر اللہ الیٰ خلقہ الصیام واذا نظر الی عبدہ لم یعذبہ ابدا وللہ فی کل لیلۃ الف الف عتیق من النار فاذا کان لیلۃ النصف من رمضان عتق اللہ فیھا مثل ما اعتق فی الشھر کلہ، واذا کانت لیلۃ تسع وعشرین اعتق فیھا مثل ما اعتق فی الشھر کلہ۔

جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ روزہ داروں کی طرف نظر فرماتا ہے، اور جس کسی کی طرف اللہ تعالیٰ نظر فرمادے اس کو کبھی بھی عذاب نہیں دے گا۔ رمضان کی ہر رات میں دس لاکھ لوگ جہنم سے آزاد کیے جاتے ہیں اور جب پندرہ رمضان کی رات آتی ہے تو اللہ پورے ماہ آزاد کردہ لوگوں کے برابر آزاد کردیتا ہے اور جب اُنتیس کی رات آتی ہے تو اللہ پورے ماہ آزاد کردہ لوگوں کے برابر پھر آزاد کردیتا ہے۔

یہ حدیث بھی موضوع اور منکر ہے (۶) اس کی سند بعض کئی مجہول راوی ہیں اور عثمان بن عبداللہ الشامی وضاع اور کذاب راوی ہے۔ (۷)

---

(۱) تاریخ بغداد (۹۱/۵)   (۲) الموضوعات (ج ۲/ص ۱۹۰)

(۳) دیکھیے: الموضوعات، وضعیفہ رقم ۲۹۶، والفوائد المجموعۃ (۸۸)   (۴) میزان الاعتدال (۱۷۵/۲)

(۵) میزان الاعتدال (۹۴/۲)   (۶) الموضوعات (ج ۲/ص ۱۸۷ - ۱۸۸)

(۷) دیکھیے: الموضوعات واللآلی (۱۰۱/۲) وتنزیہ الشریعۃ (۱۴۶/۲) (۷) میزان الاعتدال (ج ۳/ص ۴۱)

• اذا کان اول لیلۃ من شھر رمضان نادی الجلیل "رضوان" خازن الجنۃ، فیقول لہ: اعد جنتی للصائمین من امۃ محمد لا تغلقھا عنھم حتی ینقضی شھرھم ثم ینادی مالکا خازن جھنم: یامالک! اغلق ابواب جھنم عن الصائمین من امۃ محمد، لا تفتحھا علیھم حتی ینقضی شھرھم، ثم ینادی جبریل: یاجبریل! انزل الی الارض فغل مردۃ الشیاطین عن امۃ محمد، لا یفسدوا علیھم صیامھم وللہ فی کل لیلۃ من رمضان عند طلوع الشمس وعند وقت الافطار عتقاء من النار ولہ فی کل سماء ملک ینادی (الحدیث بطولہ)

(جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو رب جلیل جنت کے نگراں "رضوان" سے ارشاد فرماتا ہے: جنت کو امت محمدیہ کے روزہ داروں کے لیے سنوار دو! رمضان کا مہینہ ختم ہونے تک اسے بند نہ کرو، پھر داروغہ جہنم "مالک" کو حکم دیتا ہے کہ جہنم کو آخری رمضان تک بند رکھو، پھر جبریل سے فرماتا ہے: جبریل! تم دنیا میں جاکر سرکش شیاطین کو بند کردو اور پورے ماہ قید رکھو تاکہ امت محمدیہ کے روزے خراب نہ کرسکیں، رمضان کے ہر دن طلوع آفتاب اور افطار کے وقت اللہ تبارک وتعالی کچھ لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اور ہر آسمان پر کوئی نہ کوئی فرشتہ کچھ نہ کچھ پکارتا رہتا ہے۔ (یہ حدیث اور بھی طویل ہے)

یہ حدیث بھی موضوع ہے (۱) اس کو ابن حبان نے (۲) اور ان کے واسطے سے ابن الجوزی نے (۳) بطریق اصرم ابن حوشب عن محمد بن یونس الحارثی عن قتادہ، عن انس مرفوعاً، روایت کیا ہے۔ اصرم بن حوشب جھوٹا راوی ہے (۴)

ابن حبان نے اسے بطریق عباد بن عبدالصمد، عن انس اور دیلمی نے (۵) بطریق ابان عن انس روایت کیا ہے۔ عباد (۶) اور ابان (۷) دونوں جھوٹے راوی ہیں۔ •••

---

(۱) دیکھیے: المجروحین (ترجمہ اصرم بن حوشب)، والموضوعات (۲/۱۸۷-۱۸۸) واللآلی (۲/۹۹) وتنزیہ الشریعۃ (۲/۱۴۵) والفوائد المجموعۃ ص ۸۷) (۲) المجروحین: حوالہ مذکور) (۳) الموضوعات (حوالہ مذکور) (۴) میزان الاعتدال (ج ۱/ص ۲۷۲) (۵) اللآلی (حوالہ مذکور) (۶) میزان الاعتدال (ج ۲/ص ۳۶۹) (۷) میزان الاعتدال (ج ۱/ص ۱۰)

باب الفتاویٰ

۱۔ بے نمازی بیوی کا حکم
۲۔ گھروں میں تصاویر لٹکانے کا حکم

۱۔ سوال : دس سال ہوئے کہ میری شادی ہوئی، لیکن میری اہلیہ کا معاملہ یہ ہے کہ نماز کا اہتمام نہیں کرتی ہے، لاپرواہی سے نماز چھوڑ دیتی ہے، اور میرے پوچھنے پر کہہ دیتی ہے کہ پڑھ چکی ہوں، لیکن جب تحقیق کرتا ہوں تو پتہ چلتا ہے کہ معاملہ الٹا ہے۔ خاص طور پر مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں ایسا ہوتا ہے۔ نماز کا مسئلہ ہے کہ میری اور اس کی ہمیشہ نوک جھونک ہوتی رہتی ہے، یہی حال رمضان کا ہے۔ خاص طور پر جب ماہواری کے سبب چند روزے چھوٹ جاتے ہیں تو ان کی قضا نہیں کرتی اور سمجھانے بجھانے کے لیے بٹھاتا ہوں تو بیٹھتی نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا کیا حکم ہے؟ جواب دیکر ممنون فرمائیں۔ (ع، د، ح، بیزان)

جواب : آپ کی اہلیہ کا اگر وہی حال ہے جو آپ نے بیان کیا تو آپ پر اس کو اپنے سے جدا کردینا ضروری ہے، اس لیے کہ مرد یا عورت جو بھی نماز ترک کردے، وہ کفر کا مرتکب ہے، اگرچہ اس کا اظہار نہ کرے، یہی علماء کا صحیح قول ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر. (اخرجه الامام احمد واصحاب السنن باسناد صحيح، والاحاديث الاخرى وردت في ذلك)

ہمارے اور ان (کفار و مشرکین) کے درمیان حد فاصل نماز ہے، پس جس نے نماز کو چھوڑ دیا، اس نے کفر کیا۔ (یہ حدیث مسند احمد اور سنن کی ہے اور صحیح ہے، نیز اس باب میں دوسری احادیث بھی وارد ہیں)

ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ آپ کی اہلیہ کو ہدایت دے اور اس کو توبہ کی توفیق دے۔ یا آپ کو اس سے بہتر شریکِ حیات عطا کرے

۲۔ سوال: گھروں کے اندر ایسی تصویریں لگانے کا کیا حکم ہے، جنھیں صرف زیب وزینت کے لیے لگایا جاتا ہے، عبادت کے لیے نہیں۔؟

جواب: عام تصاویر یا جانوروں کی کھال کے بھس بھرے مجسمے گھروں میں لگانے جائز نہیں ہیں، اس لیے کہ احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو اس باب میں وارد ہیں وہ بالکل عام ہیں اور گھروں میں تصاویر یا ایسے مجسمے لگانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں، اس لیے کہ یہ شرک میں مبتلا کردینے کے اسباب میں سے ہیں، نیز ان سے اللہ کی تخلیق میں مشابہت اور دشمنانِ خدا کی تقلید لازم آتی ہے، نیز جانوروں کی کھالوں کے بھس بھرے مجسموں میں مال کی بربادی اور دشمنانِ خدا کی تقلید بھی ہے۔ نیز ان سے تصویری مجسموں کے لیے راستہ بھی کھل جاتا ہے جبکہ شریعتِ اسلامیہ نے ایسے اسباب سے منع کردیا ہے جو شرک اور معاصی میں مبتلا کردیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پانچ نیک لوگوں کی تصویروں کے سبب ہی سے شرک میں مبتلا ہوگئی، جیسا کہ اللہ نے قرآن میں بیان کیا ہے۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا۔ (سورہ نوح، آیت ۲۳)

اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا، نہ ود کو چھوڑنا، نہ سواع کو، نہ یغوث کو نہ یعوق کو اور نہ نسر کو، انھوں نے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا۔ (یہ پانچوں نیک آدمی تھے، پھر بت بنا لیے گئے۔)

بنا بریں قوم نوح کے ایسے عمل کی مشابہت اختیار کرنے سے بچنا چاہیے، جس نے انھیں شرک میں مبتلا کردیا۔
نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا حکم دیکر بھیجا تھا کہ:

لا تدع صورة الا طمستها ولا قبرا مشرفا الا سويته۔ (اخرجه مسلم فی صحيحه)

کسی تصویر کو بغیر مٹائے اور کسی زیادہ ابھری قبر کو بغیر برابر کیے مت چھوڑنا۔ (یہ حدیث مسلم کی ہے)

نیز آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اشد الناس عذابا يوم القيامة المصورون (متفق علی صحته)

قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب تصویریں بنانے والوں کو ہوگا۔ (یہ حدیث بخاری ومسلم کی ہے)

اور بھی بہت سی احادیث اس باب میں وارد ہیں۔

(افادات شیخ ابن باز مفتی اعظم سعودی عربیہ، شائع شدہ مجلہ الدعوۃ۔ تاریخ ۱۹/۱۱/۱۴۰۹ھ) ● ● ●

ادبؔ اسلام کے آئینہ میں

شکیل احمد اثری

قبل اس کے کہ ادب اور اسلام کے باہمی ارتباط کا تذکرہ قارئین کے روبرو پیش کیا جائے۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ادب کے معنی و ماخذ مع تعریف حوالۂ قرطاس کروں تاکہ وہ معمہ جو ابتدائے آفرینش ادب سے آج تک ادب کے مبتدی طلبا کے ذہنی اضطراب و خلجان کا سبب بنتا رہا ہے، حل ہوجائے اور ادب سے متعلق افراد بھی ادب کے سلسلہ میں پیش کیے گئے لاتعداد تعریفوں میں خوطہ زنی سے قطع نظر کوئی ایک شاہراہ متعین کرکے ذہن و دماغ کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ادب کی خدمت کی خاطر یکسو ہوکر صرف کریں۔ . . .

ادب کا اشتقاق : ادب عربی کا لفظ ہے جس کا مشتق منہ ادب ہے، جس کے معنی ضیافت اور بلاوے کے ہیں، بعض محققین نے ادب کے اشتقاق کے سلسلہ میں دوسری رائیں بھی پیش کی ہیں، لیکن میری نظر میں وہ قرین قیاس نہیں اس سبب سے کہ موجودہ دور میں جدت پسندی کے زعم میں اکثر حضرات اپنی صلاحیتوں کو نئے تناظر میں پیش کرکے اپنی تحقیق کا سکہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی نظریہ ادب کے اشتقاق کی تحقیق کے سلسلہ میں بھی معلوم ہوتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی تحقیق کو وہ حیثیت حاصل نہ ہوسکی جتنا کہ مذکورہ تحقیق کو قبولیت عام حاصل ہے۔

ادب کی تعریف : اس سلسلہ میں غیر معتدبہ نظریے ادب و لغات کی کتابوں کے اندر ملتے ہیں، شاید یہی وہ سبب ہے، جس کی وجہ سے راقم الحروف خصوصاً اور عموماً جملہ مبتدی طلبہ ادب کے لیے ذہنی و دماغی طمانیت و سکون کا سبب ادیبوں اور دانشوروں کی وہ باتیں نہیں بن پاتیں جو وقت بوقت نوع بہ نوع کی تعریفوں کی شکل میں ان کی زبان و قلم سے معرض وجود میں آتے ہیں۔

علماء عرب نے ادب کی تعریف ان لفظوں میں پیش کی ہے۔ ادب ان تمام علوم و معارف اور جملہ معلومات پر مشتمل ہے جو انسان تعلیم و تدریس کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ صرف، نحو، علوم بلاغت، فلسفہ، تاریخ اور شعر و نثر بھی شامل

المنجد میں لکھا ہے کہ ادب ایک ایسا اخلاقی ملکہ ہے جو معیوب باتوں سے روکتا ہے، دانائی اور خوش طبعی بھی اس کے معنی میں داخل ہے، اس کی جمع آداب ہے "لسان العرب" میں لکھا ہے "ادب کو اس لیے ادب کہتے ہیں کہ ادب عوام الناس کو اچھائی کی طرف بلاتا اور برائیوں سے روکتا ہے گویا ادب ایک ایسا علم ہے، جس کے ذریعہ ادیب و شاعر لوگوں سے تہذیب شائستگی حاصل کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں مجنوں گورکھپوری کی کتاب "ادب اور زندگی" کے اندر درج شدہ مضمون "ادب اور مقصد" ہمارے سامنے ہے۔ آپ نے ادب کی تعریف پر بحث کرتے ہوئے اجمالاً اس سلسلہ میں یوں خامہ فرسائی کی ہے:

"فن اور ادب کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں اور ان گنت نظریے اب تک پیش کیے گئے ہیں۔ کسی نے فن اور ادب کو زندگی کا وہ عکس سمجھا جو ایک شخصی مزاج کے آئینہ میں نظر آئے۔ کسی نے شخصیت کو دبا لینے کا نام ادب رکھا، کسی نے شخصیت کے اظہار کو ادب کا نصب العین قرار دیا اور کسی نے ایک اصطلاح گڑھ کر ہم کو ایک ہیجانی دنیا میں چھوڑ دیا۔ اصطلاح SUPER PERSONALITY یعنی فوق الذات یا ماورائے شخصیت ہے۔ ادب کو کبھی زندگی کی تنقید بتایا گیا، کبھی زندگی کی تجدید، کسی نے اس کو زندگی کا پھل پھول کہا، کسی نے فکری عمارت کی اوپری کاری گریاں، یہ سب ادھوری حقیقتیں ہیں جو ہم کو دھوکے میں ڈال دیتی ہیں، ادب یہ سب کچھ ہے اور اس سے بہت زیادہ .."

لیکن ادب کی تعریف کے سلسلہ میں ڈاکٹر سید عابد حسین کا قول زیادہ قرین قیاس اور مبنی برحقیقت معلوم پڑتا ہے۔ آپ نے بیان کیا ہے:

"ادب شاعر یا ادیب کے ذہن میں سوئے ہوئے خیالات کا نام ہے جو زندگی کی چھیڑ سے جاگتے ہیں، زندگی کی آنچ میں تپتے ہیں اور زندگی کے سانچے میں ڈھل کر خود زندگی بن جاتے ہیں۔"

اسلام کی گاڑی کے دو پہیے قرآن و حدیث ہی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، بنابریں آئندہ ہم ادب کو قرآن و حدیث کے ارشادات و فرمودات کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کریں گے۔

ادب اور قرآن: ایک عام رجحان مذہبی علماء و فضلاء کے یہاں قرآن مقدس کی آیت: والشعراء یتبعھم الغاوون۔ الم تر انھم فی کل واد یھیمون۔ وانھم یقولون مالا یفعلون۔ کو مدنظر رکھتے ہوئے ادب بیزاری و بے توجہی کا جنم لیتا رہا ہے۔ حالانکہ قرآن مقدس کی اس آیت کے مابعد شعراء کی رہنمائی الا الذین امنوا وعملوا الصالحات وذکروا اللہ کثیرا وانتصروا من بعد ما ظلموا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون کے ذریعہ کرتے ہوئے معیار ادب کی تعیین کر دی گئی ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ بذات خود

شاعری اور دیگر اصناف ادب قابل مذمت اور بے رخی نہیں بلکہ اس راہ میں معیار ادباء وشعراء کے ذہن ودماغ کے وہ افکار ہیں جن کے اندر صدق وکذب، مادیت وروحانیت دونوں پہلو معتبر ہیں۔ گویا اسلامی نقطۂ نظر سے وہ شعراء ہی مبغوض ہیں، جن کا ادب غلط عقائد، گمراہ کن پروپیگنڈہ اور باطل نظریات کا حامل ہے۔

جہاں تک لفظ ادب کے قرآن مقدس میں وجود کا سوال ہے تو اس کا وجود نہیں، لیکن اس سے یقیناً انصاف پسند کسی ادیب کو مفر نہیں ہوسکتا کہ بذات خود قرآن ادب عالیہ کا بے مثال نمونہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے نزول کے وقت قرآن نے اپنی ادبیت بے مثال کے سبب فصحاء عدنان وبلغاء قحطان کہ جن کی فصاحت وبلاغت اور ادبیت کا ڈنکا پوری عرب دنیا کے اندر رائج تھا، بھی عجز وانکساری کا سر قرآن کے سامنے خم کردیا۔ ساتھ ہی قرآن مقدس نے رہتی دنیا تک کے ادباء و فصحاء کے لیے بطور چیلنج: "فاتوا بسورة من مثله" کا نعرہ پیش کرکے شعوری طور پر اپنی ادبیت کا لوہا پوری دنیا سے منوالیا۔ تاریخ میں اگر ایک دو افراد کا ذکر بھی قبولیت چیلنج کا عوام کے دباؤ سے ملتا ہے تو نتیجۃً اس کے عواقب وانجام نہایت ہی شرمندہ اور پریشان کن تھے۔

الغرض قرآن سراپا ادب ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ان هٰذا القرآن مادبة الله فى الارض فتعلموا من مادبته۔ گویا قرآن کو سراپا ادب ہی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ادب اور حدیث: ادب کا لفظ حدیث کی مختلف روایتوں کے اندر دیکھنے کو ملتا ہے۔ ایک حضرت عبداللہ بن مسعود کی مندرجہ بالا روایت، دوسری وہ روایت جس کے اندر حضور نے اپنے متعلق بیان فرمایا کہ: ادبنی ربی فاحسن تادیبی۔ تیسری روایت کے اندر بھی ادب کا مشتق صیغہ ملتا ہے، جس کے اندر اولاد کی تربیت کرنے والے والدین کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: "ادبه فاحسن تادیبه"۔

حدیث شریف کی ایک روایت کے اندر ادب کے معیار کی تعیین بایں طور کی گئی ہے۔ ذکر عند رسول الله صلى الله عليه وسلم الشعر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انه هو كلام فحسنه حسن وقبيحه قبيح۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے بیان فرمایا ایسا کلام ہے جس کا اچھا حسین اور خراب قبیح ہے۔

معلوم ہوا کہ کلیۃً ہم اشعار کی نفی کرکے ادب کو لائق گردن زدنی نہیں سمجھ سکتے، اس حدیث کے علاوہ کچھ

اور روایتیں واضح قسم کی ایسی موجود ہیں جس میں ادب کی ایک صنف شعر کو حکمت کہا گیا ہے: ان من الشعر لحکمۃ اور دوسری جگہ ہے ان من البیان لسحراً اس کے علاوہ ابتداء اسلام میں حضور وصحابہ کے اقوال و افعال کثرت سے ایسے ملتے ہیں جس کے ذریعہ شعر وادب کی اہمیت و فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حسان بن ثابت کے سلسلہ میں روایتوں کے اندر آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے اندر ایک الگ سے ان کے لیے منبر کا انتظام کر رکھا تھا، جس سے اسلام کے سلسلہ میں مدافعانہ کلمات اشعار کی شکل میں آپ سنایا کرتے تھے۔ ایک جنگ کے اندر شاعر اسلام حسان بن ثابت کو آپ نے یہ کہا کہ حضرت جبرئیل تیرے ہمراہ ہیں، تو ہماری طرف سے مشرکوں کو جواب دے، چنانچہ آپ مدافعانہ رول جنگوں کے اندر اپنے اشعار کے وسیلہ سے ادا کرتے تھے۔

الغرض قرآن وحدیث کے علاوہ حضور کے زمانہ کے اکثر ایسے واضح بیانات وشواہد ادب کی خدمت کے سلسلہ میں موجود ہیں کہ ہم اسے محض یہ کہہ کر کہ شعراء وادبا ر مبالغہ آرائی، دور از حقیقت اور خواب وخیال کی باتیں کرتے ہیں، اپنا دامن بچا نہیں سکتے، جیسا کہ اکثر متدین قسم کے لوگ اس کے تاریخی پس منظر کو دیکھ کر اس کے ساتھ تنگ نظری کا رویہ روا رکھتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام ایسے کلام کا قطعاً مدح سرا نہیں، جس کے اندر باطل عقائد، غلط نظریات اور خواب وخیال کی باتیں پائی جائیں۔ برخلاف اس کے ایسے اشعار کا ضرور مداح ہے جس کے ذریعہ مذہب کی ترجمانی، اخلاق وخصائل حمیدہ کا پرچار اور خوابیدہ ملت کے خوابیدہ دل کو بیدار کر کے ان کو اپنی خودی کی تکمیل اور عظمت رفتہ کے حصول کی طرف دھیان دلایا جائے۔ چنانچہ اس کسوٹی پر جب ہم سرمایۂ ادب کو پرکھتے ہیں تو ایسے شعراء وادبا ر ہم کو ملتے ہیں جنھوں نے اپنے قلم کی عصمت کو داغدار بنانے کے بجائے اس سے وہی کام لیا، جس کا مذہب ان سے طلبگار رہے، جبکہ اکثر شعراء کے سرمایہ پر بدعات وخرافات اور ملحدانہ نظریات کے سیاہ دھبے لگے ہوتے ہیں اور ان کی شاعری محض حسن وعشق، جام وسبو اور ساقی ومیخانہ کے حسین پھندوں میں پھنس کر وقتی تفریح کا ذریعہ بن کر انسان کے دلوں کے پردہ میں پوشیدہ ان فطری جذبات کی برانگیختگی کا سبب بن گئی، جس کی تکمیل کے لیے انسان حلال وحرام کی تمیز کھو بیٹھتا ہے، جبکہ شریعت نے اس کا ایک مخصوص نظام بنا رکھا ہے۔

مسلک حق اور ادب: آج اکثر شعراء اپنی شاعری کو اپنے ان مسلکوں کی ترجمانی کا ذریعہ بناتے ہیں، جس کی بنیاد قرآن وحدیث سے ماوراء ہے۔ چونکہ یہ میدان عوام کی دلچسپی اور ذہن ودماغ کی تفریح کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ ہم عام طور سے ملاحظہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس راہ میں مبتدعین ومشرکین اپنے غلط نظریات وعقائد کا پرچار اشعار کی شکل میں کرتے ہیں، جبکہ ہمارے فرزند طلبہ جن کی اصلاح وتربیت یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اندر ان کی ماتحتی میں ہوتی ہے لہٰذا ان کی چیزیں ہی

(باقی ص ۲۷ پر)

آیتِ انفاق پر تضمین

جناب شاکر گیاوی

اے مسلمان مالدارِ نیک خو ۔ مال تیرا ہو نہ تیرا ہی عدو

اس کے مصرف کی اگر ہے جستجو؟ ۔ پڑھ بغور و فکر اس آیت کو تو

لن تنالوا البر حتی تنفقوا

اے خدا کے دین کا مفتون دیکھ ۔ بعد اس کے بھی یہ اک مضمون دیکھ

جملۂ "مما تحبون" دیکھ ۔ با عمل ہو تاکہ ہو تو سرخرو

لن تنالوا البر حتی تنفقوا

تیری دولت کے بہت حقدار ہیں ۔ مفلس و بے مایہ و بیمار ہیں

صاحبِ حاجت اگر منظور ہیں ۔ اور فرمانِ خدا ہے روبرو

لَن تنالُوا البِرّ حتیٰ تُنفِقُوا

روز و شب اے صاحبِ مال و منال مستحقوں کا ہمہ دم رکھ خیال
اول اول ہیں ترے اہل و عیال جو تجھے کہتے ہیں گویا دو بدو

لن تنالوا البر حتی تنفقوا

باپ، ماں، بھائی بہن خالہ و خال رشتہ دار دادہال و نانہال
بھول کر سب کو نہ ہو تو بد مآل کہہ رہی ہے مجھ سے ان کی آرزو

لن تنالوا البر حتی تنفقوا

بیوہ و بیکس، یتیمِ کم نصیب بے نوا، ہمسایہ، مقروض غریب
کتنے ہی موجود ہیں تیرے قریب رکھ نظر اس پر بھی اے باآبرو!

لن تنالوا البر حتی تنفقوا

ہوں ترے دستِ سخاوت سے مزید علمی و دینی ادارے مستفید
دولتِ دنیا سے عقبیٰ کو خرید کیونکہ ہے حکمِ خدائے وحدہٗ

لن تنالوا البر حتی تنفقوا

فی سبیل اللہ کر دولت کو خرچ دے ضرورت مند بے ثروت کو خرچ
کر خدا بخشیدہ ہر نعمت کو خرچ اور کہہ دے مثلِ شاکرؔ کو بکو

لن تنالوا البر حتی تنفقوا

بھاگلپور میں تباہ حال لوگوں کی آبادکاری — عظیم قومی خدمت ہے

جمعیۃ اہل حدیث نے مکرم ڈیہہ اور جبار چک میں تعمیری کام شروع کر دیا۔

فساد زدہ بھاگلپور اور اس کے مضافات میں زندگی اب معمول کی طرف لوٹ رہی ہے، بسوں کے چلنے اور دوکانوں کے کھلنے سے بازاروں کی رونق بڑھی ہے، اسکول اور کالجوں کے کھلنے سے بھی لوگوں کا اعتماد رفتہ رفتہ بحال ہو رہا ہے، کسی بھی فساد زدہ علاقہ کا سب سے بڑا مسئلہ اس کو اشیاء ضروریہ کی سپلائی کا ہوتا ہے۔ بھاگلپور اب اس مرحلہ سے گزر چکا ہے فساد زدہ دیہاتی علاقوں میں بھی مزدوروں کو تیار فصل کی کٹائی کا وافر مقدار میں کام ملا ہے۔ جس کے نتیجے میں ان کے پاس غذائی اجناس کی تشویشناک قلت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب غذائی اجناس ریلیف میں لیجانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس وقت بھاگلپور کے فساد زدگان کی اپنے گھروں کو واپسی اور آبادکاری سب سے اہم اور ضروری مسئلہ ہے۔ پناہ گزین کیمپوں سے اب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا رہے ہیں۔ بعض مقامات پر لوگوں کی اپنے خاکستری مکانات میں واپسی ابھی تک ممکن نہیں ہو سکی ہے۔ کیونکہ مقامی غنڈے جنہوں نے لوٹ مار اور قتل و غارت گری میں بھرپور حصہ لیا ہے، واپس آکر اپنے گھروں میں آباد ہونے والے مسلمانوں کو خوفزدہ کرتے ہیں۔ مگر کوشش جاری ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی کوئی بہتر صورت نکل آئے گی۔ حکومت بہار کی طرف سے بار بار ریلیف کیمپوں میں پناہ گزینوں سے اپنے گھروں میں واپس جانے کو کہا جا رہا ہے۔ تاکہ حکومت کی طرف سے لٹے اور جلے ہوئے مکانات کا سروے جلد مکمل ہو۔ یہ بات خوش آیند ہے کہ حکومت کی طرف سے مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں پیسوں کی ادائیگی شروع ہو گئی ہے گو کہ وہ ہونے والے نقصانات کے مقابلہ میں حقیر ترین ہے۔ مگر سرکار سے جو بھی مل جائے غنیمت ہے۔ ایک ہفتہ قبل مدنی نگر چمپا نگر میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خود آئے۔

برباد شدہ پورا محلہ دیکھا اور کہا کہ سروے کا کام ہوگیا اب میں گھر گھر جاکر ہر شخص کو اس کے دروازہ پر رقم ادا کروں گا۔

جمعیۃ اہلحدیث کلکتہ کے اس نمائندہ وفد نے جو مولانا محمد سلیمان میرٹھی اور مولانا عبدالخالق ندوی پر مشتمل تھا جس نے ۲۶ر نومبر سے فساد زدہ علاقوں اور پناہ گزین کیمپوں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ طے کیا تھا کہ فی الحال خانما برباد لوگوں کی آبادکاری سب سے زیادہ ضروری ہے ۔ حالات نے ثابت کردیا وہ نتیجہ ضرورت کا صحیح احساس تھا۔ چنانچہ جمعیۃ اہلحدیث کلکتہ کی طرف سے راحت رسانی کے کاموں کے ساتھ اس کام کی طرف بھی بھرپور توجہ دی جاتی رہی ہے ۔ پہلے مرحلہ میں ساٹھ ہزار روپے کی رقم ریلیف کے طور پر ضرورت مندوں میں تقسیم کی گئی ۔ دوسرے مرحلہ میں پندرہ سو کمبل ایک ہزار لنگی، پانچ سو بلاؤز، پانچ سو ساڑی، پانچ سو بیبی کوٹ اور معتدبہ تعداد میں اچھی حالت کے استعمالی کپڑے پہنچائے گئے ۔ پچاس ہزار کی نقد رقم اس سے سوا تھی ۔ کام کرنے والوں کی ٹیم ناسازگار حالت اور دشوار گزار راستوں سے گزر کر دور افتادہ مسلم مواضعات میں پہنچ کر گھر گھر سامان تقسیم کرتی رہی ۔ حسب ضرورت نقد رقم سے بھی لوگوں کی اعانت کی گئی۔ شاہ کنڈ تھانہ کے مشہور مقام گورا میں سب سے پہلے جمعیۃ اہلحدیث کے ورکروں نے دو سو کمبل ایک سو لنگی ، ایک سو ساڑی اور ایک ایک سو بلاؤز اور بیبی کوٹ پہنچائے ۔ یہ علاقہ بھاگلپور سے دور اور غیر مسلم آبادی سے گھرا ہوا ہے ۔ یہاں کی مسلم آبادی آٹھ سو افراد پر مشتمل ہے ۔ غریب طبقہ کے لوگ آباد ہیں ۔ اکثر لوگ تلاشِ معاش کی خاطر پردیس میں رہتے ہیں ۔ یہاں ایک مسجد اور پرائمری اسکول ہے ۔ اسکول تو ۱۰۵ مکانات کے ساتھ جلاکر راکھ کردیا گیا ۔ مسجد چونکہ مستحکم عمارت پر مشتمل تھی اس لیے اس کی دیواروں میں باہری طرف آدھے آدھے فٹ کے سوراخ کرکے اس میں بارود بھرا گیا اور مسجد کو ڈائنامیٹ کے ذریعہ اڑانے کی کوشش کی گئی ، مگر معجزانہ طور پر مسجد برباد ہونے سے بچ گئی ۔ فسادی عناصر کی خباثت باطنی کی اس سے بدترین مثال اور کیا ہوگی کہ پوری بستی کے نل اکھاڑ لیے گئے اور کنویں میں اس قدر غلاظت ڈال دی گئی کہ اس کا پانی ناقابل استعمال ہوگیا ۔ جمعیۃ اہلحدیث کے وفد نے راحت رسانی کے مذکورہ سامان کے علاوہ یہاں پانچ ہینڈ پمپ لگوانے کا بھی انتظام کیا ، اور یہ ذمہ داری جناب سورج بنس سنگھ، اشیش سنگھ اور دیپک سنگھ برادران کے سر ڈالی ۔ یہ حضرات جو گورا سے ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر لب سڑک واقع پنج رخی میں رہتے ہیں ۔ مشہور زمیندار اور بڑے انسان نواز لوگ ہیں ۔ اس فساد میں کتنے ہی مسلمانوں کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور اپنے ہتھیاروں سے ان کی حفاظت کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے حضرات کا وجود ہمارا وہ قومی اثاثہ ہے جس کے بعد ملک کو مفلس اور قلاش ہی سمجھنا چاہیے ۔ ہم نے اپنے ذرائع سے گورا جانے کی کوشش کی اور کئی دنوں کی شبانہ روز جد وجہد کے بعد ہم اس میں کامیاب ہوئے ، ہمیں بتایا گیا کہ گورا جانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ پنج رخی ہے جو

پوری غیر مسلم آبادی ہے۔ اگر دیپک سنگھ وغیرہ سے رابطہ قائم ہوجائے تو منزل مقصود تک پہونچنا ممکن ہے۔ اللہ کے بھروسہ پہ ہم روانہ ہوئے اور دیپک سنگھ کے وسیع وعریض مکان کے کمپاؤنڈ میں جب ہم داخل ہوئے تو ایک دراز قد نوجوان مسکراتے ہوئے استقبالیہ انداز میں ہماری طرف بڑھا۔ ہم نے گورا کا راستہ معلوم کیا تو نوجوان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ابھی تو آپ آئے ہیں، بیٹھیے، پانی پیجیے، پھر آپ کو گورا بھی بھجوا دیا جائے گا۔ ابھی یہ گفتگو ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ دو آدمی ادھیڑ عمر کے ہماری طرف اندر کے کمروں سے لپکتے ہوئے آئے اور ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ معلوم ہوا یہ سورج جس سنگھ اور آشیش سنگھ ہیں۔ ہم نے ان حضرات کی جس قدر تعریف سنی تھی اس سے سوا پایا۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات بلیا کے رہنے والے اور ایک عرصہ سے یہیں آباد ہیں۔ ان کے والد نے بھی ۱۹۴۶ء کی ہڑ بونگ میں بہت سے مسلمانوں کو اپنے گھر رکھ کر ان کی حفاظت کی تھی۔

رسول پور تھانہ رجون میں واقع ہے جو بھاگلپور سے تیس کلو میٹر دور ہے، یہاں ۶۵ گھر اور افراد کی تعداد چھ سو کے لگ بھگ ہے۔ بونسی روڈ سے کٹ کر اس کا راستہ دشوار گزار ہونے کے ساتھ خطرناک بھی ہے۔ یہاں بھی دو سو کمبل ایک ایک سو ساڑی، بلاؤز، پیٹی کوٹ اور لنگیاں پہونچائی گئیں۔ اس پوری بستی میں ایک گھر بھی سلامت نہیں۔ مسجد جو سہ گنبد والی مستحکم عمارت پر مشتمل تھی۔ اس کی گنبد توڑ کر زمیں بوس کر دیا گیا، اب صرف مسجد کی دیواریں ٹوٹی پھوٹی دیواریں باقی ہیں۔ بری طرح آگ زنی کے نشانات نمایاں ہیں۔ مدرسہ کا ایک حصہ بچ گیا ہے۔ جس میں بستی کے سارے لوگ ریلیف کیمپ سے واپسی کے بعد پناہ گزیں ہیں۔ لوگوں کی حالت بڑی خستہ ہے۔ ہم سے قبل کسی قسم کی کوئی ریلیف کہیں سے نہیں پہنچی تھی۔ یہ ریلیف ٹیم جس وقت وہاں پہنچی تو لوگوں کے چہرے مارے خوشی کے کھل اٹھے۔ سامان دیکر رخصت ہونا چاہا تو لوگوں کا اصرار ہوا کہ اس سامان کو اپنے ہاتھوں تقسیم کر دیجیے۔ مولانا محمد سلیمان میرٹھی نے جب سامان تقسیم کرنا شروع کیا تو کچھ غیر مسلم عورتیں بھی مسلمان عورتوں کے پیچھے آکر کھڑی ہوگئیں۔ اتفاقاً اسی وقت ڈی ایس پی صاحب ۱۰ - ۱۵ بی ایم پی کے جوانوں کے ساتھ وہاں تشریف لائے اور پیچھے آکر کھڑے ہوگئے۔ شوروغل کی وجہ سے مولانا کو ان کی آمد کی کوئی خبر نہ ہوسکی۔ مولانا میرٹھی نے جب کھڑی ہوئی غیر مسلم عورتوں کو بھی کمبل دینا چاہا تو لوگوں نے کہا کہ یہ غیر ہیں، یہ ہندو ہیں، انھیں نہ دیجیے! مولانا نے جواب دیا کہ یہ بھی اپنے ہیں، ہماری بہنیں ہیں، انھیں بھی کپڑے کی ضرورت ہے اور امید کی بنیاد پر یہاں آئی ہیں لہذا انھیں ضرور دیا جائے گا۔ چنانچہ انھیں بھی سامان دیا گیا۔ ڈی ایس پی صاحب اس منظر کو دیکھ کر بڑے متاثر ہوئے ریلیف کے تقسیم کے بعد بڑے تپاک سے ملے اور دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ تفصیلات سن کر خوش ہوئے اور پوچھا آپ اب کہاں جائیں گے۔ مولانا نے فرمایا، مکرم ڈیہہ تیرہ میل جائیں گے، جہاں جمعیۃ اہلحدیث کی طرف سے تعمیری کام

شروع ہو چکا ہے۔ ڈی ایس پی صاحب نے کہا کہ ہم آپ کو کرم ڈیہہ تک چھوڑ کر آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہم نے محسوس کیا کہ اسلامی اخلاق کا اظہار اس وقت نمایاں طور پر کرنا نہایت ضروری ہے، اور یقیناً اس کے اچھے اثرات برآمد ہوتے ہیں۔

یوں تو جمعیۃ اہلحدیث کلکتہ کی ریلیف کمیٹی ایک مہینہ پہلے ہی سے تباہ شدہ بستیوں کی تعمیر کے لیے کوشاں تھی اور ایک ٹرک بانس کی خریداری بھی انجام پا چکی تھی۔ مگر اس کام میں تاخیر صرف اس وجہ سے ہوئی کہ کہیں ہمارے تعمیری کاموں کی وجہ سے غریب بے چارے گورنمنٹ کے معاوضہ سے محروم نہ ہو جائیں۔ اس سلسلے میں ہم جماعت اسلامی کے دفتر گئے مگر ہمیں کوئی مناسب اور تشفی بخش جواب نہیں دیا گیا۔ آخر کار ہم نے مرکزی ریلیف رابطہ کمیٹی کے صدر جناب عزیز الدین عرف مانی بابو سے ملاقات کی۔ بلاشبہ مانی بابو کا وجود بھاگلپور کے فساد زدہ اور پریشان حال مسلمانوں کے لیے اللہ کی بڑی رحمت ہے، وہ اس وقت قومی مسیحا کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ موصوف کے سامنے جب ہم نے اپنی تجویز رکھی اور کہا کہ ہمارے پاس تمام سامان موجود ہے۔ آپ سے مشورہ کے بعد اجازت کے طلبگار ہیں۔ ہم فی الفور کام کرنا شروع کر دیں گے تاکہ سردی کی شدت سے بچاؤ کا ممکنہ انتظام جلد از جلد ہو جائے۔ موصوف نے کمیٹی کے ممبران سے مشورہ کر کے ہمیں کرم ڈیہہ، جبار چک اور جکیر تین بستیوں میں کام کرنے کی اجازت دیدی۔ موصوف نے یہ بھی کہا کہ تعمیری کام میں آپ حضرات سب پر سبقت لے گئے۔ کیونکہ آپ کا کام سب سے پہلے شروع ہو رہا ہے۔ بہر حال جمعیۃ اہلحدیث کی طرف سے ان بستیوں میں تعمیر کا کام شروع ہو چکا ہے اور مستقل طور پر ایک سرگرم ٹیم وہیں قیام پذیر ہے جو کاموں کی نگرانی کر رہی ہے۔ ان تینوں بستیوں میں تقریباً دو سو پچیس مکانات ہیں جو فوری طور پر بنائے جا رہے ہیں۔

جمعیۃ اہلحدیث کلکتہ کی ریلیف کمیٹی حالات کا گہرا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہونچی ہے کہ ہزار ہا تباہ حال لوگ ایسا جو کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں، جس قدر ممکن ہو ان لوگوں کو برسرکار لگایا جائے۔ لہذا اسحاق چک میں کئی دن صرف کرنے کے بعد ایسے لوگوں کی فہرست تیار کی گئی جو چھوٹا موٹا دھندا کر کے حسب سابق اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ سبزی فروش اور پھل فروشوں کے لیے ترازو باٹ کا پورا سیٹ ایک کلو سے لے کر ایک سو گرام تک کا فراہم کیا گیا اور پونجی کے طور پر نقد روپے دینے کے بجائے ان کو سودا خرید کر دیا گیا تاکہ لوگ اپنے کام سے جلد لگ سکیں۔ اسی طرح اسی محلے کے ۲۵ راج مستری کو ۲۵ دو کرنی، یسولی اور ساہول وغیرہ فراہم کیا گیا، جس کے بغیر ان کا کام نہیں چل سکتا۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ بھی اپنے کام سے لگ رہے ہیں۔

جمعیۃ اہلحدیث اپنے محدود وسائل کے باوجود یہ تمام کام انجام دے رہی ہے جو وقت کا اہم ترین تقاضا ہے، ضرورت کے تحت جمعیۃ اہلحدیث کا ایک دفتر مجاہد پورہ ویسٹ میں مشہور سماجی ورکر جناب جمیل اختر صاحب چمڑا والے کے مکان میں قائم کردیا گیا ہے جہاں نئے براہ راست بھی "رابطہ قائم" کیا جاسکتا ہے، فون کچھ دور ہے مگر اطلاع مل جاتی ہے جس کا نمبر یہ ہے :
21367 - یہ فون حاجی محمد عباس صاحب مشہور ریشمی کپڑوں کے تاجر کا ہے۔ بھاگلپور کا پن کوڈ نمبر 0641 ہے۔

بھاگلپور کا فساد جو منصوبہ بند طریقے سے مسلمانوں کی نسل کشی کے انداز پر شروع کیا گیا تھا، آج اس کی سنگینی سات سو پچاس کلومیٹر مربع سے زیادہ کے رقبہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی زد سیکڑوں مواضعات پر پڑی ہے جو آج راکھ کا ڈھیر ہیں۔
آج بھاگلپور کا چپہ چپہ اس ظلم و تشدد اور بربریت کی شہادت دے رہا ہے جو ۲۲ر اکتوبر سے شروع ہوکر کم و بیش ۱۵ر نومبر تک جاری رہا۔ مذہب کے نام پر جس طرح فسطائی تنظیموں نے یہاں عوامی جذبات بھڑکائے اور قتل و غارت گری کرائی وہ ہندوستان کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ بہار ملٹری پولیس (B.M.P) نے جس طرح مسلمانوں کا قتل عام کیا، اس کی آزاد ہندوستان میں کوئی مثال نہیں۔ بھاگلپور کے ایس پی ترویدی جو اس سارے فساد کے سب سے بڑے ذمہ دار ہیں، انھوں نے ثابت کردیا کہ ایڈمنسٹریشن کس طرح آناً فاناً ایک مقامی معاملہ کو ساڑھے سات سو کلومیٹر کے رقبہ میں پھیلا سکتا ہے۔ آج بھاگلپور سیکولرزم کے علمبرداروں، جمہوریت کی بقا اور اس کے استحکام کی خاطر گلا پھاڑ کر چیخنے والوں سے سوال کر رہا ہے کہ ہندوستان میں اب کون سی جمہوریت ہے؟ اور تم کس جمہوریت کی بات کرتے ہو؟ کیا اسی کا نام جمہوریت ہے کہ ملٹری پولیس جو شہریوں کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے وہ اپنے ہی شہریوں کا قتل عام کرے جیسا کہ چندیری میں ہوا؟ کیا اسی کا نام جمہوریت ہے کہ مذہبی اختلاف کی بنا پر بوڑھے بچے جوان مرد عورت کا قتل عام کرکے کھیتوں میں ان کو دفن کردیا جائے اور ان پر ہل چلادیے جائیں جیسا کہ لوگائیں میں ہوا؟ کیا اسی کو جمہوریت کہتے ہیں؟ کہ گوبھی اور بیگن کی کاشت کے لیے انسانی گوشت پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچوں سے کھاد فراہم کیا جائے۔ آج بھاگلپور کے خانما برباد مسلمان اس سیکولرزم کے لیے چیلنج ہیں، جس کا ڈنکا پیٹا جا رہا ہے۔ آج مسلمانوں کی جلی ہوئی بستیاں اپنے مکینوں کی منتظر ہیں، مگر وہ اپنے ہی مکانات میں آنے سے خائف ہیں۔ کون ہے جو جمہور کو اس کا جمہوری حق دلائے آگے بڑھ کر جو بھی جمہوری تقاضوں کو پورا کرے اسی کو ہندوستانی قوم کا سلام ہے اور وہی سچا جمہوریت کا علمبردار ہے۔

•••

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس
کے جدید عہدیداران کا انتخاب

مورخہ ۳ر شعبان ۱۴۱۱ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۹۱ء بروز پنجشنبہ جامعہ کے دارالضیافہ ہال میں جامعہ کی مجلس منتظمہ کا باضابطہ اجتماع منعقد ہوا، جس میں باتفاق آراء جامعہ کے درج ذیل عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا:

۱۔ علامہ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ :	صدر
۲۔ مولانا محمد یحییٰ عبدالمبین صاحب	نائب صدر
۳۔ مولانا عبدالقدوس عبدالصمد صاحب	〃
۴۔ مولانا مختار احمد ندوی صاحب	〃
۵۔ مولانا شاہد جنید صاحب	ناظم اعلیٰ
۶۔ الحاج محمد سالم صاحب	نائب ناظم
۷۔ مولوی عبداللہ سعود صاحب	〃
۸۔ الحاج محمد یونس صاحب	خازن

اجتماع کے آغاز میں حاضرین نے مرحوم ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ اور نائب صدر الحاج محمد صدیق رحمہ اللہ کی طرف سے جامعہ کو حاصل ہونے والی طویل و گرانقدر خدمات پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے لیے اور اس عرصہ میں اللہ کو پیارے ہونے والی دیگر ملی و جماعتی شخصیات کے لیے مغفرت و رحمت کی اور ان کے پسماندگان کے لیے صبر و سکون کی دعا فرمائی۔

مرحومین کے لیے دعاءِ مغفرت کے بعد اراکین کے سامنے جامعہ کے تعلیمی، تصنیفی اور تبلیغی شعبوں کی مختصر کارگزاری پیش کی گئی، جس پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے حاضرین نے زور دیا کہ جامعہ کے دائرۂ عمل کو مزید وسیع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مختلف ملی و جماعتی ضرورتوں کو بخوبی پورا کیا جاسکے۔

مبارکپور، دہلی، گونڈہ اور آگرہ سے آئے ہوئے اعیان جماعت کے علاوہ شہر بنارس کے میئر الحاج محمد صالح انصاری صاحب مدظلہ اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اس اجتماع میں شریک ہوئے اور تعلیمی معیار کو مزید مضبوط بنانے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے رہنمائی فرمائی کہ دارالاقامہ کے رہائشی معیار اور طلبہ کی اخلاقی تربیت پر بجد توجہ کی ضرورت ہے تاکہ اس عظیم مرکزی درسگاہ سے ملت و جماعت کو جو امیدیں وابستہ ہیں وہ پوری ہوسکیں۔

اختتام پر شرکاءِ مجلس نے جدید عہدیداران اور بالخصوص ناظم اعلیٰ جناب مولانا شاہد جنید صاحب کے لیے نیک تمناؤں اور دلی مبارکباد کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ ان کے خلوص، محنت اور قربانیوں سے جامعہ کو مزید ترقی حاصل ہو اور اس کی سرگرمیوں سے ملک و ملت اور جماعت اہلحدیث کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کے

ناظم اعلیٰ کا مختصر تعارف

مورخہ ۳ رشعبان ۱۴۱۰ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۹۰ء کو جامعہ کی مجلس منتظمہ نے باتفاق آراء جناب مولانا شاہد جنید صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کو جامعہ کا ناظم اعلیٰ منتخب کیا ہے۔ موصوف ایک ذہین عالم دین، سلیم الطبع نوجوان اور سنجیدہ اندازِ فکر کے حامل باوقار انسان ہیں۔

آپ کا خاندان جماعتی و ملی خدمات کے لیے معروف ہے، آپ کے والدِ محترم الحاج محمد فاروق رحمہ اللہ جماعت کے بیحد مخلص رکن اور علماء کے بڑے قدرداں تھے، ان کی فیاضی و دریادلی کے بڑے بڑے واقعات مشہور ہیں، انھوں نے جماعت کے

وقار کو بلند کرنے کے لیے کبھی پیسے کا منہ نہ دیکھا، اور اپنی دولت خرچ کرکے جماعت کے افراد کو حوصلہ عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو ان کی خدمات کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا شاہد جنید صاحب، الحاج محمد فاروق رحمہ اللہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے اور شہر کے مشہور الحاج محمد صالح انصاری، الحاج محمد سالم اور جناب محمد شعیب صاحبان کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ نے جامعہ رحمانیہ میں تعلیم کا آغاز کیا اور ۱۹۷۲ء میں جامعہ سلفیہ سے فراغت حاصل کی۔ دورانِ تعلیم ہمیشہ جامعہ کے جملہ طلبہ کے مابین آپ کو امتیازی حیثیت حاصل رہی، ہر سال آپ کے نمبرات سب سے زیادہ رہتے تھے اور آپ کو جامعہ میں پہلی پوزیشن حاصل ہوتی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے عرب شیوخ تدریس کے لیے جامعہ سلفیہ آیا کرتے تھے۔ آپ کی ذہانت اور تعلیم کے شوق کے پیش نظر عرب شیوخ کا اصرار تھا کہ آپ جامعہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کریں، لیکن بعض مجبوریوں کے باعث ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔

صاحب ثروت گھرانوں کا دین سے تعلق اور بچوں کے لیے دینی تعلیم کا اہتمام اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، مولانا شاہد جنید صاحب اسی فضل الٰہی سے بہرہ ور تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں دینی تعلیم کے میدان میں امتیاز وتفوق سے نوازا۔ پھر اس راہ میں ان کی والدۂ محترمہ کی تربیت اور شفیق بھائیوں کی رہنمائی وتوجہ ان کی معاون بنی۔ آپ کی والدہ محترمہ دینی موضوعات پر جیسی موثر اور رقت انگیز تقریر کر لیتی ہیں اس کی مثال بہت کم ملے گی۔ دین سے ان کے غیر معمولی شغف اور ان کی دعاہائے نیم شبی کا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں یہ ثمرہ عطا فرمایا ہے کہ جماعت اہل حدیث کی سب سے عظیم مرکزی درسگاہ کی نظامت کے لیے ان کے لخت جگر کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔

جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد محترم شاہد جنید صاحب نے بنیادی طور پر اپنی تجارت پر توجہ مرکوز کی، لیکن ساتھ ہی آپ نے اسلامی موضوعات کی مشہور کتابوں کے مطالعہ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ سلفی فکر کے نامور علماء کی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ رہتی ہیں، جس کے نتیجہ میں مسائل پر آپ کی نظر ہے۔

جماعتی و دینی کاموں میں تعاون کا جذبہ آپ کو والد مرحوم سے ورثہ میں ملا ہے۔ بنارس اور بنارس سے باہر بہت سے دینی وعلمی منصوبوں کی آپ نے سرپرستی فرمائی ہے اور ضرورت کے مطابق جماعت کو سہارا دیا ہے۔

جامعہ کے سابق ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ بڑے مردم شناس اور صاحب نظر انسان تھے۔ جامعہ کے مستقبل کا ان کو ہمیشہ خیال رہتا تھا، انھوں نے اپنی بصیرت اور دور رسی کی بنیاد پر منصب نظامت کے لیے محترم شاہد جنید صاحب

کی اہلیت و موزونیت کا تذکرہ جامعہ کے ذمہ داروں سے کیا تھا۔ جامعہ کے اراکین نے موصوف کو ناظم اعلیٰ منتخب کرکے ایک طرف اپنی بصیرت و موقع شناسی کا ثبوت دیا ہے تو دوسری طرف سابق ناظم اعلیٰ کی تمنا پوری کرکے ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کے اراکین کو اس اقدام پر اجر جزیل عطا فرمائے اور جامعہ کی نئی قیادت کو عزم و حوصلہ اور ہمت و بصیرت سے کام لینے کی توفیق بخشے تاکہ جماعت کا یہ عظیم مرکزی ادارہ دینی علوم اور مسلک سلف صالح کی صحیح خدمت انجام دے سکے۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ وصلی اللہ علیٰ رسولہ الکریم، والحمد للہ رب العالمین۔ •••

محدث کے خریدار حضرات سے گزارش ہے کہ ادارے سے خط وکتابت کرتے وقت صاف حروف میں اپنا نام اور مکمل پتہ ضرور تحریر کریں، پن کوڈ کا خیال رکھیں اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں۔ بہت سے ایسے خطوط جن میں مندرجہ بالا باتوں کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا، جواب اور حکم کی تعمیل سے محروم رہ جاتے ہیں۔
(ادارہ)

ماھنامہ محدّث بنارس

شمارہ نمبر ۵ • مئی ۱۹۹۰ء • شوال ۱۴۱۰ھ • جلد ۸

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ:
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۴/۱ جی ریوڑی تالاب وارانسی
۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک
سالانہ ۳۰ روپئے • فی پرچہ تین روپئے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

اس شمارے میں

....

درسِ قرآن

استعانت بالصبر والصلاۃ

واستعینوا بالصبر والصلاۃ، وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین الذین یظنون أنھم ملٰقوا ربّھم وأنھم إلیہ راجعون (سورۃ بقرۃ: ۴۴-۴۵)

صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو، بیشک یہ نماز بہت گراں اور بھاری ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے یہ بھاری نہیں ہے، جو اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مولی کے حضور پیش کئے جائیں گے، اور ان کے امور و معاملات رب کی مشیت کے طابع ہوں گے۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اہلِ ایمان کو صبر و صلاۃ کے ساتھ استعانت کا حکم دیا ہے، سورہ فاتحہ میں "ایاک نعبد وایاک نستعین" سے جس عبادت و استعانت کا حکم دیا گیا ہے، دوسری آیات میں صبر و استعانت وغیرہ سے اسکی تشریح و تائید فرمائی گئی ہے،

زیرِ نظر آیت میں اللہ تعالی اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ دنیا و آخرت کی متوقع خیرات و حسنات کے حصول کیلئے صبر و صلاۃ کے ساتھ مدد مانگیں، مقاتل بن حیان نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے کہ فرائض اور صلاۃ پر صبر کرکے طلب آخرت سے تعاون حاصل کرو۔

صبر کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، بعض اہلِ علم کے یہاں اس سے مراد روزہ ہے۔ ایک حدیث میں صبر کو نصف ایمان بھی کہا گیا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ صبر سے مراد معاصی سے رک جانا ہے، اسی وجہ سے اس کا ذکر عبادات کی ادائیگی کے ساتھ وارد ہوا ہے اور نماز سب سے اعلیٰ و برتر عبادت ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ صبر دو طرح کا ہوتا ہے، مصیبت کے وقت صبر بہتر بات ہے اور اس سے بہتر اللہ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان سے صبر یعنی رک جانا ہے۔

آیت میں صبر کے بعد صلاۃ سے استعانت کا حکم ہے، درحقیقت نماز حق پر استقامت کی راہ میں سب سے بڑی

معاون چیز ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اتل ما أوحي إليك من الكتاب، وأقم الصلوٰة تنهى عن الفحشاء والمنكر، ولذكر الله أكبر۔

نماز کی فضیلت ومنقبت اور اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی مشکل گھڑی آتی تو آپ فوراً سربسجود ہو جاتے۔

نماز آپ کے سچے مسلمانوں کا محبوب مشغلہ ہے، ان کی دلچسپی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ایک نماز پڑھ کر جب وہ مسجد سے باہر آتے ہیں تو اگلی نماز میں حاضری کے لئے ان کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے کہ کب مؤذن حیّ علی الصلوٰۃ، وحیّ علی الفلاح کا اعلان کرے اور نمازی مناجات باری تعالیٰ کے لئے مسجد کی طرف قدم بڑھائے۔

نماز کلمۂ اسلام یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اقرار وتسلیم اور دل وزبان سے کی شہادت کے بعد سب سے اہم رکن ہے، جس کی اہمیت وفرضیت اور رکنیت پر کتاب وسنت میں بیشمار دلائل وبراہین موجود ہیں۔

قیامت کے دن سب سے پہلے اسی فریضہ کے بارے میں سوال ہوگا، اسکی اہمیت وعظمت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فرض کی گئی اور اس کے ضائع کرنے والے یا اس سے غفلت وسستی اور اعراض کرنے والے اور اس کے تارکین کو عذاب کی دھمکی دی گئی۔ ترک الصلوٰۃ کو کفر وشرک کہا گیا اور اسے شرک کے بعد کا سب سے بڑا کبیرہ گناہ قرار دیا گیا، محققین اہل علم نے ہر زمانہ میں تارک صلوٰۃ کی تکفیر کی کیونکہ کتاب وسنت کے نصوص صریحہ کا مدعیٰ وتقاضا یہی ہے، اور یہ کہ نماز کو پڑھنا پڑھانا، اس کی پابندی، اس کا احترام تمام مسلمانوں کا اجماعی واتفاقی مسئلہ ہر زمانہ میں رہا ہے، اہل علم نے اس پر مستقل کتابیں تحریر فرمائیں، اور کتب حدیث وتفسیر میں اس کے ہر پہلو کو اجاگر کیا، لیکن افسوس صد افسوس مسلمانوں کی حرماں نصیبی اور بے توفیقی پر کہ آج ہوش ربا طور پر مسلمان اپنے رب کو بھول چکا ہے، مساجد نوحہ کناں ہیں، نماز اور مسجد کا کام ملا کے معذور اور درماندہ لوگوں کا ہو کر رہ گیا ہے، جب کہ اسلام مسلم معاشرہ کے ہر فرد سے اس فریضہ کی پنجوقتہ ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے، سات سال کے بچہ کے نماز پڑھنے کا حکم احادیث میں صراحت سے موجود ہے، بچہ جب دس سال کا ہو جائے اور پابندی نہ کرے تو اس کو زدو کوب کرنے کا حکم بھی موجود ہے، تاکہ بچہ بچپن سے اس فریضہ کا عادی ہو جائے اور جوانی کی سرحد میں داخل ہوتے ہی نماز اس کی زندگی کا لازمہ بن جائے، دین کے نام پر شور وہنگامہ اور طرح طرح کی خود ساختہ شریعتوں نے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے، مسلم معاشرہ فساد کے جس مقام پر پہنچ چکا ہے، اس کا تیر بہدف نسخہ نماز ہے اور صرف نماز، اللہ رب العزت کا فرمان ہے: إن الصلوٰة تنهى عن الفحشاء والمنكر۔

فهل من مدكر۔

(ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی)

درس حدیث

دین میں تفقہ وبصیرت کی ضرورت واہمیت

من یرد اللہ بہٖ خیراً یفقھہ فی الدین، وانما أنا قاسم واللہ یعطی ولن تزال ھٰذہ الامۃ قائمۃ علی امر اللہ لایضرھم من خالفھم حتی یاتی امر اللہ ۔ (صحیح بخاری)

خلیفۃ المسلمین کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ رب العزت جس شخص کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین میں تفقہ وبصیرت کی نعمت سے بہرہ ور کرتا ہے ۔ میں تو صرف قاسم (بانٹنے والا) ہوں، دینے والا تو صرف اللہ رب العزت ہے ، اور یہ کہ اس امت کا ایک گروہ اللہ کے دین اور شریعت پر جاری رہے گا، جن کا ان کے مخالف بال بیکا نہیں کرسکتے حتی کہ قرب قیامت مومنین کی روحیں قبض کرلی جائیں گی اور قیامت آجائے ۔

مذکورہ فرمان نبوی میں تین اہم امور پر روشنی ڈالی گئی ہے : دین میں تفقہ وبصیرت کی فضیلت اور یہ کہ حقیقت میں دینے والا اور عطا کرنے والا صرف اللہ رب العزت ہے ۔ تیسری بات یہ کہ امت میں سے اہل حق کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہے گا۔

حدیث شریف کے آخری الفاظ یہ ہیں : " حتی یاتی امر اللہ " یہاں امر اللہ سے مراد وہ ہوا ہے جو ہر شخص کی روح قبض کرے گی جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، اس کے بعد شریر اور بدقماش لوگ زندہ بچیں گے جن پر قیامت آجائے گی ۔

تفقہ فی الدین میں جو بھلائی اور خیر موجود ہے، اخذ واکتساب سے حاصل ہونے والی چیز نہیں ہے ، بلکہ یہ عطیۂ ربانی ہے جسے چاہے عنایت فرمائے ۔ اس طرح کے فقہاء وعلماء اسلام کی تاریخ میں ناپید نہیں رہے بلکہ بفضلہ تعالیٰ اہل حق کا یہ گروہ ہر زمانہ میں پایا گیا اور یہ قافلۂ سخت جان آئندہ بھی تاریخ اسلام کا درخشندہ

باب ہوگا۔

اس مقدس گروہ کی تعیین کے بارے میں امام بخاری بالجزم یہ فرماتے ہیں کہ یہ طالبان علوم نبوت ہیں، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ اہل حدیث نہیں تو مجھے نہیں معلوم کہ یہ کون سے لوگ ہیں۔ بقول قاضی عیاض امام احمد کی اس سے مراد اہل سنت اور اہل حدیث کے مذہب کے معتقد لوگوں کا گروہ ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ طائفہ مختلف انواع کے مومنین سے ہو جو اللہ کے حکم وامر اور شریعت کا عامل اور اس کا محافظ ہو، یعنی ان میں سے کوئی مجاہد ہو، کوئی فقیہ ہو، کوئی محدث ہو اور کوئی زاہد، اور کوئی آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر، اور ان کا ایک جگہ اکٹھا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ متفرق بھی ہو سکتے ہیں۔

اس مفہوم کے بہت سے اقوال سلف سے منقول ہیں، فتح الباری کتاب الاعتصام میں بھی اس طرح کے متعدد نقول ہیں۔

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جس نے دین میں تفقہ وبصیرت نہیں حاصل کی یعنی اصول وقواعد اسلام اور اس کے فروع کا علم حاصل نہیں کیا وہ خیر سے محروم ہوگیا۔

ایک حدیث میں جس کی سند ضعیف ہے لیکن وہ معنیً صحیح ہے: آیا ہے کہ جس شخص نے دین میں تفقہ وبصیرت نہیں حاصل کی، اللہ کو اس کی پروا نہیں ہے۔ اس کا مفہوم اس واسطے صحیح ہے کہ جس نے اپنے دین کے امور ومعاملات اور مسائل سے واقفیت نہیں حاصل کی وہ نہ تو فقیہ ہوگا اور نہ طالب فقہ، پس ایسے آدمی کے بارے میں یہ وصف صحیح ہوگا کہ اس کے لیے خیر وبھلائی کا مقصد وارادہ ہی نہیں کیا گیا ہے۔

اس حدیث سے علماء دین کی دوسرے لوگوں پر فضیلت و برتری ظاہر ہے اور اس طرح سے تفقہ فی الدین کی دوسرے علوم پر فضیلت و برتری بھی عیاں ہے۔

آج علم دین مسلمانوں کی اکثریت کے یہاں سب سے فرسودہ شئی سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے حفاظ سے لے کر دستار فضیلت باندھنے والے علماء دین کے بارے میں طرح طرح کے افکار وخیالات فاسدہ موجود ہیں۔

خود دینی تعلیم و تربیت کی دانش گاہوں میں حالات و زمانہ کے زبردست دباؤ اور ملحدین و زنادقہ

اور انگریزی استعمار، مشنریوں اور عیسائی و یہودی، صلیبی و صیہونی، ماسونی اور استشراقی پروپیگنڈے کے باعث جو احساس کمتری کا ماحول پایا جاتا ہے وہ نہایت ہی افسوسناک ہے۔
کتاب وسنت اور آثار سلف میں اس کے برعکس کتاب وسنت کے خدام کا جو مقام ومرتبہ ہے وہ رشکِ ملائک ہے۔
علم کی فضیلت و برتری اور علماء کے فضائل ومناقب پر بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ دینی اور اسلامی علوم کو موجودہ مسلمانوں کے یہاں ثانوی حیثیت دے رکھی ہے، اس لئے مسجد منبر ومحراب اور دینی وعربی مدارس وجامعات کے زیر سایہ رہنے والے طبقہ کو بھی ثانوی حیثیت حاصل ہے
غیر اسلامی اور طاغوتی طاقتیں تو علوم اسلامیہ اور اس کے خدام کو ان کا حقیقی اور اصلی مقام دینے سے رہیں، خود مسلمانوں کے یہاں یہ احساس ہونا چاہیے اور ضروری ہے کہ اجتماعی طور پر ملت اسلامیہ کے افراد اپنا نقطۂ نظر بدلیں اور غیرت وحمیت کے ساتھ اہل اسلام علوم کتاب وسنت کو پڑھیں پڑھائیں اور اہلِ علم کی سرپرستی کریں اور اس کے ذریعہ سے دین میں تفقہ وبصیرت پیدا کریں۔ اوپر کی سطور میں آپ نے تفقہ وبصیرت کی اہمیت بزبان رسالت ملاحظہ فرمائی۔
کیا ہم خیر امت کے لقب کے اس وقت تک اہل ہو سکتے ہیں جب تک ہم اپنے نقطۂ نظر میں تبدیلی نہ لائیں اور دینی علوم واسلام اور اس سے منسلک طبقہ کو وہ مقام نہ دیں جو مقام اس کو خود اسلام نے عطا کیا ہے۔ حتیٰ کہ طالبان علوم نبوت کو وارثان انبیاء کا خطاب ملا ہے اور قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس سے منسلک لوگوں کو سب سے بہتر انسان بتایا گیا ہے۔
عام مسلمانوں کے لیے قابل غور چیز یہ ہے کہ اس عارضی زندگی کو سنوارنے کے لیے وہ اپنے کو ہمہ تن مشغول کیے ہوئے ہیں اور دنیا کمانے کے لیے ہر ممکن وسیلہ کو اپنانے اور اس کے لیے تگ ودو میں ان سے کسی طرح کی تقصیر واقع نہیں ہوتی، ہر طرح کی مشکلات کے حل کے لیے ان کے پاس وسائل ہیں، جن کو وہ اپناتے بھی ہیں، ایک دین کا مسئلہ ایسا ہے کہ جس پر ان کی دنیوی اور اُخروی زندگی کے سنورنے کا انحصار ہے، اور بالخصوص جب ہمارے لیے یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے تو ہم اس کے لیے کیا وسائل اپنا رہے ہیں۔ دین پر چلنے کے لیے سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے عقائد واعمال کو جانے اور اس کے لیے تعلیم وتدریس اور مطالعہ کے علاوہ اور کوئی دوسرا

افتتاحیہ

عقیدۂ وحدۃ الوجود اور اتحادیوں کی تباہ کاریاں

مذہب وحدۃ الوجود کی حقیقت ابن عربی اور دیگر اتحادیوں کی توضیحات کی روشنی میں یہ ہے کہ :
"حقائق اعتقاد اور کشف وقول کے تابع ہیں"۔ جیسے ایک شخص کو کشف ہوا کہ زہرہ ستارہ عطارد کے نیچے ہے، دوسرے کو کشف ہوا کہ زہرہ عطارد کے اوپر ہے، دونوں اپنے کشف، قول اور اعتقاد میں برحق ہیں، اگرچہ یہ باہم ایک دوسرے کی نقیض اور ضد ہی کیوں نہ ہوں، پھر بھی حقیقت اس اعتقاد اور قول کی تابع ہوگی۔ معتقد اور قائل کی نسبت سے وہ بات حق ہوگی۔ اسی اصول کی بنیاد پر اتحادی کسی کی تکذیب نہیں کرتے۔ محقق کہتا ہے۔

عقد الخلائق فی الالٰہ عقائدا وانا اعتقدت جمیع ما اعتقدوہ

اللہ کے متعلق خلقت نے بہت سے عقائد اختیار کیے اور جو کچھ سب نے اعتقاد ٹھہرایا، میں اس کا اعتقاد رکھتا ہوں۔

چونکہ اتحادی تمام موجودات کو اللہ کہتے ہیں اور کذب و باطل بھی موجودات کا ایک حصہ ہیں اس لیے وہ بھی اللہ ہے، اس لیے کذب و باطل کا انکار اللہ کا انکار ہے، اسی بنا پر وہ کہتے ہیں: سر حیث شئت، فان اللہ ثم، وقل ما شئت فیہ، فان الواسع اللہ، جس راستہ پر چاہو چلو، وہاں پر اللہ ہی ہے، جو چاہو کہو، اس لیے کہ کشادگی والا اللہ ہی ہے۔ اتحادیوں نے اس اصل کی بنیاد پر شریعت اسلامیہ الٰہیہ کے تمام اوامر و نواہی، ثواب و عقاب، صانع کائنات، رسالت رسل جملہ اعتقادات، عبادات، احکامات و معاملات اور اخلاقی ضابطوں کو معطل کرکے عام انسانی کشف و اعتقاد اور قول کے تابع ٹھہرایا۔ انسان جو چاہے اعتقاد رکھے، جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے، سب کا وجود ہے۔

اور ہر وجود اللہ ہی ہے ، اس لیے امر و نہی اور ثواب و عقاب میں تفریق اللہ میں تفریق ہے ۔ وحدۃ الوجود سب کی وسعت رکھتا ہے ، اللہ واسع ہے ۔

اتحادیوں میں تلمسانی سب سے فاجر اور خبیث تھا ، وہ تمام محرمات کو حلال سمجھتا تھا ، شراب پیتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ : البنت و الام و الاجنبیۃ شیٔ واحد ، لیس فی ذلک حرام علینا إنما ھؤلاء المحجوبون قالوا حرام ، فقلنا حرامٌ علیکم ۔ بیٹی ، ماں ، اور اجنبی عورت سب برابر ہیں ، ان میں سے کوئی ہمارے لیے حرام نہیں ، یہ محجوب لوگ کہتے ہیں کہ حرام ہیں ، ہم کہتے ہیں کہ تم پر حرام ہیں ۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ : القرآن کلہ شرک ، لیس فیہ توحید وانما التوحید فی کلامنا ۔ قرآن مکمل شرک کا دفتر ہے ، اس میں توحید کا شائبہ تک نہیں ، توحید ہمارے کلام میں ہے ۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ : انا ما امسك شریعۃ واحدۃ ، میں کسی ایک شریعت کا پابند نہیں ہوں ۔

تلمسانی کے ان تمام فسق و فجور کی اصل وہی ہے کہ ہر چیز اللہ ہے ، کوئی چیز کذب و باطل نہیں ، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ وہ تلمسانی کے ساتھ تھا ، ان کا گزر ایک خارش زدہ مرے ہوئے کتے پر ہوا ، اس نے تلمسانی سے کہا ، یہ بھی اللہ ہے ؟ تلمسانی نے جواب دیا ، اللہ سے کوئی چیز باہر بھی ہے ؟ ہاں سب اللہ ہی ہے ۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ : اتحادی مذہب سے تائب ایک ثقہ شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ : محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مبغوض شخص اتحادیوں کے یہاں کوئی اور نہیں ۔ جب گدھا رینکتا اور کتا بھونکتا ہے تو اتحادی انھیں سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی اللہ ہے اور اللہ کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے ، میں نے کہا : محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہیں ، یا تو انھیں بھی تمام مظاہر کا مقام دو اور تم لوگ تو تمام مظاہر کی تعظیم کرتے ہو ، یا پھر سب کی تعظیم چھوڑ دو ان لوگوں نے جواب دیا ، محمد ہمارے نزدیک مبغوض ہے ، اس لیے کہ اس نے فرق کا راستہ اپنایا ہے ، یعنی خالق و مخلوق اور حق و باطل کا فرق ، جس نے اسے قبول نہیں کیا اسے سزا دی اور لوگوں کو اسی بات کی دعوت بھی دی ہے ۔ اس نے مزید کہا کہ انھوں نے اپنے باطل مذہب میں تناقض کی راہ اختیار کی اور کذب و حمار کو افضل الخلق صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دیا ، یہ لوگ آپؐ پر اور دیگر انبیاء پر صراحت کے ساتھ لعنت بھیجتے ہیں ، بے شبہ یہ لوگ شیطان کے سب سے بڑے پجاری اور رحمٰن کے منکر ہیں ۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حقائق کو کشف و اعتقاد اور قول کے تابع ماننے کی بنیاد پر
ادی اپنے قول و عمل میں سب سے زیادہ جھوٹے ہوتے ہیں، ان کے نزدیک صدق کذب میں کوئی فرق نہیں ہے۔
ہیں وہ ضرورت کے مطابق استعمال میں لاتے ہیں۔ ایک ہی چیز کے متعلق جب یہ اتحادی دو متناقض باتیں
تے ہیں تو اس پر وہ پوری طرح مطمئن ہوتے ہیں، یہ متناقض اعمال انجام دے کر بھی خوش ہوتے ہیں، اپنی
ہشات کی اتباع میں اتحادی ایک وقت میں ایک کام کو کسی طرح کرتے ہیں اور دوسرے وقت میں کسی طرح۔
ہمیشہ اپنے مطاع کے ساتھ ہوتے ہیں، خواہ وہ مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا فاجر، صدیق ہو یا زندیق،
بر قدرت اور کون کے ساتھ ہوتے ہیں، جس چیز پر قابو ہو وہ حق اور حلال ہے، حرام وہی ہے جس پر قدرت
س نہیں، ہر وہ بات حق ہے جسے کہا جائے، باطل وہی ہے جسے کسی نے نہ کہا ہو۔

ہم ذیل میں چند ایسے امور ذکر کرتے ہیں جن کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ یہ ان کے کفر و
اد کی توضیح کے لیے کافی ہیں:

۱۔ اللہ نے نہ کوئی چیز پیدا کی ہے نہ ان کی صورتیں بنائی ہیں، اس لیے کہ اس کے وجود کے سوا کوئی اور
بود نہیں، اس لیے محال ہے کہ اپنے آپ کو پیدا کرے۔

۲۔ اللہ رب العلمین نہیں ہے اور نہ مالک الملک ہے، اس لیے کہ اس کے وجود کے سوا کسی اور شے
کا وجود ہی نہیں ہے، اس لیے رب اپنی ذات کا رب کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اللہ نے خود کو سورۃ الفاتحہ میں
رب العلمین کہا ہے۔

۳۔ اللہ کسی کا خالق نہیں، اس نے کسی کو کچھ نہیں دیا، کسی پر رحمت نہیں فرمائی، کسی کو ہدایت نہیں دی، کسی کو
وئی نعمت نہیں دی، کسی کو کوئی علم نہیں سکھایا، اس کے ذریعہ نہ کسی کو خیر پہونچا نہ شر، نہ نفع نہ ضرر، نہ عطا نہ
نع، نہ ہدایت نہ ضلالت، کیونکہ ہر چیز اللہ ہے، نہ کوئی عبد ہے جسے روزی دی جائے، نہ کوئی گمراہ ہے جسے
ایت کی جائے۔

۴۔ اللہ ہی رکوع و سجود کرتا اور بندگی و اطاعت کرتا ہے، وہی روزہ رکھتا اور بھوکا رہتا ہے، وہ سوتا
اور جاگتا ہے۔ اسی کو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اور اسی کو شفا ملتی ہے، وہ تمام نقائص اور عیوب سے متصف
ہے، ہر کفر و فسق اس کے وجود کا حصہ ہے، کیونکہ اس کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں۔

۵۔ جن لوگوں نے لات، عزیٰ، مناۃ، ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر، شعریٰ، نجم، شمس، قمر، مسیح، عزیر اور ملائکہ کی عبادت کی، نیز قوم نوح، عاد، ثمود، قوم فرعون، بنی اسرائیل اور جملہ مشرکین نے جتنے بتوں کی پرستش کی، سب نے صرف اللہ کی عبادت کی، اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کی۔

۶۔ بندوں کو اللہ اور اس کے دین کی طرف دعوت دینا ان کے ساتھ مکر و فریب ہے۔ انسان خود اپنی غایت ہے، اپنا معبود ہے، خود اللہ ہے، اس سے ماوراء کوئی چیز نہیں جس کی وہ عبادت کرے اور جس کی طرف دعوت دے۔

۷۔ فرعون اور دجال منتظر جیسے مدعیان الوہیت، یا جن لوگوں کے متعلق دعویٰ الوہیت کیا گیا ہے، جیسے عیسیٰؑ اور علیؓ وغیرہ ان ملحد اتحادیوں کے نزدیک یہ دعویٰ صحیح ہے، یہ لوگ فرعون کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ صاحب ایمان مرا ہے، وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ وہ عارف باللہ تھا، بلکہ اللہ تھا، اتحادیوں کے نزدیک نار جہنم کی تکلیف سرے سے ہے ہی نہیں۔ ابن عربی فرعون کے قول "انا ربکم الاعلیٰ" کی توضیح میں کہتا ہے کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ایک نسبت سے سب ہی رب ہیں، لیکن میں ان سب میں سب سے اعلیٰ ہوں، کیونکہ تمہارے درمیان بظاہر حکم کا منصب میں نے اسے دے رکھا ہے۔

انھیں اعتقادات کی بنیاد پر اسلاف امت اور ائمہ کبار جن میں امام عبداللہ ابن مبارک اور امام المحدثین البخاری بھی شامل ہیں، کہا کرتے تھے کہ جہمیہ کا کفر یہود کے کفر سے بڑا ہے، لیکن اتحادی جہمیوں سے اخبث واکفر ہیں۔ امام ابن مبارک فرمایا کرتے تھے: انا لنحکی کلام الیھود والنصاری ولانستطیع ان نحکی کلام الجھمیۃ، ہم یہود و نصاریٰ کی باتیں بیان کرتے ہیں، لیکن جہمیہ کی باتیں بیان کرنے کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ابن عربی، ابن سبعین، قونوی اور تلمسانی جیسے اتحادیوں کے مذہب وحدۃ الوجود کے تین عناصر ترکیبی ہیں (۱) جہمیہ کا سلب و تعطیل (۲) صوفیاء کے مجمل اور متشابہ اقوال (۳) اور فلسفیانہ زندقیت، آخر الذکر جہمیت کی جڑ ہے، وجود مطلق، عقول، نفوس، وحی، نبوت، وجود، ممکن اور جملہ امور حق و باطل میں جہمیوں کی گفتگو کی اصل یہی ہے، یہ عنصر ابن سبعین اور قونوی پر غالب تھا، اور صوفیاء کے مجمل اور متشابہ کلمات ابن عربی پر غالب تھے، مسیح سے متعلق مروی متشابہ امور کو اختیار کرکے نیز محکمات کو چھوڑ کر جس طرح نصاریٰ گمراہ ہوئے، بعینہ وہی حال ابن عربی کا بھی ہے، ویسے

جہمیت میں بھی مشترک ہیں۔

اتحادیوں کا یہ مذہب کہ رب بندہ ہے اور بندہ رب ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ رباعی کفر ہے، یعنی حلولِ خاص، حلولِ عام، اتحادِ خاص اور اتحادِ عام، حلول خاص نسطوری نصرانیوں کا مذہب ہے کہ لاہوت ناسوت میں ایسے حل ہوگیا، جیسے پانی برتن میں۔ مامون کے عہد میں جب مسلم معاشرہ میں نصاریٰ کا اختلاط ہوا تو پہلا مسلمان حلولی رونما ہوا اور اس نے مسلم معاشرہ میں اس نصرانی کفر کو پروان چڑھایا۔ روافض اور غالی صوفیا اس کفر کے پیرو ہیں کہ اللہ علی رض، اہل بیت یا اولیاء میں حلاج، یونس اور حاکم وغیرہ میں حلول کیے ہوئے ہے، اور اس شعر کے معتقدین بھی اس طائفہ میں شامل ہیں۔

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہوکر اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہوکر

حلول عام متقدمین جہمیہ کا مذہب ہے کہ اللہ ہر مکان میں اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے، اکثر جہمی زہاد اس کفر کے پیروکار ہیں۔ جبکہ اصل اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے، اپنے علم وقدرت سے کائنات کے ذرہ ذرہ پر محیط ہے۔ اتحادِ خاص کے قائل یعقوبی نصاریٰ جیسے سوڈانی اور قبطی تھے کہ لاہوت اور ناسوت باہم اس طرح مل گئے ہیں، جیسے دودھ پانی میں۔ امتِ مسلمہ کے کچھ غالی اس کفر کے پیروکار ہیں۔ اتحادِ عام وحدۃ الوجودی ملحدوں کا مذہب ہے، جو ان سطروں کا موضوع ہے، یہ یہود ونصاریٰ سے بڑھ کر کافر ہیں، وہ لوگ صرف اس کے قائل ہیں کہ اللہ اپنے مقرب بندوں سے متحد ہو جاتا ہے، لیکن یہ ملحد تمام مخلوقات کو اللہ کہتے ہیں۔ نصاریٰ نے اسے مسیح کے ساتھ خاص مانا ہے، لیکن یہ ملحد کلاب وخنازیر، جملہ غلاظتوں حتیٰ کہ یہود ونصاریٰ کو بھی رب مانتے ہیں۔

یہ شرمناک فتنہ جس نے دین اسلام اور پوری شریعت محمدیہ کو معطل کر دیا ہے، اس کا اصلی نقطۂ آغاز اللہ کی صفات کا انکار ہے۔ تاریخ اسلام میں پہلا شخص جو اس تعطیل کے لیے معروف ہوا وہ جعد بن درہم ہے، جسے خالد بن عبداللہ القسری نے یہ کہہ کر قتل کر دیا تھا: ایها الناس! ضحوا! تقبل الله ضحايا كم، إني مضح بالجعد بن درهم، انه زعم ان الله لم يتخذ ابراهيم خليلا، ولم يكلم موسى تكليما، لوگو قربانیاں کرو، اللہ تمھاری قربانیاں قبول فرمائے، میں جعد بن درہم کو قربان کر رہا ہوں، اس کا گمان باطل ہے کہ اللہ نے ابراہیم کو دوست نہیں بنایا، نہ ہی موسیٰ سے کلام کیا۔ حسن بصری جیسے علماء سلف نے اس پر خالد کا شکریہ ادا

کیا، بنی امیہ کے اخیر عہد میں جہمیت کے بانی جہم بن صفوان خراسانی نے انکار وتعطیل صفات باری کے عقیدہ کو مزید فروغ دیا، خالق کے انکار اور اللہ کی صفت کلام اور اس کے دین کے سلب وتعطیل کے سبب یہ لوگ مذہب فرعون کے داعی ہوگئے، جس نے کہا تھا کہ: مَاعلمتُ لکم من الٰہ غیری، میں نہیں خیال کرتا کہ میرے علاوہ تمھارا اور کوئی معبود ہے۔ اللہ کی صفات کے انکار کی ایک آواز ابن درہم دو دینار نے اٹھائی جو جہمیوں کے یہاں پہونچ کر اللہ کے ساتھ پوری شریعت محمدیہ کی تعطیل کا سبب بن گئی، وہ رب العٰلمین کے منکر ہوگئے، اس کی عبادت کے منکر ہوگئے اس کے کلام کے منکر ہوگئے اور ان کی دعوت یہ ٹھہری کہ "العالم ھو اللہ" کائنات ہی اللہ ہے۔ وجود بس ایک ہے، خالق ازلی قدیم ہی حادث ومخلوق ہے، رب ہی عبد ہے، رب اور عبد، خالق اور مخلوق کا فرق کچھ نہیں ہے، یہ لوگ جملہ انبیاء کرام کی تنقیص وعیب جوئی کرنے لگے، فرعون کی تعظیم کرنے لگے، تمام مخلوقات کی عبادت جائز ٹھہرانے لگے، یہ لوگ بتوں کی پرستش اس وقت تک جائز نہیں ٹھہراتے جب تک یہ نہ کہا جائے کہ عباد الاصنام لم یعبدوا الا اللہ وان اللہ نفسہ ھو العابد وھو المعبود وھو الوجود کلہ۔ بتوں کی پوجا کرنے والے اللہ ہی کی پوجا کرتے ہیں، اللہ ہی پوجا کرنے والا ہے اور وہی معبود بھی ہے، بلکہ پورے وجود کا نام ہی اللہ ہے۔ ملحد اتحادی انکار صفات باری کے تدریجی ارتقاء کفر وضلالت کی آخری حد ہیں، جن میں تلمسانی جیسے لوگ اکفر داخل ہیں۔ ابن عربی کا تلمیذ صدر رومی کہا کرتا تھا کہ: اللہ وجود مطلق ومعین ہے، جیسے حیوان مطلق اور حیوان معین یا جسم مطلق اور جسم معین اور مطلق خارج ہی میں مطلق طور پر پایا جاسکتا ہے، مطلق کا اعیان خارجہ کے ماسوا میں پایا جانا ناممکن ہے، شیخ الاسلام فرماتے ہیں اس قول کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا اصلاً کوئی وجود نہیں۔ حقیقت وثبوت صرف اسی وجود کو حاصل ہے جو مخلوقات کے ساتھ قائم ہے، اسی لیے یہ اور اس کا شیخ ابن عربی کہا کرتے تھے کہ اللہ کا دیکھا جانا محال ہے۔ حقیقت میں اللہ کے لیے نہ کوئی نام ہے نہ صفت ہے۔

ریائی کفر کے حاملین میں جہمی زہاد کے متعلق علماء لکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے اتحادی مذہب کی طرح ہر شرک کو جمع کرلیا ہے، وہ بتوں کی بھی پوجا کرتے ہیں اور صرف دین توحید پر قائم نہیں رہتے، شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ بعض ثقہ لوگوں نے مجھ سے بتایا کہ ابن سبعین ہندوستان جانا چاہتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ سرزمین عالم اسلام اس کے لیے وسعت نہیں رکھتی اور اہل ہند ہر چیز کی عبادت کرتے ہیں حتیٰ کہ نباتات اور حیوانات کی بھی۔ علماء لکھتے ہیں کہ جہمی معطلین کسی کی عبادت نہیں کرتے، کیونکہ ان کے دل میں عبادت اور تقرب کا مادہ ہی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رنگ

اللہ کو عدم کی صفت سے متصف مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب اللہ کا نہ کوئی نام ہو اور نہ اس کی کوئی صفت ہو، تو اسے کیسے پکارا جا سکتا ہے۔ اور اس کی کس طرح عبادت کی جا سکتی ہے؟

اسلامی یا انسانی معاشرے کے ساتھ تعامل کے لیے اتحادیوں کی روش کیا ہوتی ہے، اس کے متعلق شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ: ان کا کوئی فرد جب تک حجاب کے مرحلے میں ہوتا ہے وہ نصاریٰ کی طرح کسی حد تک رب کی عبادت کرتا ہے۔ لیکن جب حجاب اٹھ جاتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ وہ خود اللہ ہے تو اسے اختیار ہوتا ہے کہ اوامر و نواہی کی بندشوں سے آزاد ہو جائے اور حرج میں آئے کرے یا حفظ مراتب کے لیے اوامر و نواہی پر قائم رہے اور تاکہ محجوبین اس کی اقتدا کریں۔ یہ لوگ اگر انبیاء کرام کو کامل مانتے بھی ہیں تو انھیں بس اسی حفظ مراتب پر قائم مانتے ہیں۔

اس رباعی کفر نے دینِ اسلام اور شریعت محمدیہ کو اس کی سرزمین میں معطل کر کے رکھ دیا، امتِ مسلمہ کے افراد کے لہو میں آج بھی اس کے جراثیم گردش کرتے ہیں، کلی طور پر اس سے وہی لوگ محفوظ رہے ہیں یا رہ سکتے ہیں جن کا جادۂ عمل صرف تمسک بالکتاب والسنۃ ہے۔ ماضی میں اتحادی ملحدین، بدعتی، منافقین اور زنادقہ نے اسلامی معاشرہ کو اباحیت کی نذر کر کے اور سیاسی اثر و نفوذ حاصل کر کے امتِ اسلامیہ کے مضبوط قلعہ کے دروازے کافر اور ملحد اقوام کے لیے چوپٹ کھول دیے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ دولتِ بنی امیہ کے زوال کا سبب تعطیل صفاتِ باری تعالیٰ کا پہلا علمبردار جعد بن درہم تھا، بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد الجعدی اسی کی طرف منسوب ہے، اسی کی نحوست نے اس کی سلطنت کا چراغ گل کر دیا تھا۔ دینِ انبیاء و رسل کے خلاف جب بھی بدعات و الحاد کا ظہور ہوا اللہ نے ضرور اس کا انتقام لیا ہے اور دشمنوں کو اس قوم پر مسلط کر دیا ہے، چنانچہ شام اور جزیرہ پر بارہا رومی نصاریٰ حملہ آور ہوئے اور شامی علاقے یکے بعد دیگرے چھینتے گئے، حتیٰ کہ بیت المقدس بھی چھین لیا، اس وقت اہلِ شام نصرانی کافروں اور کفر رباعی کے منافقوں اور ملحدوں کے درمیان بدترین حالت میں گرفتار تھے، یہاں تک کہ نور الدین نے اسلام کے غلبہ اور جہادِ اسلامی کے ذریعہ اس صورتحال میں تبدیلی کی۔ اسی طرح اہلِ مشرق جب تک اسلام پر قائم رہے ترکی، ہندی اور چینی کفار پر غالب رہے، لیکن جب ان میں بدعت، الحاد اور فسق و فجور عام ہو گئے تو اللہ نے ان پر کفار کو مسلط کر دیا، چنانچہ بعض علماء لکھتے ہیں کہ تباہی بغداد و سقوطِ دولتِ بنی عباس کا ذمہ دار تاتاری ہلاکو امتِ مسلمہ کے لیے ویسے ہی ہے جیسے بنی اسرائیل کے لیے بخت نصر، امتِ مسلمہ کے ممالک میں تاتاری کفار کے داخلہ کے اسباب میں سے وہ الحاد، نفاق اور بدعات بھی ہیں، جو مسلم معاشرہ میں عام ہو چکے تھے، رباعی کفر اور اس کے

پروردہ علماء، ملوک اور عوام نے جب مشرق کی سرزمین اسلام پر غلبہ حاصل کرلیا اور الحاد و بدعات عام ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے مشرک و کافر تاتاریوں کو مسلط کردیا، جنھوں نے اس ملک کو تباہ و برباد کردیا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ کا زوال اور فتنۂ تاتار کی قیامتِ صغریٰ وحدۃ الوجود کا نتیجہ ہے۔ شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں کہ اتحادی تاتاریوں کے ظہور اور اسلام و شریعتِ اسلامیہ کے مٹنے کا سب سے بڑا سبب ہیں اور یہ لوگ دجال اعور و کذاب کے ظہور کا پیش خیمہ ہیں، جس کا گمان ہوگا کہ وہی اللہ ہے۔ کمیونزم کے خاتمہ کے بعد دنیا کی بڑی الحادی قوتیں اور تمام تخریبی عناصر جس طرح ایک نقطہ پر اکٹھا ہونے کی کوشش کررہے ہیں، اور امریکی جنرل پائیک کے ذریعہ تیار کرائے گئے تیسرے عالمی انقلاب کے منصوبہ کو عالمی یہودی تنظیم صیہونیت جس طرح قضیۂ فلسطین و بیت المقدس کے پہلے بتدریج عمل میں لارہی ہے اور ربانی کفر کے حاملین اور اتحادی جس طرح یہودیوں اور تمام الحادی قوتوں کو پورے زور و شور سے تعاون دے رہے ہیں، ان کے پیش نظر مستقبل کی تاریخ کا جو نقشہ بنتا نظر آرہا ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے اتحادیوں کے متعلق شیخ الاسلام کی یہ عظیم پیشین گوئی سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے، اور یہ ان کی غیر معمولی ایمانی، دینی اور تاریخی بصیرت پر شاہد عدل ہے۔

برصغیر ہند و پاک پر ماضی میں اسلام نے سات سو سال تک حکمرانی کی ہے، لیکن یہاں بھی شریعتِ اسلامیہ اور حکومتِ مسلمین کے زوال کا سبب یہی ربانی کفر اور اتحادی ہیں۔ زوال کے آخری مرحلہ میں یہاں کا مسلم معاشرہ اتحادیوں کے ہاتھوں کس طرح اباحیت اور شکست و ریخت کا شکار ہوچکا تھا، اسے معلوم کرنے کے لیے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ایک اتحادی کے ساتھ جو معروف واقعہ پیش آیا تھا، اس سے ہمارے مدعا کی تصدیق بخوبی ہوجاتی ہے، چونکہ واقعہ کی تفصیل سنجیدہ طبائع پر گراں ہے، اس لیے ہم اسے پیش نہیں کرسکتے، البتہ بطورِ تبصرہ یہ عرض کریں گے، کہ ہندوستانی آبادی کی اکثریت پر مجذوب اتحادی و اباحیت پسند بابا کی حکمرانی تھی۔ ان کے گھروں، محلوں، بستیوں شہروں اور پورے ملک پر ان کا بول بالا تھا۔ اسی لیے مشرک، کافر اقوام یکے بعد دیگرے ان پر مسلط ہوتی رہیں۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا، لیکن جو بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اتحادی متقی نہیں ہوتے کہ مامور و ممنوع، حلال و حرام اور صدق و کذب میں تمیز کریں اور اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان ہے کہ "العاقبۃ للمتقین"، حسن انجام متقیوں کے لیے ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی زندگی قدرت کی مقدار پر قائم ہوتی ہے، وہ اپنی قدرت کے حساب سے ہر وہ کام انجام دیتا ہے جو نتیجہ کے اعتبار سے اس کے لیے وبال کا سبب بنتا ہے

یہاں تو کسی کی بھی قدرت دوامی نہیں، یہ لوگ اللہ رب العلمین کے اس فرمان کے صحیح مصداق ہیں۔

والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماء، حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئا، ووجد اللہ عندہ، فوفاہ حسابہ۔ (النور: ۳۹)

منکروں کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان کی چمکتی ریت، پیاسا خیال کرتا ہے کہ یہ پانی ہے، لیکن جب اس کے پاس آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا، ہاں بس اللہ ہی کو اپنے پاس پاتا ہے، پھر اللہ اس کا پورا حساب اسے دیتا ہے

اور اس فرمان کے بھی: مثل الذین کفروا بربھم اعمالھم کرماد اشتدت بہ الریح فی یوم عاصف لا یقدرون مما کسبوا علی شیء۔ (ابراھیم: ۱۸)

جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال راکھ کے ڈھیر جیسے ہیں، جسے سخت گرم دن میں تیز ہوا سے اڑے، یہ لوگ اپنی کمائی میں سے کچھ نہیں پائیں گے۔

اور اس فرمان کے بھی: ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس، لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم آذان لا یسمعون بھا، اولئک کالانعام بل ھم اضل۔ (الاعراف: ۱۷۹)

بہت سے جن اور انسانوں کو ہم نے جہنم کے لیے بنایا ہے، ان کے دل ہیں مگر ان سے سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے (حق و باطل) دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر ان سے (ہدایت کی باتیں) سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ یہ، اور گئے گزرے ہیں۔

●●●

باقی: درس حدیث:

ذریعہ نہیں، ذرا غور کیجیے کہ ۲۴ گھنٹہ میں سے آپ نے اپنے دین کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے کتنا وقت دیا، کیا اس طرح کی سہل انگاری غفلت وسستی اور لاپرواہی کے ساتھ آخرت کی کھیتی کی جا سکتی ہے۔؟

یہاں پر اہل علم اور طلبہ کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے کہ اس نازک اور افسوسناک صورتحال میں خود ان کے کردار کا کیا دخل ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم کو اپنے صحیح دین کا علم دے، اس سے محبت اور اس کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

●●●

تصوف کے چہرے

مولانا مصلح الدین اعظمیؒ

تصوف انبیوں کی نگاہ میں

انبیاء کا کام ہمیشہ تعلیم کے ساتھ تزکیہ بھی رہا ہے" هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم يتلوا عليهم اياته ويزكيهم" اللہ نے امیوں میں اپنا ایک رسول بھیجا۔ جو انہیں کا ایک فرد تھا۔ اس کا کام تھا اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنانا، اور ان کے نفس کا تزکیہ اور قلب کی تطہیر کرنا۔ اس مفہوم کی آیات جابجا قرآن میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی رہنمائی جس طرح تعلیمی سلسلے میں کی انبیاء اس کی رہنمائی سے تزکیہ میں بھی محروم نہ رہے۔ ولایت کا مفہوم نبوت کے ماتحت ہے۔ اولیاء کو جو بلند مراتب حاصل ہوئے ہیں، وہ شریعت کی اتباع اور سنت کی اتباع کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ تزکیہ کے اصول وضوابط انبیاء سے زیادہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکتے۔

خیر القرون کے اولیا نے انہیں قوانین وضوابط سے روحانی کمالات حاصل کئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو معلوم ہوئے۔ خود ساختہ طریقوں اور ریاضتوں اور مجاہدوں کی ان کو ضرورت نہیں پڑی۔ بندہ نبوت اور ولایت سے کتنے ہی بلند مقام تک پہنچ جائے۔ بندہ ہی رہتا ہے۔ محی الدین ابن عربی اپنے رسالہ "الاخلاق" میں فرماتے ہیں: "العبد عبد وان ترقی" بندہ بندہ ہی رہے گا خواہ بلندی کے وہ کسی مقام تک پہونچ جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد خیر القرون میں تزکیہ کا سلسلہ قائم تھا، لیکن اس سلسلے میں ان میں تصوف کے نام پر فرقہ یا گروہ قائم نہیں تھا۔ تین سو سال کے بعد صوفیاء کے نام سے مسلمانوں میں ایک مستقل گروہ ابھرا جو اپنے زندگی کے معمولات اوراد وظائف اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے ایک الگ فرقہ نظر آنے لگا۔ بہر نوع جب تک تزکیہ کا کام شریعت کے دائرہ میں رہے محمود ہی رہے گا لیکن رفتہ رفتہ تصوف بھی تصوف [illegible] اور فلسفوں کی آمیزش سے اسلامی سادگی کھو بیٹھا۔ اب اس میں عیسائی راہبوں، اور غیر مسلم جوگیوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کی جھلک نمایاں ہونے لگی۔

" نوبت بایں جا رسید کہ شریعت (بقول صوفیاء) علماء ظاہر کا کام رہ گیا کیوں کہ اس کی حیثیت اس ترقی یافتہ تصوف میں

پھلکی رہ گئی اور طریقت شریعت سے الگ ایک مستقل چیز بن گئی جس کی حیثیت مغز کی ہے۔ صوفیاء اسی طریقت کے پابند ہو گئے حالاں کہ ابتدا میں طریقت اخلاص کے ساتھ شریعت پر عمل کرنے کا نام تھا۔

ریاضت اور مجاہدہ اگر بااصول طریقہ پر کیا جاتے تو اس سے روحانی قوت پیدا ہوتی ہے چاہے وہ ریاضت و مجاہدہ مسلمان صوفی کرے عیسائی راہب کرے اور یا ہندو جوگی، بہر نوع یہ مصنوعی ریاضتیں اور مجاہدے رنگ لائے اور صوفیاء سے کچھ کرشموں کا ظہور ہونے لگا تو توہم پرست، ضعیف الاعتقاد عوام ان باتوں سے ان کے گرویدہ ہو گئے اور ان سے وہ سب مانگنے لگے جو پہلے خدا سے مانگا جاتا تھا۔ مرنے کے بعد بھی یہ عقیدت قائم رہی ان کی قبریں درگاہوں اور مزاروں میں تبدیل ہو گئیں کامیاب تجربہ کار لوگوں نے ان کو روزی کمانے کا ایک آسان ذریعہ سمجھا اور عوام کو ان سے وابستہ کرنے اور رکھنے کے لئے عجیب عجیب صورتیں نکالیں اور طریقے اختیار کئے۔

آج ہر شخص مزاروں پر جاکر دوکانداری کی یہ بلیک بچشم خود دیکھ سکتا ہے۔ جاہل عوام کے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی کہ کچھ لینے سے پہلے دے کر خوش کرنا بھی ضروری ہے اس طرح نذر و نیاز وغیرہ کا سلسلہ قائم ہوا۔

علماء ظاہر تصوف کی تردید کرتے ہیں لیکن وہ اس حقیقی اسلامی تصوف کی ہرگز تردید نہیں کرتے جو انبیاء کا مشن تھا۔ بلکہ وہ اس معجون مرکب تصوف کے پرخچے اڑاتے ہیں جسمیں عجمی آلائشوں اور خرافات کا ایک بڑا حصہ داخل ہو گیا ہے۔

حضور کی تعلیمات عملی زندگی اور روز و شب کے معمولات من و عن محفوظ ہیں۔ آج بھی ہم صحیح اور حقیقی اسلامی تصوف کو اپنے تزکیہ اور تطہیر قلب کا ذریعہ بنا سکتے ہیں جو مشہور صوفیاء گزرے ہیں مثلاً بڑے پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، جنید، شبلی، معین الدین چشتیؒ وغیرہ امت مسلمہ اور علماء ظاہر ان کا دل سے احترام کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ شریعت کے مکمل پابند تھے۔ اور اسلام کے داعی اور مبلغ تھے۔ ان کی روحانی تعلیمات سے لاکھوں افراد مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے سلسلوں میں اگر کوئی چیز خلاف شرع نظر آئے تو یقین کرنا چاہیئے کہ یہ بعد کے لوگوں کا اسی طرح اضافہ ہے جس طرح توریت و انجیل میں بعد کے لوگوں نے اضافہ کئے۔

اسلئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کی طرف اگر کوئی خلاف شرع چیز منسوب ہے تو اس کو رد کر دیا جائے اور ہرگز یہ کوشش نہ کی جائے کہ شریعت کو اس کے مقابلہ میں بالائے طاق رکھ کر ان غلط چیزوں پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

چوں کہ موجودہ دور میں تصوف کے سلسلے جو پھیلے ہوئے ہیں اکثر شریعت اور اسلامی روایات سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اسلئے ہم مسلمانوں کو اس تصوف کے خراب اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے مستند صوفیاء کے اقوال پیش کریں گے تاکہ امت پر یہ چیز واضح ہو جائے کہ محمود تصوف کیا ہے اور مذموم کیا ہے۔

قرآن اور تصوف ۔۔۔ کراچی ۔۔۔ | "قرآن اور تصوف" یہ کتاب میر ولی الدین ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی صدر شعبہ

واقفیت میں اضافہ کریں گے اور تصوف پہلے کیا تھا اب کیا ہوگیا یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے کھل کر آجائیگی ص۲۱ میں فرماتے ہیں:

"تصوف میں زندقہ کی آمیزش کے دو اسباب ہیں۔ مشائیت اور اشراقیت" ص۲۲ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"تصوف میں اشراقیت کے داخل ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ شی کی غیریت ذاتیہ کا انکار کر دیا گیا، قرآن میں خلق کی غیریت صحیح طور پر ملتی ہے۔ فلاطینوسی (جس کو بعد میں فلاطون الہی بھی پکارا جانے لگا) کی تعلیمات کے زیر اثر شی کو غیر ذات حق نہیں بلکہ عین ذات حق قرار دیا گیا، حق ہی حق ہے غیر حق ذاتا و وجودا معدوم۔ باعتبار شی ہمہ اوست صحیح عقیدہ مان لیا گیا، ذات شی اور غیریت شی کی نفی کا لازمی نتیجہ اباحت و زندقہ تھا، اتباع شریعت کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی۔ شریعت و طریقت کا تضاد اول مرتبہ پیش کیا گیا اور اس طرح شریعت کا جوا نکال پھینکنے کی کوشش کا آغاز ہوا۔ شریعت کو ناقصین کا شعار قرار دیا گیا۔ کاملین کو اس کے اتباع کی ضرورت نہیں بتائی گئی، حق تعالیٰ کے سوا غیر کا تصور تک ناممکن۔ اب حق تعالیٰ آمر ہیں نہ کہ مامور، غیریت کے ماننے تک ضرور شریعت کی ضرورت رہی۔ جب غیریت کا ارتفاع ہوگیا اور حق ہی حق رہا تو اب شریعت کی پابندی کیسی؟ جمال کا اتباع عورتوں کا کام ہے جلال کا اتباع مردوں کا" شریعت کا علم تو "علم سفینہ" ہے لیکن علم طریقت علم سینہ ہے جو سینہ بسینہ چلا آرہا ہے۔ راز پوشیدہ ہے۔ سر مکنون ہے! ان باتوں کی کسی قدر مزید تفصیل اور اس کی تشفی بخش تردید آپ اس کتاب کے باب چہارم میں پائیں گے۔"

اشراقیت کا دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ شی غیر مقصود کو مقصود قرار دے لیا گیا اور مقصود کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا۔ اب کمالات کو جو محض توابع ہیں اور حصول مقصود کے بعد خود بخود پیدا ہوتے ہیں۔ اصل مقصود قرار دیا جانے لگا۔ لذت و احوال، کشف، تصرفات و کرامات، وجد و حال، رویائے صادقہ وغیرہ سالک کی غایت قرار پائے۔ اور ان کو بزرگی اور تقویٰ کی علامت خاص خیال کیا جانے لگا۔ ان کمالات کے حصول کے لئے غیر مسنون مشقتوں اور شغلوں کی ابتداء ہوئی، جوگیوں اور سنیاسوں تک سے بھی اشغال وغیرہ کے سیکھنے میں دریغ نہیں کیا گیا۔ اور اس طرح ہندی مراسم اور یونانی تخیلات و نظریات کا ایک معجون مرکب پیدا ہوا جو اسلامی تصوف کے نام سے مشہور ہوا جسکا مقصود محض تصرف و کرامات ہوتا تھا۔ اور بس اور اس فوق البشر قوت و طاقت کی خواہش کا حاصل اپنے نفس کو مخلوق کی نظر میں برتر بنانے اور ان کے قلوب کو مسخر کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ اور حقیقی اسلامی تصوف نفس کے شکنجے سے نجات حاصل کرنا اور دریافت و شہود حق کا قائم کرنا۔ خلق سے فانی ہو کر حق سے بقا پانا سکھلاتا ہے۔ بھلا اس کو اس نام و نہاد اسلامی تصوف سے کیا تعلق!

چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا
ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

غلط فہمیوں کی وجہ سے فتنوں کا دروازہ کھل گیا اور اباحت والحاد نے سینکڑوں کے متاع ایمان کو تاراج کر دیا۔ ملاحدہ اور زنادقہ نے عینیت محضہ کی تعلیم شروع کر دی اور غیریت ذاتیہ شی کا انکار کر دیا صداقت کا معیار کتاب وسنت نہ رہا اس تعلیم کو ایک راز قرار دیا گیا جو سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ جس میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں۔ اس "سینہ بسینہ" علم کی رو سے غیریت نہیں عینیت صداقت ہے شی غیر ذات حق نہیں، عین ذات حق ہے! وحدت الوجود یا ہمہ اوست باعتبار وجود نہیں باعتبار شی ہے! ہمہ اوست کے اعتقاد کے لحاظ سے اتباع شریعت کی ضرورت کیا؟ حق تعالیٰ آمر ہیں۔ نہ کہ مامور جب تک غیریت ہے شریعت ہے جب غیریت مرتفع ہو کر عینیت ثابت ہو گئی اور حق ہی حق رہا تو حق کے لئے شریعت کی پابندی کیسی؟ شریعت اور حقیقت دو جدا اور متضاد شعبے ہیں۔ ان دونوں میں کوئی توافق نہیں۔ ہم آہنگی نہیں، شریعت میں جو چیز حلال ہے طریقت میں مردار ہے۔ اور بالعکس طریقت میں جو چیز حلال ہے شریعت میں حرام ہے۔ جب تک جہل تھا۔ شریعت کی زنجیریں تھیں۔ طریقت کا علم حاصل ہوا، راز حقیقت منکشف ہو گیا۔ جہل دور ہوا، آزادی نصیب ہوئی! عبدیت، فقر، امانت، خلافت، ولایت بے معنیٰ الفاظ ہیں! حق ہی حق ہے حق ہی حق! یہ ہے حاصل ان کی خود شناسی، رسول شناسی، اور حق شناسی کا! ان کے بزرگوں نے کہا تھا۔ کہ "علمنا هذا مشید بالکتاب والسنۃ"

اب ان کا دعویٰ ہے کہ اس سینہ بسینہ، علم کی صداقت کا معیار کتاب وسنت نہیں! ان کے اسلاف کی دعا تھی کہ

"ارجو ان اکون ممن قید بالشرع المحمدی ﷺ ... واحشرنا فی زمرتہ کما جعلنا فی امتہ"

اب وہ شریعت کو پیر کی زنجیر قرار دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے راز کائنات کو دریافت کر لیا ہے اور اس یافت نے انکو شرع محمدی کی قید سے آزاد کر دیا ہے۔ العظمۃ للہ الواحد القہار! نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ!

ذات احدیت باعتبار تعین اول صوفیہ کرام کی اصلاح میں "حقیقت محمدی" کہلاتی ہے مظہر حقیقی احدیت حقیقت محمدی ہے باقی تمام مراتب موجودات مظہر حقیقت محمدی ہیں۔ اور حقیقت محمدی کو عقل اول کہا جاتا ہے۔ جو روح اعظم ہے "اول ما خلق اللہ العقل اول ما خلق اللہ نوری" اول ما خلق اللہ روحی سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی عقل اول کو جو تمام حقائق اشیاء پر اجمالی طور پر محیط ہے۔ ام الکتاب، روح القدس، روح اعظم، قلم اعلیٰ، لوح قضا، عرش مجید اور درۃ البیضاء کے اسماء سے یاد کیا جاتا ہے۔

نوٹ: ڈاکٹر صاحب کی تحریر سے تصوف میں جو تغیرات واقع ہوئے اس کی پوری عکاسی ہو گئی۔

خلاصۂ بحث | اب تک جو لکھا گیا اس کا ماحصل یہ ہے قلب کی تطہیر اور نفس کا تذکیہ بڑا ونچا کام ہے پیغمبروں کی آمد اسی لئے

ہوا کرتی تھی حضورؐ نے اس کام کو اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا اگر ہم بھی یہ کام شریعت کے پابند رہ کر انہیں طریقوں سے انجام دیں جو حضورؐ کا تھا تو ہمارا یہ کام انتہائی پاکیزہ محمود اور قابل تعریف ہوگا۔ آج کے بگڑے ہوئے صوفیاء بھی اپنا رشتہ حضرت علی، حسن بصریؒ اور بڑے پیر شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ سے جوڑتے ہیں حالانکہ وہ اسلامی تصوف کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ اور مروجہ مجاہدات اور ریاضتیں جو خانقاہوں میں نظر آتی ہیں۔ ان کا وہاں کوئی نشان اور پتہ بھی نہیں تھا۔ انہوں نے وہی کیا جو حضورؐ سے ثابت تھا روحانیت کی تکمیل کے لئے نئے نسخے بھی ایجاد نہیں کئے، متبع سنت صوفیاء تصوف کی کیا حقیقت جانتے تھے۔ وہ مختصر لفظوں میں ہم آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں۔

"شیخ عارف باللہ ابراہیم دسوقی فرماتے ہیں: "الشریعۃ اصل والحقیقۃ فرع والشریعۃ جامعۃ لکل علم مشروع" شریعت اصل حقیقت اس کی شاخ ہے ہر مشروع علم کی شریعت جامع ہے اس قول سے صاف ظاہر ہوا ہے کہ طریقت اور معرفت شریعت سے کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں اسکی فرع ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر فرع اصل کے خلاف ہو جائے تو وہ ایک لغو اور بیکار چیز ہوگی۔

ابو حمزہ محمد بن ابراہیم بغدادیؒ فرماتے ہیں: "لا دلیل علی الطریق الی اللہ الا متابعۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ فی افعالہ واقوالہ" اللہ کے قرب حاصل کرنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ حضورؐ کی افعال و اقوال اور تمام احوال میں مکمل پابندی کی جائے۔

ابوالقاسم ابراہیم بن محمد فرماتے ہیں: "اصل التصوف هو ملازمۃ الکتاب والسنۃ وترك الاهواء والبدع" تصوف کی بنیاد کتاب وسنت کو لازم پکڑتے اور نفسانی خواہشات اور بدعتوں کو چھوڑ دینے پر ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر اتباع شریعت کے تصوف کا حصول ناممکن ہے۔

مجدد الف ثانی مکتوب ۳۶ جلد اول میں فرماتے ہیں تمام دینی و دنیاوی بہتری کی متکفل شریعت ہے کوئی ایسا مطلب نہیں جس کے واسطے غیر شریعت کی حاجت پڑے۔ طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کی خادم ہیں۔

مکتوب ۴۷ میں فرماتے ہیں قیامت میں یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے شریعت کی اتباع کی یا نہیں۔ یہ سوال نہیں ہوگا کہ تصوف اور اس کے اصول و ضوابط کی پابندی تم نے کی یا نہیں۔ یہ عبارت صاف ظاہر کر رہی ہے کہ نجات کا دارو مدار تصوف پر نہیں بلکہ شریعت پر ہے۔

مخدوم بہاری مکتوب ۲۶ میں فرماتے ہیں جو شخص شریعت کو بالائے طاق رکھ کر طریقت اختیار کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جس طرح سیڑھی کو پھینک کر کوئی کوٹھے پر جانا چاہے۔

مکتوب ۲۸ میں فرماتے ہیں جس کو دیکھو کہ شریعت سے الگ رہ کر طریقت کی راہ اختیار کرتا ہے جان لو طریقت سے اس کو کچھ نہیں ملے گا ملحدوں کا مقولہ ہے جب حقیقت حاصل ہو گئی تو شریعت بیکار ہے۔

اگر ہم چاہیں تو ہزار ہا مشہور مستند اور متبع سنت صوفیاء کے ایسے اقوال پیش کر سکتے ہیں جس سے یہ بات صاف ظاہر ہو رہی ہے کہ وہ رنگین تصوف جو آج کل عوام میں مقبول اور مسلمانوں میں پھیل رہا ہے جس کے اوراد، مجاہدات اور مراقبوں کے طریقے سب کچھ خیر القرون کے خلاف ہیں۔ اور جس کے خیالات و تصورات میں عیسائی رہبانیت اور ہندو جوگ کا نی سرایت کر چکا ہے اس کا اسلامی تصوف سے کوئی ربط نہیں ہے بلکہ دنیا میں مروجہ مذاہب کی طرح وہ ایک مذہب اور فرقوں کی طرح ایک فرقہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

گراوٹ کی انتہا

صوفیاء کا وہ گروہ جو خیر القرون میں موجود تھا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی اور دوسروں کی تعلیم، تطہیر قلب اور تزکیہ کا کام انجام دے رہا تھا، ان کا کردار ایک مثالی کردار تھا، وہ اسلامی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ اور انسانیت اور شرافت کا حسین پیکر تھے۔ ان کی صحبت میں جو جاتا اثر لیتا، دنیا دار دیندار بنتے، اہلِ بدعت بدعت سے توبہ کرتے، غیر مسلم اسلام قبول کرتے۔ بلاشبہ ایسا تصوف اور ایسے صوفیاء، سب کے نزدیک قابل احترام ہیں۔ لیکن جب دنیا دار نفس پرست لوگ اس میں داخل ہوئے اور عوام کو پھانسنے کے لئے سنت سے ہٹ کر عیسائی راہبوں اور ہندو جوگیوں کے طریقے انہوں نے اپنائے اور کچھ کرشمے دکھانے کی قوت انہوں نے مصنوعی مجاہدات سے حاصل کی تو پھر وہ اعلیٰ مقام سے گر کر بالکل تحت الثریٰ میں پہونچ گئے، ان کی گراوٹ کس حد تک پہونچ گئی اس کی دو ایک جھلک دکھاتا ہوں۔

جار اللہ زمخشری کشاف کے مصنف اپنے زمانے کے صوفیاء کا چشم دید حال لکھتے ہیں: میں اصل عربی عبارت کا مفہوم لکھتا ہوں: "کچھ صوفی کہلانے والے اللہ کے عشق و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ عشق کے جوش میں تالیاں پیٹتے ہیں ناچتے کودتے اور طرح طرح کے نعرے لگاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو خدا ایک حسین معشوقہ کی شکل میں نظر آتا ہے اسلئے عالم بیخودی میں وہ ایسا کرتے ہیں۔ صاحب کشاف لکھتے ہیں: "میں نے بعض ایسے عاشقانِ الٰہی کو دیکھا ہے کہ ان کی لنگی احتلام کی وجہ سے منی سے تر ہو گئی، بے وقوف عوام ان حرکات سے خوب متاثر نظر آرہے تھے، اور عشق الٰہی کا یہ پر جوش نظارہ دیکھ کر معتقد عوام کا روتے روتے برا حال ہو رہا تھا۔"

اب ہم اسی قسم کے چند واقعات مزید آپ کے سامنے رکھتے ہیں جس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ صوفیاء اور تصوف اپنے بلند مقام سے رفتہ رفتہ کس سطح پر آگئے:

اس وقت سنی حضرات کے سب سے بڑے اور اعلیٰ بزرگ مجذوب کہلاتے تھے، آپ سوچیں گے کہ یہ مجذوب کیا ہوتے ہیں؟ یہ لوگ بالکل ننگ دھڑنگ رہتے ہیں. جسم پر ایک تار نہ ہوتا تھا. ایسی حالت میں لوگوں کے درمیان بیباکی سے گھومتے تھے سنی حضرات ان ننگوں کو فنا فی اللہ کہتے تھے، بلکہ کہیں کہیں آج بھی یہ صورت دیکھنے میں آتی ہے اور انکے اس ننگے پن کو فنا فی اللہ ہونے کا اثر بتلاتے تھے، گویا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء تو فنا فی اللہ کے اس مرتبہ کو نہ پہونچ سکے، کیونکہ وہ لباس پہنتے تھے، اوران دیوانوں کو ننگے ہونے کی وجہ سے یہ شرف حاصل ہوگیا خود ان مجذوبوں کا حال یہ تھا کہ بعض اپنے آپ کو رب العالمین کہتے تھے۔

ان سنی حضرات کے صوفیاء بھی مجذوبوں سے کم نہ تھے، یہ صوفی حضرات، بادشاہ، شاہزادوں، شاہزادیوں اور عوام پر اپنا بڑا اثر رکھتے تھے. اس اثر سے وہ کیا کام لیتے رہے ہوں گے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ حضرات علماء کرام کے پاس آتے تھے اور پوری جرأت وگستاخی کے ساتھ کہتے تھے، او مسجد کے مینڈھے کچھ دلوا. ہم رنڈی رکھیں گے، شراب پئیں گے، اور بھنگ پئیں گے، عوام خواص پر ایسے بدقماش صوفیوں کے اثر کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ علماء مجبوراً انہیں کچھ نہ کچھ دے کر ہی رخصت کرتے تھے۔

اس سے بھی زیادہ بھیانک حال سنیئے! ایک بار شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (جو مخالفین کے ظلم کے سبب جوانی ہی میں نابینا ہو چکے تھے) اپنے ایک شاگرد کے ساتھ چاندنی چوک گئے. انہیں ایک شور سنائی پڑا شاگرد سے کہا دیکھو کیسا شور ہے؟ انہوں نے واپس آکر کہا کہ یوں ہی بے ہودہ سا شور ہے. لیکن شاہ صاحب مصر ہوگئے تو بالآخر شاگرد نے بتایا کہ ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے. اور اپنے عضو تناسل کو تانے ہوئے اور اس میں ڈورا (دھاگا) باندھے ہوئے ہے اور یہ کہہ رہا ہے نعوذ باللہ کہ یہ اللہ کا الف ہے. شاہ صاحب نے فرمایا کہ جاؤ اس کی کمر میں اتنی زور سے لات مارو کہ وہ گر پڑے اور کہو" او بے وحدت خود منڈے، کیا بکتا ہے' الف خالی ہوتا ہے اور اس کے نیچے دو نقطے ہیں. شاگرد نے ایسا ہی کیا پیچھے تالی بج گئی اور شہایت خفیف ہو کر چلا گیا۔

ان بدقماش فقیروں اور صوفیوں کے بقایا در خلفاء اب بھی ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں، جو زمانہ کی ترقی کے سبب ننگے رہنے کی تو جرأت نہیں کرپاتے لیکن ننگے پن کا حق ادا کرنے کے لئے شریعت اسلامی میں حرام کئے ہوئے گیروے رنگ کا لباس اور جوگیوں کے رنگ کے پگڑ باندھ کر مزاروں اور خانقاہوں میں بیٹھے بیٹھے کروڑوں مسلمانوں کا دین ایمان اور دولت دونوں لوٹتے ہیں اور سنی کہلانے والے نہ معلوم کتنے گھرانوں کی عزت وناموس سے کھیلتے رہتے ہیں اولیاء اور ان کا تصرف اسلامی عقیدہ ہے یا دین فروش خانقاہوں کا پروپیگنڈہ!

کہا جاتا ہے کہ اولیاء ریاضت ومجاہدہ سے اس مقام پر پہونچ جاتے ہیں کہ خدا ان کے ہاتھ میں اپنے خصوصی اختیارات تھوڑے بہت سونپ دیتا ہے اس طرح کائنات میں خدا کی طرح ان کا سکہ بھی چلتا رہتا ہے. ایسی خانقاہیں جہاں بزرگوں کے پختہ مزارات بنتے ہیں اور ان پر چادریں چڑھا ئے جانے کا سلسلہ قائم ہے ہزاروں مرد اور عورتیں سالانہ عرس کے نام پر یہاں جمع ہوتی

رہتی ہیں، ایسی خانقاہوں کے بدعتی، متولی، مجاور، اور مولوی برابر یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کو تصرف کے اختیارات حاصل ہیں ان کو خوش کرو اپنی بگڑی بناؤ اور مشکلیں حل کرو اولاد، تندرستی، دولت، کامیابی ان کے دربار سے حاجت مندوں کو برابر تقسیم ہوتی رہتی ہے، صرف نذر و نیاز، اچھی چادریں اور قیمتی چڑھاوے چڑھا کر ان کو خوش کر لینا ضروری ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ کتاب و سنت اور عقل و مشاہدہ کی بنیاد پر ہے کہ یہ عقیدہ سراسر غیر اسلامی، مشرکانہ، باطل، خلاف عقل اور خلاف مشاہدہ ہے۔ اب میں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں نمبر وار چند باتیں عرض کرتا ہوں:

(۱) اس پر سب متفق ہیں کہ انبیاء کا مقام اولیاء سے بلند تر ہے، کیونکہ ولایت نبوت کے اتباع سے ملا کرتی ہے، قرآن میں بیشمار آیتیں ایسی ہیں جن سے صاف واضح ہے کہ انبیاء کو کائنات میں تصرف کرنے کا حق نہیں تھا، حضرت ابراہیمؑ کو مشرکین نے آگ میں پھینک دیا، حضرت زکریا چیر دیئے گئے، حضرت یحییٰ قتل ہوئے، حضورؐ کے دندان مبارک خبیث مشرک، غنڈوں نے توڑ ڈالے، خانہ کعبہ میں نماز کی حالت میں آپ پر گندگی لاد دی گئی وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت زکریاؑ نے اپنے لئے اولاد خدا سے مانگی، حضرت ایوبؑ نے بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لئے خدا کو پکارا، حضرت ابراہیمؑ آگ کے جلانے سے صرف خدا کے فضل سے بچے وغیرہ وغیرہ۔

بدر میں حضورؐ ہاتھ پھیلا کر خدا سے مشرکین کے مقابلہ میں مدد مانگتے رہے، آپ کے بچے کا انتقال ہوا آپ کو بڑا صدمہ ہوا، آپ زبان سے کہتے رہے اے بیٹے ہم تیری جدائی پر غمگین ہیں۔ صحابہ فقر و فاقہ میں مبتلا رہے حضورؐ کا خود یہی حال تھا۔ غرض اس قسم کی باتوں سے قرآن اور حدیث بھرا ہوا رہے کیا یہ باتیں اس حقیقت کا ثبوت فراہم نہیں کرتیں کہ کائنات میں تصرف صرف اللہ کرتا ہے؟ انبیاء اور اولیاء ان باتوں میں اپنے بلند مقامات کے باوجود خدا کے محتاج ہیں مشاہدہ بھی یہی ہے کہ انبیاء اور اولیاء انہیں چیزوں کے محتاج ہیں جن کے عام انسان محتاج ہوتے ہیں۔ بھوک، پیاس، سردی، گرمی، مرنا، جینا، بیماری، تندرستی، فقر و فاقہ وغیرہ جس طرح عام انسانوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوتے یہ مشاہدہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کائنات پر صرف ایک ذات وحدہٗ لاشریک کی حکمرانی قائم اور اسی کا سکہ کائنات پر رواں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان صریح آیات، احادیث اور کھلے ہوئے مشاہدہ کے باوجود بدعتی مولویوں اور مزار کے متولیوں کو اولیاء میں تصرف فی الکائنات کی قدرت اور اختیار کے دلائل کہاں سے مل گئے؟ جواب صاف ہے "عوام کو دلائل سے بحث نہیں" وہ ضعیف الاعتقاد توہم پرست واقع ہوئے ہیں، ایک شخص شور مچا دیتا ہے کہ سڑک کے اس کنارے پر ایک بزرگ دفن ہیں اور وہاں سب کچھ مل سکتا ہے۔ یہ پروپیگنڈہ لاکھوں جاہل عوام کو وہاں اکٹھا کر دینے کے لئے کافی ہو جاتا ہے، عوام کی اس کمزوری بدعتی مولویوں اور مزاروں کے مجاور اور متولی باخبر ہیں، اس لئے بغیر کسی عقلی و نقلی دلیل کے وہ اس کا پروپیگنڈہ کرتے رہے ہیں کہ

مزاروں کی حاضری اور ان پر نذر و نیاز وغیرہ تمام مصیبتیں دور کرنے کے لیے اور فائدوں کو حاصل کرنے کے لیے آزمودہ اور مجرب نسخہ ہے۔ عوام اس پیگنڈہ سے متاثر ہو کر سفر کی مصیبت اور مالی مصارف برداشت کرکے وہاں لاکھوں روپے گھر بیٹھے بلا محنت کماتے رہتے ہیں۔ شیطان یہ وسوسہ دلوں میں ڈالتا ہے فلاں کو مزار سے لڑکا ملا، فلاں مقدمہ جیت گیا، فلاں بیمار اچھا ہوگیا، سوال یہ ہے کہ وہ کروڑوں آدمی جو اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور مزاروں کی حاضری کو خلاف شرع اور جہالت سمجھتے رہے کیا ان کے یہاں اولاد بند ہوگئی ؟ وہ سب مقدمات ہار گئے ؟ وہ سب بیمار کی حالت میں پڑے رہ گئے ؟

مسلمان بھائیو، یہ سب شیطان کا وسوسہ اور اس کا فریب ہے دنیا میں انسان جیسے ہے خدا کی طرف سے یہ سارا نظام قائم ہے، اور بزرگوں کی پیدائش سے پہلے بھی یہ سارے کام خدا کے قائم کردہ نظام کے ماتحت انجام پا رہے تھے اگر بدعتی مولویوں کو اصرار ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے بزرگوں کے تصرف فی الکائنات کا کرشمہ ہے تو میں ان سے کہوں گا کہ جو کام خدا کر رہا ہے اس کی نسبت بزرگوں کی طرف کرکے عوام کو فریب مت دیجئے، لاکھوں چادریں، اور کروڑوں کا چڑھاوا چڑھا کر کچھ کام آپ مزاروں کے بزرگوں سے کرا دیجئے، جو خدا کے مسلمہ آئین و قوانین کے خلاف ہو مثلاً عورتوں کے حمل کی مدت صرف ایک ہفتہ ہو درد زہ ختم کر دیا جائے جو عورت مرد بننا چاہے وہ مرد بنا دی جائے، زہریلے جانوروں کا زہر ختم کر دیا جائے وغیرہ وغیرہ

اولیاء کرام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم کو تصرف فی الکائنات حاصل ہے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جو بڑے پیر کے لقب سے مشہور ہیں اور جن کی طرف تصرف فی الکائنات کے سینکڑوں قصے من گھڑت منسوب ہیں، مزار پرست مولویوں کی طرف سے عوام کو یہ وظیفے پڑھائے جاتے ہیں: "امداد کن امداد کن از بندہ غم آزاد کن، در دین و دنیا شاد کن، یا شیخ عبدالقادر! یہ بھی رٹایا جاتا ہے۔ للہ یا عبدالقادر!

وہ خود فتوح الغیوب میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے" جب تم سوال کرو اللہ ہی سے کیا کرو، جب مدد چاہو اسی سے چاہو اگر تمام بندے تمہیں نفع پہونچانا چاہیں جو خدا کو منظور نہیں تو وہ ہرگز نہیں پہونچا سکتے، اسی طرح اگر تمام بندے نقصان پہونچانا چاہیں تو کچھ نہ ہوگا، پھر فرماتے ہیں: جو آدمی اللہ کو چھوڑ کر انسانوں سے مانگتا ہے تو یہ چیز اس کے جہالت اور ضعف ایمان کی دلیل ہے۔

ایک مقام پر بڑے پیر نے فرمایا: شرک صرف بت پوجنے کا نام نہیں، خدا کو چھوڑ کر دوسروں سے مانگنا بھی شرک ہے، بت پوجنا ظاہری شرک ہے، مخلوق پر بھروسہ کرنا، نفع و نقصان میں انکی طرف دیکھنا باطنی شرک ہے۔ مخلوق کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، ان میں اور بیجان پتھر میں کچھ فرق نہیں ہے، اللہ کے سوا کسی دوسرے پر بھروسہ مت کرو، خالق، مالک، رازق صرف

ایک خدا ہے ۔

معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں: "خدا کے سوا کسی دوسرے کی طرف نگاہ نہ اٹھانا چاہیئے"

خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں: "ایمان اسوقت کامل ہوتا ہے کہ جب اللہ کے سوا دوسرے پر بھروسہ نہ ہو۔"

یہ چند نمونے پیش کیے گئے ہیں، اولیاء کرام کی کتابیں ایسی تعلیمات سے بھری ہوئی ہیں؟ مزید وضاحت قرآن پاک سے دو ایک باتیں پیش کر رہا ہوں ۔

مشرکین انبیاء سے معجزہ مانگتے تھے اللہ نے ان کو یہ جواب سکھایا: مشرکین سے صاف کہہ دو معجزات اللہ کے پاس ہیں، ہمارا کام صرف ڈرانا ہے، اگر انبیاء کو تصرف فی الکائنات ذاتی نہ سہی عطائی ہی حاصل ہوتا تو جواب یہ دیا جاتا کہ دو ایک سوالات کیا کرتے ہو جو جی میں آئے مانگو، میں اپنی تصرف کی عطائی قوتوں سے سب کر دکھاؤں گا، اگر انبیاء کے ہاتھ میں قوت ہوتی تو اللہ کا ان سے یہ کہنا کہ کہہ دو ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے ایک خلاف واقعہ بات ہوتی جس کا خدا اور انبیا سے تصور نا ممکن ہے ۔

حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا ہارون کو لے کر فرعون کے پاس جاؤ، تو موسیٰ نے کہا مجھے ڈر لگتا ہے، فرعون کہیں مجھ پر چڑھ نہ بیٹھے، اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسے موسیٰ نبوت کے ساتھ ساتھ ہم نے تصرف فی الکائنات کی قوت بھی تم کو دی ہے تم اس سے فرعون کا کچومر نکال ڈالنا، بلکہ اللہ نے یہ فرمایا موسیٰ جاؤ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہوں۔

غرض کتاب وسنت، صوفیاء کرام کے ارشادات اس باب میں بالکل صاف ہیں کہ ساری قوتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جو ملے گا وہاں سے ملے گا لیکن اتنی واضح اور صاف حقیقت کے باوجود بدعتی علماء مزاروں کے مجاور اور متولی صرف اپنی دوکانداری قائم رکھنے اور فروغ دینے کے لئے ایسے پر فریب پروپیگنڈہ عوام میں کرتے رہتے ہیں ۔

ولایت اور درویشی کی مجرب کسوٹی

میں بار بار لکھ چکا ہوں کہ سنت کے مطابق تزکیہ کر کے امت میں بڑے اعلیٰ مرتبے کے اولیاء اور درویش پیدا ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی خدائی منوانے کے بجائے خدا کی خدائی منوانے میں اپنی زندگی صرف کی، انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا: ہم سے مانگو، ہم تمہاری جھولیاں بھر دیں گے، ہمیں تصرف فی الکائنات عطائی حاصل ہے، ہم تمہاری حاجتیں پوری کر سکتے ہیں، لیکن ان کے بالمقابل عیار، مکار شکم پرور ایسے لوگ بھی ہر دور میں موجود رہے ہیں، جو درویش نہیں تھے، لیکن شکل وصورت اور لباس و پوشاک انہوں نے درویشوں کا اختیار کر لیا اور جاہل عوام سے اپنے کھانے پینے کا بندوبست کرتے رہے ۔

اہل اللہ جو گذرے ہیں ان کی زندگی سادگی سے گزری، انہوں نے نہ اپنے لئے کوٹھیاں اور مکانات بنائے نہ بڑے بڑے باغات اور جائدادیں خریدیں اور نہ عیش و آرام کے سامان فراہم کئے۔ ان کی خانقاہوں میں لاکھوں روپئے آتے جاتے رہتے تھے

لیکن وہ غربار و مساکین پر صرف ہوتے تھے، اپنے عیش و آرام پر انہوں نے کبھی نہیں خرچ کیا۔ بادشاہوں اور نوابوں اور دولت مندوں سے ہمیشہ دور رہے ان کا اٹھنا بیٹھنا عوام اور غربار کے ساتھ رہا، انہوں نے کبھی بھی بادشاہوں کے دربار میں حاضری نہیں دی، لیکن نقلی صوفیا اور درویشوں کا حال ان سے بالکل جدا ہے یہ بجائے عوام کے نوابوں اور دولت مندوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، اب تو ایسے بھی سجادہ نشین شاہ صاحبان نظر آرہے ہیں جو اسمبلی اور پارلیمنٹ تک پہونچنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں اسلئے میری عوام سے اپیل ہے کہ وہ اس کسوٹی پر پرکھیں اور جو اہل اللہ کی کسوٹی پر پورا اترے اس سے تعلق قائم کریں۔

مولانا ابوالحسن ندوی کے مروجہ تصوف کے متعلق گراں قدر خیالات

مولانا علی میاں فرماتے ہیں: مذاہب، اخلاقیات، تعلیم و تربیت، اصلاح و تجدید، علوم و فنون سب کی تاریخ میں دو مرحلے بڑے سخت پیش آتے ہیں۔ ایک جب کہ وسائل مقاصد بن جاتے ہیں اور دوسرے جب اصطلاحات حقائق کے لئے حجاب بن جاتے ہیں، لیکن وسائل ہوں یا اصطلاحات، مقاصد و حقائق کے لئے ان کا درجہ خادم و معاون کا ہے، لیکن اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ ان مقاصد عالیہ کو یہ ابتلار بار بار پیش آیا ہے۔ کہ وسائل مقاصد بن گئے ہیں، اور اصطلاحات نے حقائق پر ایسے دبیز پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ نہ صرف نگاہوں سے اوجھل ہو گئے بلکہ ان سے ان تلخ تجربوں اور غلطیوں کی بنار پر جو ان اصلاحات کے علمبرداروں سے سرزد ہوئیں، ایسی شدید غلط فہمیاں پیدا ہوئیں کہ حق جو اور سلیم الفطرت انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو ان مقاصد اور حقائق سے ایسی وحشت پیدا ہو گئی کہ ان کو ان مقاصد کے حصول پر آمادہ کرنا ایک نہایت دشوار کام بن گیا، جب ان کے سامنے ان مقاصد کے تحصیل کی ضرورت پر تقریر کی جاتی ہے تو وسائل کے پہاڑ ان کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں خام و غیر محقق داعیوں نے سخت مبالغہ اور غلو سے کام لیا ہے، تصوف کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے، جہاں تک اس کے مقصد اور حقیقت کا تعلق ہے وہ ایک متفق علیہ حقیقت ہے لیکن اس کو انہیں دو چیزوں نے نقصان پہونچایا ہے ایک وسایل میں غلو دوسرے اصطلاحات پر غیر ضروری اور اگر ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو ہم اس کو تزکیہ اور احسان کے لفظ سے یاد کرتے اور تصوف کا لفظ ہی استعمال نہ کرتے محققین فن نے ہمیشہ مقاصد پر زور دیا ہے، انہوں نے بڑی جرأت سے ان چیزوں کا انکار کیا جو اس کی روح اور مغز سے نہ صرف خارج بلکہ منافی اور مضر ثابت ہوتی ہیں۔ شیخ عبدالقادر شہاب الدین مجدد الف ثانی وغیرہ نے قشر و لباب مقصود و غیر مقصود میں وضاحت کے ساتھ امتیاز پر زور دیا ہے اور ان رسوم و عادات کی شدت سے تردید کی جو غیر مسلموں کے اختلاط یا صوفیا کے اثرات سے داخل ہو گئی تھیں اور ان کو تصوف کا جزر سمجھ لیا گیا تھا۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں لیکن وہ رسوم جن کا شریعت سے ثبوت نہیں کوئی قیمت نہیں رکھتے۔

(ص ۱۵۶۔ شریعت و طریقت مولانا زکریا صاحب)

جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا زکریا صاحب کے قیمتی خیالات موجودہ تصوف کے متعلق

اس کمی کی تلافی کے لئے بزرگوں نے مجاہدات اور ریاضت ایجاد کئے، ایک زمانے تک وہ محض وسائل غیر مقصودہ کے درجہ میں رہے مگر جوں جوں خیر القرون سے بُعد ہوتا گیا ان میں مقصودیت کی شان پیدا ہوتی گئی اور وقتاً فوقتاً ان میں اضافہ بھی ہوتا رہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین میں بیحد بدعات علمی و عملی اور اعتقادی داخل ہوگئیں مگر محققین صوفیا نے ان خرابیوں کی اصلاحیں بھی کیں، مگر اس کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ بدعات میں کچھ کمی ہوگئی لیکن ازالہ نہ ہو سکا۔ پھر فرمایا: کہ طریق سنت میں یہ بڑی برکت ہے کہ شیطان کو اس میں رہزنی کا موقعہ بہت کم ملتا ہے چنانچہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جن امور کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا ہے۔ جیسے نماز با جماعت وغیرہ اگر کوئی سختی کے ساتھ ان کی پابندی کرے اور فرائض و واجبات و سنن موکدہ کا پورا اہتمام کرے۔ نہ تو خود اسکو وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ میں کامل اور بزرگ ہوگیا نہ دوسرے اسے ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں، لیکن اگر کوئی ان امور کا اہتمام کرے جن کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام نہیں فرمایا۔ مثلاً چاشت، اشراق، صلوٰۃ الاوابین وغیرہ کا پابند ہو تو وہ خود بھی سمجھتا ہے اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں، کہ اب یہ بزرگ ہوگیا۔

(شریعت و طریقت کا تلازم ص۹۴)

اقتباسات کا ماحصل ہم ممبروار عوام کے فائدہ کے لئے اقتباسات کا خلاصہ لکھ دیتے ہیں:

(۱) تصوف کی اسلامی سادہ صورت جو خیر القرون میں تھی وہ صوفیانہ موشگافیوں، جدید اصطلاحات اور رموز کے دبیز پردوں میں روپوش ہوگئی، اسلامی تصوف سب کے نزدیک قابل قبول ہے لیکن تصوف کا یہ نیا معجون مرکب ان کے لئے وحشت کا سبب ہے جو کتاب و سنت کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

(۲) تصوف میں علمی، عملی اور اعتقادی گمراہیاں داخل ہوگئیں

(۳) عجمی اختلاط اور خام کار صوفیوں نے اسلامی تصوف کی مٹی پلید کر دی۔

مخلصانہ اپیل برادران اسلام! اس مختصر رسالہ کو بار بار غور سے پڑھیئے اور اس دور میں مولانا علی میاں اور مولانا زکریا صاحب زید مجدھما جیسے متبع سنت صوفیا سے اپیل کیجئے کہ ایک بار پھر وہ اصلاح کے لئے قدم اٹھائیں اب حالات وہ نہیں رہے جو شہاب الدین اور مجدد الف ثانی کے زمانہ میں تھے اب تحریر و تقریر کی قوت سے خرافات کا

مٹانا بہت آسان ہوگیا، عوام کو فریب دینے کے لئے کاروباری خانقاہیں خلاف سنت مروجہ طریقوں کے متعلق یہ پروپیگنڈہ کرتی رہتی ہیں۔ کہ بھائی جیسے جسمانی بیماریوں کے لئے حالات کے لحاظ سے انجکشن اور کیپسول بنائے جارہے ہیں تو روحانی علاج کے لئے اس قسم کے انجکشن وکیپسول کیوں نہ بنائے جائیں، اس کی حقیقت شیطانی وسوسے سے زیادہ نہیں ہے۔ حضورؐ نے جو روحانی علاج کیا وہ دائمی اور ناقابل ترمیم ہے۔ اچھے صوفیا برابر اس کا اعلان کرتے رہے ہیں۔

اتباع سنت کے ساتھ اتباع کی نیت سے پائخانہ جانا، خلاف سنت نفلیں پڑھنے سے افضل ہے۔

(اکابر کا سلوک واحسان ص ۳۳)

اکابر کا سلوک واحسان صفحہ ۴۲ پر سلوک کے بہت سے موانع لکھے ہیں، لیکن سب سے بڑا مانع مخالفت سنت کو لکھا ہے لہذا سلوک کے راہیوں کو اپنی محنت کارآمد کرنے کے لئے اتباع سنت ضروری ہے۔

خصوصی شمارہ کی اشاعت کا فیصلہ

جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق ناظم اعلیٰ اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے سابق امیر جناب مولانا عبدالوحید صاحب سلفی رحمہ اللہ کے حیات واعمال پر مشتمل ماہنامہ محدث بنارس کے خصوصی شمارہ کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ہم جماعت اور ملت کے اعیان، علماء اور شعراء حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ موصوف سے متعلق اپنے تاثرات، نگارشات اور مقالات ارسال فرماکر اس خصوصی شمارہ کو زینت بخشیں۔

(ادارۂ محدث)

سرورِ عالمؐ نازک لمحات کی میزان پر

مولانا عبدالوہاب حجازی

روئے زمین پر نوع انسانی کی آفرینش کے آغاز ہی سے خالق عالم نے اس کو مقصد تخلیق سے مربوط رکھنے کے لئے رشد و ہدایت کا ایک منظم سلسلہ رکھا ہے، یہ منصب رسالت کا سلسلہ ہے، جو ایک مقدس ترین فریضہ اور نوع انسانی کے لئے خالق کی طرف سے سب سے بڑا اعزاز ہے، یہ اپنی عظمت کے اعتبار سے اہم اور نازک بھی ہے، نوع انسانی کی ہر قوم اور اس کا ہر دور منصب رسالت کے حامل ، برگزیدہ انسانوں سے فیض یاب ہوتا رہا ہے، یہ انبیاء و رسل اعلیٰ ترین بشری صفات کے حامل اور اپنے اپنے دور کے انسان کامل تھے، منصب رسالت کے حصول میں کسب کا قطعی دخل نہیں یہ خالص وہبی اعزاز ہے جو اللہ نے انہیں ان کے کمال ظاہر و باطن کے سبب عطا فرمایا، جملہ انبیاء و رسل ایک دین، ایک راہ یعنی اسلام کے داعی تھے، بعد کے آنے والے ہر نبی نے اپنے پیشرو نبی کے گم گشتہ راہ پیروؤں یا عام انسانوں کو اپنی دعوت کا مخاطب بنایا اور ان کے بگاڑ کی اصلاح کی سعی کی، اس سلسلہ کے سب سے آخری نبی اور رسول سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپؐ کے منصب کا دائرہ بے حد وسیع ہے، آپ کے پیغام کی مخاطب پوری نوع بشر ہے جو رنگ و نسل قوم و وطن اور جدید و قدیم کی ہر بندش سے آزاد ہے، اس پیغام کو انسانی دنیا میں کمال بے غرضی سے آپؐ نے عملاً نافذ فرمایا۔ اعلیٰ انسانی اقدار کے بجائے پست و محدود اقدار پر یقین رکھنے والے انسانوں نے پیشرو انبیاء کی طرح آپ کے پیغام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں، استہزاء و استخفاف، دشمنی و عداوت اور جنگ و جدل کے ہر ممکن وسائل آپ کے مقابلہ میں استعمال کئے گئے، قید و بند، سماجی معاشی اور سیاسی مقاطعہ، قتل کی کوشش انتہاپسندانہ کارروائیاں آپؐ کے ساتھ انجام دی گئیں، لیکن یہ ایک خدائی منصب کا فریضہ تھا جسے آپؐ کو لازماً ادا کرنا تھا، اور آپؐ نے یہ فریضہ خدائی تحفظ کے ساتھ اپنی اعلیٰ ترین پیغمبرانہ صفات کے ذریعہ کامل طور پر ادا فرمایا۔

زیر نظر مقالہ میں یہ جائزہ مقصود ہے کہ آپؐ نے اپنی حیات طیبہ کے سفر میں نازک مواقع پر کس طرح اپنے منصب کو نبھایا اور حالات کا معتدل، راست اور نتیجہ خیز حل فرمایا، اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے محاصرہ شعب ابی طالب کا جائزہ لیں گے۔

زندانِ شعبِ ابی طالب

غیر مسلمین کی طرف سے رسول اکرمؐ اور آپؐ کے اصحاب کی بے پناہ ایذا رسانی کے باوجود اسلام کی مقبولیت کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا تھا، ابوبکرؓ و عثمانؓ کے علاوہ عمرؓ اور حمزہؓ

جیسے بارعب قریشی اسلام لاچکے تھے، سرزمین مکہ کے تنگ ہونے پر پڑوسی ملک حبشہ میں مسلمانوں کو باطمینان جائے پناہ مل گئی تھی، جسے قریشی سخت خطرہ تصور کرتے تھے، اس لئے رسول اکرمؐ، آپؐ کے خاندان اور آپؐ کے اصحاب کو تباہ و برباد کرنے کے لئے تمام قبائل نے ایک بائیکاٹ کا معاہدہ لکھا اور اسے کعبہ میں آویزاں کردیا معاہدہ نامہ میں درج ذیل باتیں لکھی گئی تھیں۔

- محمدؐ کے خاندان بنی ہاشم سے کوئی رشتہ ناطہ قائم نہیں کیا جائے گا۔
- ان سے خرید و فروخت کا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔
- نہ ان سے کوئی ملے گا اور نہ ہی ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بھیجے گا۔

اس مقاطعہ کے سبب سے آپ اپنے اصحاب اور خاندان کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے، جہاں مسلسل تین سال آپ کو رہنا پڑا، یہ مدت نظر بندی انتہائی صبر آزما اور مشکل تھی، اصحاب رسولؐ کہتے ہیں کہ ہم سوکھے چمڑے بھگو کر چوستے اور پتے کھا کھا کر اپنی گرسنگی بجھاتے تھے، بچے بھوک اور پیاس سے تڑپتے اور روتے تھے جنکی آواز گھاٹی سے باہر سنائی دیتی تھی جسے سنگ دل کافر سن کر خوش ہوتے تھے۔

حج کا زمانہ امن کا وقت ہوتا ہے عرب اس وقت اس طرح کی باتوں سے دست کش ہوجاتے تھے، لیکن آپؐ کے ساتھ کافروں نے یہ سہولت بھی روا نہ رکھی، آپ تبلیغ کے لئے جاتے تو آپؐ کا چچا ابولہب آپؐ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا اور آپؐ کے وعظ کے اثر کو ختم کرنے کی سعی کرتا، اور مسلمانوں کے ساتھ لین دین سے دوسروں کو روکا جاتا۔

اس وحشیانہ برتاؤ سے بنو ہاشم کے کچھ قرابت مندوں ہشام عامری اور زہیر وغیرہ کے دلوں میں رحم کا جذبہ بیدار ہوگیا اور کچھ دوسرے لوگ جیسے مطعم بن عدی، ابوالبختری، ابن ہشام اور زمعہ بن الاسود بھی ان کے ہمنوا ہوگئے یہ ہتھیار بند ہوکر معاہدہ چاک کرنے کے لئے خانہ کعبہ گئے، ابوجہل آڑے آیا لیکن معاہدہ چاک کردیا گیا، قدرتی طور پر رہائی کی ایک شکل یہ بھی ظاہر ہوگئی کہ معاہدہ کو اللہ کے نام کے سوا دیمکوں نے چاٹ لیا تھا[1]

- محاصرہ و مقاطعہ پورے تین سال قائم رہا اور انتہائی جاں گسل مشکلات کے ساتھ لیکن آپؐ نے صلح کی کوئی دوسری سبیل تلاش نہیں کی بلکہ موسم حج میں اگر دوسروں سے ملنے کا موقعہ ملا بھی تو آپؐ نے ان سے تبلیغ اور دعوت دین ہی کی بات کی، اس سے دین کے لئے آپؐ کی بے مثال عزیمت اور آپ کا ناقابل تسخیر استقلال نمایاں ہے، کیونکہ ایسے مواقع پر عام انسان صبر و استقلال سے دست کش اور کسی متبادل پر امن طریقہ کی تلاش میں لگ جاتا ہے، مقصد کیا ہے؟! مصائب کے سامنے اسے فراموش کردیتا ہے، اس موقعہ پر آپؐ کے استقلال نے اسلام اور مسلمانوں کی روحانی عظمت کا پرچم قائم رہا سارے عرب میں

---

[1] ابن ہشام ۱۹۱۱۶ ۳/۲، ابن سعد ۱ / ۲۰۸ ، ۲۱۰ البدایۃ والنہایۃ ۳ / ۹۵ ، ۹۶

م کر دیا، اور لوگوں کے دل ودماغ کاروبار نبوت کی طرف متوجہ ہو گئے۔

طائف کا تبلیغی سفر

سنہ نبوت میں ابو طالب اور خدیجہؓ کے انتقال سے ایک بڑا مادی اور دنیاوی سہارا ٹوٹ گیا، کفار کی جرائتیں بڑھ گئیں وہ کھلے بندوں آپؐ کو ستانے لگے، لیکن اس سے آپؐ کے عزم وصلہ پر کوئی اثر نہ تھا آپ مکہ سے طائف کی راہ میں مختلف قبائل کو دعوت اسلام دیتے ہوئے طائف تشریف لے گئے۔
رد پہاڑی پر آباد اس سرسبز شہر کے اندر بڑے بڑے رئیس اور امیر بستے تھے، لیکن ان میں غرور کی صفت پائی جاتی تھی آپؐ ں کے معزز سردار مسعود، عبد یالیل اور حبیب سے ملے اور انہیں دعوت اسلام دی لیکن ان کے جواب بڑے حوصلہ شکن اور رت خیز تھے مزید یہ کہ آپؐ جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو ان لوگوں نے آپ کے پیچھے شہر کے اوباشوں اور بدمعاشوں لگا دیا جو آپ کو پتھر مارتے تھے، جس سے آپ کے جوتے خون سے بھر گئے، آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو یہ ظالم ہاتھ پکڑ ھڑا کر دیتے اور پھر پتھروں کی بارش ہونے لگتی، ایک بار آپؐ بیہوش ہو کر گر پڑے زید بن حارثہ نے جو ساتھ میں تھے آپ کو پیٹھ پر ایا باہر لا کر پانی کے چھینٹے دیئے تو ہوش آیا۔
یہ اوباش گالیاں دیتے اور تالیاں پیٹتے، ناچار آپؐ نے ایک باغ کے احاطہ میں پناہ لی، باغ کے مالک عتبہ بن ربیعہ نے از راہ شرافت ایک طشت اپنے عیسائی غلام عداس کے ہاتھ آپؐ کے پاس انگور بھجوائے، آپؐ نے عداس کے حالات پوچھے، اس نے کہا میں نینوی کا عیسائی بدہ ہوں، آپؐ نے فرمایا سرزمین یونسؑ کے باشندے ہو عداس کو آپؐ کے اس علم پر بڑی حیرت ہوئی اس نے کہا یہ بات کوئی نہیں جانتا، آپؐ نے فرمایا یونس میرے بھائی ہیں وہ اللہ کے نبی تھے میں بھی اللہ کا نبی ہوں عداس نے جھک کر آپؐ کے پیر کو بوسہ دیا، عتبہ غلام کی یہ حرکت دیکھ رہا تھا، اس نے بلا کر سرزنش کی، عداس نے کہا حضور آج روئے زمین پر اس سے ھ کر کوئی انسان نہیں ہے،
اتنی جاں کاہ اذیتوں کے بعد آپؐ نے جو دعا مانگی وہ منصب رسالت کی ادائیگی کے جذبات سے لبریز ہے آپؐ فرماتے ہیں:
اللہ میں اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور تحقیر کا شکوہ تجھی سے کرتا ہوں، اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو کمزوروں کا ہے، تو میرا رب ہے، تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے، کسی بیگانہ یا دشمن کے جو مجھ پر قابو رکھتا ہے، اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی کی انہیں، لیکن تیری عافیت میرے لئے سب سے وسیع جائے پناہ ہے، میں تیرے روئے زیبا کے اس نور کے ذریعہ پناہ چاہتا جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں، اور دنیا و آخرت کے کام درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر غضب نازل ہو، مجھے تیری ہی خوشی مطلوب ہے، ہر طرح کی قوت وطاقت تیرے ہاتھ میں ہے۔
حضرت جبرئیلؑ نے نازل ہو کر آپ سے عرض کیا اللہ نے ہمیں آپؐ کے پاس بھیجا ہے کہ اہل طائف کے متعلق جیسا

چاہیں حکم دیں، اتنے میں پہاڑوں کا منتظم فرشتہ نازل ہوا اور عرض کیا آپ فرمائیں تو دونوں پہاڑوں کے درمیان اہل طائف کو پیس کر برباد کر دیا جائے، رسول اکرم ؐ نے فرمایا: اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو توقع ہے کہ ان کی نسل اللہ و رسول پر ایمان لائے گی۔ مسلم بڑا

- ایک غریب الدیار انسان، ایک پیغمبر کے ساتھ مغرور اہلِ طائف کا یہ برتاؤ تحقیر و تذلیل اور اذیت کی حدوں کو پار کر چکا تھا، سرور عالم ؐ نے خود اسے یوم غزوۂ احد سے بھی زیادہ سخت بتایا ہے، لیکن سب کچھ آپ نے بغیر کسی پروا کے برداشت فرمایا، اس موقع پر آپ کی زبان مبارک سے جو کلام نکلے ان سے قطعاً یہ مترشح نہیں ہوتا کہ آپ اپنے منصب اور دین سے دل برداشتہ ہوئے ہوں، یا جس قوم کی طرف سے آپ کو اس تذلیل اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا اس کے حق میں فلاح دین و دنیا کے سوا کوئی اور بات آپ نے سوچی ہو، یہ سب کچھ آپ کے عدیم النظیر صبر و تحمل، انسانیت کی بے لاگ خیر خواہی اور اللہ کی ذات پر یقین کامل کا نتیجہ اور آپ میں پائی جانے والی بے مثل روحانی طاقت کا آئینہ دار ہے۔

لہ ابن سعد ۱/ ۲۱۰، ۲۱۲ ابن ہشام ۲/ ۴۷، ۴۹، ۴۳ البدایۃ والنہایۃ ۳/ ۱۳۵، ۱۳۷

رفض وتشیع کے ردوابطال میں شیخ الاسلام کی مساعی

ترجمہ وتلخیص: ڈاکٹر عبدالرحمن الفریوائی

برادرانِ اسلام! یہ میری خوش نصیبی اور سعادت ہے کہ شیخ الاسلام کی زندگی اور کارناموں کے تعارف پر منعقد ہونے والے اس عالمی سمینار میں جامعہ سلفیہ نے ہمیں یاد کیا۔ اس عزت افزائی پر میں اراکین جامعہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اس مناسبت سے شیخ الاسلام کی رد روافض کے سلسلہ کی عظیم مساعی کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

شیعوں کے بے شمار فرقے ہیں، ان کے مشہور فرقوں میں زیدیہ، امامیہ، کیسانیہ اور غلاۃ چار فرقے سرفہرست ہیں، جن میں فرقہ امامیہ کے افراد عالم اسلام کے بیشتر حصوں میں پائے جاتے ہیں، ان میں خود چودہ فرقے ہیں۔

شیخ الاسلام نے روافض کو تین فرقوں میں تقسیم کیا ہے پہلا فرقہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہے، حضرت علی کو جب اس بداعتقادی اور گمراہی کا علم ہوا تو اس کی پاداش میں آپ نے انہیں زندہ نذر آتش کر دیا۔

دوسرا فرقہ شیخین ابوبکرؓ، عمرؓ وغیرہ کو سب وشتم کرنے والوں کا ہے جو "سابہ" کے نام سے معروف ہے۔

تیسرا فرقہ مفضلہ ہے، جو شیخین پر حضرت علیؓ کی افضلیت کا قائل ہے۔

کذب بیانی، صحابہ سے بغض ونفرت وعداوت، اوران سب پر شتم وتبرابازی، بالخصوص حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وبقیہ عشرہ مبشرہ وامہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مثالب بیان کرنا اوران پر تبرا، عقیدۂ امامت، صفات باری تعالیٰ میں تشبیہ وتعطیل بدعات کا رواج ان فرقوں میں قدر مشترک ہے۔

۱۔ کذب بیانی وافترا پردازی

شیعہ فرقوں کے سارے علم کلام کی بنیاد سراسر جھوٹ اور کذب بیانی پر ہے، شیخ الاسلام نے منہاج السنۃ اور دوسری مؤلفات میں ان شیعی روایات باطلہ کے ردوابطال کا کام بہت تفصیلی انداز میں کیا ہے، اوران کی ساری روایات کو نقد ونظر کی کسوٹی پر پرکھا ہے، عقلی دلائل کے ساتھ اس کا ردوابطال کیا ہے اور محدثین کی آراء سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی روایات کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے اور صحابہ وتابعین وائمہ اسلام کے شیعوں کے مثالب پر بے شمار اقوال نقل کرکے یہ باور کرایا ہے کہ اس سے زیادہ دروغ گو اور کوئی طائفہ امت اسلام میں نہیں پایا جاتا ہے بلکہ مفید النعمان کی ایک مشاھد ومقابر کی زیارت سے متعلق کتاب کو بطور مثال پیش کرکے یہ فرمایا کہ میں نے اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی اکثر وبیشتر کتابوں میں بھی اتنا جھوٹ نہیں دیکھا۔

شیعوں کے اس دعوے کی حقیقت سے بھی پردہ اٹھایا کہ اس کے پاس سربستہ علوم ہیں اور تاریخ کے حوالے سے یہ بتایا کہ باطنی اور قرامطہ نے اپنے افکار کی ترویج کے لئے ان جھوٹوں کی طرف اپنی نسبت کی۔

سب وشتم صحابہؓ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے شیعوں کے نازیبا اور معاندانہ ومنافقانہ رویئے اور انکے سب وشتم اور تبرابازی پر شیعوں کے طرز فکر واستدلال پر بھرپور تنقید فرمائی اور یہ ثابت کیا کہ صحابہ کرام نے حکومت وسیادت کے لئے کسی مسلمان سے قتال نہیں کیا، بلکہ ان کے جہاد کا رخ کفار ومشرکین اور یہود و نصاریٰ کی طرف تھا، روم وفارس کو فتح کرکے اسلام وایمان اور اہل اسلام کی عزت وطاقت میں اضافہ کیا، حضرت عثمانؓ جن کا مرتبہ شیخین کے بعد ہے، آپ نے اپنے جانی دشمنوں اور سیاسی مخالفین کے خلاف کوئی جہاد نہیں کیا جب کہ تشیع و رفض کی پوری تاریخ سیاہ کارناموں سے بھری ہے اور یہ اسلام اور امت اسلام کے لئے ایک بدنما داغ ہیں اسی سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ روافض عقل سلیم اور نقل صحیح دونوں سے تہی دامن ہیں، نہ یہ دین کے رہے اور نہ دنیا کے۔

(۳) عقیدۂ امامت شیعوں کے یہاں امامت کا عقیدہ ہر زمانے میں ایک بنیادی حیثیت کا حامل مسئلہ رہا ہے ان کے یہاں حضرت علی اور ان کی آل واولاد امامت کے حق دار ہیں۔ اسی سلسلے میں انہوں نے بہت ساری موضوع روایتوں کا سہارا لیا ہے، شیخ الاسلام نے اس مسئلہ پر بہت کافی روشنی ڈالی اور تمام موضوع روایات کی چھان بین کی اور اس سلسلہ میں کتاب اللہ وسنت متواترہ اور اجماع سے شیخین وحضرت عثمان کی خلافت وامامت کو ثابت فرمایا۔

(۴) تشبیہ وتعطیل نیز صفات باری تعالیٰ میں تشبیہ وتعطیل کے شیعی عقائد کا بھی رد وابطال متعدد رسائل میں فرمایا۔

(۵) بدعات اہل رفض وتشیع کے یہاں بدعات کا جو رواج ہے اس کو مثالوں سے واضح کیا اور اس کے امت کے دوسرے طبقے میں جو اثرات بد پڑے اس کی نشاندہی فرمائی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شیخ الاسلام نے مختلف شیعی فرقوں کے مابین قدر مشترک مسائل کے رد وابطال پر جو عظیم لٹریچر چھوڑا ہے اور بالخصوص منہاج السنۃ جیسی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت کی حامل کتاب، عصر حاضر کی شیعی تحریک اور اسکی فتنہ سامانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اس سے استفادہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ نیز شیخ الاسلام نے بزور شمشیر شیعی طاقتوں کو زیر کرنے کا جو کام کیا اہل سنت کے لئے اس میں بھی ایک دعوت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

احمد مجتبیٰ سلفی

ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن

اور امت میں ان کے غلط اثرات

اوحی اللہ الی عیسی علیہ السلام: یا عیسی: امن محمد، وأمر من ادرکہ من امتك ان یؤمنوا بہ، فلولا محمد ماخلقت آدم، ولولا محمد ماخلقت الجنة ولا النار، ولقد خلقت العرش علی الماء فاضطرب فکتب علیہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" فسکن۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو وحی فرمائی کہ: تم محمد پر ایمان لے آؤ، اور اپنی امت کو حکم دیدو کہ جو آدمی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پالے وہ ان پر ایمان لے آئے اسلئے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں نہ تو آدم (علیہ السلام) کو پیدا کرتا، اور نہ جنت اور جہنم کو۔ میں نے عرش کو زمین پر بچھایا تو وہ ہلنے لگا، تو اس پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھ دیا تو وہ ساکن ہوگیا

مرفوعاً اس حدیث کی کوئی اصل ہی نہیں

ہاں امام حاکم نے مستدرک (ج ۲/ ۶۱۵) میں حضرت ابن عباس سے ان کا اپنا قول نقل کیا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ: میرا خیال ہے کہ یہ من گھڑت ہے۔ اور میزان الاعتدال میں اس حدیث کے ایک راوی (عمرو بن اوس انصاری) کے ترجمہ میں فرماتے ہیں، یجھل حالہ، وأتی بخبر منکر اس کا حال معلوم نہیں، اور اس نے ایک منکر روایت بیان کیا ہے۔ اس کے بعد اسی مذکورہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ نیز حافظ ابن حجر نے بھی اسکی تائید کی ہے۔

اس کا راوی عمرو بن اوس اتنا مجہول ہے کہ میزان الاعتدال کے سوا اس کا ترجمہ کہیں نہیں ملا، اور میزان کا ریمارک آپ دیکھ ہی چکے۔

- عن سلمان قال: حضرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم، فاذا أعرابی جاف، رجل بدوی قد وقف علینا، فسلم، فرددنا علیہ السلام، فقال: یاقوم! ایکم محمد؟ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أنا محمد رسول اللہ. فقال الأعرابی، لقد امنت بك قبل أن أراك، وأحببتك من قبل أن ألقاك. وصدقتك قبل أن أری وجهك، ولکنی أرید ان أسألك عن خصال، قال: سل عما بدالك، فقال: الیس اللہ عزوجل کلم

موسیٰ؟ قال: بلیٰ، قال، وخلق عیسیٰ من روح القدس؟ قال: بلیٰ، قال: واتخذ ابراهیم خلیلا؟ واصطفیٰ آدم؟ قال: أيَّ شيء أُعطِيتَ من الفضل؟ فاطرق النبي صلی الله علیه وسلم فهبط علیه جبریل فقال: الله يقرءك السلام وهو يسألك عما هو اعلم به منك، فيقول: ياحبيبي! لم اطرقت؟ ارفع رأسك ورد على الأعرابي جوابه، فقال: ماذا أقول ياجبريل؟ قال: الله يقول: إن كنتُ اتخذتُ ابراهيم خليلا فقد اتخذتك من قبل حبيبا، وان كلمتُ موسیٰ في الارض فقد كلَّمتُك وانت معي في السّماء، والسماء أفضل من الأرض، وإن كنت خلقت عيسیٰ من روح القدس فقد خلقت اسمك قبلَ ان اخلق الخلق بألفي سنة، ولقد وطئت في السّماء مَوطِئا لم يطأ أحدٌ قبلك، ولايطؤ ه أحد بعدك، وان كنت قد اصطفيت آدم فقد ختمت بك الأنبياء، ولقد خلقت مائة ألف نبي وأربعة وعشرين الف نبي، ما خلقت خلقا اكرم علي منك، ومن يكون اكرم عليّ منك؟ ولقد أعطيتك الحوض والشفاعة، والناقة، والقضيب، والميزان، والوجه الأقمر، والجمل الأحمر، والتاج، والهراوة والحجة والعمرة، والقرآن، وفضل شهر رمضان، والشفاعة كلها لك حتی ظل عرشي في القيامة على رأسك ممدود، و تاج الملك على رأسك معقود، ولقد قرنت اسمك مع اسمي، فلا أذكر في موضع حتی تذكر معي، ولقد خلقت الدنيا وأهلها لأعرفهم كرامتك عليّ، ومنزلتك عندي ولولاك يا محمد ما خلقت الدنيا.

ترجمہ : حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ: ایک دن میں نبی کریمؐ کے پاس حاضر ہوا، اچانک ایک بدوی آدمی ہمارے پاس آکھڑا ہوا، ہمیں سلام کیا، ہم نے جواب دیا، اس نے کہا: آپ لوگوں میں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں محمد اللہ کا رسول ہوں، اعرابی نے عرض کیا: میں آپ کو دیکھنے سے قبل ہی آپ پر ایمان لے آیا تھا، اور آپ سے ملاقات کے پہلے ہی سے محبت کرتا تھا، اور آپ کے روئے مبارک کو دیکھنے سے قبل ہی آپ کی تصدیق کرلی تھی۔ اس وقت میں چند سوالات آپ سے کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: پوچھو جو پوچھنا ہو، عرض کیا: خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح القدس سے پیدا فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا، تو آپ کو کون سی فضیلت بخشی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن جھکالی، جبرئیل تشریف لائے، عرض کیا: اللہ آپ کو سلام کرتا ہے اور آپ سے ایسی چیز کے بارے میں دریافت کرتا ہے جسے وہ خود آپ سے زیادہ جانتا ہے یعنی یہ کہ آپ نے گردن کیوں جھکا رکھی ہے، گردن اٹھائیے اور اعرابی کا جواب دیجئے، فرمایا: کیا کہوں اس سے؟ عرض کیا: کہیئے: اللہ فرماتا ہے: اگر میں نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا ہے تو ان سے پہلے آپ کو اپنا حبیب بنایا ہے، اگر میں نے موسیٰ سے بات کی ہے تو زمین پر بات کی ہے اور آپ سے تو آسمان پر بات کی ہے، اور آسمان زمین سے افضل ہے، اگر عیسیٰ کو روح القدس سے پیدا کیا ہے تو میں نے

آپ کے اسم گرامی کو ساری مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ہی پیدا کر دیا تھا، آپ کے قدم مبارک نے آسمان میں ایسی جگہ کو روندا ہے جسکو نہ تو آپ سے پہلے کسی نے روندا ہے اور نہ آپ کے بعد روندے گا، اگر میں نے آدم کو برگزیدہ ﷺ تو آپ کے ذریعہ انبیاء کا سلسلہ ختم کیا ہے میں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر پیدا کئے لیکن آپ سے زیادہ مکرم میرے نزدیک کوئی نہیں، آپ سے بڑھ کر کون میرے نزدیک مکرم ہو سکتا ہے؛ جب کہ آپ کو حوض، شفاعت، ناقہ، عصا، میزان، چاند جیسا روشن چہرہ، سرخ اونٹ تاج، عصا، حج، عمرہ، قرآن، رمضان کے مہینہ کی فضیلت اور شفاعت کبریٰ عطا کی ہے۔ قیامت کے دن میرے عرش کا سایہ آپ کے سر پر سایہ فگن ہوگا بادشاہی کا تاج آپ کے سر پر رکھا ہوگا، میں نے اپنا نام آپ کے نام کے ساتھ ملا دیا ہے، جب میرا نام لیا جاتا ہے آپ کا نام لیا جاتا ہے، میں نے دنیا اور دنیا کی ساری مخلوقات کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ ان کو اپنے نزدیک آپ کی فضیلت اور منزلت بتادوں۔ اے محمد! اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا پیدا ہی نہیں کرتا۔

یہ حدیث بلاشبہ موضوع ہے اس کو ابن الجوزی نے موضوعات (ج ۱ رص ۲۸۸۔ ۲۸۹) میں بطریق محمد بن عیسیٰ بن حبان ابو السکین المدائنی، عن محمد بن صباح، عن علی بن حسن الکوفی، عن ابراہیم بن الیسع، عن ابی العباس الضریر، عن الخلیل بن مرۃ، عن یحییٰ البصری عن زاذان، عن سلمان روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں مجہول اور ضعیف اور متروک راویوں کی بھرمار ہے ان میں ایک ابو السکین ہے اس کو دار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے، اور ابراہیم بن الیسع اور یحییٰ البصری متروک ہیں، امام احمد فرماتے ہیں: ہم نے یحییٰ البصری کی احادیث کو جلا ڈالا ہے، اور فلاس کہتے ہیں کہ: کذاب تھا، موضوع احادیث بیان کیا کرتا تھا، اور امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ: متروک راوی ہے نیز خلیل بن مرۃ بھی ضعیف ترین راوی ہے۔ (کما فی کتب الرجال)[1]

كنتُ نبيًا وآدمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔

ترجمہ: میں اس وقت نبی ہو گیا تھا جب کہ حضرت آدم ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

دوسری روایت میں اس کے الفاظ ہیں:

كنتُ نبيا ولا آدم ولا ماء ولا طين : میں اس وقت نبی ہو چکا تھا جب کہ نہ آدم تھے، نہ پانی، اور نہ مٹی۔

یہ حدیث موضوع ہے۔ بلکہ اس کی کوئی موضوع سند بھی نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ سخاوی، حافظ سیوطی اور علامہ زرقانی وغیرہم نے اسے بے اصل قرار دیا ہے[2]۔

---

[1] دیکھا جائے الموضوعات لابن الجوزی ج ۱ رص ۲۸۸۔ ۲۸۹، واللآلی المصنوعۃ للسیوطی (ج ۱ رص ۲۷۲) و تنزیہ الشریعۃ لابن عراق (ج ۱ رص ۳۲۴)

یہ حدیث سند کے اعتبار سے موضوع ہے اور متن کے اعتبار سے لایعنی کلام، یعنی "طین" کہتے ہیں اس مٹی کو جس میں پانی ملا ہوا ہو تو پھر "بین الماء والطین" کا کیا مطلب ہوا؟

ہاں یہ حدیث مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ صحیح ہے:

عن میسرۃ الفجر قال: قلتُ یا رسول اللہ! متیٰ کنتَ نبیًا؟ قال: کنتُ نبیًا وآدمُ (علیہ السلام) بین الروح والجسد[1]

حضرت میسرۃ الفجر سے مروی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسولؐ سے عرض کیا: آپ کب نبی بنائے گئے؟ فرمایا: میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدمؑ ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ایک روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں:

متیٰ کُتِبتَ نبیًا .... کب آپ کی نبوت لکھی گئی؟ ...

اس حدیث کے ان الفاظ سے اس کے صحیح معنیٰ کی تعیین ہوتی ہے، یعنی یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فیصلہ حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے ہو گیا تھا، اس کی تائید حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: متیٰ وجبت لك النبوۃ؟ قال: بین خلق آدم ونفخ الروح فیہ[2]

آپؐ سے پوچھا گیا: آپ کی نبوت کب لکھی گئی؟ فرمایا: آدم کی تخلیق اور ان کے اندر روح پھونکنے کے درمیان۔

اسی معنیٰ کو حضرت عرباض بن ساریہ کی حدیث اور واضح کر دیتی ہے۔

إنی عند اللہ خاتم النبیین وآدم (علیہ السلام) لمنجدل فی طینتہ[3]

میں اللہ کے نزدیک اسی وقت خاتم الانبیاء لکھ دیا گیا تھا جب کہ آدمؑ ابھی طین میں لت پت تھے۔

اور اسی معنیٰ کی وضاحت حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح[4] میں روایت کی ہے۔

---

[1] مسند احمد (ج ۵ ص ۵۹، جامع الترمذی، کتاب المناقب باب ۱، مستدرک حاکم (ج ۲ ص ۶۰۹) [2] مستدرک حاکم (ج ۲ ص ۶۰۹)

[3] مسند احمد (ج ۴ ص ۱۲۷، ۱۲۸) [4] کتاب الجمعہ، باب ۶

نحن الآخرون، السابقون یوم القیامة، بید انهم اوتوا الکتاب من قبلنا، وا وتیناہ من بعدھم
ہم بعثت میں سب سے آخر میں ہیں لیکن قیامت کے روز سب سے مقدم ہونگے سوائے کہ ان (یہود و نصاریٰ) کو ہم سب سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمکو ان کے بعد ۔

ابونعیم اصفہانی اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں:[1]

فکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم آخرھم فی البعث، وبه ختمت النبوة، و ھو السابق یوم القیامة لانه أول مکتوب فی النبوة والعھد.
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے بعثت میں پیچھے ہیں اور آپ ہی پر سلسلہ نبوت کا خاتمہ ہوا، لیکن وہ روز قیامت سب سے آگے ہوں گے اس لئے کہ آپ نبوت کی تقدیر کے اعتبار سے سب سے پہلے ہیں

اس حدیث کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ آپ کی ذات بابرکات کا وجود حضرت آدم (علیہ السلام) کی ذات سے پہلے ہوا، ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:[2]

ان اللہ علم الأشیاء وقدرھا قبل أن یکونھا ولا تکون موجودة بحقائقھا إلا حین توجد. ولا فرق فی ذلك بین الأنبیاء وغیرھم، ولم تکن حقیقته موجودة قبل أن یخلق الا کما کانت حقیقة غیرہ بمعنی ان اللہ علمھا وقدرھا، لکن کان ظھور خبرہ و اسمه مشھورا اعظم من غیرہ فانه کان مکتوبا فی التوراة والإنجیل وقبل ذلك.
اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو جانا اور ان کو ان کی تخلیق سے قبل مقدر کیا، اور اشیاء اپنی حقیقتوں کے ساتھ موجود ہونے سے قبل وجود پذیر نہیں ہوا کرتیں، اور اس بارے میں انبیاء اور غیر انبیاء کے درمیان کوئی فرق نہیں، آپ کی ذات آپ کی پیدائش سے قبل موجود نہیں تھی، مگر اس طرح جس طرح آپ کے سوا دوسروں کی ذات موجود تھی، یعنی یہ کہ اللہ کو ان کا علم تھا اور اللہ نے انہیں مقدر کیا تھا۔ ہاں آپ کے ظاہر ہونے کی خبر اور آپ کا نام بہت مشہور تھا، کیونکہ توراۃ اور انجیل اور اس سے قبل کتب میں آپ کی خبر مکتوب تھی۔

---

[1] دلائل النبوۃ [2] حقیقۃ مذہب الاتحادیین او وحدۃ الوجود (ص ۱۲۶ – ۱۲۷)

تحریر: ابو اسمٰعیل ________ ترجمہ: ریاض احمد محمد سعید تخصص سال آخر
جامعہ سلفیہ بنارس

مسلمانوں کے انحطاط اور غیروں کے ارتقاء کے اسباب

میری نظر میں دینی غیرت و حمیت اور اپنی قوم کے ساتھ بہی خواہی و خیر اندیشی کے جذبے سے سرشار شخص نے مجھ سے بیشتر میدانوں میں مسلمانوں کی تنزلی اور غیروں کی ترقی کا سبب دریافت کیا۔

درحقیقت مسلمانوں کی موجودہ الم ناک حالت اس قسم کے سوالات کے معرض وجود میں آنے اور ان پر تعقل و تفکر کرنے نیز حیرت و استعجاب کے اظہار کی دعوت دیتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی اسلام اور اس کی تعلیمات اپنے دامن میں شکست خوردگی و پسماندگی کے بواعث و محرکات کو جگہ دیتی ہیں؟ جیسا کہ علمانیین و ملاحدہ کا تصور ہے۔ اور کیا باستثناء چند جملہ مسلمانوں کی موجودہ ذلت و نکبت کو اسلام علی الاقل بنظر جواز دیکھتا ہے؟

یہ تو ایک ناقابل انکار و تشکیک حقیقت ہے کہ اسلام کو اکثر مسلمانوں کی موجودہ صورتحال سے بالکل ہم آہنگی نہیں ہے، وہ تو استحکام و ارتقاء کی دعوت دیتا ہے اور ہر طرح کی درماندگی و تنزلی سے اظہار برأت فرماتا ہے، چنانچہ قرآن مقدس۔ جو لازوال مذہب اسلام کا دستور و آئین ہے۔ ببانگ دہل اعلان کرتا ہے۔ "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ" (المنافقون ۸) اصل عزت اللہ کی ہے اور رسول کی اور ایمانداروں کی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (فاطر ۱۰) جو کوئی عزت کا طالب ہو تو عزت سب کی خدا ہی کے قبضے میں ہے اور وہ مسلمانوں کے حق میں رفق و احتیاط کا خوگر اور دشمنوں کے حق میں تشدد و سختی کا پیکر ہونا مومنین کا امتیاز قرار دیتا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے کہ:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح ۲۹) (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں اور جو ایمان والے ان کے ساتھ ہیں وہ (اغیار)

کفار کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (المائدہ ۵۴)	پس مسلمانو! (سن رکھو کہ) جو (شخص) تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہوگا (کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا) خدا اپنے دین کی حفاظت کیلئے ایسے لوگ تیار کرے گا جن سے وہ محبت کریگا اور وہ اس سے محبت کریں گے، مسلمانوں سے نرم کافروں کے مقابلہ میں مضبوط (ہوں گے) وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے اور (کسی) ملامت گر کی ملامت کا خوف نہ کریں گے، (دراصل) یہ فضل الٰہی ہے جسے چاہے وہ دے اور اللہ بڑی وسعت والا علم والا ہے

اسی طرح قرآن کریم ایسے شخص کے لئے جو ظلم کے کچلنے پر قدرت رکھتے ہوئے اس کو انگیز کرے خسارہ و ناکامی کا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ:

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا (۱۱۱) وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (طٰہٰ ۱۱۲)	اور (سنو) اس روز ساری مخلوق زندہ خدا اور منتظم کے آگے منہ کے بل گرے ہونگے اور جنہوں نے (اپنی گردنوں پر) ظلم اٹھائے ہوں گے وہ ذلیل و خوار ہونگے۔ اور جو کوئی خدا پر ایمان لاکر نیک کام کریگا وہ کسی طرح کے ظلم و نقصان سے نہ ڈریگا۔ (کیونکہ جو کچھ کسی نے کیا ہوگا اس کو پورا ملے گا)

اور قرآن کریم نے مومن پر کافر کے غلبہ و تسلط کی دونوک نفی کر دی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا۔ (النساء ۱۴۱)	خدا ہرگز کافروں کو مومنوں پر غلبہ نہ دے گا (بشرطیکہ مومن مومن ہو)

نیز اللہ تعالیٰ نے جملہ مسلمانوں پر اپنے بے بس بھائیوں کو کفار کے چنگل سے چھٹکارا دلانے کیلئے جان سے اسی جذبہ و ولولہ کیساتھ بڑھ لڑائی کو فرض قرار دیا ہے جس جذبے سے اسلام کی سربلندی کے لئے فریضہ جہاد کو بجا لایا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	تمہیں کیا ہوا کہ اللہ کی راہ میں اور ان ضعیف مردوں اور

والمستضعفین من الرجال والنسآء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من هٰذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیاً واجعل لنا من لدنک نصیراً (النساء)

اور بچوں کے بچانے کے لئے نہیں لڑتے ہو جو (کفار کی تکلیف سے تنگ آکر) کہتے ہیں اے ہمارے مولا ہمکو ظالموں کے اس شہر سے نکال، اور ہمارے لئے اپنے ہاں سے کوئی حمایتی مقرر کر اور کوئی مددگار بنا۔

اسی طرح اسلام مسلمانوں کو دنیا سے اپنا حصہ حاصل کرنے کے واسطے اس کے لئے اسی طرح کد و کاوش کا حکم دیتا ہے جس طرح وہ نعمتوں بھری بہشت کے حصول کے لئے شرعی امور کی پابندی کا حکم صادر فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ اللہ وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔ (الملک ۱۵)

پس تم اس کے کناروں میں پھرو اور اسی خدا کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور تم کو اسی کی طرف جانا ہے

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللہُ الدَّارَالْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللہُ اِلَیْکَ۔

(القصص ۷۷)

اور جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے اس کے ذریعہ آخرت کی تلاش کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول (جو چند گز کپڑا اور چند بالشت زمین ہے) اور (مخلوق سے) احسان کر جیسا کہ خدا نے تجھ سے احسان کیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللہِ

(الجمعۃ ۱۰)

اور جب نماز ختم ہو جائے تو (مسجد سے نکل کر) منتشر ہو جایا کرو اور (بذریعہ کار و بار) اللہ کا فضل تلاش کرو

اور قرآن عزیز میں صلحاء کی دعا ان الفاظ مرقوم ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(البقرۃ ۲۰۱)

اے ہمارے مولا! تو دنیا میں ہم کو نعمت (اور ہر طرح سے عافیت) اور قیامت میں بھی نعمت نصیب کر اور تو ہم کو آگ کے عذاب سے رہائی دیجیو۔

ایک اور مقام پر ارشاد الٰہی ہے:

فاتھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاخرۃ واللہ یحب المحسنین

(آل عمران ۱۴۸)

پھر اللہ نے ان کو دنیا کا بدلہ (یعنی غلبہ) بھی دیا اور آخرت کا غلبہ بھی بہت خوب بخشا اس لئے کہ اللہ کو نیکوکار بھاتے ہیں۔

نیز صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ :

لَا يَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا وَلَا يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَا شَيْئٌ إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً۔

مسلمان کے لگائے ہوئے درخت اور اس کی کاشت کی ہوئی کھیتی میں سے جو کچھ انسان چوپایہ وغیرہ کے ذریعہ نقصان ہوتا ہے وہ اس کے حق میں صدقہ ہوتا ہے ۔

در صحیح بخاری میں حضرت مقداد بن معدیکرب سے مرفوعا مروی ہے :

مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ وَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ ۔

انسان کو دستیاب شدہ رزق میں سب سے بہتر وہ حصہ ہے جو اپنی محنت و مشقت سے حاصل ہوا ہو اور اللہ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی کو رزق کا ذریعہ بناتے تھے ۔

در پیغمبر خدا داؤد علیہ السلام بادشاہ تھے نیز اللہ نے ان کو مخصوص صنعت کا علم دیا تھا جس سے وہ اپنے رزق کا انتظام کرتے تھے جیسا ارشاد ربانی ہے :

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ (الانبیاء ۸۰)

اور ہم نے اسکو تمہارے لئے جنگی لباس بنانا سکھایا تاکہ تم کو وہ (داؤد علیہ السلام کی بنائی ہوئی لوہے کی زرہ) جنگ کی ضرر سے بچائے کیا تم ایسی نعمتوں کا شکریہ کروگے ۔

ور سرورکائنات نے ہمیں ان کی اتباع و اقتدار کا حکم دیا ہے، اور سفر زندگی میں بعض محتاجی دوسروں سے استمداد کرنے یا شکم روری وتن پروری کی غرض سے دوسروں کی ماتحتی قبول کرکے نحوست وذبوں حالی کے عالم میں سفر حیات کو طے کرنے کی ممانعت فرمائی ہے نیز یہ مومنوں کے شایان شان بھی نہیں ہے ۔ چنانچہ ارشاد ایزدی ہے :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل ۹۷)

جو کوئی ایماندار ہو کر نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت (کسی قوم کا ہو) تو ہم ان کو پاکیزہ زندگی دیں گے (بہمہ وجوہ عافیت سے رکھیں گے) اور ہم ان کو (محض اپنے فضل سے) انکے کاموں سے بھی اچھا بدلہ دیں گے ۔

اسی طرح اسلام دینی امور کی معرفت کی ترغیب کے ساتھ دنیاوی اصول وضوابط سے بہرہ ور ہونے کا بھی حکم دیتا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بایں الفاظ منقول ہے :

اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ

خداوندا ! میرے دین کو سلامت رکھ کیونکہ وہی میرے

آمرِی وَ اَصْلِحْ لِی دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ۔ — معاملات کا محافظ ہے اور میری دنیا کی بھی اصلاح فرما کیونکہ میری معیشت اسی سے متعلق ہے۔

اور دینی سعادت صرف دینی احکام کی معرفت اور ان پر عمل کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے، اسی طرح دنیاوی کامیابی صرف اسکے حصول تعیر پر مجبور حاصل کرنے اور لوگوں کے لئے وضع کردہ قوانین الٰہیہ کے مطابق اس سے نفع اندوز ہونے کی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اطاعت گذار بندے ذوالقرنین کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسکو ہر چیز کے سامان سے لیث کر دیا اور ملکی فتوحات کے وسائل و ذرائع کو اس کے موافق کر دیا تو ان چیزوں کو بروئے کار لا کر اس نے اپنی فتوحات کو اتنی وسعت دی کہ سورج کی جائے طلوع و غروب تک کے علاقے اس کی قلمرو میں شامل ہو گئے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

انا مکنا لہ فی الارض وآتینہ من کل شئ سببا (۸۴) فاتبع سببا (۸۵ الکھف) — ہم نے اس کو ملک میں قدرت دی تھی اور ہر چیز کے سامان (اور حصول کے ذریعہ) ہم نے اسکو دیئے تھے پس وہ (ملک میں دورہ کرتا ہوا) ایک راہ پر چلا گیا۔

بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (العنکبوت ۴۳) — اور یہ مثالیں تو ہم لوگوں کو (سمجھانے کیلئے) بتلاتے ہیں اور (دراصل) ان (مثالوں کو) سمجھ دار لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اسی طرح اسلام مسلمانوں کو اس وقت تک جنگی تیاری میں محنت و لگن کا مظاہرہ کرنے اور آلات تحفظ سے لیث ہونے کا حکم دیتا ہے جب تک کہ وہ دشمنوں پر یلغار کر کے ان کے شر سے محفوظ نہ ہو جائیں۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الانفال-۶۰) — اور انکے مقابلے میں جس قدر طاقت رکھتے ہو سامان تیار رکھو

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً۔ (النساء ۱۰۲) — اور اپنا بچاؤ اور ہتھیار ساتھ ہی رکھیں کافروں کی تو یہ دلی آرزو ہے کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ تو تم پر ایک ہی دفعہ ٹوٹ پڑیں (سو تم اس کا لحاظ رکھو)

نیز اسلام مسلمانوں کو زمین میں سیر و سیاحت اور اللہ کی بادشاہت، اسکے قانون اور اسکی نشانیوں پر تفکر و تدبر کا حکم دیتا ہے تاکہ مسلمان تجربات و معلومات سے اپنا حصہ وصول کرنے میں کامیاب ہو سکیں اور خلقت الہیہ میں جاری شدہ قوانین الہیہ پر واقفیت حاصل کر سکیں جن سے وہ اپنی ذاتی اور عام دنیادی معاملات میں مستفید ہوں اور کاروان حیات سے ذرا بھی پیچھے نہ رہنے پائیں، چنانچہ ارشاد ہے:

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یعقلون بِهَا۔ (الحج ٤٦)	کیا انہوں نے زمین میں کبھی سیر نہیں کی؟ اگر کرتے تو انکے دل ایسے ہوتے کہ ان کے ساتھ سمجھتے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (یونس ١٠١)	تو کہہ کہ غور تو کرو کہ آسمان اور زمینوں میں کیا کیا (عجائب) چیزیں ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (فصلت ٥٣)	ہم انکو (اسلام کی سچائی کیلئے) انکے ارد گرد اور خود انکے اندر اپنے نشان دکھا دیں گے یہاں تک کہ انکو واضح ہو جائیگا (اور یہ خود اس کے ماننے پر مجبور ہوں گے)

سابقہ سطور کی روشنی میں سوال کی نوعیت یوں ہوئی کہ:

جب اسلام قوت و تقدم کی دعوت دیتا ہے، دین و دنیا دونوں کے حصول کے واسطے تگ و دو کرنے کا حکم دیتا ہے، نصیحت آموزی اور فائدہ طلبی کے لئے زمین میں سیر و سیاحت اور تخلیق الہی میں غور و فکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور تعلیم علوم دینیہ کی طرح باعزت زندگی کے اسباب تحصیل پر دسترس حاصل کرنا بھی فریضہ مومن قرار دیتا ہے تو پھر اہل اسلام غیروں کی ترقی کے وقت پسماندہ کیوں نظر آرہے ہیں؟

جواب حسب ذیل ہیں۔

(۱) مسلمانوں کی اکثریت دینی آیات کا صحیح فہم حاصل ہی نہیں کر سکی، جس کے باعث صدق دل اور کامل اذعان و یقین سے انہوں نے اس کا تمسک نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دین کے مغز کو چھوڑ کر اسکی خول کے ساتھ چمٹے رہے، اور نفس موضوعات کو نظر انداز کر کے شکلی امور کا انہوں نے التزام کیا، سبب کہ دوسروں نے ان بلند تعلیمات سے وافر حصہ وصول کیا جیسا کہ شاہی و قومی تاریخ سے مستفاد ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ رب العزت اپنے نبی پھر انکی امت کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔
(الجاثیہ: ۱۸)

پھر ہم نے تجھکو (اے محمدؐ) دین کی راہ پر لگایا ہے پس تو اسکی پیروی کیا کیجیو! اور جو لوگ (احکام الٰہی میں سے) کچھ نہیں جانتے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔
(ھود ۱۱۲)

پس جیسا تجھے حکم ہوتا ہے تو اور تیرے تابعدار (مضبوط رہنا) اور کسی طرح سے بائی یا بدعات اس میں کجی نہ کرنا بیشک وہ (اللہ) تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے اس واضح فرمان "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (آل عمران ۱۰۳)" (اور سب مل کر خدا کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو) اور "وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال ۴۶)" (اور آپس میں دبے جا) تنازع نہ کیا کرو ورنہ تم پھسل جاؤگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی" یعنی تمہارا رعب جاتا رہے گا") کے باوجود مسلمان تفرق و تحزب اور باہمی اختلاف کا شکار اس وقت ہوئے جب کہ دوسروں نے نظام جمہوریت، یا استبدار متحدہ یا اشتراک یا اتحاد کی دوسری اشکال و نوعیات کے تحت ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو کر باہمی اعتماد و تعاون کی راہ اختیار کی، جیسا کہ یہ زندگی کا حرف شاہد ہے۔

(۳) از منہ انحطاط سے زندگی سے متعلق ہماری اکثریت کا نظریہ مبنی بر خطا رہا ہے، ہم میں سے بعض تو اس کو بنظر تقدس دیکھتے ہیں، ان کی نظر میں زندگی ہی سب کچھ ہے اس بنا پر ان کی اہم ترین خواہش تلاعب پسندی، مال کی ذخیرہ اندوزی اور کثرت اولاد اور منصب و جاہ پر تفاخر ہوتی ہے۔ اور ہم میں سے بعض اسکو کنارہ کشی اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، تو وہ بزعم خویش تقرب الٰہی کے پیش نظر اس کے لئے تنگ و دو سے تہی دامن ہو جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نعمت زندگی سے حرماں نصیبی اور غیروں کے سہارے گزارا ان کا مقدر بن جاتا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الید العلیا خیر من الید السفلی والید العلیا ھی المنفقۃ والسفلی ھی السائلۃ (متفق علیہ)

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ ہی خرچ کرنیوالا ہے اور نیچے والا ہاتھ سوال کرنیوالا ہے۔

آپ سے پہلے نبی بن نبی سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے اللہ رب العالمین سے ان الفاظ میں دعا کی:

قال رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی

الٰہ! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی بادشاہت عطا

لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِی — فرما جو میرے بعد کسی اور کو میسر نہ ہو ۔

اللہ تعالیٰ نے انکی اس دعا کو شرف قبولیت سے بھی نوازا ۔ اور ہم میں سے بعض زندگی کو یاس و قنوط کی عینک سے دیکھتے ہیں انہیں اس کی کسی چیز سے سروکار نہیں ہوتا، نہ ہی انہیں اس سے خیر کی امید ہوتی ہے اور اس میں وہ کسی چیز کا اہتمام بھی نہیں نہیں کرتے، باوجودیکہ اللہ رب العلمین کا ارشاد ہے :

وَلَا تَايْئَسُوا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ ۔ (یوسف ۸۷)

اور اللہ کی رحمت سے بے امید نہ ہو (کیونکہ) اللہ کی رحمت سے سوا کافروں کے کوئی بے امید نہیں ہوتا ۔

اور جو مسلمانوں کے امور کو غفلت و لاپرواہی کی نذر کرتا ہے وہ اسلامی طور طریقے پر نہیں ہے ۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ہم کو نعمت زیست و خلافت سے محض امتحان کیلئے نوازا ہے، اور زمین کی تمام اشیاء سے ہمیں استفادہ پر قدرت صرف اسلئے بخشی ہے کہ ہم اسکو خیر و عافیت سے بھر دیں ۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرۃ ۳۸)

پس اگر میری طرف سے تم کو کوئی (پیغام) ہدایت پہونچے تو جو لوگ میری ہدایت کے تابع ہونگے سو انکو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم کریں گے ۔

اس قسم کے غلط خیالات و تصورات کے غلبے کی بناء پر ہم مغلوب ہوئے ۔ او مذکرہ صدر نیز ان کے علاوہ دوسرے اور اسباب کی بناء پر ہمارے حصے میں زوال آیا اور غیروں کے حق میں تقدم ۔

آخیر میں رب العالمین سے استدعا ہے کہ ہم پر ہمارے محبوب کو مبرہن فرمائے، اور ہمیں اپنی غلطیوں کے اصلاح کی توفیق مرحمت فرمائے، تاکہ ہم نئے سرے سے اپنا وہ ارتقائی طریقہ اپنانے میں کامیاب ہوسکیں جس کی چوٹی کو ہمارے پیش رو ابار نے اپنا مسکن بنایا، اور ہمیں اس تہذیب و تمدن سے آشنا فرمائے جس کے جھنڈے کو ہمارے اسلاف نے بلند کیا ۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (الروم ۴۔۵)

مسلمان اس روز اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے (کیونکہ اس روز ان کی بھی مشرکین عرب پر فتح ہوگی) اور اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ بڑا غالب بڑا مہربان ہے ۔

التوعية الاسلامية مكه مكرمه

۹ ذي الحجة ۱۴۰۹ھ

اظہارِ تشکر

الجامعۃ السلفیۃ بنارس کی نظامت علیاء کی اہم ترین ذمہ داری جس وقت مجھے سونپی گئی، اس موقع پر ملک کے اطراف وجوانب سے احباب اور ہمدردوں کی ایک بڑی تعداد نے میرے پاس مبارکباد کے مکاتیب ارسال فرمائے، چونکہ فرداً فرداً سبھی ہمدردوں کے نام شکریہ کے خطوط ارسال کرنا سخت مشکل ہے۔ اس لیے ماہنامہ محدث بنارس کے توسط سے ہم اپنے تمام احباب اور بہی خواہوں کے صمیم قلب سے شکرگزار ہیں، اور ساتھ ہی یہ درخواست کرتے ہیں کہ جملہ اخوان ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ ہم نظامت کی اہم ذمہ داریوں کو کما حقہٗ ادا کر سکیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(مولانا) **شاہد جنید سلفی**

ناظمِ اعلیٰ جامعہ سلفیہ، بنارس

شمارہ ۶ • جون ۱۹۹۰ء • ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ • جلد ۸

اس شمارہ میں

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب وارانسی
۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک
سالانہ ۳۰ روپئے • فی پرچہ تین روپئے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے، کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو چکی ہے۔

تالیف: علامہ شیخ محمد بن صالح العثیمین
ترجمہ: ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی

تارکِ صلاۃ کا حکم
کتاب وسنت کی روشنی میں

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونتوب الیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ، و اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نمازوں کی ادائیگی میں سستی برت رہی ہے اور اسے ضائع وبرباد کر رہی ہے۔ بعض لوگوں کی تساہلی اور سستی کا عالم یہ ہے کہ وہ اسے مطلقاً چھوڑ چکے ہیں چونکہ موجودہ زمانے میں نماز کا مسئلہ ان اہم مسائل میں سے ایک اہمیت کا حامل مسئلہ ہے، جس میں لوگ مبتلا ہیں اور جس کے بارے میں علماء اسلام اور ائمۂ دین کے یہاں قدیم زمانے سے اختلاف چلا آرہا ہے، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ حسب توفیق اس مسئلہ پر اپنی رائے کا اظہار کردوں۔

میں نے زیر بحث مسئلہ پر دو فصلوں میں گفتگو کی ہے، پہلی فصل میں بے نمازی کے حکم سے بحث ہے اور دوسری فصل میں ان امور ومسائل سے بحث ہے جو نماز وغیرہ امور کے ترک سے مرتد ہونے کی صورت میں پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس مسئلہ کی تحقیق وتنقیح میں راہِ صواب کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

... ...

فصل اول : تارکِ صلاۃ کا حکم

یہ مسئلہ دین کے بڑے اہم مسائل میں سے ہے، علماء سلف وخلف کا اس میں اختلاف رہا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ تارک صلاۃ کافر ہے، ایسا کفر جو اس کو دین وملت سے خارج کر دے، اگر اس نے توبہ نہ کی اور نماز نہ پڑھی تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک وہ فاسق ہے کافر نہیں۔

پھر اس کے قتل کے بارے میں اختلاف رائے ہوا، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس کی حد یہ ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ تعزیر کی جائے یعنی تادیبی سزا دی جائے۔ قتل نہیں۔

چونکہ یہ مسئلہ نزاعی اور اختلافی مسائل میں سے ہے اس لیے وجوباً اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۔ (سورۃ الشوریٰ: ۱۰)

اور جس جس کام میں تم لوگ اختلاف کر رہے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۔ (سورۃ النساء: ۵۹)

پھر اگر کسی معاملہ میں تم میں جھگڑا پڑے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیرو، اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کار اچھا ہے۔

مسئلہ میں مختلف رائے رکھنے والوں میں سے کسی کا قول دوسرے پر حجت نہیں ہو گا، اس لیے کہ ہر فریق اپنی ہی رائے کو صواب اور درست سمجھتا ہے۔ بنا بریں ایک شخص کی بات دوسرے کے مقابلے میں قابل قبول نہیں ہے۔ ایسی صورت میں فیصلہ کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت واجب اور ضروری ہے۔

جب ہم نے اس نزاع کو کتاب وسنت کی عدالت میں پیش کیا تو ہمیں پتہ چلا کہ کتاب وسنت تارکِ صلاۃ

کے کفر پر دلالت کرتے ہیں، ایسا بڑا کفر جو اسے ملت سے خارج کردینے والا ہے۔

قرآن سے استدلال:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ (سورہ توبہ: ۱۱)

پھر اگر یہ توبہ کرجائیں اور نماز پڑھیں اور زکاۃ دیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔

۲۔ اور سورۂ مریم (۵۹ - ۶۰) میں ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا، اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا۔

پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشیں ہوئے کہ انھوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی شہوات کے پیچھے پڑ گئے، پس اس کی پاداش اٹھائیں لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ذرہ بھر بھی ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

سورہ مریم کی دوسری آیت سے استدلال اس طور پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نمازوں کے ضائع کرنے والوں اور شہوات کی اتباع کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ ... (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ذرہ بھر بھی ان پر ظلم نہیں ہوگا)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ نمازوں کے ضائع کرنے اور شہوات کی اتباع کے وقت مومن نہیں تھے۔

اور سورہ توبہ کی پہلی آیت سے استدلال اس طرح سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے (اہل اسلام) اور مشرکوں کے مابین اخوت اور بھائی چارگی کے ثبوت کے لیے تین شرطیں لگائی ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شرک سے توبہ کریں
دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نماز قائم کریں۔
تیسری شرط یہ ہے کہ وہ زکاۃ ادا کریں۔

پس اگر وہ شرک سے تائب ہو جائیں اور نہ نماز قائم کریں اور نہ زکاۃ ادا کریں تو وہ ہمارے بھائی نہیں ہیں۔

اگر وہ نماز ادا کریں اور زکاۃ نہ دیں تو بھی وہ ہمارے بھائی نہیں، دینی اخوت اور بھائی چارگی کی نفی، اس وقت تک نہیں کی جا سکتی جب تک کہ انسان دائرۂ دین سے بالکل خارج نہ ہو جائے، اس لیے اس کی نفی فسق یا کفر دون کفر سے نہیں ہو سکتی۔

آیت قصاص ملاحظہ ہو:

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ

پس جس کو اس کے بھائی سے کچھ معافی ملے تو دستور کے موافق لینا واجب ہے، اور بخوشی اس کو پہنچاؤ

(سورہ بقرہ: ۱۷۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل عمد کے مرتکب کو مقتول کا بھائی قرار دیا ہے، باوجودیکہ قتل عمد بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا۔

جو مومن کو دانستہ قتل کر ڈالے تو اس کا بدلہ جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ کا غضب اور لعنت اس پر ہوگی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار ہے

(سورہ نساء: ۹۳)

پھر آپس میں قتال کرنے والے دو مسلمان گروہوں کے بارے میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا إِلَى قَوْلِهِ: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ۔

(سورہ حجرات: ۹، ۱۰)

اگر دو مسلمان گروہوں میں لڑائی ہو جائے تو تم لوگ ان دونوں میں صلح کرا دیا کرو، پھر اگر کوئی فریق دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو تم لوگ زیادتی کرنے والے کا مقابلہ کرو یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف مائل ہو، پھر اگر وہ باز آجائے تو عدل کے ساتھ دونوں بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو، اللہ تو انصاف کو

پسند کرتا ہے، ایماندار سب بھائی ہیں، پس تم لوگ
اپنے بھائیوں میں صلح کر دیا کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صلح کرانے والے گروہ اور باہم لڑنے والے گروہ کے مابین رشتۂ اخوت ثابت کیا ہے، باوجودیکہ مومن سے جنگ و قتال کفر ہے۔

سباب المسلم فسوق و قتاله کفر۔
مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

(صحیح بخاری وغیرہ بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

لیکن یہ ایسا کفر ہے جو دائرۂ ملت سے آدمی کو خارج نہیں کرتا، اس لیے کہ اگر یہ فعل ملت سے خارج کرنے والا ہوتا تو اس کے ارتکاب کے ساتھ ایمانی اخوت باقی نہ رہتی، حالانکہ آیت کریمہ باہم قتال کے باوجود ایمانی اخوت کی بقا پر دلالت کرتی ہے۔

اس توضیح سے یہ معلوم ہوا کہ ترک صلوٰۃ دائرۂ ملت سے خارج کر دینے والا کفر ہے، اس لیے کہ اگر وہ فسق یا کفر دون کفر ہوتا تو اس کے ساتھ دینی اخوت کا انکار و نفی نہ ہوتا، جیسا کہ مومن کے قتل اور اس سے جنگ و جدال کے باوجود اخوت باقی رہتی ہے اور اس کی نفی نہیں ہوتی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ کیا آپ آیت توبہ کی روشنی میں فریضۂ زکاۃ کے تارک کے کفر کے قائل ہیں۔
تو ہم جواباً عرض کریں گے کہ فریضۂ زکوٰۃ کے کافر ہونے کی بات بعض اہل علم نے کہی ہے، امام احمد بن حنبل کی دو روایتوں میں سے ایک یہی ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ وہ کافر نہیں ہوگا، لیکن وہ کتاب و سنت کی روشنی میں سخت سزا کا مستحق ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانع زکاۃ کی عقوبت و سزا کا تذکرہ کیا اور آخر میں فرمایا کہ پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا، جنت کا راستہ یا جہنم کا راستہ۔

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں مفصلاً باب اثم مانع الزکاۃ کے تحت ذکر کیا ہے، جس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مانع زکاۃ کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ تکفیر کی صورت میں وہ جنت کا

راستہ دیکھ ہی نہیں سکتا، اس لیے اس حدیث کا منطوق یعنی صریح مطلب آیت توبہ کے مفہوم مخالف
ر اصولِ فقہ کے مشہور قاعدہ کی روشنی میں مقدم ہوگا۔ المنطوق مقدم علی المفہوم۔

احادیثِ نبویہ:

۱۔ إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک آدمی اور شرک و کفر کے درمیان حدِ فاصل ترکِ نماز ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان)

۲۔ حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ ۔

ہمارے اور ان (کفار) کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز کا ہے۔

(مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

یہاں کفر سے مراد دائرۂ اسلام سے خارج کردینے والا کفر ہے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو مسلمانوں اور کفار کے درمیان حدِ فاصل قرار دیا ہے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ ملتِ کفر، ملتِ اسلام سے مختلف و متغایر ہے، پس جس شخص نے اس عہد کو پورا نہ کیا وہ کافر ہوگیا۔

۳۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ستكون أمراء فتعرفون وتنكرون فمن عرف برئ ومن أنكر سلم ولكن من رضي وتابع قالوا: أفلا نقاتلهم؟ قال: لا ما صلوا (صحیح مسلم)

عنقریب ایسے امراء ہوں گے جنھیں تم جان لوگے اور (ان کی روش پر) انکار کروگے، پس جس شخص نے جان لیا وہ بری ہوگیا، اور جس نے انکار کیا وہ بچ گیا البتہ وہ لوگ بری اور سالم نہیں جنھوں نے رضامندی ظاہر کی اور تابعداری کی، لوگوں نے کہا کیا ہم ایسے

لوگوں سے قتال نہ کریں؟ فرمایا، نہیں جب تک نماز پڑھیں ان سے قتال نہ کرو۔

۴۔ صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خیار أئمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم، ویصلون علیکم وتصلون علیهم، وشرار أئمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم وتلعنونهم ویلعنونکم وَقیل یا رسول الله افلا ننابذهم بالسیف؟ قال: لا، ما اقاموا فیکم الصلاۃ۔

تمھارے بہتر اور صالح امام وقائد وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور جو تم سے محبت کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعائے خیر اور وہ تمھاری سلامتی کی دعائیں کرتے ہیں۔ اور تمھارے سب سے برے قائدین وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور جو تم سے بغض رکھتے ہیں اور جن پر تم لعنتیں بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجتے ہیں، کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول کیا ہم ان کے خلاف تلوار نہ اٹھالیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کریں، اس وقت تک ان کے خلاف ہتھیار نہ اٹھاؤ۔

ان دونوں حدیثوں میں یہ دلیل موجود ہے کہ جب یہ لوگ نماز قائم نہ کریں تو ایسے قائدوں کے خلاف مسلح کارروائی کی جائے اور تلوار سے ان سے جنگ کی جائے، حالانکہ کفر صریح کے ارتکاب سے کم گناہ پر ان کے خلاف صف آرائی ناجائز ہے۔

ہمارے پاس اس سلسلے میں اللہ کی طرف سے دلیل وبرہان موجود ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

دعانا رسول الله صلی الله علیه وسلم، فبایعناه فکان فیما اخذ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بلایا، ہم نے آپ سے بیعت کی، جن باتوں کا آپ نے ہم سے عہد لیا

علينا ان بايعنا على السمع و الطاعة فى منشطنا و مكرهنا وعسرنا ويسرنا واثرة علينا وان لا ننازع الامر اهله ، قال: الا ان تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان ۔

ان میں سے یہ بھی ہے کہ ہم نے دکھ سکھ، تنگی، و آسانی اور اپنے مقابلہ میں دوسرے کی ترجیح اور اس بات کے لیے کہ ہم حکومت و اقتدار کے اہل کے مقابلہ میں ہم کوئی نزاع نہیں پیدا کریں گے، ان امور پر ہم نے سمع و طاعت کی بیعت کی، آپ نے فرمایا لیکن تم ایسا کھلا کفر (کفر بواح) دیکھو جس کے لیے تمہارے پاس اللہ کی برہان موجود ہو، ایسی صورت میں سمع و طاعت نہیں ۔

اس بنیاد پر حکام کا نماز چھوڑ دینا صریح کفر ہے، جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال بالسیف اور مسلح صف آرائی کو جائز قرار دیا ہے ۔

ہمارے پاس اس سے متعلق اللہ کی برہان موجود ہے

کتاب وسنت میں یہ کہیں نہیں مذکور ہے کہ بے نمازی کافر نہیں ہے، یا یہ کہ وہ مومن ہے ، زیادہ سے زیادہ اس باب میں جو نصوص ہیں اس سے توحید کی فضیلت اور اس کے اجر و ثواب پر روشنی پڑتی ہے یعنی اس بات کی شہادت کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں ۔

ان نصوص میں یا تو ایسی قیدیں اور شرطیں موجود ہیں جس کے بعد ترکِ صلاۃ ممنوع ہے ۔

یا ان نصوص کا تعلق مخصوص اور متعین احوال و ظروف سے ہے ، جس میں انسان ترکِ صلاۃ میں معذور ہے ۔

یا یہ نصوص عام ہیں، جو تارکِ صلاۃ کے کفر پر محمول ہوں گی ، اس لیے کہ تارکِ صلاۃ کے کفر کے دلائل خاص ہیں اور خاص عام پر مقدم ہے ۔ الخاص مقدم على العام ۔

اگر کوئی یہ کہے کہ کیا یہ جائز نہیں ہے کہ تارکِ صلاۃ کے کفر پر دلالت کرنے والی نصوص (آیات واحادیث) کو اس شخص پر محمول کیا جائے جس نے اس کے وجوب انکار کی بنا پر اس کو چھوڑ دیا ہو ؟
تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ اس واسطے جائز نہیں ہے کہ اس میں دو مانع ہے ، پہلا مانع یہ ہے کہ اس میں

شارع نے جس وصف کو معتبر قرار دیا ہے اور اس سے حکم کو وابستہ کیا ہے وہ وصف کالعدم ہوجاتا ہے کیونکہ شارع نے ترکِ صلاۃ پر کفر کا حکم وابستہ کیا ہے نہ کہ جحود و انکار پر۔

اسی طرح سے دین میں اخوت کا معاملہ اقامتِ صلاۃ پر مبنی ہے نہ کہ اس کے وجوب کے اقرار پر۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ: "فان تابوا واقروا بوجوب الصلاۃ" (اگر انھوں نے توبہ کرلی اور وجوبِ صلاۃ کا اقرار کرلیا۔)

اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: "بین الرجل وبین الشرك والكفر جحد وجوب الصلاۃ، او العهد الذی بیننا و بینهم الاقرار بوجوب الصلاۃ فمن جحد وجوبها فقد كفر۔ (آدمی اور شرک وکفر کے درمیان حدِ فاصل نماز کی فرضیت کا انکار ہے یا ہمارے اور ان کفار کے درمیان جو وعدہ و پیمان ہے وہ نماز کی فرضیت کے اقرار کا ہے، جس نے نماز کی فرضیت اور وجوب کا انکار کیا وہ کافر ہوگیا۔)

اور اگر اللہ اور رسول کی مراد و منشا یہی ہوتی تو اس سے عدول "بیان" کے منافی اور مخالف ہوتا، جس کے لیے قرآن نازل کیا گیا ہے، ارشادِ باری ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ۔ (سورۂ النحل: ۸۹)

ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:

وانزلنا اليكَ الذكر لتبيّن للنّاس ما نُزّل إليهم۔ (سورہ النحل: ۴۴)

ہم نے تیری طرف نصیحت کی بات (قرآن کی تعلیم) اس لیے اتاری ہے کہ جو کچھ لوگوں کے لیے اللہ کے یہاں سے اترا ہے، اس کو تو صاف صاف لوگوں سے بیان کردے۔

۲۔ دوسرا مانع یہ ہے کہ شارع نے جس وصف پر حکم کو معلق نہیں کیا ہے، اس کو معتبر مانا گیا ہے۔ ایسا آدمی جسے جہالت اور نہ جاننے کا عذر لاحق نہیں، اگر پانچوں نمازوں کے وجوب کا منکر ہے تو یہ انکار موجبِ کفر ہے، خواہ وہ نماز کی تمام معتبر شروط و ارکان اور واجبات و مستحبات کا اہتمام کیا، لیکن

بغیر کسی عذر شرعی کے وہ نماز کے وجوب کا منکر ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، باوجودیکہ اس نے نماز نہیں ترک کی۔
اس تنقیح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نماز کی فرضیت اور وجوب کے انکار و جحود کی بنا پر نماز چھوڑ دینے والوں پر ان نصوص (آیات واحادیث) کو محمول کرنا صحیح نہیں ہے اور سچ یہ ہے کہ تارکِ صلاۃ ایسا کافر ہے جس کا کفر اس کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، جیسا کہ اجراحت سنن ابن ابی حاتم میں حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے:

اوصانا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا تشرکوا باللّٰه شیئاً ولا تترکوا الصلاۃ عمداً، فمن ترکها عمداً متعمداً فقد خرج من الملّة۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وصیت فرمائی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور عمداً وقصداً نماز نہ ترک کرو، جس شخص نے جان بوجھ کر اسے چھوڑ دیا وہ ملت سے خارج ہوگیا۔

نیز اگر ہم اس "ترک" کو انکار و جحود پر محمول کریں تو نصوص میں نماز کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لیے کہ زکوٰۃ روزہ اور حج میں یہ حکم عام ہے، جس شخص نے اس میں سے کسی ایک فریضہ کو اس کے وجوب و فرضیت کا انکار کرتے ہوئے چھوڑ دیا تو اگر اس کو جہالت ولاعلمی کا عذر نہیں ہے تو وہ کافر ہوگیا۔
جس طرح شرعی دلائل تارکِ صلاۃ کے کافر ہونے کے متقاضی ہیں، اسی طرح عقلی اور نظری دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ تارکِ صلاۃ کافر ہو۔
نماز جو دین کا ستون ہے اور جس کی ادائیگی کی ترغیب میں وارد نصوص ہر مومن عاقل سے اس کے قائم کرنے اور اس کی طرف مسابقت کے طالب ہیں اور جس کے ترک پر ایسی وعیدیں اور دھمکیاں ہیں کہ ہر مومن عاقل کو اس کے ترک اور اس کے ضائع کرنے سے احتیاط واجتناب کا تقاضا کرتی ہیں، ایسی صورت میں نماز جیسی اہم عبادت کا چھوڑ دینا اس شخص کے لیے کیونکر ممکن ہے جو ایمان واسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہو۔
پس ان ترغیبات، ترہیبات، مطالبوں اور تقاضوں کی موجودگی میں ترکِ صلاۃ کے باعث بے نمازی کے ساتھ ایمان باقی نہیں رہ جاتا۔
اگر کوئی یہ کہے کہ کیا اس بات کا احتمال نہیں ہے کہ تارکِ صلاۃ کے کفر سے دائرۂ اسلام سے خارج کر دینے والے کفر کے بجائے کفرانِ نعمت مراد لیا جائے، یا یہ اس سے مراد کفر اکبر سے کم درجے کا کفر ہو؟ اور یہاں نصوص

کے باب سے ہوگا جس میں ہے کہ :

اثنتان بالناس هما بهم كفر — دو چیزیں لوگوں میں کفر ہیں ، نسب میں طعنہ زنی کرنا
طعن فى النسب ـ النياحة على الميت — اور میت پر نوحہ کرنا ۔

اور :۔

سباب المسلم فسوق وقتاله — مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ و جدال
كفر — کفر ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اس طرح کے احتمالات اور نظائر متعدد وجوہ سے صحیح نہیں ہیں ۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر اور ایمان کے درمیان اور مسلمانوں اور کفار کے درمیان جس چیز کو حد فاصل بنایا ہے وہ نماز ہے ۔

حد یا تعریف محدود اور معروف کو ممتاز اور اس کو دوسری چیزوں سے الگ کر دیتی ہے ۔

دو محدود و معروف امور متغائر ہیں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہو سکتے

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے ، اس لیے اس کے تارک کو کفر سے موصوف کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کفر دائرہ اسلام سے خارج کر دینے والا کفر ہو ، اس لیے کہ اس نے ارکان اسلام میں سے ایک رکن کو ڈھا دیا ، برخلاف اس شخص کے جس نے افعال کفر میں سے کسی فعل کا ارتکاب کیا ہو اور اس پر کفر کا اطلاق ہو ۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس بہت سے دوسرے نصوص (آیات و احادیث) ہیں جو تارک صلاۃ کے کفر پر دلالت کرتے ہیں ، ایسا کفر جو اس کو دائرہ ملت سے خارج کر دیتا ہے ، اس لیے نصوص جس کفر پر دلالت کر رہے ہیں ، اس پر اس کو محمول کرنا واجب ہے تاکہ نصوص باہم متفق و مناسب ہو جائیں ۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ کفر کی تعبیر کا انداز مختلف ہے ، ترک صلاۃ کے بارے میں ، بین الرجل وبین الشرک والکفر ، کا جملہ حدیث میں آیا ہے جس میں کفر کو الف لام معرفہ سے تعبیر کیا گیا ہے ، جو اس بات پر دال ہے کہ اس سے حقیقی کفر مراد ہے بخلاف کلمہ "کفر" کے جو نکرہ استعمال ہوا ہے ، یا کفر فعل کے لفظ اور صیغے میں آیا ہے ، جس میں اس بات کی دلالت ہے کہ یہ کام کفر کے کاموں میں سے ہے یا اس کے ارتکاب سے کفر کا صدور ہوا ہے جو دائرہ ملت سے خارج کر دینے والا کفر نہیں ہے ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اقتضاء الصراط المستقیم میں حدیث نبوی : "اثنتان فی الناس هما بهم کفر" پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں : هما بهم کفر یعنی یہ دونوں خصلتیں کفر ہیں، اور لوگوں کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، پس دونوں خصلتیں کفر اس معنی میں ہیں کہ یہ اعمال کفر میں سے ہیں اور لوگوں کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، لیکن ہر وہ شخص جو کسی شعبۂ کفر میں ملوث ہے اس سے کافر مطلق نہیں ہو جائے گا، حتیٰ کہ حقیقت کفر اس کے ساتھ موجود ہو، جیسے کہ کوئی آدمی کسی شعبۂ ایمان پر عمل کرنے کے باعث اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایمان حقیقۃً اور اصلاً اس کے پاس نہ ہو۔

کفر کا وہ لفظ جس کے شروع میں الف لام معرفہ آیا ہے (اور جس کی وجہ سے اس کا ایک مخصوص اور متعین مفہوم ہے جیسا کہ حدیث "لیس بین العبد وبین الکفر اوالشرک إلا ترک الصلوٰۃ" میں ہے) ۔ اور جو "کفر" بطور نکرہ استعمال ہوا ہے کے درمیان اثبات حقائق میں فرق موجود ہے۔

پس جب یہ ظاہر ہو گیا کہ بلا عذر تارک صلاۃ کافر ہے اور اس کا کفر ایسا ہے جو ان دلائل کی روشنی میں اسے دائرۂ ملت سے خارج کر دینے والا ہے تو اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کا مذہب درست اور صحیح ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے، جیسا کہ ابن کثیر نے آیت : فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ ۔ (سورہ مریم : ۵۹) (ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشات کی پیروی کی) ــــ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

اور امام ابن القیم نے کتاب الصلاۃ میں لکھا ہے کہ شافعی مذہب کے دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے اور امام طحاوی نے خود امام شافعی سے یہ نقل فرمایا ہے۔

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے بلکہ بہت سے لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا اس پر اجماع نقل کیا ہے

عبداللہ بن شقیق کا قول ہے :

کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلاۃ ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اعمال میں سے نماز کے علاوہ کسی فعل کے ترک کو کفر نہیں شمار کرتے تھے۔ (سنن ترمذی، مستدرک حاکم وصححہ علی شرطہما)

مشہور امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ تارکِ صلاۃ کافر ہے۔ یہی رائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے عہد تک کے اہلِ علم کی رہی ہے۔ کہ جان بوجھ کر بلا عذر شرعی نماز کا چھوڑنے والا حتیٰ کہ اس کا وقت نکل جائے، کافر ہے۔

امام ابن حزم نے حضرات صحابہ کرام عمر، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، ابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اس کا کوئی مخالف ہمارے علم میں نہیں ہے۔

اس قول کو امام منذری نے ترغیب وترہیب میں نقل کرنے کے بعد صحابہ کرام میں سے عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، ابوالدرداء رضی اللہ عنہم کے ناموں کا اضافہ کیا ہے، نیز مندرجہ ذیل ائمہ اسلام کا نام بھی تحریر کیا ہے: احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن المبارک، ابراہیم نخعی، حکم بن عتیبہ، ایوب سختیانی، ابوداؤد۔

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ جو لوگ تارک صلاۃ کے کافر ہونے کے قائل نہیں ہیں ان کے دلائل کا کیا جواب ہوگا۔

تو اس پر ہمارا جواب یہ ہے کہ ان دلائل میں یہ نہیں مذکور ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، یا یہ کہ وہ مومن ہے، یا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا، یا یہ کہ وہ جنت میں داخل ہوگا، وغیرہ وغیرہ

ان نصوص پر جو بھی غور وخوض کرے گا تو وہ اسے پانچ صورتوں سے خارج نہیں پائے گا، اور یہ ساری صورتیں تارکِ صلاۃ کے کفر کے قائلین کے دلائل کے معارض نہیں ہیں۔

۱۔ پہلی قسم ضعیف احادیث کی ہیں جو غیر صریح ہیں اس کو پیش کرنے والوں نے اس سے استدلال کی ناکام کوشش کی ہے۔

۲۔ دوسری قسم ایسی نصوص کی ہے جس میں مسائل کے لیے اصلاً کوئی دلیل ہی نہیں ہے، جیسے بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ۔ (سورۃ النساء: ۴۸) بیشک اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اس سے کمتر جس گناہ کو چاہے گا اسے معاف کردے گا۔

آیت میں "مادون ذٰلک" سے مراد یہاں یہ ہے کہ جو اس شرک سے کم درجہ کا گناہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ شرک کے علاوہ ساری چیزیں، اس لیے کہ جس شخص نے اللہ اور رسول کے اقوال وفرمودات کی تکذیب کی تو کافر ہے، ایسا کفر بخشا نہ جائے گا اور اس کا یہ گناہ شرک کے قبیل سے نہیں ہے۔

آیت میں "مادون ذٰلک لمن یشاء" کا جو لفظ آیا ہے، اگر ہم یہ مان لیں کہ اس کا معنی شرک کے ماسوا تمام چیزیں ہیں ......

..... تو یہ ایسا عام ہے جسے شرک وکفر کے علاوہ دیگر کفر پر دلالت کرنے والے نصوص سے خاص کر دیا ہے، ایسا کفر جو ایسے گناہ کی بنا پر ملت سے خارج کر دینے والا ہے، جس کو معاف نہیں کیا جائے گا، اگرچہ شرک نہیں ہے۔

۳۔ تیسری قسم ایسے عام نصوص کی ہے جو تارک صلاۃ کے کفر پر دلالت کرنے والی احادیث سے خاص کر دیے ہیں، جیسے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع حدیث :

مامن عبد یشهد ان لا إلٰه الا اللہ وان محمداً عبده ورسوله إلا حرمه اللہ علی النار۔ | جس شخص نے کلمۂ شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کیا، اس پر اللہ نے عذاب جہنم کو حرام کر دیا۔

یہ حدیث کا ایک سیاق ہے، حضرت ابو ہریرہ، عبادہ بن صامت اور عتبان بن مالک رضی اللہ عنہم کی احادیث میں بھی یہی مفہوم آیا ہے۔

۴۔ چوتھی قسم ایسے عام دلائل کی ہے جو ایسے امور سے مقید ومربوط ہیں، جن کی موجودگی میں نماز کا چھوڑ دینا ممکن ہے۔ عتبان بن مالک کی مرفوع حدیث کے الفاظ :

فان اللہ حرم علی النار من قال: لا إلٰه إلا اللہ، یبتغی بذالک وجه اللہ (صحیح بخاری) | جس شخص نے ... اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر لا الٰہ الا اللہ کہا اللہ تعالیٰ اس پر عذاب جہنم کو حرام کر دے گا۔

اور معاذ بن جبل کی حدیث کے الفاظ :

مامن احد یشهد ان لا إلٰه الا اللہ | جس شخص نے کلمۂ شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی

وان محمد أرسول الله صدقا من قلبه الاحرمه الله على النار (صحیح بخاری) گواہی صدق دل سے دی اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آگ کے عذاب کو حرام قرار دیا۔

کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی کو نیت کے اخلاص اور دل کی سچائی سے مشروط کرنا آدمی کو نماز چھوڑنے سے روک دیتا ہے، اس لیے کہ جس شخص نے بھی اس میں صدق و اخلاص کا رویہ اپنایا، اس کو اس رویہ نے نماز کے ادا کرنے پر آمادہ کیا، کیونکہ نماز اسلام کا رکن ہے اور بندہ اور اس کے رب کے مابین تعلق، اگر بندہ اللہ کی مرضی کے حصول میں صادق و مخلص ہے تو اس تک پہونچنے کے جو طریقے ہیں اس پر چلنا ضروری ہے۔

اسی طرح سے جس نے صدق دل سے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں تو اس کو یہ اعتراف و شہادت صرف رب کی رضامندی کے حصول کے لیے نماز کی ادائیگی پر آمادہ کرے گی اور اس میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے گا، اس لیے کہ شہادت حق اور اتباع و کامل سپردگی لازم وملزوم چیزیں ہیں۔

۵۔ پانچویں قسم ایسے نصوص کی ہے جو ایسے احوال سے مقید اور وابستہ ہیں جس میں ترک صلاۃ میں انسان معذور ہے، چنانچہ سنن ابن ماجہ میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نبوی کہ:

یدرس الاسلام کما یدرس وشی الثوب ...... وتبقی طوائف من الناس الشیخ الکبیر، والعجوز یقولون: ادرکنا آباءنا علی هذه الکلمة "لا اله الا الله"، وهم لا یدرون صلاة، ولا صیام ولا نسك، ولا صدقة۔ فاعرض عنه حذیفة ثم ردها علیه ثلاثا کل ذلك یعرض عنه حذیفة ثم اقبل علیه فی الثالثة فقال: یاصلة

اسلام اس طرح مٹ جائے گا جیسے کپڑوں کی (پرانے ہونے کے بعد) لکیریں مٹ جاتی ہیں .... لوگوں میں سے جو بچ جائیں گے وہ کھوسٹ بوڑھے اور بڑی بوڑھیاں ہوں گی، جو یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہتے سنا ہے، اسے ہم بھی کہہ رہے ہیں صلہ بن زفر نے حضرت حذیفہ سے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کا ورد انھیں کیا فائدہ پہنچائے گا، وہ نہ نماز جانتے ہیں نہ روزہ، نہ قربانی، نہ صدقہ وزکاۃ۔ حضرت حذیفہ نے ان سے اعراض فرمایا، صلہ بن زفر نے تین بار یہ بات دہرائی، ہر بار آپ نے اعراض کیا

تنجیهم من النار ثلاثاً۔ تیسری مرتبہ آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر تین بار یہ فرمایا کہ اے صلہ یہ کلمہ انھیں جہنم سے نجات دلائے گا۔

جن لوگوں کو کلمۂ شہادت نے جہنم سے نجات دلائی وہ اسلامی تعلیمات کے ترک میں معذور تھے، اس لیے کہ وہ اس کو جانتے ہی نہیں تھے۔ جتنا کچھ وہ عملاً کر سکے یعنی کلمۂ شہادت کا نطق، پس صرف اسی کی یہ قدرت رکھتے تھے۔ ان کا حال ان لوگوں کے حال کے مشابہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے فرض ہونے سے پہلے، یا اس فعل کے کرنے سے پہلے وفات پا گئے، جیسے کوئی آدمی کلمۂ شہادت کے نطق کے بعد مر جائے اور شرائع اسلام پر عمل کرنے کا وقت اسے نہ مل سکا ہو۔

یا یہ کہ دار الکفر میں وہ مسلمان ہوا ہو اور ابھی تک اسلامی تعلیمات سے نابلد ہو۔

حاصل کلام یہ کہ تارکِ صلاۃ کو کافر نہ کہنے والوں کے دلائل اس کے کفر کے قائلین کے دلائل کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس لیے کہ فریق اول نے جن دلائل کا سہارا لیا، اس میں یا تو سرے سے کوئی دلیل ہی نہیں ہے یا وہ دلیل کسی ایسے وصف سے مقید و وابستہ ہے، جس کی موجودگی میں ترک صلاۃ کا امکان نہیں، یا وہ نصوص و دلائل ایسے حالات سے مقید ہیں جس میں ترکِ صلاۃ کا عذر موجود ہے، یا وہ ایسے عام النصوص ہیں جو بے نمازی کی تکفیر کے دلائل سے خاص کر دیے گئے ہیں۔

پس جب ہر طرح کے معارضہ سے صحیح و سالم دلائل کی روشنی میں بے نمازی کا کافر ہونا ثابت ہو گیا تو ایسی صورت میں واجبی طور پر اس پر کفر اور ارتداد کے احکام مرتب ہوں گے، اس لیے کہ وجود اور عدم کے اعتبار سے حکم اپنی علت کے ساتھ چلتا ہے۔

(والحکم یدور مع علتہ وجوداً وعدماً)

●●●

قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے !

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

• حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم نے قرآن کریم کی شکل میں وہ کامل و مکمل کتاب دی کہ بڑے بڑے زبان داں، ادیب و خطیب اور شعراء عرب اس کے مقابلہ سے عاجز آ گئے، انھوں نے چاروناچار اعتراف کیا کہ قرآن کریم کا مقابلہ طاقت بشری سے بالاتر ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے کوئی ایسا دعویٰ کیا ہو جو دنیا بھر سے فائق تر ہو اور ثبوت دعویٰ میں کوئی کتاب پیش کی ہو اور اس کو اپنے صدق کذب کا معیار ٹھہرایا ہو اور اس دعوی کے انکار کرنے والوں کو ضلالت و گمراہی اور خلود فی النار وغیرہ کے ذلت آمیز وعیدوں سے جوش بھی دلایا ہو پھر سخت چیلنج فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة أعدت للکافرین۔ کے باوجود بھی اس ملک کے رہنے والے اس کی زبان بولنے والے اور اس زبان کے قادر الکلام سحر البیان لوگ اس کے سامنے ساکت و خاموش و متحیر و مدہوش رہ گئے ہوں۔

ہم تو سمجھتے ہیں کہ تاریخ ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے قرآن مجید کوئی انسانی تصنیف نہیں ہے جس کا انسان مقابلہ کر سکے۔ آنحضور نے اس کامل و اکمل کتاب اور کلام بلاغت نظام کو پیش کر کے اہل عرب کو عاجز و درماندہ بنا کر اپنی صداقت کو آفتاب کی طرح روشن کر دیا، ساری دنیا کے مسلمہ و مقتدر فصحاء اس کے مقابلہ سے عاجز رہے۔

(۲) مشرکین عرب، بدر، احد، حنین، احزاب، تبوک کی جنگوں میں اپنی اولاد اور جان و مال کو ہر طرح قربان کر رہے تھے مگر فصاحت اور بلاغت کے ماہرین کلام پاک کے مقابلہ میں ایک سورہ حتیٰ کہ ایک آیت بھی پیش نہ کر سکے۔

(۳) قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی نے کیا خوب لکھا ہے کہ جس طرح اس امت کے یہودی و عیسائی اور اہل عرب فصحاء و بلغاء کلام الٰہی کے مقابلہ میں کوئی معارضہ نہ پیش کر سکے، اسی طرح آج کے یہود و نصاریٰ زبان عرب کے ماہرین فصحاء و بلغاء بھی اس کے معارضہ و مقابلہ سے عاجز ہیں، حالانکہ یہ یہود و نصاریٰ اسلام کے کھلے دشمن ہیں

اگر یہ معارضہ ومقابلہ ان سے ممکن ہوتا تو اپنی اسلام دشمنی کے سبب قرآن کریم کے اس سخت چیلنج کا ضرور جواب دیتے۔ عرب کے ان یہود و نصاریٰ نے لغت پر بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ اقرب الموارد، المحیط، المنجد وغیرہ جیسے ضخیم مجلدات کو تصنیف کیا اور ادب و انشاء پر بہت ساری کتابیں لکھیں اور بے شمار عربی جرائد مجلات کے ایڈیٹر ہیں، لیکن بایں ہمہ اوصاف اس کامل و مکمل کتاب کی ایک آیت کا بھی مقابلہ آج تک ان سے ممکن نہیں ہوا ہے۔ (رحمۃ للعالمین)

ان لغت و ادب کے ماہرین نے نہ انفرادی طور پر کوئی معارضہ کیا اور نہ اجتماعی طور پر قرآن کریم کا اعلان بانگِ دہل آج کے زمانہ پر بھی صادق ہے۔ لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ یعنی باطل کا گزر اس کتاب کے سامنے نہ ہوگا نہ پیچھے سے کیونکہ یہ کتاب حکیم و حمید ذات کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ فلسفہ قدیم کے اصول سے قرآن کریم پر زور پڑے گی، نہ سائنس جدید کے نظریات و اکتشافات سے قرآن پر کوئی حرف آئے گا نہ پچھلی صدیاں قرآن کے احکام پر کچھ اثر انداز ہوں گی، نہ انیسویں، بیسویں اور مابعد کی صدیوں سے احکام الٰہی میں کچھ تغیر و تبدل ضروری ہوگا، کیونکہ اس کتاب کو خداوند کریم نے رہتی دنیا تک کے لیے جامع و بہمہ اوصاف کامل و مکمل نازل فرمایا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے اس کامل و مکمل کتاب کے مقابلہ میں کسی کتاب کے نہ ٹھہر سکنے پر کیا خوب لکھا ہے ؎

چل دیے بطرس گم ہوئے مرقس مر گئے متی مٹ گئے لوقا
جاء الحق و زہق الباطل ان الباطل کان زہوقا

الغرض قرآن کریم رب العالمین کی طرف سے وہ آسمانی ہدایت نامہ ہے جو رہتی دنیا تک کی انسانیت کے لیے نبوت کے آخری تاجدار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ساری کائنات انسانی تک پہنچایا جاتا ہے۔ نوعِ انسانی اپنے سن شعور و بلوغ کو بالکل پہنچ گئی اور اس میں امانتِ الٰہی کو اٹھا لینے کی پوری صلاحیت و استعداد پیدا ہوگئی ہے اور اللہ کا فرستادہ وہ معلم آ گیا اور قصر نبوت میں آخری اینٹ بھی نصب کر کے بالکل اسے کامل اور مکمل کر دیا گیا ہے اور ہمیشہ ہمیش کے لیے نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ اب نہ کسی فرستادۂ حق کی آمد کا کوئی انتظار ہے اور اب نہ کوئی جدید وحی متصور ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کا اسی سلسلہ میں اپنا صاف بیان موجود ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

آج کے دن میں نے تم پر تمھارا دین کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور میں تم سے دین اسلام کے لیے راضی ہوگیا۔ بات بالکل واضح ہے کہ دین مکمل ہوچکا ہے اور خدا کی نعمتیں بنی نوع انسان پر پوری ہوگئیں اور وہ دین مابین الدفتین قرآن کریم میں ہے جس کے مبین و شارح، خدا کے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کا اسوۂ حسنہ قرآن کریم کی قولی وعملی تبیین وتفسیر ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، "کان خلقہ القرآن" آپ کی سیرتِ پاک قرآن کریم تھا۔ اس طرح قرآن کریم اور احادیث صحیحہ دو الگ الگ مختلف امر نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی معنوں کے دو عنوانات اور ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ پس قرآن کریم تمام کتب سابقہ کی غیر مبتدل حقیقتوں کا جامع اور رہتی دنیا تک کی انسانیت کے ہر شعبۂ زندگی سے متعلق آسمانی اور ابدی ہدایات پر مشتمل ایک کامل ومکمل کتاب ہے۔ قرآن کریم کے سچے عاملین میں ہر شان و وصف کے باکمال افراد پائے جاتے ہیں، جنھوں نے قرآن کریم سے اس خاص صفت میں رہنمائی پائی ہے۔ اللہ کے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن کریم کے اولین حامل اور پہلے عامل ہیں آپ کی ذات والا صفات میں تمام کمالات جمع ہوگئے ہیں۔ یہ قرآن کریم پر عمل کرنے کا ثمرہ ہے اور پھر آپ سے اکتساب فیض کرکے صحابہ کرام اور تابعین عظام وائمہ دین بے شمار اوصاف وکمالات سے متصف ہوگئے اور یہی قرآن کریم کی وسعت ہمہ گیری اور کامل ومکمل ہونے کی اصلی دلیل ہے۔ اسی قرآن سے رازی وغزالی کی بھی پیاس بجھی ہے۔ علم کلام وفلسفہ سے تو صرف حیرانی بڑھی ہے۔

امام زمانہ علامہ فخرالدین رازی جیسے متکلم اسلام قرآن کے صاف ستھرے بیان ہی میں اپنی تسلی وسیرابی دیکھتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: لقد تاملت الطرق الکلامیة والمناهج الفلسفية فما رأيتها تشفي عليلا ولا تروي غليلا ورأيت أقرب الطرق، طرق القرآن اقرأ في الاثبات الرحمٰن على العرش استوى وفي النفي ليس كمثله شيء ومن جرب مثل تجربتي عرف مثل معرفتي۔ (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری حنفیؒ)

یعنی میں نے علم کلام فلسفہ کے عام طریقوں کو خوب دیکھا بھالا۔ لیکن آخر میں یہی ثابت ہوا کہ نہ تو بیماری کے دکھ کا یہاں کوئی علاج ہوا اور نہ شک کے اضطراب کی کوئی دوا۔ بہتر واقرب طریقہ یہی ہے جو قرآن کا ہے اور جس شخص نے میری ہی طرح تجربہ کیا ہوگا وہ میری ہی طرح اس کا اقرار کرے گا۔

یہی بات احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے لکھی ہے کہ علم الکلام اور دوسرے علوم عقلیہ کے ذریعہ، حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ مرکز تسلی صرف قرآن ہے۔ قرآن کریم سراپا حقیقت اور سراپا صداقت ہے امام شافعی نے کیا ہی خوب فرمایا ہے: العلم ما قال الله ورسوله وماسوی ذلك وسواس الشياطين۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب اللہ کی عظمت و مرتبت کے سلسلہ میں بڑی وضاحت سے ارشاد ہے؛ فرمایا ہے: ان الله يرفع بهذا الكتاب أقواما ويضع به آخرين یعنی کتاب اللہ کے ساتھ تمسک اور عمل درآمد سے خدا تعالیٰ قوموں کو بلندی و رفعت عطا کرتا ہے اور اس سے بے اعتنائی و لاپرواہی رکھنے پر قوموں کو پست و ذلیل کرتا ہے۔

اہل حدیث کے نزدیک قرآن کریم ایک کامل و مکمل لاریب خدا کی کتاب ہے۔ اس میں ہر شعبۂ زندگی سے متعلق اشارات و اجمالی احکام موجود ہیں۔ اس کی تشریح و تبیین سنت صحیحہ ثابتہ میں موجود ہے۔ سنن رسول، احادیث شریفہ کی طرف رجوع کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ یہ توضیح و بیان اس کے کامل و مکمل ہونے کے لیے منافی ہرگز نہیں ہے۔

راحت پسندی میں نقصان عظیم ہے

مولانا عبدالسبحان اعظمی استاذ جامعہ دارالسلام عمر آباد

راحت پسندی جفاکشی کی ضد ہے اس دنیا میں انسان کو ترقی اور کمال حاصل کرنے کے لئے جفاکشی کی ضرورت ہے بغیر جفاکشی کے اس کارزار حیات میں کوئی سرخروئی اور سربلندی حاصل نہیں کرسکتا راحت پسندی یا آرام طلبی ایک بیماری ہے جو انسان کی مخفی صلاحیتوں کو نمایاں ہونے سے روک دیتی ہے راحت پسندی انسان کو بزدل اور پست ہمت بنادیتی ہے اس کے جذبۂ کار کو فنا اور ولولہ کو سرد کردیتی ہے وہ کسی مشکل کام کے تصور سے گھبرا اٹھتا ہے ایسے آدمی کو سوسائٹی میں کوئی بلند مقام حاصل نہیں ہوتا سوسائٹی ایسے لوگوں کو حقارت و ذلت کی نظر سے دیکھتی ہے کیونکہ اس قسم کے لوگ سوسائٹی کے لئے قوم وملت کے لئے ملک و وطن کے لئے کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتے۔

ایک مزدور جو روزمرہ مزدوری کرکے اپنی روزی کماتا ہے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہے اگر وہ راحت پسند اور آرام طلب بن جائے تو اس کو اور اس کے بال بچوں کو بھوک اور فاقہ کا خونخوار دیو اپنے آہنی پنجے میں دبوچ لے گا اور ان کی زندگی اجیرن ہوجائے گی۔

ایک فوجی جس کو رات اور دن کے ہر لمحہ میں میدان جنگ میں چوکنا رہنا چاہیئے، گرمی ہو یا سردی دھوپ ہو یا سایہ، برسات ہو یا طوفان ہر حالت میں وہ گوش برآواز رہتا ہے اور اپنے آرام و آسائش کو خاطر میں نہ لاکر عزیز جان تک قربان کر دیتا ہے یہی فوجی قوم وملت اور ملک و وطن کا خیرخواہ ہے اور ایسے ہی لوگوں کی محنت اور جفاکشی کی بدولت ملک پر دشمن قبضہ نہیں کرسکتا لیکن یہی فوجی اگر راحت پسند بن جائے ملک کی خدمت و حفاظت کی بجائے اپنے آرام و آسائش کی فکر میں لگ جائے تو یہ اپنی سلطنت کا نام نمک حرام کہلائے قوم اس کو غدار کے نام سے یاد کرے۔

دنیوی معاملات میں راحت پسندی جتنی نقصان دہ ہے اس سے کہیں زیادہ اخروی کاموں میں نقصان دہ ہے بلکہ مہلک ہے، مومن کامل دنیوی امور میں اتنی دوڑ دھوپ نہیں کرسکتا جتنی کہ وہ آخرت کے کاموں میں کرتا ہے، دین و شریعت کی نظر میں بھی راحت پسندی نہایت ہی مذموم اور قابل نفریں ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا نہ

رف اشارہ بلکہ وضاحت ہے کہ اہل ایمان کو نیکی کے کاموں کی طرف بڑھنے اور دوڑنے کا جذبہ اور شوق پیدا کرنا
ہیے انبیاء کرام کا یہی طریقہ اور شیوہ رہا ہے، سورہ انبیاء میں متعدد انبیاء کرام مثلاً ابراہیمؑ، لوطؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ
حؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، اسماعیلؑ، ادریسؑ، ذوالکفلؑ، ذوالنونؑ، زکریاؑ، اور یحییٰؑ کا ذکر کرنے کے بعد سب
ایک امتیازی وصف بیان کیا گیا ہے۔ انہم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغباً ورھباً
کانوا لنا خاشعین وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور ہم کو امید اور ڈر سے پکارتے تھے اور ہمارے
گے عاجز تھے۔ یعنی یہ برگزیدہ ہستیاں، جہاں کہیں نیکی کمانے کا موقع ہو، اپنے عیش و آرام کو چھوڑ کر اس کی طرف
ڑتیں اور اس کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت اٹھاتیں اور یہ ان کا معمول بن گیا تھا ان کے مزاج میں کبر و
ورنہ تھا کہ کسی نیکی طرف بڑھنے کو عار سمجھیں پوری محنت و مشقت کرنے کے باوجود انجام کے بارے میں بیم ورجا کی
لت میں یہ لوگ رہتے تھے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اس دانشور انسان کی زندگی بے مقصد نہیں ہو سکتی اس کا مقصد حیات
رور ہے اس کی تعیین میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس کارگہ حیات
یہ دستور ہے کہ آدمی جب اپنا مقصد متعین کر لیتا ہے تو اس کی تحصیل و تکمیل کے لئے ان تھک جد وجہد کرتا ہے
راس راہ کی ہر مشکل کو بخوشی برداشت کر لیتا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس راہ کے مصائب و مشکلات کو
ہ خاطر ہی میں نہیں لاتا۔

طالب دنیا اور طالب عقبیٰ دونوں اپنے اپنے مقصد کے پیش نظر سعی و محنت کرتے ہیں طالب دنیا کے
اصد دراصل نہایت ہی دنی ہوتے ہیں اور یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی جد وجہد مقصد میں ضرور
میاب بنا دے گی بلکہ ایک موہوم سی امید ہوتی ہے اور اسی امید پر وہ اپنے عیش و آرام کو قربان کر کے سعی پیہم اور
ہد مسلسل میں مصروف و منہمک رہتا ہے، طالب عقبیٰ کا مقصد نہایت ہی اعلیٰ ہے اس کا عقیدہ ہے کہ دنیا کی
ندگی ناپائیدار ہے یہ ختم ہو جائے گی اور اس کے عوض میں اخروی زندگی نصیب ہوگی اور یہ اہل ایمان کی دنیوی
ندگی سے کہیں اعلیٰ درجہ کی ہوگی ان کی محنتوں کا ثمرہ یقیناً ملے گا، وَاِنَّ الْآخِرَةَ وَعْدٌ صَادِقٌ يَحْكُمُ فِيْهَا مَلِكٌ
عادِلٌ قَادِرٌ (رواہ ابونعیم فی الحلیۃ) آخرت کا وعدہ سچا ہے اس دن اس بادشاہ کا فیصلہ ہوگا جو عادل و
ادر ہے لہذا مقصد کی عظمت و بلندی کے پیش نظر اہل ایمان کی محنت و مشقت، جفاکشی و جاں گدازی اہل دنیا

سے کہیں زائد ہوگی اور مومن جب راحت پسندی کو چھوڑ کر جد وجہد میں مصروف ہو جائے گی تو اس کے لئے مولائے کریم ورحیم کی طرف سے ترقی کی راہیں کھلتی جائیں گی اور وہ اس منزل کو آسانی سے طے کرتا جائے گا وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (عنکبوت) اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں اور بے شک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے ہیں اور سختیاں برداشت کرتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا ہے اور اپنے قرب ورضا یا جنت کی راہیں سمجھا دیتا ہے اور اس کی حمایت ونصرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

طالب دنیا اپنے مقصد میں پوری طرح کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا ہے مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ (شوریٰ) جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دیتے ہیں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں یعنی دنیا دار کو پوری دنیا بھی نہیں ملے گی اور آخرت میں بھی وہ تہی دامن رہے گا اس کے برعکس دین دار کا جتنا حصہ ہے وہ تو مل کر رہے گا كُلًّا نُمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ وما كان عطاء ربك محظورا (بنی اسرائیل) ہم ہر ایک کو بہم پہنچاتے اِن کو اور اُن کو تیرے رب کی بخشش سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی یعنی طالب دنیا ہو یا طالب عقبیٰ دونوں کو حسب مصلحت وحکمت حصہ پہنچتا ہے بلکہ طالب آخرت کو اس کی محنت سے زیادہ ثمرہ ملتا ہے مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ (شوریٰ) جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی زیادہ کریں ہم اس کے واسطے اس کی کھیتی یعنی ایک نیکی کا دس گنا ثواب دیں بلکہ سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ۔

طالب دنیا کی دوڑ دھوپ چونکہ اسی دنیا کے لئے ہوتی ہے لہذا حق تعالیٰ اسی دنیا میں جتنا چاہیں دیتے ہیں مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ (بنی اسرائیل) جو چاہتا ہے پہلا گھر جلد دیں ہم اس کو اسی میں جتنا چاہیں جسکو چاہیں یعنی وہ لوگ جو صرف متاع دنیا کیلئے سرگرداں ہوں ان میں سے ہم جسکو چاہیں اور جس قدر چاہیں اپنی حکمت ومصلحت کے موافق دنیا کا سامان دیدیتے ہیں تاکہ ان کی جدوجہد کا ثمرہ اسی دنیا میں مل جائے۔

جو لوگ آخرت کے لئے سعی ومحنت کرتے ہیں ان کی سعی ومحنت کبھی ضائع نہ ہوگی ومن اراد الآخرة

سعیٰ لَہَا سَعْیَہَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِکَ کَانَ سَعْیُہُمْ مَّشْکُوْرًا (بنی اسرائیل) اور جس نے چاہا بھلا
اور دوڑ دھوپ کی اس کے واسطے اور وہ یقین پر ہے تو ایسے لوگوں کی دوڑ ٹھکانے لگے گی یعنی جس کے دل
ایمان و یقین موجود ہوا اور نیک نیتی سے خدا کی خوشنودی اور ثواب اخروی کی خاطر پیغمبر کے بتائے ہوئے
ستہ پر عملی دوڑ دھوپ کرے اس کی کوشش ہرگز ضائع ہونے والی نہیں مولائے کریم کی بارگاہ سے حسن قبول
سرفراز ہو کر رہے گی۔

طالب دنیا بڑا کوتاہ نظر اور پست ہمت ہوتا ہے وہ ہر وقت اپنی دنیا ہی بنانے کی فکر میں رہتا ہے
رت کی طرف اس کی نظر جاتی ہی نہیں۔ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ
نْ خَلَاقٍ (بقرہ) کوئی کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہمکو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں یعنی
کا مطلوب و مقصود دنیا ہے ان کی دعا یہی ہے کہ ہم کو جو کچھ دولت و عزت وغیرہ دی جائے دنیا ہی میں دیدی
ئے، یہ لوگ آخرت کی نعمتوں سے بے بہرہ ہوں گے۔

طالب آخرت بلند نظر اور عالی حوصلہ ہوتا ہے وہ دنیا اور آخرت دونوں کی فکر کرتا ہے ومنھم من
ل رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (بقرۃ) اور کوئی ان میں
ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے یعنی
الب آخرت ہیں وہ دنیا کی خوبی یعنی توفیق بندگی وغیرہ اور آخرت کی خوبی یعنی ثواب اور رحمت و جنت
نوں کو طلب کرتے ہیں۔

دنیوی سربلندی و عزت ایک موہوم سی چیز ہے جس کا حاصل ہونا قطعی اور یقینی نہیں پھر بھی طالب
یا اس کے لئے راحت و آرام کو قربان کر دیتا ہے اور آخرت کا فائدہ تو یقینی ہے ایسی صورت میں بھلا کسی
من کو یہ زیب دیتا ہے کہ طالب دنیا کی دوڑ دھوپ کے مقابلہ میں یہ طالب آخرت راحت پسندی اور
طلبی کو اختیار کرے اسی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک میں
ن الدُّنْیَا عَرَضٌ حَاضِرٌ یَاکُلُ مِنْہَا الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ وَاِنَّ الْاٰخِرَۃَ وَعْدٌ صَادِقٌ یَحْکُمُ فِیْہَا مَلِکٌ عَادِلٌ
دِرٌ یُحِقُّ فِیْہَا الْحَقَّ وَیُبْطِلُ الْبَاطِلَ کُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَۃِ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا (کتاب الرقاق مشکوٰۃ)
یا ایک ناپائیدار عاضر متاع ہے نیک و بد سب اس میں سے لے رہے ہیں، آخرت کا وعدہ سچا اور یقینی ہے

اس دن فیصلہ کردے گا ملک عادل جو قدرت والا ہے اس دن حق پائیداری کے ساتھ ثابت ہوگا اور باطل ختم ہو جائے گا لوگو! دنیا کا غلام بننے کی بجائے عشاق آخرت بننے کی کوشش کرو۔

اہل ایمان کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اسطرح دی جاتی ہے یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاکُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ یَأْتِیَ یَوْمٌ لَا بَیْعٌ فِیهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ (بقرہ) اے ایمان والو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہے نہ آشنائی اور نہ سفارش یعنی عمل کا وقت اسی دنیا میں ہے آخرت میں نہ تو عمل بکتے ہیں نہ کوئی آشنائی سے دیتا ہے نہ کوئی سفارش سے چھوڑ سکتا ہے معلوم ہوا کہ یہاں محنت و مشقت سے جو شخص جی چرائے گا عیش و آرام کا دلدادہ ہوگا تو آخرت میں اسے بہت حسرت و افسوس ہوگا کہ اس نے کیوں عیش و عشرت میں زندگی صرف کر دی اور ذخیرۂ آخرت کے لئے کچھ جاں فشانی نہیں اٹھائی۔

حق تعالیٰ اہل ایمان کو دعوت وارشاد کے سلسلہ میں محنت و جاں فشانی کرنے کے لیے اسطرح حکم دیتے ہیں وَلْتَکُنْ مِنْکُمْ أُمَّةٌ یَدْعُونَ إِلَى الْخَیْرِ وَیَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَأُولَئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران) اور چاہیئے کہ تم میں ایک جماعت ایسی رہے جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے اور یہی لوگ پہونچے اپنی مراد کو یعنی تقویٰ اعتصام بحبل اللہ، اتحاد و اتفاق، قومی زندگی، اسلامی مواخات یہ سب چیزیں اس وقت باقی رہ سکتی ہیں جبکہ مسلمانوں میں ایک جماعت خاص دعوت و ارشاد کے لئے قائم رہے اس کا وظیفہ یہی ہو کہ اپنے قول و عمل سے دنیا کو کتاب و سنت کی طرف بلائے۔ اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا برائیوں میں مبتلا دیکھے اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرے اور برائی سے روکنے میں اپنے مقدور کے موافق کوتاہی نہ کرے۔

انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز چیز اس کی جان ہے لیکن ایک مومن رضا مولا حاصل کرنے کے لئے اس کو کمال شوق سے قربان کر دیتا ہے، مجاہد فی سبیل اللہ کو حق تعالیٰ کی بخشش و مہربانی سے جو وافر حصہ ملتا ہے اس کے سامنے دنیا کی کمائی اور جمع کی ہوئی دولت و ثروت ہیچ ہے وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِی سَبِیلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِمَّا یَجْمَعُونَ (آل عمران) اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا مر گئے تو اللہ کی بخشش اور اس کی مہربانی بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں

جو لوگ نرم و گداز بستروں پر مرنے کی بجائے میدان کارزار میں جہاں توپیں آگ برساتی ہیں گولیوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے شمشیر و سنان کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں جہاں کشتوں کے پشتے لگتے ہیں ایسے خطرناک موقع پر جو لوگ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرتے ہیں اور اسی کی راہ میں کٹتے ہیں وہ زندہ جاوید ہوتے ہیں ان کو جو فرحت و مسرت حاصل ہوتی ہے ہم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۔ (آل عمران) اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا اللہ نے ان کو اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہونچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم ہے خوش وقت ہوتے اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی ۔

مجاہد فی سبیل اللہ دین کی راہ میں جو محنت و مشقت اٹھاتا ہے اور اسے جو مرتبہ بلند ملتا ہے وہ بڑے سے بڑے عبادت گزار کو بھی نہیں مل سکتا اسی لئے ان کو بار بار تاکید کی جاتی ہے کہ وہ کبھی راہ خدا میں سستی اور کاہلی نہ کریں راحت پسندی اور آرام طلبی کا خیال تک دل میں نہ لائیں عافیت کوشی کی بجائے جفاکشی ان کا شیوہ ہو وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ یعنی کفار کی جستجو اور ان کے تعاقب میں ہمت سے کام لو اور کوتاہی نہ کرو اگر تم کو ان کی لڑائی سے زخم اور درد پہنچا ہے تو اس تکلیف میں تو وہ بھی شریک ہیں اور آئندہ تم کو حق تعالیٰ سے وہ امیدیں ہیں جو ان کو نہیں، الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ (آل عمران) جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ پہونچ چکے تھے ان کو زخم، جو ان میں نیک ہیں اور پرہیزگار ان کو بڑا ثواب ہے ۔

اہل ایمان کو دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کی تدبیر بتا کر ان کو ہمہ تن مستعد رہنے کی تاکید کی جاتی ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آل عمران)

اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو یعنی کامیاب ہونا اور دنیا و آخرت میں مراد کو پہنچنا ہے تو سختیاں اٹھا کر بھی طاعت پر جمے رہو معصیت سے رکو دشمن مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھاؤ اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو جہاں سے دشمن کے آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ اہلِ حق کو ہمیشہ دشمنوں کی طرف سے اذیتیں پہونچائی گئیں تکلیفیں دی گئیں لیکن انھوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور حق کی نشر و اشاعت میں کبھی کوتا نہیں کی بلکہ اپنے کام میں لگے اور جمے رہے اور نصرت الٰہی کے امیدوار بنے رہے ان حالات کو ذکر کر کے مسلما کو تاکید کی جاتی ہے کہ اگر تم جنت کے امیدوار ہو تو تم کو بھی ہر سختی کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہوگا اس کے بغیر اس بلند کی آرزو کرنا تم کو زیب نہیں دیتا، اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (البقرۃ) کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالاں کہ تم پر نہیں گزرے حالات ان لوگوں جو تم سے پہلے ہو چکے کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ایمان لائے کب آئے گی اللہ کی مدد سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔

قرآنِ کریم اور جدید تحقیقات

عبد الرحمن الرحمانی، مبارکپور، اعظم گڈھ

بلاشبہ قرآن کریم وحی الٰہی اور زندۂ جاوید معجزہ ہے۔ اس کا اعجاز اور منزل من اللہ ہونا متعدد شواہد سے ثابت
نقق ہے، لیکن ابتدائی عہد نزول سے ہی قرآن کریم دشمنان اسلام کا مورد طعن بنا رہا ہے۔ چنانچہ کبھی تو اسے شعر
گیا کبھی سحر (جادو) کبھی اسے انسانی ذہن کا نتیجۂ فکر قرار دیا گیا تو کبھی پچھلے لوگوں کے افسانے کا نام دیا گیا۔ لیکن ہمیشہ
اعدار کے الزامات وطعن تار عنکبوت کے مانند پھسپھسے اور بے وزن ثابت ہوئے ہیں۔ اور آجتک دنیا کی کوئی طاقت
ن کریم کی تغلیط اور اس کے بیان کردہ حقائق سے انکار کی جرأت نہیں کر سکی ہے۔ اور قرآن میں تحریف وتشکیک کی
ی کوششیں رائیگاں وبرباد گئی ہیں۔ اور قرآن مجید کی بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان لَا رَيْبَ فِيْهِ اور
زِيْلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حرف بحرف سچ ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جو حقائق آج سے چودہ سو برس پیشتر
ن کردیئے گئے ہیں، جدید سائنس ان کی حرف بحرف تصدیق وتائید کرتی ہے جو قرآن مجید کے منزل من اللہ اور وحی الٰہی
نے کا ثبوت ہے۔ ذیل میں ہم قرآن کریم میں وارد شدہ چند حقائق اور ان سے متعلق جدید سائنسی تحقیقات پیش
تے ہیں جن سے قرآن کریم کی تصدیق وتائید ہوتی ہے اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا متحقق ہوتا ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ رب العالمین نے بیان فرمایا ہے کہ انسان کی ہر حرکت وعمل
س کی ہر بات نوٹ کی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ رب العالمین سورہ قٓ میں فرماتا ہے۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا
بْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○ قٓ آیت ۱۸ (انسان جو بھی لفظ بولتا ہے اس کے پاس نگراں حال مستعد ہوتا ہے)
بہ مولانا امرتسریؒ) اور دوسری جگہ فرمایا:-

کْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ
ءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ○

اور ان کے پیش کردہ اعمال ہم لکھتے رہتے ہیں اور ہم نے ہر
کچھ روشن کتاب میں گھیر رکھا ہے (سورہ یٰسین آیت ۱۲)

کفار اس بات کو مستبعد سمجھتے تھے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اسے کس طرح لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن جدید سائنسی تحقیق سے یہ ثابت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ قد آدم سے کچھ اوپر فضا میں "ایتھر" نامی ذرات وافر مقدار میں موجود ہیں جن کے اندر انسان کی ہر حرکت جذب اور نقش ہو جاتی ہے۔ حتی کہ انسان جو کچھ بولتا اور دل میں سوچتا ہے وہ احساسات سے ان ذرات میں جذب اور نقش ہو جاتے ہیں اور یہ نقوش اس قدر دیرپا اور پائیدار ہوتے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں سال تک مٹ نہیں سکتے اور مخصوص آلات کی مدد سے سنے اور دیکھے جا سکتے ہیں۔ نیز جدید تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ انسانی جلد میں کچھ ایسے خلیے ہیں جن پر انسانی آواز ٹیپ ہوتی جاتی ہے۔ اور اسے سنا جا سکتا ہے۔ اس تحقیق سے آیت کریمہ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ (سورہ یٰسین آیت ۶۵) ترجمہ اس روز ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ وہ لوگ دنیا میں کر رہے ہیں ان کی بابت ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور پیر گواہی دیں گے۔ (جو کام جس عضو سے کیا ہو گا وہ اس کی شہادت دے گا) کی سو فیصد تائید و تصدیق ہوتی ہے کہ جب انسان اپنے ذہن و دماغ سے ایسے آلات اور مشین بنا سکتا ہے جن کے ذریعہ وہ جس شخص کی آواز چاہے ٹیپ کر کے اسے دوبارہ سن سکتا ہے اور مدتوں محفوظ رکھ سکتا ہے اور ہر شخص کی حرکت ملاحظہ کر سکتا ہے تو بھلا وہ ذات گرامی جس نے انسان کو بنایا ہے، انسانی اعمال و حرکات اور اس کے احساسات و اقوال کو ٹیپ کرنے اور محفوظ رکھنے سے کیونکر عاجز و قاصر رہ سکتی ہے۔؟

۲۔ تخلیق انسانی کے مراحل کو جس وضاحت کے ساتھ قرآن مجید نے بیان کیا ہے کسی نے بیان نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ زمر آیت ۶ میں ارشاد فرمایا ہے۔

یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۝ — وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں طور بہ طور یکے بعد دیگرے تین اندھیروں میں پیدا کرتا ہے۔

جدید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ بچہ رحم مادر میں تہ بہ تہ تین ایسے پردوں کے اندر رہتا ہے جن میں گرمی سردی، روشنی، ہوا، کا کوئی اثر نہیں پہنچتا اور یہی بات قرآن کریم نے " فی ظلمات ثلاث" کہکر آج سے چودہ سو برس پیشتر بیان کر دی۔

۳۔ قرآن مجید میں آخرت کا یقین پیدا کرنے اور قیامت میں دوبارہ انسانوں کو زندہ کئے جانے کی خبر دینے کے لئے بہت سی آیات وارد ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت بیان کی گئی ہے۔ منجملہ ان کے ایک آیت یہ بھی ہے

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ○ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ○ (سورہ قیامہ آیت ۳-۴)

کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم (اس کے مرنے کے بعد) اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے۔ بیشک (کریں گے) ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کے پور پور کو برابر کر دیں"

یہاں کہا گیا ہے کہ ہم انسان کی انگلیوں کے پوروں کو برابر درست کرنے پر قادر ہیں۔ آج جسم انسانی کے دوسرے اعضاء مثلاً آنکھ، ناک، کان وغیرہ کے درست کرنے پر قادر ہونے کا حوالہ کیوں نہیں دیا گیا۔؟ اس میں ایک زبردست راز پنہاں ہے کہ ایک انسان کے اعضاء ناک، کان، آنکھ وغیرہ دوسرے انسان کے اعضاء کے مشابہ ہو سکتے ہیں لیکن ایک انسان کی انگلی دوسرے انسان سے نہیں مل سکتی۔ کیونکہ ہر شخص کی انگلی پر باریک باریک دھاریاں اور لکیریں ہوتی ہیں جو دوسرے شخص کی لکیروں سے بالکل مختلف اور دوسری شکل کی ہوتی ہیں۔ اس کی تحقیق انیسویں صدی میں ہوئی ہے۔ اس تحقیق کے بعد ۱۸۸۴ء میں سب سے پہلے انگلینڈ میں سرکاری طور کسی شخص کی شناخت کے لئے نشانی انگوٹھا لیا گیا کیونکہ انگلیوں پر بنی ہوئی یہ قدرتی لکیریں زندگی بھر یکساں رہتی ہیں اور کسی دوسرے شخص کی لکیروں سے نہیں ملتیں۔ آج کل انگلیوں کے نشانات مجرموں کی تلاش اور گرفتاری میں بے حد معاون ثابت ہو رہے ہیں۔

۴۔ سائنسدانوں نے تحقیق کے بعد پتہ لگایا ہے کہ سورج کی روشنی اپنی ذاتی ہے لیکن چاند کی روشنی اپنی ذاتی نہیں بلکہ جب سورج کا عکس چاند پر پڑتا ہے تو چاند میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات قرآن کریم نے چودہ سو برس قبل بیان کر دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ (سورہ یونس آیت ۵)

وہی ہے جس نے آفتاب کو (بذاتہ) چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن۔ اور چاند کی منزلیں ٹھہرائیں (جس سے اس کی ترقی و تنزل معلوم ہو۔ کبھی بڑھتا ہوا نظر آتا ہے کبھی گھٹتا ہوا) تاکہ تم اس کے ذریعہ سالوں کا (اور معمولی کاروبار میں تاریخوں کا) حساب جان لیا کرو۔

نیز ارشاد فرمایا۔

جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (سورہ نوح آیت ۱۶)

اور چاند کو ان (آسمانوں) میں روشن چیز بنایا اور سورج کو روشن چراغ پیدا کیا۔

مزید فرمایا۔

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَّجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِيرًا (الفرقان: ٦١)

وہ برکت والی ذات ہے جس نے آسمانوں میں سیاروں کی منزلیں بنائیں (جن میں بارہ مہینوں کے حساب سے وہ چلتے ہیں۔) اور ان آسمانوں میں ایک سورج اور چمکتا ہوا چاند بنایا

ان آیات کریمہ میں سورج اور چاند کی روشنی میں فرق بتایا گیا ہے۔ چنانچہ سورج کو چراغ (سراج ضیاء) کہا گیا ہے اور چاند کو منیر اور نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چراغ کی روشنی اپنی ذاتی ہوتی ہے اور نور کسبی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ سورج کی روشنی اپنی ذاتی ہے جبکہ چاند کی روشنی اپنی ذاتی نہیں بلکہ وہ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔

۵۔ انسان نے انیسویں صدی عیسوی میں ہوائی پرواز اور بیسویں صدی میں خلا بازی سیکھی۔ اور پتہ لگایا کہ فضا میں جس قدر بلندی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی قدر آکسیجن جو سانس لینے کے لئے ضروری ہے، اور ہوا کا دباؤ کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جہاں آکسیجن اور ہوا بالکل نہیں ہوتی یہاں سانس لینا انتہائی دشوار ہے اور سینہ میں زبردست تنگی محسوس ہوتی ہے۔ انسان کی اس تحقیق کے تیرہ سو سال پہلے اللہ رب العالمین نے قرآن کریم میں یہ تحقیق بیان فرمادی۔ فرمایا۔

فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ۔ (الانعام: ۱۲۵)

پس جس کو خدا ہدایت کرنا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کرنے کو کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہے اس کے سینے کو نہایت تنگ کر دیتا ہے۔ گویا آسمانوں پر اس کو چڑھنا پڑتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جدید سائنسی تحقیقات نے قرآن مجید کے کلام الٰہی اور منزل من اللہ ہونے کے نا قابل تردید شواہد فراہم کر دیئے ہیں کہ ایسے دقیق اور باریک مسائل و تحقیقات زمانۂ نزول قرآن کے انسانوں کے احاطۂ دماغ کے قریب بھی نہیں بھٹکتے رہے ہوں گے۔

فضل اللہ انصاری سلفی

مسلم قیادت ــــــ ایک جائزہ

قیادت وسیادت کسی قوم کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہوا کرتی ہے۔ قوم کا سارا دار و مدار کسی قائد کی قائدانہ صلاحیت و لیاقت پر ہی منحصر ہوتا ہے۔ قیادت و سیادت جتنی جاندار اور شاندار ہوگی، قوم کا مقدر اتنا ہی درخشاں و تابندہ ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس قیادت و سیادت جتنی پھسپھسی اور بے جان ہوگی، قوم کی تقدیر اتنی ہی اجڑے گی۔ ایک اچھی قیادت اور کسی قوم کی عمدہ رہنمائی کے لئے خلوص و وفا، صدق و صفا، حق گوئی و بے باکی، بیدار حس اور زندہ ضمیر نہایت ہی ضروری ہیں۔ جہاں ان چیزوں کا فقدان ہوگا، وہاں قیادت پھسپھسی، بے وزن اور بے برگ و بار ہوگی۔ بلکہ کہنے دیجئے کہ ایسی قیادت ہلاکت خیز اور تباہ کن بھی ہو سکتی ہے۔ عربی کا ایک شعر ہے کہ: ؎

اذا کان الغراب سواد قوم   فماواھم إلی دار البوار

یعنی جب کسی قوم کا لیڈر کوّا ہو تو اس کا ٹھکانہ خانہ خراب ہی ہوگا۔ آزاد ہندوستان میں مسلم قوم کے لئے یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ آج اُس کی قیادت و سیادت کا ستارہ گردش میں ہے۔ ہند کی ستم رسیدہ یہ مسلم قوم اس جاندار و شاندار قیادت سے محروم ہے۔ جو کسی بھی قوم کے لئے نہایت ہی ضروری ہے اور جس سے ہی قوموں کی تقدیر سنورتی ہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان میں مسلم قیادت کا کیا ہوا، اس سے قطع نظر آج کیا ہے اور کل کیا ہوگا اسکا خدا حافظ۔ مگر ہندوستانی مسلمانوں کا کیا ہوا، جو بعد تقسیم کے بھی وطن کی آغوش سے جدا نہیں ہوئے اور اس سے گلے لگ گئے۔ آج آزادی کا ایک عرصہ گذر گیا مگر عمدہ قیادت سے محروم مسلمانوں نے ترقیٔ معکوس اور رجعت قہقری کے سوا اور کیا پایا۔ ہند کی یہ قوم عمدہ قیادت و سیادت سے محروم ہو گئی تو زوال و انحطاط اور ہلاکت و بربادی اس کا مقدر بن گئی۔ ایک ایسے جال میں جا پھنسی، جسے عمدہ قیادت و سیادت کے سوا اور کچھ نہیں کاٹ سکتا اور نہ ہی اس گرفتار کو آزاد کر سکتا ہے۔ ایک ایسی جنجال میں جا پڑی جس کا بہتر رہنمائی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ہندوستان تو آزاد ہو گیا جس میں ماشاءاللہ ہندوستانی مسلمانوں کا مؤثر کردار اور جاندار رول رہا مگر خود ان مسلمانوں کو کیا ملا۔ [illegible]

عدم تحفظ اور مقام شہری نمبر دو کا۔ آج تک مسلمان نذرِ تیغ و آتش ہوئے، ان کے گھر آباد برباد ہوئے ان کی عزت وناموس نیلام ہوئی، ان کو پاکستانی جاسوس کا سو رلقب ملا، نہ کے برابر سرکاری دفاتر میں نوکریاں ملیں، ان کے معابد ومساجد اور مقدسات پہ یورش ویلغار ہوئی، ان کے ملی تشخص پامال کئے جانے کی ناپاک کوشش ہوئی "ہندی، ہندو، ہندوستان، ملا بھاگو پاکستان" کا جان سوز اور سوہانِ روح نعرہ ملا۔ لیکن کیا کیا ہمارے رہنماؤں نے، کہاں گئی ان کی قیادت وسیادت اور رہنمائی ہم نے تو انہیں منتخب کیا، وہ ایوان پہنچے، ہماری حالات سے وہ آشنا بھی رہے، لیکن انکی زبان پہ قفلِ خموشی لگ گیا اور وہ پتھر کے صنم بنے رہے۔ شاید اسلئے کہ ہماری جی حضوری کو نقصان پہنچیگا، ہمارا سیاسی وقار مجروح ہوگا اور ہم اپنے منصب سے محروم کر دیئے جائینگے۔ قوم کی اس اندھی سیادت خود غرضانہ قیادت اور نام نہاد مسلم سیاسی رہنماؤں نے اپنی خاموشی سے نہ جانے کتنے معصوم کو محروم زندگی کیا، کتنے والدین کتنے بچے، کتنی بیویاں، کتنے شوہر، کتنی بیٹیاں اور بے قصور افراد لذت زندگانی سے محروم ہو گئے۔ مسلم قیادت اگر جاندار وشاندار ہوتی تو اس کے نتائج بھی یقیناً مثبت اور ثمر بار ہوتے، مگر ہر کوئی جانتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا اور مسلم قیادت کی اگر یہی حالت رہی تو ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ مسلمانوں کی عمدہ قیادت کا فقدان اتنی زندہ اور مشہور عام حقیقت ہے کہ غیر مسلم سیاسی رہنماؤں کا بھی یہ اعتراف ہے کہ آج مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ قیادت کا مسئلہ ہے۔ بہوجن سماج پارٹی کے قائد کانشی رام نے ہفتہ وار "نئی دنیا" (شمارہ ۲۳ ج ۱۸) کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ: مسلم قیادت مسلمانوں کی مصیبتوں کی سب سے بڑی وجہ ہے: قیادت اگر عمدہ اور بہتر ہوتی، قائد اگر بے باک اور بے خوف، مخلص وایماندار حساس اور زندہ ضمیر ہوتے تو وہ کون سا مسئلہ تھا، جو حل نہیں ہوتا اور وہ کون سی مشکل تھی، جو آسان نہ ہوتی۔ مگر کہہ لینے دیجئے کہ ایسا بالکل نہیں۔ کیوں کہ مسلم رہنما ایسے نہ تھے۔ اُن کی مثال اس "کوّا" کی سی تھی، جس کی قائدانہ کارکردگی کا انجام مذکورہ بالا شعر میں ہلاکت وبربادی کے سوا کچھ اور نہیں۔ قیادت کا بار سنبھالے پورے جوش وولولہ کے ساتھ بعض ہستیاں سامنے آئیں بھی تو ہر ایک اپنی ڈفلی اور راگ بجا رہے تھے۔ ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ قوم کی اجڑی تقدیر یقیناً سنور جائے گی اور ہند میں مسلمان سر اٹھا کر یقیناً چل سکیں گے۔ مگر پتہ چلا کہ یہ ایک واہمہ تھا، جو مایوس کر چلا اور ایک اتفاق تھا جو ایسا ہو گیا۔ جن پر اعتماد اور وثوق تھا اگر وہ آپس میں اتفاق واتحاد کے ساتھ قوم کے مسائل دیکھتے، اپنی اپنی ڈفلی اور راگ پھینک کر ملی غیرت وحمیت سے مسلم قیادت کا بار سنبھال لیتے تو پھر بھی مسئلہ حل ہو جاتا۔ مگر جہاں ذاتی وقار اور شخصی عظمت کا سوال ہو وہاں قوم اور جماعت کی پرواہ کون کرتا ہے۔ جہاں ہر ایک "ہم چنیں دیگرے نیست" کا بیمار ہو، وہاں ملت کا درد کون ہے جو محسوس کرتا ہے۔ جہاں "ہر چہ آید عمارتِ نو ساخت" کا خیال عام ہو، وہاں تعمیر کب ہوتی ہے۔ جہاں ہر فرد اپنی قیادت وسیادت اور عظمت وشہرت کا طلب گار ہو، وہاں قوم کی فکر کس کو ہوتی ہے۔ تاریخ اسلام کا یہ واقعہ کاش ہم کو معلوم ہوتا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے غزوۂ ذات السلاسل کے لئے ایک دستہ حضرت عمرو بن العاص کی سرداری میں بھیجا۔ یہ جگہ شام کے اطراف میں تھی۔ حضرت عمرو بن العاص جب وہاں پہنچے اور حالات معلوم کئے تو دشمن کی کثرت سے ان کو خوف پیدا ہوا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجکر مزید مدد طلب کی۔ آپ نے مہاجرین کو بلایا اور دو سو آدمیوں کا ایک دستہ تیار کیا۔ اس دستہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ بھی شامل تھے۔ آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو اس دستہ کا امیر مقرر کیا۔ اور حکم دیا کہ فوراً روانہ ہوں اور حضرت عمرو بن العاص سے جاکر مل جائیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کا دستہ جب منزل پر پہنچا اور دونوں دستے ساتھ ہو گئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ دونوں کا امیر کون ہو، حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ: میں تم سب کا امیر ہوں۔ میں نے رسولؐ کو اپنی مدد کیلئے لکھا تھا۔ تم لوگ اس کے مطابق میری مدد کیلئے بھیجے گئے ہو۔ حضرت ابوعبیدہ کے ساتھ جو مہاجرین آئے تھے، انہوں نے اس کو نہیں مانا۔ انہوں نے حضرت عمرو بن العاص سے کہا کہ تم اپنے ساتھیوں کے امیر ہو اور ابوعبیدہ ہمارے امیر ہیں۔ انہوں نے اصرار کیا کہ تمہاری حیثیت امدادی فوج کی ہے اور تم لوگ میرا ساتھ دینے کے لئے بھیجے گئے ہو۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے جب یہ حال دیکھا تو کہا: اے عمرو تم پر واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو رخصت کرتے ہوئے جو آخری عہد لیا، وہ یہ تھا کہ جب تم اپنے ساتھی کے پاس پہنچو تو دونوں اتفاق کے ساتھ مل کر کام کرنا، باہم اختلاف نہ کرنا۔ پس خدا کی قسم اگر تم میری بات نہ مانوگے، تب بھی میں تمہاری اطاعت کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ابوعبیدہ نے امارت عمرو بن العاص کے حوالے کر دی اور ان کی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے راضی ہو گئے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ص۲۷۳ درحوالہ اتحادِ ملت ص۲۰)

تکفیر کے پردے میں

عبد السمیع محمد ہارون انصاری

مذہب اسلام کا منجملہ دیگر اوصاف کے یہ طرہ امتیاز ہے کہ یہ مذاہب دیگر سابقہ ارضی و سماوی ادیان و ملل کی طرح امتدادِ زمانہ کے بعد اوہام و خرافات اور اساطیر و دیو مالائی قصوں کا معجون مرکب بن کر ہر قسم کی تحریف و تغیر سے محفوظ رہا جس پر چلنا ہر اس آدمی کے لیے جو حق کا متلاشی اور صداقت کا شیدا ہو۔ ہر دور میں ممکن ہوگیا لیکن چونکہ انسانی افکار و طبائع کا اختلاف ایک فطری امر ہے۔ اسی لیے بنی نوع انسان میں ہر دور میں ایک ہی چیز کے متعلق مختلف افکار و خیالات رہا کیے ہیں، بایں وجہ مسلمانوں میں بھی اختلافات پیدا ہوئے۔ اسلام جس نے اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ ایک ہی لڑی میں پروتے رہنے اور ایک ہی منبع شافی سے اپنی تمام تر تشنگی بجھانے کی تاکید کرتا رہا ہے۔ بعد میں چل کر یہاں بھی انسانوں کا طبعی اور فطری اختلاف آڑے آیا اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے محدود علم و فہم کے ذریعہ اسلام کی تشریح و توضیح کرنی شروع کردی۔ یہاں تک تو خیر بات غنیمت تھی، مگر بالآخر افکار و خیالات کا یہ اختلاف اس قدر بڑھتا گیا کہ اس نے ملتِ واحدہ کے شیرازے کو منتشر کردیا۔ کیونکہ ان اختلافات کا باعث محض بنی نوع انسان کا فطری اختلاف افکار نہ تھا بلکہ اس سے کہیں زیادہ ان اختلافات کا باعث وقتی، سیاسی اور ذاتی مفاد تھا۔ اسلام کے قرن اول کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات واشگاف اور آشکارا ہوجاتی ہے کہ ان اختلافات میں فطری کو دخل کم اور سیاسی اور ذاتی غرض و مفاد کو دخل زیادہ تھا۔

فرقہ شیعہ انھی سیاسی اور ذاتی مفادات کے اختلافات کی پیداوار ہے جو قرن اول کے اوائل ہی میں پیدا ہوگیا تھا۔ یہ فرقہ مرور زمانہ کے ساتھ ایسے ایسے اوہام و خرافات، اساطیر اور دیو مالائی واقعات و عقائد، عجیب و غریب افکار و خیالات کا معجون مرکب بن گیا کہ جسے دیکھ کر یہ تخمینہ اور اندازہ لگانا مشکل ہوگیا ہے کہ یہ بھی

کوئی اسلامی فرقہ ہے۔ اس فرقے کے عقائد و افکار پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ کوئی اسلامی فرقہ نہیں، بلکہ وہ ایک مستقل مکتب فکر ہے جس کے افکار و خیالات عجائبات زمانہ اور نادر روزگار ہیں اور جو اسلامی مکتب فکر سے ہم آہنگ نہیں ہے بلکہ ان دونوں میں بڑی دوری ہے۔ اس فرقے کا یہ ایک نشانِ امتیاز رہا ہے کہ اس کے ماننے والے حد سے زیادہ اپنے افکار و عقائد میں ٹھوس اور متعصب رہے ہیں۔ یہ فرقہ دیگر اسلامی فرقوں کی طرح امتداد زمانہ کے ساتھ تاریخ کی بھول بھلیوں میں گم نہ ہو کر ہر دور میں باقی رہا اور اب بھی اس کے ماننے والے باقی ہیں۔ اس فرقے کو جہاں اور جگہ پھلنے پھولنے کے مواقع نصیب ہوئے وہیں ایران اس کا گڑھ بنا، جہاں آج کل شیعوں کی حکومت ہے۔ ایران میں ۱۰ سال قبل ۱۱ مئی ۱۹۷۹ء کو خمینی کی قیادت میں محمد رضا شاہ پہلوی کا تختہ الٹنے کے بعد ایک انقلاب برپا ہوا، جس کو خمینی نے "اسلامی انقلاب" کا نام دیا اور ایران کو "جمہوریہ اسلامی ایران" قرار دیا۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ایرانی انقلاب کے قائد امام آیت اللہ روح اللہ خمینی نے جس انقلاب کو اسلامی انقلاب" کا نام دیا ہے۔ آیا وہ فی الواقع "اسلامی انقلاب" ہے اور کیا وہ اسلام کے اصول و قوانین پر پوری طرح کاربند اور پابند ہے یا نہیں۔ ایرانی انقلاب اور اس کے حصول کی تاریخ کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں مایوسی ہوتی ہے، جبکہ یہ کوئی اسلامی انقلاب نہیں ہے، بلکہ خمینی انقلاب ہے جس کے در پردہ تخریبی مقاصد کا حصول مطمح نظر ہے۔ ع

"کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"

ایرانی انقلاب جس میں کچھ تو اپنوں اور اس سے کہیں زیادہ اسلام دشمن طاقتوں کو دخل ہے کلی طور پر "الکفر ملۃ واحدۃ" کی ایک لڑی میں پرو کر اسلامی ملکوں اور مسلمانوں کو زک پہنچانے اور انھیں مادی روحانی، ہر چیز سے قلاشِ محض بنا دینے کے لیے پیہم جہد کناں ہے۔ ایرانی انقلاب کے بعد بجائے اس کے بزعم خویش، اسلامی انقلاب ہی ہی اس سے اسلامی ملکوں میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑتی، غم و غصہ اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے۔ کیونکہ خمینی صاحب نے اسلامی ملکوں کو آزاد کرنے اور وہاں انقلاب برپا کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ جیسا کہ ان کا کہنا بھی ہے کہ ہمنے عراق کے علاوہ، مصر، سعودی عرب، اردن اور دوسرے متعدد عرب ممالک میں بھی انقلابات برپا کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ خمینی صاحب خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی کو بھی آزاد کرانے کا عزم رکھتے ہیں اور اپنے ان

تخریبی مقاصد کے حصول کے لیے اسلام دشمن سامراجی طاقتوں سے خفیہ ساز باز کرکے ہر طریقہ اپنا رہے ہیں اور اسلامی ملکوں اور بالخصوص عرب ملکوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں، عراق، ایران کی پانچ سالہ طویل جنگ ہمارے سامنے ہے، جس میں خمینی صاحب کی ہٹ دھرمی اور جنگ بندی کے سلسلے میں تمام ترحقائق سامنے آچکے ہیں۔ اسلامی ملکوں اور اسلامی چوٹی کانفرنسوں کی تمامتر کوشش اور دباؤں کے باوجود وہ جنگ بندی کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس سے امام خمینی کے تخریبی ذہن کا اندازہ پوری طرح سے ہمارے سامنے آشکارا ہوجاتا ہے۔ اس جنگ سے نہ صرف یہ کہ خلیجی ممالک معاشی اور اقتصادی طور پر متاثر ہوئے ہیں، جبکہ پورا عالم اسلام اس سے متاثر ہے۔

جب سے ایرانی انقلاب رونما ہوا ان میں چند نعرے قومی نعرے کی شکل اختیار کرچکے ہیں اور جو نعرے ہر جلوس اور کانفرنس وغیرہ میں لگائے جاتے ہیں۔ انھی نعروں میں سے "مرگ برامریکہ مرگ برشوروی" (روس) اور مرگ براسرائیل بھی ہے۔ جو بڑی شدومد کے ساتھ لگائے جاتے ہیں، ان نعروں کا مقصود اور مطمح نظر کیا ہے وہ تو ہم نہیں جانتے، البتہ قرائن اور دلائل سے اتنا ضرور جانتے ہیں کہ ان کھوکھلے نعروں سے عالم اسلام اور مسلمانوں کو یہ یاد کرانا مقصود ہے کہ وہ اسلام دشمن خواہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی ہی طاقت کیوں نہ ہو ان کے دشمن ہیں، لیکن ان نعروں کی حقیقت کیا ہے وہ ارباب علم و دانش پر مخفی نہیں۔

مرگ برشوروی کی حقیقت اس سے کچھ نہیں ہے کہ ان کھوکھلے نعروں سے ایک طرف اسلامی ملکوں اور مسلمانوں کو بیوقوف بناکر اپنا الو سیدھا کیا جائے اور درپردہ اپنے تخریبی مقاصد بھی حاصل ہوں۔ مثلاً افغانستان، اور وہاں کے مظلومین کی ہمدردی کی تہ میں بھی افغانستان کے شیعہ عنصر کا مفاد پوشیدہ ہے۔ ایران چاہتا ہے کہ یا تو حالات موجودہ روسی قبضہ ہی کے ساتھ معمول پر واپس آجائیں یا کم از کم روسیوں کی واپسی کی یہ شکل نہ ہو کہ اقتدار مجاہدین (اہل سنت) کے ہاتھوں میں منتقل ہوجائے، یا اس کی بنا پڑجائے۔ افغانستان کے بارے میں ایران کی اس پالیسی کے اندر اس کے واضح قرائن پائے جاتے ہیں کہ اس میں افغانی شیعوں کا اور ایران کا اپنا مفاد پیش نظر ہے، جو روسی مفاد سے بھی بہت کچھ ہم آہنگ ہے۔ مثلاً یہ کہ کچھ دن پہلے افغانستان سے مظلومین کے جو نمائندے ایران بلائے گئے تھے اور ان سے تعاون کا وعدہ کیا گیا تھا، وہ سب کے سب نمائندے شیعہ ہی تھے۔ حالانکہ افغانستان میں اکثریت سنیوں کی ہے اور اس وفد کے اندر ایک بھی سنی نہیں تھا۔ افغانستان کے معاملے میں ایران کا یہ رویہ اس بات کا ثبوت ہے کہ روس کے ساتھ ایرانی انقلاب کی مکمل مفاہمت اور دوستی ہے۔

مرگ بر امریکہ اور مرگ بر اسرائیل کی حقیقت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ یعنی کم از کم اس پر مرگ (موت) نازل کرنے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ اصل دلچسپی کا مرکز اور نشانہ خلیجی علاقہ اور جزیرۃ العرب ہے۔ یہاں کی حکومتوں کا خاتمہ اور ان کی جگہ شیعہ اقتدار مطمح نظر ہے۔ اور باقی سب اس مقصد کے ذرائع۔

غرضیکہ ایران کے عوام کی اس بہروپیے (خمینی) سے جو امیدیں اور توقعات وابستہ تھیں اور ان کی قیادت میں انقلاب کا خواب دیکھا تھا وہ سب یکلخت ہوا ہوگئیں اور ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ یہی وجہ ہے کہ کل کا یہی محبوب قائد آج ایرانی عوام کی نظروں سے گرچکا ہے اور اس کے خلاف ایک عام دلی کدورت پیدا ہوگئی ہے۔
ان کی قیادت میں بقول علی رضا باری سابق گورنر مرکزی بینک ایران کے: جس انقلاب کا تصور ذہنوں میں قائم کیا گیا تھا وہ عدل ورواداری، امن ومساوات آزادیٔ اظہار اور جمہوری اداروں کے ذریعہ نظام حکومت چلانے کے بنیادی اصولوں پر مبنی تھا، لیکن اس کے بعد جو صورت ہوئی وہ برعکس نکلی۔

حقیقت یہ ہے کہ نام نہاد اسلامی انقلاب کے قائد اپنے مذہبی عقیدہ "تقیہ" کے اصول پر پوری طرح کاربند اور پابند ہے، جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ اور۔ خمینی صاحب ایک طرف تو مرگ بر امریکہ، مرگ بر شوروی (روس) اور مرگ بر اسرائیل کا نعرہ بہ بانگ دہل لگاتے ہیں۔ اور دوسری طرف انہی اسلام دشمن طاقتوں کی شہ پر اپنے ہم مذہب کے خلاف برسرپیکار رہے۔ ایک طرف تو یہ نام نہاد اسلامی انقلاب کے قائد فلسطینی مسلمانوں کی مظلومیت پر جھوٹے آنسو بہاتا ہے اور دوسری طرف انہی عرب ممالک کو انہی عربوں سے آزاد کرانے میں مصروف عمل ہے۔ ایک طرف تو خمینی صاحب افغانی مظلوموں کو قطع نظر اس کے کہ وہ سنی ہیں یا شیعہ، پناہ دیتے ہیں اور اپنے کو مسلمانوں اور اسلام کا بہی خواہ ظاہر کرتے ہیں اور دوسری طرف یہی خمینی صاحب حرم وکعبہ کی حرمت اور اس محترم شہر کے ازلی امن کے دامن کو تار تار کردیتے ہیں۔

یہ سب ایرانی انقلاب کے قائد خمینی صاحب کے دورُخے کردار کا ہلکا سا عکس ہے۔ ورنہ حقیقت اس سے کہیں بھیانک اور طویل تر ہے۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ عالم اسلام متحد رہے۔ چراغ مصطفویؐ کے مقابل ہمیشہ شرار بولہبی برسرپیکار رہا کیا ہے اور رہا کرے گا۔ اس لیے عالم اسلام کو چاہیے کہ اس مادّی شرار بولہبی کے بالمقابل چراغ مصطفویؐ کا مکمل نمونہ پیش کریں۔ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

باب الفتاوی

افادات مفتی اکبر علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ

(۱) قبر پر اذان اور اقامت کا حکم۔
(۲) جمعہ سے قبل لاؤڈ اسپیکر پر قرآن کی تلاوت کا حکم۔
(۳) اذان کے بعد بلند آواز سے درود وسلام کا حکم۔

(۱) **سوال:** میت کو قبر میں رکھنے کے بعد قبر پر اذان اور اقامت کا کیا حکم ہے۔

(۲) **الجواب:** بلا شبہ یہ بدعت ہے، شریعت میں اسکی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ یہ نہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے نہ ہی آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم سے، جب کہ ہدایت انہی کی اتباع میں ہے ارشاد باری ہے:

والسابقون الاولون من المهاجرين	اور سب سے اول سبقت کرنے والے یعنی مہاجرین
والانصار والذين اتبعوهم باحسان	اور انصار، اور جوان کی نیک روش کے تابع
رضی اللہ عنهم ورضوا عنه (توبہ آیت ۱۰۰)	ہوئے، اللہ ان سے راضی ہو، اور وہ اللہ سے۔

اور ارشاد نبوی ہے:

من احدث فی امرنا هذا ما ليس	جس نے ہمارے اس معاملے (دین) میں نیا کام
منه فهو رد۔	ایجاد کیا جو اس میں سے نہیں تو اس کا یہ کام اللہ
(صحیح بخاری: کتاب الصلح باب ۵)	کے یہاں مقبول نہیں ہوگا۔

نیز ارشاد ہے:

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ	کسی نے اگر ایسا کام کیا جو ہمارے طریقہ پر نہیں تو
رَدٌّ۔ (صحیح مسلم: کتاب الاقضیہ باب ۸)	اس کا یہ کام اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہوگا۔

نیز ارشاد ہے:

وشر الامور محدثاتها وكل بدعة	دینی معاملات میں نیا کام بہت بری چیز ہے

ضلالة (صحیح مسلم: کتاب الجمعہ، باب۱۳) اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

درود و سلام ہو اللہ کے نبی پر اور آپ کے آل اور اصحاب پر

(مجموعۂ فتاوی شیخ ابن باز، مفتیٔ اعظم سعودی عربیہ ج ا رص ۴۴۳)

(۲) سوال: عالم اسلام کی بہت سی مساجد میں جمعہ کی نماز سے پہلے لاؤڈ اسپیکر پر قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے اسکا کیا حکم ہے ؟

الجواب: کتاب وسنت سے، اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کے عمل سے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسلئے شریعت کے معروف قاعدے کے مطابق یہ عمل بدعت کے شمار میں آتا ہے، اسلئے اس کو ترک کر دینا چاہیئے نیز بدعت ہونے کے علاوہ اس سے نمازیوں کی نمازوں اور تلاوت کرنے والوں کی تلاوتوں میں خلل پڑتا ہے، واللہ اعلم۔

(الدعوۃ " بتاریخ ۲۰ر۴ر ۱۴۰۰ھ)

۳ سوال: بعض مؤذن اذان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب: اگر مؤذن پست آواز میں ایسا کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ اذان کے جواب دینے والوں کے لئے بھی یہ جائز ہے، صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے:

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول، ثم صلوا علیّ فان من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیه بها عشرا، ثم سلوا الی الوسیلة، فانها منزلة فی الجنة لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ، وارجو أن اکون أنا هو، فمن سأل لی الوسیلة حلت له الشفاعة۔

(مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب۷)

جب تم مؤذن کو اذان دیتے سنو تو ویسا ہی تم بھی کہو جیسا وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود وسلام بھیجو، اسلئے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار سلام بھیجتا ہے اللہ اس کے بدلے اس پر دس بار سلام بھیجتا ہے۔ پھر میرے لئے اللہ سے وسیلے کا سوال کرو، وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے کسی ایک ہی بندے کیلئے ہے، اور مجھے یقین ہے کہ وہ میں ہی ہوں، تو جس شخص نے میرے لئے وسیلہ کا سوال اللہ سے کیا اس کی شفاعت واجب ہوگئی۔

اور صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے:

من قال حین یسمع النداء: اللّٰھم

اذان سننے کے بعد جو شخص یہ دعا پڑھے اللہ رب

رب هذه الدعوة التامة، والصلوٰة القائمة آت محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته" حلت له شفاعتی يوم القيامة۔ (صحیح بخاری: کتاب الأذان باب ۸)	هذه الدعوة التامة، والصلوٰة القائمة، آت محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمود الذی وعدته" تو اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی۔

لیکن اگر موذن اس کو اذان ہی کی طرح بلند آواز سے پڑھے تو یہ بدعت ہے اسلئے کہ اس سے یہ شبہ ہو جائے گا کہ یہ بھی اذان ہے، اور اذان کے کلمات میں زیادتی جائز نہیں، اذان کا آخری کلمہ "لاالٰہ الا اللہ" ہے، اس سے زیادہ کوئی کلمہ جائز نہیں، اگر یہ کام بھلائی کا ہوتا تو سلف صالحین اس کی طرف سبقت کئے ہوتے، بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بتا دیا ہوتا، اور آپ کا ارشاد گرامی ہے:

"من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد"

(مجموعہ فتاویٰ شیخ ابن باز ج ۱ ص ۴۴۴)

ہم نے مدراس کی ایک مسجد میں دیکھا کہ موذن اذان اور اقامت سے پہلے باواز بلند درود ابراہیمی پڑھتا ہے، یہ بدعت شمال ہند کے بدعتی لوگوں میں بھی دیکھنے کو نہیں آتی ہے، اس کے بدعت ہونے میں کسی بھی مسلم کو ادنیٰ شبہ نہیں ہوسکتا، جب اذان کے بعد مشروع درود پست آواز کی بجائے بلند آواز سے پڑھنی بدعت ٹھہری تو جس کا سرے سے شرع میں وجود ہی نہیں اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہ؟ (مرتب)

ہماری نظر میں

نام کتاب: اسلام، عورت اور عصر حاضر

نام مولفہ: ڈاکٹر رخسانہ نکہت لاری ام ہانی، لاری منزل لکھنؤ

صفحات: ۲۰۸

سال اشاعت: ۱۹۸۹ء

ناشر: دین دانش پبلیکیشنز، عظیم آباد کالونی، پٹنہ ۱۲

یہ کتاب دراصل تیئیس مقالات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوئے تھے، ان کو بہترین کتابت وطباعت (فوٹو آفسیٹ) سے مزین کرکے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ افتتاحیہ مشہور عالم دین حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کا ہے۔ اور تقریظات مشہور شاعر، پروفیسر عنوان چشتی، پروفیسر اسلوب احمد اور جگن ناتھ آزاد نے لکھے ہیں، نیز علامہ واقف عظیم آبادی کی منظوم تقریظ بھی شامل ہے۔

کتاب کے اندر جابجا بہترین خط میں قرآنی آیات اور ان کے ترجمے بھی دیئے گئے ہیں اور مقالات چونکہ دینی اور اصلاحی نوع کے ہیں، اس لیے موقع محل سے قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور علامہ اقبال کے اشعار سے بھی خوب کام لیا گیا ہے۔

ان مقالات کے مطالعہ سے جو بات سب سے زیادہ واضح ہوکر سامنے آتی ہے، وہ ہے مولفہ کا جذبۂ دین، جو اس طرح کی اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین میں آج کل عنقا ہے، آج کل تو اس طرح کی بڑی ڈگریوں کی حامل خواتین سب سے زیادہ مغربی تہذیب وتمدن کی دلدادہ نظر آتی ہیں۔ ایسے ماحول میں مولفہ مذکورہ کا جذبہ قابل ستائش ہے۔

زبان و بیان رواں اور شستہ اور موثر ہے، کوشش کی گئی ہے کہ بات دل میں اتر جائے اور یہ صرف آورد سے نہیں ہوسکتا، اس میں دراصل اثر ہے قلب کے درد و سوز کا، موجود معاشرتی بے راہ روی پر قلب مومن کی دردمندی کا۔

کتاب کے نام سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف عورت سے متعلق ہوگی، یعنی اسلام اور عصر حاضر میں عورت کے مقام کا ذکر اور موازنہ ہوگا۔ مگر تیئیس مقالات میں سے صرف آٹھ مقالات عورت سے متعلق ہیں، خواہ اسلام کی نسبت سے یا عصر حاضر سے نسبت سے، باقی پندرہ مقالے عام وہی نوع کے ہیں۔ مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ کتاب کا یہ نام افسانوی یا تنقیدی مضامین کے مجموعوں کے ناموں کی طرح ہے، جس کے نام پہلے افسانہ یا مضمون کے عنوان پر رکھ دیئے جاتے ہیں، یا مولف کا یہ مقصد ہے کہ اس مجموعۂ مقالات میں الگ الگ ان تین موضوعات پر مقالے ہیں، لیکن یہ مقصد اس شعر کا مصداق ہوگا۔

کسی کو باغ میں جانے نہ دینا
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

صفحہ ۲۰ پر آیت قرآنی " واغضضن من أبصارهن " کا ترجمہ کیا گیا ہے " اپنی نظریں بچا کر رکھیں، صحیح ترجمہ ہوگا " اپنی نظریں نیچی رکھیں " غض بصر اردو میں بھی مستعمل ہے۔

صفحہ ۲۱ پر " عائذ " کو " عاید " لکھ دیا گیا ہے اور صفحہ ۱۴۳ پر حافظ منذری " کی " ی " لکھنے سے رہ گئی ہے۔

صفحہ ۱۶۸ پر ایک جملہ ہے " ایک روایت کے مطابق .... افضلیت و برتریت حاصل ہے۔ "
میرا خیال ہے کہ اردو میں بھی " یت " صرف عربی الاصل الفاظ کے آخر میں لگاتے ہیں، اور " برتر " کا لفظ فارسی ہے، اردو کا صحیح استعمال برتری ہوگا۔

صفحہ ۱۶۹ پر " حضور اکرم " " اکرام " ہوگیا ہے اور " سیدۃ نساء اہل الجنۃ " کی " ۃ " لکھنے سے رہ گئی ہے، نیز آیت قرآنی " أتقٰكم " کو " اتقیٰ کم " لکھا گیا ہے۔ قرآنی آیات کو عثمانی رسم الخط ہی میں لکھنا چاہیے۔ " اتقاکم " کا خط چل بھی سکتا ہے، مگر " اتقیٰ کم " غیر مانوس رسم الخط ہے۔

بہت سی جگہوں پر " صلی اللہ علیہ وسلم " کی بجائے " صلعم " سے کام لیا گیا ہے، حالانکہ مقالہ بعنوان " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم " کے مقالہ نگار کو تو بدرجہ اولیٰ اس بدعت سے پرہیز کرنا چاہیے تھا، جبکہ صلعم بھی کہیں صرف " ص " میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ سلف صالحین کے نزدیک یہ بدعت کے زمرے میں آتا ہے۔ محدثین کرام کا شیوہ تھا کہ جتنی بار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی آتا اتنی بار مکمل " صلی اللہ علیہ وسلم " لکھتے اور بولتے تھے۔

کتاب میں ایک مقالہ بعنوان " شب برات — رحمت و نجات کی رات " بھی ہے، جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کیا ہے کہ

کتاب میں آیات واحادیث سے خوب کام لیا گیا ہے تو اس مقالے میں یہ بات کچھ زیادہ ہی نظر آئی ۔ مگر ان احادیث میں سے اکثر ضعیف اور موضوع ہیں۔

یہ صرف مولفہ کی ٹریجڈی نہیں بلکہ بڑے بڑے ..... الاسلام ٹائپ کے علماء کا وضو بھی اس باب میں ٹوٹا ہوا ہے تو بیچاری مولفہ کو کیا کہا جائے، انھوں نے تو ان علماء کی مولفات سے یہ جان کر ان احادیث کو لیا ہوگا کہ یہ لوگ معتبر عالم ہیں۔

اس امت کی ایک ٹریجڈی یہ بھی ہے کہ کسی مصلحتِ خداوندی کے سبب امت میں ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن ہوگیا۔ اور اس سے بڑھ کر ٹریجڈی یہ ہے کہ کتاب وسنت کے ٹھوس علم کے بغیر کچھ لوگ دعوتِ اسلام اور اصلاح وتجدید کے میدان میں کود پڑتے ہیں، اس کے ساتھ ہی جہل مرکب میں بھی مبتلا ہوتے ہیں، بقول شاعر:

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالدھر بماند

ایسے لوگ ایک طرف تفسیر بالرائے کے مرتکب ہوتے ہیں تو دوسری طرف "تعبیر کی غلطی" کا شکار ہوجاتے ہیں اور "تعبیر کی غلطی" بتانے والے اور زیادہ غلطی کرجاتے ہیں۔ ایک طرف یہ اعلان فرماتے ہیں کہ عقائد کے باب میں صحیح اخبار آحاد معتبر نہیں تو دوسری طرف ضعیف اور موضوع احادیث کو بھی عقائد کے باب میں مستند بنالیتے ہیں۔

ہمارا روئے سخن مولفہ کی طرف نہیں، یہ تو "مقطع میں آپڑی تھی" والی بات ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بڑے بڑے ..... کا حال احادیث کے بارے میں یہ ہے تو بیچاری کو کون کوسے کہ آپ نے ضعیف اور موضوع احادیث کا سہارا کیوں لیا۔

اس مقام میں موصوفہ نے سورہ دخان کی آیت "لیلۃ مبارکۃ" کی تفسیر میں بعض مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد "شب براءت" ہے اور پھر خود ہی "اکثر اکابرین" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک اس سے مراد (رمضان والی) شب قدر ہے، کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ .... تو جب قرآن سے ثابت ہے کہ "لیلۃ مبارکۃ" سے مراد "شب قدر" ہے تو پھر بعض مفسرین کے باطل قول سے ہمیں کیا لینا، دینا؟

اس مقالے میں درج شدہ گیارہ یا بارہ احادیث میں سے صرف ایک حدیث (سال کے گیارہ مہینوں میں شعبان میں سب سے زیادہ روزہ رکھتے تھے۔ ص۱۳۱) صحیح ہے اور ایک حدیث (نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ مخلوق کی

طرف دیکھتا ہے، مومنوں کو بخش دیتا ہے۔ ص ۱۲۰) ۔ گرچہ آٹھ صحابہ کرام سے مروی ہے مگر ہر ایک کی سند میں کمزوری ہے بعض علماء نے ان کے مجموعی طرق کے پیش نظر اس کی تصحیح کی ہے، مگر اس کے الفاظ اس کتاب کے الفاظ سے مختلف ہیں۔ (ملاحظہ ہو محدث شمارہ شعبان ۱۴۱۰ھ حدیث ۱۲ ۔ ...)

حضرت عائشہ کی حدیث (ص ۱۲۲ ، ۱۲۳) جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبرستان جانے کا ذکر ہے، اس میں تین علتیں ہیں (۱) دو جگہ انقطاع ہے (۲) حجاج بن ارطاۃ ضعیف ہیں (۳) اور یحییٰ بن ابی کثیر مدلس راوی ہیں۔

اتنی ساری اور زبردست علتوں کے باوجود علماء وخطباء اور مؤلفین دھڑلے سے اس کو شب برات کی فضیلت میں پیش کیے جارہے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوکر اس رات زبردست تیاریوں کے ساتھ قبرستان کی زیارت ہر سال کی جارہی ہے، حالانکہ مذکورہ علتوں کے علاوہ اس ضعیف ترین حدیث میں اللہ کے رسول کے بطور خاص قبرستان جانے کا ذکر ہی نہیں، جیسا کہ مؤلف فرماتی ہیں (ص ۱۲۳)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت عائشہ کی باری میں قبرستان جایا ہی کرتے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم، کتاب الجنائز باب ۳۵ میں ہے۔

مشتے نمونہ از خروارے، باقی احادیث کے متعلق اگر ... مضمون "ضعیف اور موضوع ..." دیکھا جائے ، کچھ روایات تو میلا د نامہ جیسی کتابوں کی روایات معلوم ہوتی ہیں۔ مولفہ نے حوالے بھی نہیں دیئے ہیں۔ انھوں نے انھیں جہاں کہیں سے بھی لیا ہو، ان کے متون ہی سے پتہ چل رہا ہے کہ موضوعات کے قبیل سے ہیں، جیسے

"قیامت کے دن رجب، شعبان اور رمضان کے روزے رکھنے والے کو بھوک پیاس نہ ہوگی۔ (ص ۱۲۲)

اور جیسے "شعبان کو دیگر مہینوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے، جیسی محمد کو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر..." (ص ۱۲۱)

اور پتہ نہیں اعمال شب برات میں مولفہ نے یہ عمل کہاں سے نقل کیا ہے: "خصوصیت کے ساتھ سورہ یٰسین کی تلاوت کرنا اور غروب آفتاب کے قریب چالیس مرتبہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھنا سال کی تمام بہتری کا ضامن ہے" (ص ۱۲۳)

(اگر موصوفہ ہمیں بھی ان احادیث واعمال کا اتہ پتہ بتادیں تو آئندہ اسٹڈی میں مدد ملے گی)

ہمیں حدیث نبوی "من تقول علینا ما لم اقل فلیتبوء مقعدہ من النار (یعنی جس نے میری طرف ایسی بات کی نسبت کی جو میں نے نہیں کہی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے) کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضعیف اور موضوع

احادیث کے استعمال سے بچنا چاہیے، اس لیے بغیر تاکید حاصل کیے کسی حدیث کا استعمال نہیں کرنا چاہیے، اور یہ ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ہمارے لیے حجت صرف ان احادیث میں ہے جو ثابت ہوں اور یہ کہ صحیح احادیث ہماری ہدایت کے لیے کافی ہیں۔

مجلہ "محدث" کے "گوشۂ تبصرہ" کے صفحات کی تنگ دامانی کے سبب ہم کتاب کے دیگر قابل نقد مشمولات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے موجودہ معاشرتی بے راہ روی کے شکار عام اردو خواں طبقے کے لیے اس کتاب کی افادیت پر صاد کرتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ کتاب کو مولف کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔

"اللہ کرے زورِ قلم اور بھی زیادہ"

(احمد مجتبیٰ السلفی)

مطبوعات جامعہ سلفیہ

- حرکۃ الانطلاق الفکری (عربی) طبع ثانی ۲۰۶ صفحات

تالیف: العلامہ محمد اسمٰعیل السلفیؒ۔ تعریب: الدکتور مقتدیٰ حسن الازہری

- صلاۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (ہندی) طبع ثانی ۴۴ صفحات

مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ ترجمہ: عبدالرحمٰن انصاری

- سرِشاخِ طوبیٰ ———— فضا ابن فیضی

- مسائل قربانی مع توضیحات عینی اردو، ۸۶ صفحات

تالیف: مولانا عین الباری، عالیاوی

شمارہ ۷ • جولائی ۱۹۹۰ء • ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ • جلد ۸

اس شمارہ میں

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک
سالانہ : تیس روپے • فی پرچہ : تین روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریر: شیخ محمد بن صالح بن عثیمین
ترجمہ: ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار

تارک صلاۃ کا حکم

قرآن وحدیث کی روشنی میں

بے نمازی وغیرہ کا ارتداد اور اس کے نتائج وثمرات

(دوسری فصل)

ترکِ صلاۃ کے نتیجہ میں ہونے والی ردت پر مختلف دنیوی اور اخروی احکام مرتب ہوتے ہیں۔

دنیاوی احکام: ۱۔ بے نمازی کے ولی ہونے کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

جن امور کی ولایت میں اسلام کی شرط ہے، اس میں سے کسی امر میں اس کو ولی بنانا جائز نہیں ہے بنا بریں اس کو اپنی چھوٹی اولاد اور دوسرے لوگوں کا ولی نہیں بنایا جائے گا اور نہ ہی اپنی کسی لڑکی یا دوسری لڑکیوں کا وہ کسی سے نکاح کر سکتا ہے۔

ہمارے فقہاء کرام نے اپنی مختصر اور مطول کتابوں میں اس امر کی صراحت فرمائی ہے کہ ولی کے لیے اسلام شرط ہے جب کہ وہ مسلمان عورت کی شادی کرے، نیز کافر کی مسلمان عورت پر ولایت ثابت نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، ولی مرشد کے بغیر نکاح صحیح نہیں اور رشد کا سب سے بڑا اور بلند درجہ دین اسلام ہے اور اس کا سب سے پست درجہ کفر اور اسلام سے مرتد ہو جانے کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ (سورہ بقرہ: ۱۳۰)　　ابراہیم کی راہ سے سوائے احمقوں کے کون روگرداں ہوگا۔

۲۔ اقربا سے حق وراثت کا ختم ہوجانا۔
اس لیے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے جیسا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ مرفوع حدیث ہے۔
لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم۔ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا
۳۔ مکہ مکرمہ اور حدود حرم میں اس کے داخلہ پر پابندی۔
ارشاد باری ہے:
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا (سورہ توبہ: ۲۸)
اے مومنو! مشرک نرے گندے ہیں، پس ان سے کہہ دو کہ وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں۔
۴۔ اس کے ذبیحہ کا حرام ہونا۔
اونٹ، گائے، بکری وغیرہ جانور، جن کی حلت کے لیے ذبح شرط ہے، اگر یہ شخص ان کو ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حرام ہوگا۔ اس لیے کہ ذبح کی شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان یا کتابی (یہودی و نصرانی) ہو، مرتد، بت پرست (وثنی) اور مجوسی وغیرہ کا ذبیحہ حلال نہیں۔
خازن اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ مجوسی اور مشرکین عرب کے بت پرست اور اہل شرک اور جن کے پاس کوئی کتاب نہیں، کا ذبیحہ حرام ہے۔
امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ اس مسئلہ میں مجھے اس قول کا کوئی مخالف نہیں ملا، اِلّا یہ کہ کسی بدعتی نے اس سے اختلاف کیا ہو۔
۵۔ جب وہ مرجائے تو اس کی نماز جنازہ اور اس کے لیے دعائے مغفرت حرام ہے۔
وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ اِنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَاتُوْا وَھُمْ فٰسِقُوْنَ۔ (سورہ توبہ: ۸۴)
ان میں سے کسی منافق پر نماز جنازہ کبھی نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں، یہ لوگ اللہ اور رسول سے منکر ہوئے ہیں اور بدکاری ہی میں مرے ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ، إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝ (سورہ توبہ ۱۱۳-۱۱۴)

نبی اور مومنوں کی شان سے بعید ہے کہ اللہ کے سا[تھ] شرک کرنے والوں کے حق میں بخشش مانگیں، گو وہ قر[ابت دار] ہوں، جبکہ ان کو معلوم ہو چکے کہ وہ (کفر پر مرنے کی وجہ) جہنمی ہیں اور (سنو) ابراہیم کی دعا (مشرک) باپ کے لیے وعدہ کی وجہ سے تھی جو اس سے کر چکا تھا، پھر جب (اس کے مرنے پر) اسے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گیا، بے شک ابراہیم بڑا ہی ن[رم دل] اور بردبار تھا۔

... ...

حالتِ کفر میں مرنے والے کے لیے خواہ اس کے کفر کا سبب کچھ بھی ہو، مغفرت و رحمت کی دعا کرنا دعا کی حد سے تجاوز کرنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے مذاق کی ایک قسم بھی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے راستے سے ہٹ جانا ہے۔

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ایسے شخص کے لیے جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اور وہ اللہ کا دشمن ہو، دعائے مغفرت کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ۝ (سورہ بقرہ: ۹۸)

جو لوگ اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل کے دشمن ہوں گے تو یقیناً اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں یہ واضح فرما دیا ہے کہ وہ ہر کافر کا دشمن ہے، مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ہر کافر سے اپنی برأت کرے، کیونکہ ارشادِ باری ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۝ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ۝ (سورہ الزخرف ۲۶، ۲۷)

جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں تمہارے سارے معبودوں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پید[ا کیا]

کیا ہے، ... بیزار ہوں ہو وہی مجھے ہدایت دے گا۔

قد کانت لکم اُسوۃ حسنۃ فی ابراہیم والذین معہ اذ قالوا لقومہم انا برءٰؤا منکم و مما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا و بینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی تؤمنوا باللہ وحدہ (سورہ الممتحنہ: ۴)

ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں تمھارے لیے نیک مثال موجود ہے، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہدیا تھا کہ ہم تم سے اور اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سے علیحدہ ہیں، ہم تمھارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض پیدا ہوگئی، جب تک اللہ کیلئے معبود پر ایمان نہ لاؤ۔

اس اعلان برأت سے اس کے لیے رسول کی اتباع ثابت ہوجائے گی۔ ارشادِ باری ہے:

واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ۔ (سورہ توبہ: ۳)

اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کو اعلان (کیا جاتا ہے کہ خدا اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔

ایمان کی مضبوط ترین بنیادوں میں سے یہ ہے کہ تم کسی سے محبت کرو تو اللہ کے لیے محبت کرو اور کسی سے نفرت کرو تو اللہ کے لیے کرو، اور کسی سے دوستی کرو تو اللہ کے لیے کرو، اور کسی سے دشمنی کرو تو اللہ کے لیے کرو، تا کہ تمہاری محبت، اپنی نفرت اپنی دوستی اور اپنی دشمنی میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو۔

۶۔ مسلمان عورت سے اس کے نکاح کی حرمت:

مسلمان عورت سے اس کا نکاح اس لیے حرام ہے کہ وہ کافر ہے اور کافر کے لیے کتاب و سنت اور اجماع امت کی بنیاد پر مسلمان عورت سے نکاح حلال نہیں ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا جاءکم المؤمنات مہاجرات فامتحنوہن اللہ اعلم بایمانہن فان علمتموہن مؤمنات فلا ترجعوہن الی الکفار لا ہن حل لہم و لا ہم یحلون لہن

پس مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ مومن عورتیں مہاجر بن کر تمھارے پاس آئیں تو ان کا بھی امتحان کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو خوب جانتاہے پھر اگر تم ان کو مومن پاؤ (یعنی یہ جان لو کہ واقعی یہ عقیدۂ اسلام پر ہجرت کرکے آئی ہیں) تو ان کو کافروں کی طرف واپس نہ کرو

لَهُنَّ (سورہ الممتحنہ : ۱۰) نہ وہ مومن عورتیں ان (کفار) کے لیے حلال ہیں نہ وہ (کفار) ان کے لیے۔

مغنی ابن قدامہ میں ہے: اہل کتاب کے علاوہ کفار اور مشرکین کی عورتوں اور ان کے ذبیحے کی حرمت میں اہل علم کے مابین اختلاف نہیں ہے۔

مرتد عورت سے (چاہے وہ جس دین پر ہو) نکاح حرام ہے، اس لیے کہ اپنے اقرار کے باعث جس دین کی طرف وہ منتقل ہوئی ہے، اس کا حکم اس پر لاگو نہیں ہوگا۔ اس لیے اس کے نکاح کی حلت کا حکم بدرجہ اولی ثابت نہیں ہوگا۔ (۶/ ۵۹۲)

اور باب المرتد (۸/ ۱۳۰ من المغنی) میں ہے:

مرتد اگر نکاح کرے تو اس کا نکاح درست نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ نکاح پر برقرار نہیں رکھا جائے گا اور جو چیز نکاح پر استمرار و بقا میں مانع ہے وہی چیز اس کے انعقاد میں مانع ہوگی، جیسے کافر کا نکاح مسلمان عورت سے درست نہیں۔

فقہ حنفی کی کتاب مجمع الانھر کے باب نکاح الکافر (۱/ ۲۰۲) کے آخر میں ہے:

مرتد مرد اور مرتد عورت کا کسی سے نکاح درست نہیں ہے، اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے

مذکورہ بالا اقوال میں مرتد عورت کے نکاح کی تحریم کی صراحت موجود ہے اور یہ کہ مرتد کا نکاح صحیح نہیں ہے پس اگر نکاح کے بعد ارتداد پیش آجائے تو ایسی صورت میں کیا ہوگا۔؟

کتاب المغنی (۶/ ۲۹۸) میں ہے کہ میاں بیوی میں سے اگر کوئی دخول سے پہلے ہی مرتد ہوجائے تو فوراً نکاح فسخ ہوجائے گا اور کوئی کسی کا وارث نہیں ہوگا۔ اور اگر دخول کے بعد ارتداد پیش آئے تو اس میں دو روایت ہے، ایک یہ کہ فوراً تفریق کردی جائے گی اور دوسرے یہ کہ عدت کے خاتمہ تک انتظار ہوگا۔

مغنی (صفحہ ۶۳۹) میں مزید مرقوم ہے: ردت کی وجہ سے دخول سے قبل فسخ نکاح عام اہل علم کا مذہب ہے اور اس کے لیے دلیل دی گئی ہے اور اگر دخول کے بعد ردت پیش آئے تو فوراً فسخ نکاح امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور امام شافعی نے عدت کے خاتمہ تک اس کو موقوف رکھا ہے۔

ان اقوال کا ماحصل یہ ہے کہ ائمۂ اربعہ اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ زوجین میں سے کسی ایک کی ردت سے نکاح فسخ ہوجائے گا، لیکن اگر ردت دخول سے پہلے ہو تو نکاح فوراً فسخ ہوجائے گا، اور اگر دخول کے بعد ہو تو امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے مذہب میں فوراً نکاح فسخ ہوجائے گا اور امام شافعی کے مذہب میں عدت کے خاتمہ کا انتظار ہوگا۔

امام احمد سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں۔

مغنی میں یہ بھی ہے کہ:

اگر میاں بیوی ایک ساتھ مرتد ہوجائیں تو ان کا حکم وہی ہوگا جو ایک کے مرتد ہونے کی صورت میں ہوتا ہے یعنی اگر قبل از دخول ہو تو فوراً تفریق ہوجائے گی اور اگر بعد میں ہو تو کیا فوراً تفریق کرادی جائے گی، یا عدت کے پورے ہونے تک انتظار ہوگا، جیسا کہ امام احمد کی روایتوں میں دونوں مذہب منقول ہیں اور یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ نکاح بطریق استحسان فسخ نہیں ہوگا، اس لیے کہ ان دونوں کے دین میں اختلاف نہیں ہوا تو گویا وہ اسی طرح سے ہوئے جیسے کہ ردت سے قبل حالتِ اسلام میں تھے۔

پھر صاحب مغنی نے اس قیاس کی تردید بھی کردی ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ مرتد کا نکاح کسی مسلمان، مرد یا عورت سے صحیح نہیں اور یہی کتاب و سنت کے دلائل کا تقاضا و ماحصل ہے اور یہ بات بھی کتاب و سنت اور عام صحابہؓ کے اقوال کی روشنی میں واضح ہوگئی کہ بے نمازی کافر ہے، تو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آدمی اگر نماز نہیں پڑھتا اور اس نے کسی مسلمان عورت سے شادی کرلی تو اس کی شادی صحیح نہیں ہے، اس عقد نکاح سے یہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہوگی، اگر وہ توبہ کرلے اور دوبارہ اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اس کے لیے واجب ہے کہ دوبارہ تجدید عقد نکاح کرے۔

اور یہ کفار کی حالتِ کفر کے نکاح کے برعکس ہے، جیسے ایک کافر ایک کافرہ سے شادی کرتا ہے، پھر عورت مسلمان ہوجاتی ہے، اگر یہ عورت دخول سے پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی تو ایسی صورت میں نکاح فسخ ہوگیا اور اگر دخول کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئی تو نکاح فسخ نہیں ہوگا بلکہ انتظار کیا جائے گا، اگر عدت کے خاتمہ سے

سے پہلے شوہر مسلمان ہوگیا تو یہ اس کی بیوی ہی رہے گی اور اگر عدت گزر گئی اور وہ مسلمان نہ ہوا تو پھر اس
اس کا کوئی حق نہیں، اس لیے کہ یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ نکاح اس کے اسلام لانے کے وقت ہی فسخ ہو چکا
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کفار و مشرکین اپنی بیویوں کے ساتھ مشرف بہ اس
ہوتے تھے، جن کے عقد نکاح کو آپ برقرار رکھتے تھے، لیکن اگر حرمت کا کوئی سبب موجود ہوتا تھا تو ایسا نہ
کرتے تھے جیسے میاں بیوی اصلاً مجوسی رہے ہوں اور ان کے مابین کوئی ایسا رشتہ رہا ہو جس کی بنا پر آپس
ایک دوسرے کے لیے حرمت ثابت ہو تو اسلام قبول کرنے کے بعد آپ اس سبب تحریم کے باعث ان
درمیان تفریق کرا دیتے تھے۔

اور یہ مسالہ اس مسلمان کے مسئلہ کی طرح نہیں ہے جو ترک نماز کے باعث کافر ہوگیا، اور اس
کسی مسلمان عورت سے شادی کرلی ہو، کیونکہ مسلمان عورت اصلی کافر اور مرتد کے لیے نص شرعی اور اجماع
سے حلال نہیں ہے، اس لیے اگر کافر مسلمان عورت سے نکاح کرے تو یہ نکاح باطل ہے اور دونوں میں تفریق
واجب اور اگر وہ مسلمان ہو جائے اور اس عورت کی طرف رجوع کرے تو نئے عقد کے بغیر ایسا کرنا جائز نہ ہوگا

۷۔ بے نمازی کی مسلمان عورت سے ہونے والی اولاد کا حکم:

بے نمازی کی مسلمان عورت سے ہونے والی اولاد کا حکم یہ ہے کہ ہر صورت میں یہ اولاد ماں ہی کی ہو گی
بے نمازی کو کافر نہ ماننے والے لوگوں کے فتویٰ کے بموجب اولاد ہر حال میں اس کی طرف منسوب ہوگی
اس لیے کہ اس کا نکاح صحیح ہے۔

لیکن بے نمازی کو کافر کہنے والوں کے قول کے مطابق اور یہی رائے درست اور صواب بھی ہے جیسا
محقق و مدلل طور پر فصل اول میں گزرا ہم دیکھیں گے کہ:

۱۔ اگر شوہر کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا نکاح باطل ہے یا وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتا تو ایسی صورت
یہ اولاد اسی کی ہوگی اور اسی کی طرف منسوب ہوگی۔ اس لیے کہ اس کے اعتقاد کے بموجب ایسی صورت میں
اس کی اپنی بیوی سے ہمبستری جائز ہے اور یہ شبہ والی مباشرت کے حکم میں ہوگی جس میں نسب کی نسبت
شوہر کی طرف ہوتی ہے۔

اور اگر شوہر کو یہ علم ہے کہ اس کا یہ نکاح باطل ہے اور اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو تو اس کی یہ اولاد

اس سے منسوب نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ ان کی تخلیق ایسے شخص کے نطفہ سے ہوئی ہے جو اس مباشرت کو حرام سمجھتا ہے، اس لیے کہ وہ ایسی عورت سے مجامعت کرتا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔

۲۔ ردت سے مرتب ہونے والے اخروی احکام:

(۱) ملائکہ (فرشتے) اسے دُ ھتکارتے پھٹکارتے ہیں بلکہ ان کے منہ اور پشتوں پر مارتے ہیں، ارشاد باری ہے:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ۔

اور اگر آپ اس وقت کا واقعہ دیکھیں جبکہ فرشتے ان (موجودہ) کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں اور ان کے منہ اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں (اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ ابھی کیا ہے، آگے چل کر) آگ کی سزا جھیلنا، یہ (عذاب) ان اعمال کفریہ کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور یہ (امر ثابت ہی ہے) کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

(سورۃ انفال: ۵۰، ۵۱)

(۲) اس کا حشر و نشر کفار و مشرکین کے ساتھ اس لیے ہوگا کہ وہ انھیں میں سے ہے۔ قرآن میں ہے۔

احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ۔

جمع کرلو ظالموں کو، ان کے ہم مشربوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے، پھر ان سب کو دوزخ کا رستہ بتلاؤ۔

(سورۃ صافات: ۲۲، ۲۳)

مذکورہ آیت میں "ازواج" زوج کی جمع ہے جس کے معنی صنف کے ہیں مطلب یہ ہے کہ ظالموں اور ان کے ہم مشرب اہل کفر و ظلم جمع کرو

۳۔ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہنا۔ ارشاد باری ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ

بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور

لَهُمْ سَعِيرًا خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا، يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ۔

کر رکھا ہے، اور ان کے لیے آتش سوزان تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، نہ کوئی یار پائیں گے نہ کوئی مددگار، جس روز ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کیے جاویں گے، یوں کہتے ہوں گے اے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

(سورہ احزاب: ۶۴، ۶۵، ۶۶)

بے نمازی کے دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے اور اس کے نتیجہ میں جو دنیوی اور اخروی احکام مرتب ہوتے ہیں، اس اہم مسئلہ پر ہماری گزارشات ختم ہوتی ہیں، اس فعل شنیع اور جرم عظیم کے ارتکاب میں بہت سارے مسلمان مبتلا ہیں، لیکن ایک بات یہ عرض ہے کہ ہر وہ شخص جو توبہ کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، اس لیے اے برادران اسلام! اللہ کی طرف لوٹ آؤ، توبہ کرو، اللہ کے لیے مخلص ہو جاؤ، اپنے اعمال پر نادم ہو اور یہ عزم کرو کہ اب دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کروگے، اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ اطاعت و فرمانبرداری کرو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا۔

جس نے توبہ کی، ایمان لایا اور عمل صالح کیا، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے وہ اللہ کی طرف لوٹے گا۔

اللہ رب العزت سے ہم رشد و ہدایت کے طالب ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ وہ صراط مستقیم پر چلائے، ان انبیاء رسل، صدیقین، شہداء اور صالحین کے راستہ پر جن پر اللہ نے اپنا انعام واکرام فرمایا ہے، ایسے لوگوں کے راستہ پر نہ چلائے جو گمراہ ہوئے اور جن پر اللہ کا غضب ہوا۔

●●●

ٹیسٹ ٹیوب بے بی : ایک تجزیہ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ اہل طاعتہ اجمعین۔

امابعد ! آج کل "ٹیسٹ ٹیوب بچہ" کے بارے میں لوگوں میں بحث چل رہی ہے، بعض لوگ شرعی نقطۂ نگاہ سے اس کے جواز کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے اخبار خواتین جلد ۲۳ شمارہ ۲۴ (۱۸-۲۴ جولائی ۱۹۸۹ء مطابق ۱۴-۲۰ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ) کا شمارہ ہے، جس میں نسیم فردوس کا مضمون شائع ہوا ہے اور جو کچھ وجوہات لکھی ہیں ان کا اصل مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس مضمون میں اس پر زور لگایا گیا ہے کہ مشین کے ذریعہ بقول ان سائنسدانوں کے رحم میں نطفہ صحیح طرح سے رکھا جاتا ہے اور قدرتی طرح بچے کی ماں کے رحم میں پرورش ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ نہیں بیان کیا گیا کہ مرد کے نطفہ کا کس طرح اخراج کیا جاتا ہے۔ اسلام نے تو اس کی صرف دو ہی صورتیں بتائی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

والذین ھم لفروجھم حافظون الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغیٰ وراء ذٰلک فاولٰئک ھم العادون (المومنون ۱۸ع ۱)

یعنی اپنی منکوحہ عورتوں سے ہمبستری کرنا یا ان لونڈیوں کے ساتھ صحبت جن کو شریعت نے حلال کیا ہے۔ یہی دو طریقے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی بھی طریقہ ناجائز و حرام ہے اور زنا میں شمار ہے۔ قرآن نے اس کو عدوان ظلم اور حد سے گزرنا بتایا ہے۔

ومن یتعد حدود اللہ فاولٰئک ھم الظالمون۔ (البقرہ ع ۲۹ پ ۲)

چونکہ فی زمانہ لونڈیوں کا کوئی وجود نہیں کیونکہ لونڈیاں وہ ہیں جو جنگ میں حاصل ہوں۔ جیسے ارشاد ہے: وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک (الاحزاب ع ۶ پ ۲۲) اب صرف خاوند اور اس کی منکوحہ کا تعلق ہے، اس کے سوا کوئی صورت نطفہ کے خارج کرنے کی نہیں۔ یہ بات مسلم ہے کہ انسانی جسم میں جو اجزا موجود ہیں ان میں نطفہ قطعاً موجود نہیں ہے۔ بلکہ ہمبستری کے ساتھ قدرتی مشین کے ذریعہ وہ بن کر نکلتا ہے۔ لہٰذا اس کے نکالنے کا اس کے سوا کوئی بھی طریقہ غیر فطری، غیر شرعی بلکہ زنا وحرام کاری ہے۔ بعض فقہاء نے مشت زنی کو جائز کہا ہے مگر قرآنی حکم سابق سے یہ بھی عدوان اور ظلم میں شامل ہے۔ اس طرح بعض لوگ عزل (انزال کے وقت باہر اخراج کرنا) کا عذر پیش کرتے ہیں، مگر یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ عزل کی بھی شریعت میں صریحاً منع ہے۔ اس کے بارے میں کئی حدیثیں ہیں۔ اخرجہ احمد ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والطبرانی وابن مردو عن جذامۃ بنت وہب قالت . سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزل فقال ذالک الواد المخفی وھو الموؤدۃ سئلت (الدر المنثور ص ۳۲۰ ج ۶) امام ابن حزم نے المحلی ص ۷۱، ج ۱۰ میں اس مسئلہ پر اچھی طرح بحث کی ہے اور اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے جس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: وقرأ واذا الموؤدۃ سئلت وعن ابی سعید الخدری قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ بنی المصطلق فاصبنا سبیا من سبی العرب فاشتھینا النساء واشتدت علینا الغربۃ واحببنا العزل فاردنا ان نعزل وقلنا نعزل ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اظھرنا اذ نسأله فسألناہ عن ذلک فقال ما علیکم الا تفعلوا ما من نسمۃ کائنۃ الی یوم القیامۃ الا وھی کائنۃ متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۲۷۵) بعض لوگوں نے اس روایت سے عزل کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن خود یہ حدیث اس کو رد کرتی ہے۔ چنانچہ الفاظ یہ ہیں کہ ما علیکم الا تفعلوا یعنی اگر تم یہ (عزل) نہیں کروگے تو تم پر کوئی لازم نہیں، جس سے ثابت ہوا کہ عزل کرنے کی اجازت نہیں۔ پھر آگے جو فرمایا کہ ما من نسمۃ کائنۃ الی یوم القیامۃ الا وھی کائنۃ اس سے بھی ثابت ہوا کہ عزل کا ارادہ کرنا ہی تقدیر الٰہی کو چیلنج کرنا ہے جو فی نفسہ انتہائی باطل عقیدہ ہے گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریق احسن مسئلہ سمجھا دیا کہ یہ کرنا بے سود ہے۔ اگر کوئی کرے گا تو اللہ کے لکھے ہوئے حکم کو ہٹا نہیں سکتا بلکہ جو بچہ پیدا ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ چنانچہ دوسری حدیث میں ہے کہ:

عن جابر قال ان رجلا اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان لی جاریۃ هی خادمتنا وانا اطوف علیها واکرہ ان تحمل فقال اعزل عنها ان شئت فانه سیاتیها ماقدرلها فلبث الرجل ثم اتاہ فقال ان الجاریۃ قد حبلت فقال قد اخبرتك انه سیاتیها ماقدرلها۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۲۷۵)۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپؐ نے ان کو فرمایا کہ تم کرکے دیکھو جو ہونا ہے وہ ہوکر رہے گا اور اس نے تجربہ کیا، پھر بھی اللہ کے کام میں رکاوٹ نہیں ہوئی۔ جو اس نیت سے کرتا ہے وہ اللہ کے حکم کا مقابلہ کرتا ہے، بلکہ اس نیت سے عزل کرنا تو گناہ در گناہ ہے۔

وعن ابی سعید قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزل فقال ما من کل الماء یکون الولد واذا اراد اللہ خلق شئی لم یمنعه شئی۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۲۷۵)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ آپ عزل کو قانونِ قدرت کے خلاف جانتے ہیں۔

بعض لوگ یہ روایت پیش کرتے ہیں: عن جابر قال کنا نعزل والقرآن ینزل متفق علیه وزاد مسلم فبلغ ذلك النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم ینهنا۔ (مشکوٰۃ ص ۲۷۵) مگر یہ حکم منع سے پہلے ہے کیونکہ ہر چیز اصل میں مباح ہوتی ہے۔ جب تک کہ اس کے لیے منع وارد نہ ہو۔ کیونکہ قرآن فرماتا ہے کہ: وقد فصل لکم ما حرم علیکم (الانعام ع ۱۴ پ ۸) جب اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے منع فرمایا۔ جس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو "وأد" یعنی زندہ درگور کرنا کہا ہے وہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ نیا حکم ہے اور آپ نے عزل کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کے بعد اب حلال نہیں۔ جن صحابہ کو حرمت معلوم نہیں ہوئی وہ اس پر قائم رہے، چنانچہ امام ابن حزم المحلی ج ۱۰ ص ۷۱ میں فرماتے ہیں:

ویعارضها کلها خبر جذامة الذی اوردنا وقد علمنا بیقین ان کل شئی فاصله الاباحة لقول اللہ تعالیٰ الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا وعلی هذا کان کل شئی حلالاً حتی ینزل التحریم قال تعالیٰ وقد فصل لکم ما حرم علیکم فصح ان خبر جذامة بالتحریم هو الناسخ لجمیع الاباحات المتقدمة التی لا شك فی انها قبل البعث وهذا امر متیقن لا اذ اخبر علیه الصلوٰۃ والسلام انه الوأد الخفی والوأد محرم فقد نسخ

الاباحة المتقدمة بيقين فمن ادعى ان تلك الاباحة المنسوخة قد عادت وان النسخ المتيقن قد بطل فقد ادعى الباطل وقفى مالا علم له به واتى بمالا دليل له عليه قال تعالىٰ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۔ اس کے بعد یہ سوال ہے کہ جو نطفہ مشین کے ذریعہ نکال کر عورت کے رحم میں ڈالا جاتا ہے، وہ اس کے خاوند کا ہے یا کسی اور کا؟ اگر خاوند کا ہے تو پھر وہ قدرتی طریقہ سے داخل کر رہا ہے، پھر اس کی کیا ضرورت؟ اور ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ عورت اور مرد کی ہمبستری کا سکون جس کو قرآن نے ذکر کیا ہے ختم کیا جا رہا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ومن آياته ان خلق لكم من انفسكم ازواجاً لتسكنوا اليها وجعل بينكما المودة ورحمة ان فى ذلك لآيات لقوم يتفكرون (الروم ع ۳ پ ۲۱)

گویا انسانی زندگی کو تباہی میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ خود مضمون نگار تسلیم کرتا ہے کہ اس طریقہ کے استعمال سے کبھی حمل نہیں بھی ٹھہرتا، تو پھر ایسے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ الغرض معاملہ قدرت کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا اصل انسانی اور فطری طریقہ کی مخالفت کرنا فطرت کشی کے برابر ہے۔ خواہ مخواہ کئی ناجائز کاموں کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ غیر مرد کے لیے عورت کی عریانی پھر اس کے عضو مخصوص کو کسی نہ کسی طرح استعمال میں لانے وغیرہ ناجائز کام کیے جاتے ہیں جو کہ ایک یقینی امر بھی نہیں۔ اگر اس کے خاوند کے علاوہ کسی اور کا نطفہ ہے تو یہ تو زنا کے برابر ہے اور انسانی نسل کو تباہ کرنا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے فساد فی الارض کہا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: واذا تولى سعى فى الارض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لايحب الفساد ۔ (البقرة ع ۲۵ پ ۲)

الغرض اس کام کا نتیجہ زنا، بے حیائی، بے غیرتی اور نسل کشی ہے۔ یعنی مرد و عورت کے ملاپ کو اللہ تعالیٰ نے محبت کا سبب بنایا ہے، اس کو ختم کرنا مرد و عورت دونوں کو ایک دوسرے سے لذت حاصل کرنے سے محروم کر کے دونوں کو نامحرم مردوں یا عورتوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ اس نطفہ میں وہ جراثیم نہیں ہوتے ہیں جن سے بچہ پیدا ہو تو اس میں ایسی دوائیں یا کوئی ایسی چیز ملائی جاتی ہے جس سے اس نطفہ میں صلاحیت پیدا ہو جائے تو یہ عذر بھی غلط ہے، کیونکہ اس کے علاوہ بھی حکماء اور طبیبوں نے ایسی دوائیاں لکھی ہیں، جن سے اس میں صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اس کو چھوڑ کر یہ وحشی اور انسانیت سوز حرکت کیوں کی جاتی ہے؟ جب سب چیزیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور اس کے امر کے بغیر بچہ نہیں ٹھہرتا تو یہ غلط طریقہ اختیار کرنا کسی طرح جائز نہیں اور نفسیاتی طور پر غور کیا جائے تو اولاد ماں باپ کی محبت اور ایک دوسرے سے سکون کو بڑھانے والی چیز ہے۔ یہی سبب ہے کہ اولاد نہ

ہونے کی ... دوسری شادی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس نے طریقے سے یہ سکون ومحبت کا طریقہ ختم ہوجاتا ہے بلکہ اس سے دونوں کو ایک دوسرے کی احتیاج کم رہے گی بلکہ یہ سلسلہ چل کر آخر شادی کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ اس سے کنواری عورتوں کو بھی بچہ جننے کا ایک طریقہ مل سکتا ہے اور گھر بیٹھے بغیر شادی کے عورتیں بچے جنتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد نہ ہونے کی صورت میں چار شادیوں تک کی اجازت دی ہے مگر اس کے مقابلہ میں یہ شئ نکال کر نکاح اور ازدواجی زندگی کو بھی متاثر کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے علاوہ کوئی نیا طریقہ اختیار کرنا غیر اسلامی فعل ہے۔ نیز علماء طب نے حمل نہ ٹھہرنے کی وجوہات بیان کی ہیں اور ان کے علاج بھی ذکر کیے ہیں۔ خاص طرح مشہور طبیب امام ابوبکر محمد بن زکریا الرازی المتوفی ۳۱۳ھ کی کتاب الحاوی فی الطب کی جلد نہم میں اس کو دیکھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹری فارموکوپیا مصنفہ ایس احمد صدیقی میں ص ۲۹۳ سے ۲۹۶ تک اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک نسخہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "مؤلف کے تجربہ میں کئی عورتوں کو یہ نسخہ استعمال کرانے سے فائدہ ہوا اور وہ جلد صاحب اولاد ہوگئیں۔"

اس طرح ڈاکٹر کانشی رام ہومیو پیتھیشین کتاب نسخہ جات ص ۲۷ میں بانجھ پن کے عنوان سے اس کا ذکر کیا ہے جس میں اس کے کچھ اسباب اور علاج ذکر کیے ہیں۔

اس طرح ڈاکٹر عبدالحمید نے چشمۂ شفا مکمل بایوکمسٹری کے آخر میں جو ریپرٹری لکھی ہے، اس میں بانجھ پن کے علاج کو بھی ذکر کیا ہے۔ اس لیے علاج کے ان ہی قسموں میں سے کسی کو عمل میں لایا جائے اور غیر فطری طریقہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ لہذا صحیح طریقہ کے بجائے غیر صحیح طریقہ کو اختیار کرنا دانشمندی نہیں ہے۔

ماھذا عندنا واللہ اعلم بالصواب •••

خصوصی شمارہ کی اشاعت کا فیصلہ: جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق ناظم اعلیٰ اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق امیر جناب مولانا عبدالوحید صاحب سلفی رحمہ اللہ کے حیات واعمال پر مشتمل ماہنامہ محدث بنارس کے خصوصی شمارہ کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ہم جماعت اور ملت کے عیان، علماء اور شعراء حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ موصوف سے متعلق اپنے تاثرات، نگارشات اور مقالات ارسال فرماکر اس خصوصی شمارہ کو زینت بخشیں۔

فطری نظام تخلیق اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی

قرآن وسنت کی روشنی میں

مولانا عبد الغفار حسن

عصر حاضر سائنسی ترقی کے عروج کا زمانہ ہے، نت نئے ایجادات و انکشافات منظر عام پر آرہے ہیں۔ اور ہر نیا انکشاف اور نئی ایجاد تفقہ فی الدین رکھنے والے اہل علم کے لیے سوچ بچار کی نئی نئی جہتیں وا کرتی ہے، انھیں قرآن وسنت کی روشنی میں اس سے متعلق حلت وحرمت کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔

اسلام اس سلسلے میں ہمیں ایک راہنما اصول مہیا کرتا ہے، وہ یہ کہ حرام ہونے کی صورت میں اس چیز سے کلیتہ اجتناب کیا جائے اور اگر حلت وحرمت واضح نہ ہو تو بھی بہتر یہ ہے کہ ایسی مشتبہ چیزوں سے اجتناب کیا جائے۔

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان الحلال بین وان الحرام بین وبینھما أمور مشتبھات لایعلمھن کثیر من الناس، فمن اتقی الشبھات استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام، کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یرتع فیه الا وان لکل ملك حمی، الا وان حمی اللہ محارمه۔ متفق علیه

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کو اپنے دین کی حفاظت کو ہر چیز پر فوقیت دینی چاہیے اور وہ شبہات سے پرہیز کرنے سے ہی اپنے دین اور عزت کو بچا سکتا ہے۔

انھی مشتبہ امور میں سے ایک آجکل کے دور کا وہ طبی انکشاف ہے جسے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا نام دیا گیا ہے۔

جس میں ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ تخم ریزی کی جاتی ہے اور پھر فطری طریقے سے بچے کی ولادت ہوتی ہے۔

مغربی ممالک میں اس چیز پر تحقیقات اور تجربات ہو رہے ہیں اور وہ لوگ حلت و حرمت سے بے نیاز اپنے تجربات میں معروف ہیں اور اب تک کئی کامیابیاں بھی حاصل کر چکے ہیں۔

مسلمان ممالک میں یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ اس طریقہ سے پیدا شدہ بچوں کی کیا حیثیت ہے؟ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

زیر نظر مقالے میں آیات اور احادیث کی روشنی میں ان مسائل کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے متعلقہ آیات قرآنی ملاحظہ کیجیے اور اس کے بعد وجوہِ استدلال پر بحث کی جائے گی۔

آیاتِ قرآنی:

۱- یایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقنٰکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ لنبین لکم ونقر فی الارحام ما نشآء الیٰ اجل مسمی۔ (سورہ حج آیت ۵)

ترجمہ: لوگو! تم (دوبارہ) جی اٹھنے کے بارے میں شک میں ہو تو (اس بات پر غور کرو) ہم نے تمہیں (کس چیز سے) پیدا کیا، مٹی سے، (پھر تمہاری پیدائش کا سلسلہ کس طرح شروع ہوا) نطفے سے۔ پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے (جو) شکل والی (بھی ہوتی ہے) اور بے شکل بھی۔ (یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر (اپنی قدرت کی کارفرمائیاں) ظاہر کریں۔ پھر (دیکھو) ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں (کہ تکمیل تک پہونچائیں) اسے ایک مقررہ میعاد تک رحم میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔

۲- ولقد خلقنا الانسان من سللۃ من طین ثم جعلنٰہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظٰما فکسونا العظٰم لحما ثم انشانٰہ خلقا آخر فتبٰرک اللہ احسن الخٰلقین۔ (سورۃ مومنون: ۱۲، ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا، پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا۔ ہم ہی نے پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر (دیکھو کس طرح) ہم نے اسے ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پھر

(کیا ہی) بابرکت (ہستی) ہے۔ اللہ کی، تمام صناعوں سے بہتر صناع۔

۳۔ الذی احسن کل شیٔ خلقہ وبدأ خلق الانسان من طین۔ ثم جعل نسلہ من سللۃ من ماء مھین ثم سوّٰہ ونفخ فیہ من روحہ وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلاً ما تشکرون۔ (سورۃ السجدۃ: ۶-۸)

ترجمہ: (وہی اللہ ہے) جس نے جو چیز بھی بنائی خوب بنائی۔ اور اس نے انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اس کی نسل نچڑے ہوئے حقیر پانی سے چلائی، پھر اس (کے پتلے) کو (ٹھیک شکل) سے درست کیا، پھر اس میں اپنی روح سے (کچھ) پھونکا، اور تم لوگوں کو کان، آنکھ اور دل دیے (اس پر بھی) تم لوگ کم ہی (اس کا) شکر کرتے ہو۔

۴۔ أیحسب الانسان ان یترک سدی الم یک نطفۃ من منی یمنی ثم کان علقۃ فخلق فسوّی، فجعل منہ الزوجین الذکر والانثیٰ۔ (سورۃ القیٰمۃ: ۳۶-۳۹)

ترجمہ: کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس کو (بلا بازپرس) یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا (ابتدا میں) وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا، جو عورت کے رحم میں) ٹپکایا گیا تھا، پھر وہ خون کا لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے اس کو انسان بنایا۔ پھر اس کے اعضاء درست کیے، پھر اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں۔

۵۔ فلینظر الانسان مم خلق۔ خلق من ماء دافق۔ یخرج من بین الصلب والترآئب۔ (سورۃ الطارق: ۵، ۶، ۷)

ترجمہ: پس انسان کو چاہیے کہ (اور نہیں تو اتنی ہی بات کو) دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلنے والے پانی سے جو ریڑھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

۶۔ خلقکم من نفس واحدۃ ثم جعل منھا زوجھا وانزل لکم من الانعام ثمٰنیۃ ازواج یخلقکم فی بطون امھتکم خلقا من بعد خلق فی ظلمٰت ثلٰث ذٰلکم اللہ ربکم لہ الملک لا الہ الا ھو فانّی تصرفون۔ (سورۃ الزمر: ۶)

ترجمہ: (اس اللہ) نے تم لوگوں کو (آدم کے) تن واحد سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لیے آٹھ قسم کے مویشی پیدا کیے، وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے (اور بتدریج) تین تاریکیوں میں ایک شکل کے بعد دوسری شکل دیتا چلا جاتا ہے) یہی اللہ تو تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی

سود نہیں، پھر تم لوگ (حق سے) کدھر پھیرے جا رہے ہو؟

۷۔ وکیف تاخذونه وقد افضیٰ بعضکم الی بعض و اخذن منکم میثاقاً غلیظاً۔
(سورۃ النساء: ۲۱)

ترجمہ: اور تم اسے کیسے واپس لے سکتے ہو، جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور تم سے (نکاح کے وقت مہر و نفقہ کا) پکا قول لے چکی ہیں۔

۸۔ نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انّیٰ شئتم (سورۃ البقرہ: ۲۲۳)

ترجمہ: تمھاری بیویاں (گویا) تمھاری کھیتیاں ہیں، تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔

۹۔ فالئٰن باشروهن وابتغوا ما کتب اللّٰہ لکم۔ (سورۃ البقرہ: ۱۸۷)

ترجمہ: سو اب روزوں میں (رات کے وقت) ان سے ہم بستر ہو اور جو کچھ اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے، (اس کے حاصل کرنے) کی خواہش کرو۔

۱۰۔ ومن اٰیٰته ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ (سورۃ الروم: ۲۱)

ترجمہ: اور اسی کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے (ایک یہ بھی) ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تم (میاں بیوی) کے درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی۔

۱۱۔ هو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منها زوجها لیسکن الیها فلما تغشٰها حملت حملاً خفیفاً فمرت به۔ (سورۃ الاعراف: ۱۸۹)

ترجمہ: اور وہ (اللہ) ہی ہے جس نے تمھیں تن واحد سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ مرد نے جب عورت کو ڈھانپ لیا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہ گیا، پھر وہ اسے لیے چلتی پھرتی رہی۔

۱۲۔ والذین هم لفروجهم حٰفظون الا علیٰ ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین۔ فمن ابتغیٰ وراء ذٰلک فاولٰئک هم العٰدون۔

(سورۃ مومنون: ۵–۷)

ترجمہ : جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں یا اپنے ہاتھ کے مال کے کہ (ان سے ناشوئی) ان پر کوئی الزام نہیں لیکن جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں تو ایسے ہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں۔

۱۳۔ لعنہ اللہ وقال لا تخذن من عبادک نصیبا مفروضاً ولاضلنھم ولامنینھم ولآمرنھم فلیبتکن اٰذان الانعام ولامرنھم فلیغیرن خلق اللہ ومن یتخذ الشیطٰن ولیاً من دون اللہ فقد خسر خسراناً مبیناً۔ (سورۃ النساء : ۱۱۸، ۱۱۹)

ترجمہ : جس (شیطان) پر اللہ کی لعنت ہے تو جس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں سے (نذر نیاز) ایک حصہ مقرر لے کر رہوں گا۔ ان کو بہکاؤں گا، ان کو آرزوؤں میں الجھاؤں گا، اور انھیں حکم دوں گا تو وہ میری ہدایت مطابق جانوروں کے کان چیر کریں گے، اور انھیں حکم دوں گا، تو میری ہدایت کے مطابق وہ) خدائی ساخت میں تبدیلی یں گے اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنائے وہ صریح گھاٹے میں آگیا۔

محلِ استدلال :

آیت نمبر ۱ : (۵) سورہ حج میں انسانی پیدائش کے مراحل بیان کرنے کے بعد فرمایا : لنبین لکم ونقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمی " یہ ہم اس لیے بتارہے ہیں تاکہ تم پر اپنی قدرت کی کارفرمائیاں ظاہر کریں، مردیکھو ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں کہ تکمیل تک پہونچایئں) اسے ایک مقررہ میعاد تک رحم میں ٹھہرائے رہتے ہیں۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انسانی تخلیق کے تمام رحم میں درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے تکمیل کو ونچتے ہیں) یہ ایک فطری نظام تخلیق ہے۔ (یعنی اس کے علاوہ نلکی (ٹیوب) کا طریقہ غیر فطری ہے۔

آیت نمبر ۲ (۱۲، ۱۳، ۱۴) سورہ مومنون میں ثم جعلناہ فی قرار مکین فرمایا، ھاہم نے اسے ایک محفوظ جگہ نطفہ بنا کر رکھا، اس آیت میں بھی انسانی تخلیق کے مختلف مدارج و مراحل بیان کرتے ہوئے آغاز میں فرمایا (فی قرار مکین) اس سے مراد رحم مادر ہے، جیسا آیت (۶) میں اس کی وضاحت ملتی ہے ظاہر ہے کہ ٹیوب کو قرار مکین نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ٹیوب بدل سکتی ہے جس سے اختلاطِ نسب کا قوی اندیشہ ہے۔

آیت نمبر ۳ : سورہ سجدہ (۷، ۸، ۹) میں "من سلالۃ من ماء مھین" مذکور ہے۔ اس "پانی" معنوئی طریقے سے انسانی بدن سے کشید نہیں کیا جاسکتا، اس کے لیے یا تو جلق کی شکل اختیار کی جائے گی جو شرعاً ممنوع ہے، جیسا کہ ذیل کی آیت (۷) سے معلوم ہوگا، یا عزل کا طریقہ استعمال کیا جائے گا۔ یہ عزل بھی جائز نہیں ہے۔ حدیث میں

اس کو موؤدہ صغری قرار دیا گیا ہے .... قرآن مجید میں واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت آیت کے عموم کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ یہاں موؤدہ صغری اور موؤدہ کبری دونوں مراد ہوں گے ۔

آیت نمبر ۴ : سورہ قیامہ (۳۶ تا ۳۹) یہاں الفاظ ہیں من منی یمنی سے مراد رحم مادر میں منی ٹپکانا ہے ۔ یہی فطری طریقہ ہے، جیسا کہ دوسری آیت سورہ مرسلت میں واضح طور پر ارشاد ربانی ہے ۔

یعنی کیا ہم نے تم کو ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا، پھر ہم نے اس کو ایک مقررہ وقت تک محفوظ جگہ ٹھہرائے رکھا۔ (آیت ۲۰ ۔ ۲۱)

آیت نمبر ۵ : (۵ تا ۷) سورۃ الطارق ۔ اسی آیت میں محل استدلال من ماء دافق ہے یہ فطری اور صحیح شکل ہے، نلکی ٹیوب کی صورت میں دفق کا فقدان ہوگا ۔ لذت مباشرت ایک فطری تقاضہ ہے اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے ، ٹیوب میں یہ بات کہاں ؟

آیت نمبر ۶ : سورہ زمر (۶) اس آیت میں محل استدلال یہ کلمات ہیں : یخلقکم فی بطون امھاتکم خلقا بعد خلق فی ظلمت ثلث ، یعنی انسان اپنی ماں کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے خلقا بعد خلق ، یعنی تمام مراحل خلق ماں کے پیٹ ہی میں طے پاتے ہیں یعنی نطفہ سے لے کر مکمل انسانی شکل اختیار کرنے تک ، لیکن ٹیوب کی صورت میں چند ہفتے یا چند ماہ تخلیق کا ایک مرحلہ ماں کے پیٹ سے باہر طے ہوگا ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر فطری بلکہ غیر شرعی طریقہ ہوگا ۔ زید وضاحت ذیل میں مذکور ہے ۔

آیت نمبر ۷ : سورۃ النساء آیت (۲۱) محل استدلال یہ جملہ ہے وقد افضی بعضکم الی بعض اس آیت ما براہ راست جنسی تعلق کو بتایا گیا ہے جو ایک فطری امر ہے ۔

آیت نمبر ۸ : سورہ بقرہ (۲۲۳) اس آیت میں بھی براہ راست مباشرت کی طرف رہنمائی دی گئی ہے ۔ جس طرح رستے کے ساتھ لواطت غیر فطری فعل ہوگا اور حرام ٹھہرایا جائے گا ۔ یہی صورت ٹیوب میں قرار دینی ہوگی ۔

آیت نمبر ۹ : سورہ بقرہ (۱۸۳) اس آیت میں طلب اولاد کو براہ راست مباشرت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ باشروھن امر کا صیغہ ہے جو اپنے اصلی استعمال کے لحاظ سے وجوب پر دلالت کرتا ہے ۔

آیت نمبر ۱۰ : سورہ روم (۲۱) میں رشتہ ازدواج کے مقاصد بیان کیے گئے ہیں ، ٹیوب کا طریقہ جب عام رائج بلائے گا تو یہ محبت والفت کا تعلق ختم ہو جائے گا ۔

آیت نمبر ۱۱ : سورہ اعراف (۱۸۹) - اس آیت میں محل استدلال یہ الفاظ ہیں : " فلما یغشاھا حملت حملا خفیفا " - یعنی فطری طریقہ یہی ہے کہ بیوی کے ساتھ براہِ راست جنسی تعلق قائم کیا جائے۔

آیت نمبر ۱۲ : سورہ معارج (۲۸ - ۳۱) اس آیت میں صرف دو طریقے جنسی تعلق کے بتائے گئے ہیں یعنی بیوی یا لونڈی سے اتصال کیا جائے۔ اس بنا پر تمام طریقے مثلاً لواطت، جلق، عزل ناجائز ہوں گے۔ اسی طرح ٹیوب بے بی، کیونکہ مادۂ تولید مرد سے کشید کرنے کے لیے عزل کا طریقہ اختیار کرنا ہوگا، جو ناجائز ہے۔ (پہلے اس کا بیان ہو چکا ہے۔) - ان آیاتِ مذکورہ کو سننے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ ان آیات میں فطری نظام تخلیق کا بیان ہے اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ دوسرا کوئی طریقہ ناجائز ہے۔ جواب یہ ہے۔

آیت نمبر ۱۳ : سورۃ النساء (۱۱۹) فطری نظام تخلیق کو تبدیل کرنے کو شیطانی طریقہ قرار دیا گیا ہے۔ آیت کے ان الفاظ پر غور کیا جائے : ولآمرنھم فلیغیرن خلق اللہ اس لیے محض یہ علاج نہیں ہے بلکہ نظام تخلیق کے مقابلہ میں شیطانی طریق کار ہے، یا جس کے مفاسد زیادہ اور منافع کم ہیں۔ علماء اصول کا ایک مشہور ضابطہ ہے کہ : "درؤ المفاسد مقدم علیٰ جلب المنافع " یعنی مفاسد (خرابیوں) کو دور کرنا منافع کے حصول پر مقدم ہے۔ اس بنا پر اس طریق کار کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

کہا جا سکتا ہے کہ آپریشن کے طریقہ سے بھی بچے کی پیدائش ہوتی ہے، یہ بھی تو غیر فطری طریقہ ہے۔ اسے کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپریشن کا طریقہ وہاں اختیار کیا جاتا ہے، جہاں موت کا خطرہ ہو اور طبعی طور پر بچے کی پیدائش ناممکن ہو، ظاہر ہے کہ اس موقع پر ماں کی جان بچانے کے لیے اضطراری طور پر یہ آپریشن کیا جاتا ہے، اور اس کے جواز کے لیے درج ذیل آیت کریمہ موجود ہے :

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ۔ (سورۃ البقرۃ : ۱۷۳)

(لیکن جو شخص بے قرار ہو جائے، جبکہ وہ عدول حکمی کرنے والا نہ ہو اور حدِ ضرورت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔)

جان بچانے کے لیے آپریشن کا طریقہ اختیار کرنے پر ٹیوب بے بی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اولاد کے حصول کی خواہش کو اضطراری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایسا عقیم شخص علاج کے دوسرے طریقے اختیار کر سکتا ہے، لیکن جدید طریقہ

حرام کاری کا ذریعہ بن سکتا ہے، اس لیے ایک مومن اس کے جواز کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انسان کو حیوانات کے درجہ تک گرا رکھا، اس صورت میں ہم اس آیت کے مصداق ہو جائیں گے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین ۔

(بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا، پھر اسے نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا۔)

اس معکوس ترقی سے کون بچ سکتے ہیں، فرمایا: الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کیا۔ (سورۃ التین)

اللہ تعالیٰ کے تخلیقی نظام کو تبدیل کرنے کی مثال (بطور شاہد) حسب ذیل حدیث میں ملتی ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتصنعات والمتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ۔ (صحیح بخاری ج ۷ ص ۶۳)

(یعنی اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے ان عورتوں پر (۱) گوندنے والیاں (۲) گوندوانے والیاں (۳) منہ پر سے بال نوچنے والیاں (۴) دانتوں کے درمیان سوراخ کرنے والیاں حسن و جمال کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق (ساخت) بدلنے والیاں۔)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے: اللہ تعالیٰ نے لعنت کی بال ملانے والی پر اور بال ملوانے والی پر اور گوندنے والی اور گوندوانے والی پر۔ یعنی اصل بالوں پر اضافہ کرتے ہوئے مصنوعی بال لگانے والی عورت ملعون ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس ساخت پر پیدا کیا ہے اس میں تغیر و تبدیلی جائز نہیں ہے۔ یہ تبدیلی وہیں ہو سکتی ہے جہاں شرعی طور پر جواز نکلتا ہے۔ یہی معاملہ فطری نظام تخلیق کا ہے کہ اس میں تغیر جائز نہیں ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت کو تین طلاق دی جا چکی ہوں وہ اس شوہر کے لیے حلال نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ کوئی دوسرا آدمی اس سے نکاح کرے اور پھر اسے طلاق دیدے تو اس شکل میں وہ پہلے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے، جیسا کہ فرمایا:

حتی تنکح زوجاً غیرہ

ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے کہ محض نکاح (عقد) کافی نہیں ہے بلکہ لذت جماع کا حصول بھی ضروری ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول۔ (تفسیر ابن کثیر ۱/۲۷۸، ص ۲۷۸ بحوالہ صحیح بخاری ومسلم)

یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر ٹیوب میں ایسی عورت کا بیضہ اور مرد کا مادۂ تولید جمع ہو جائے، یعنی شوہرِ ثانی کا مادہ تولید اور تجربہ ناکام ہو جائے یعنی کوئی اولاد نہ ہو تو کیا وہ اپنے سابق شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے؟ اس حدیث میں بھی فطری نظامِ تخلیق کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، اس بنا پر مصنوعی تخم ریزی کا عمل شیطانی طریقہ کار ہوگا۔

•••

نلکی بچہ (ٹیسٹ ٹیوب بے بی)
(شرعی اور عقلی مسائل)

سید محمد حسن الزماں

ا۔ طبی اسباب:

۹ اسباب ہیں جن کی بنا پر فطری طریقے سے بچہ پیدا نہیں ہوسکتا، چار کا تعلق مرد سے ہے، پانچ کا عورت سے۔ ان نو میں سے سات اسباب عارضی یا عوارضی ہیں۔ دو اسباب فطری ہیں۔ (ہر دو میں سے کسی کے مادۂ تولید میں تولیدی خصوصیت کا فطری فقدان۔)

۲۔ تعارف: اس سلسلے میں دو مختلف طریقوں میں امتیاز

(۱) پچکاری بار طریقہ (Artificial Insemination) چند سال پہلے تک انسانوں میں رائج نہیں تھا، البتہ حیوانات میں تھا، جیسے ایک تندرست سانڈ کا مادہ نکال کر ایک پچکاری کے ذریعہ ایک ہزار گایوں کو گابھن کرنے کے کام میں لانا۔ اب یہ طریق کار انسانوں میں بھی رائج ہوگیا ہے۔ اس طریقہ سے صرف فرانس میں اب تک دس ہزار بچے پیدا ہوچکے ہیں۔ وہاں کا سرکاری ادارہ (C.S.C.S.) ایک پچکاری صرف پانچ عورتوں پر لیکن پرائیویٹ ادارے سو عورتوں پر استعمال کرتے ہیں۔ رش اتنا ہے کہ بعض عورتوں کو ایک سال انتظار کرنا پڑتا ہے، پچھلے سال صرف نو سو (۹۰۰) عطیات ملے تھے جو ضرورت کے لیے ناکافی تھے۔

(۲) نلکی بار طریقہ (In Vitro Fertilisation)۔ نلکی میں بارآوری اور یہی ٹیسٹ ٹیوب بے بی یا نلکی بچہ کا طریقۂ کار ہے۔ اس میں دو تا پانچ افراد ملوث ہوتے ہیں۔

(الف) مسٹر براؤن اور بیگم براؤن کے تولیدی جرثوں کو نکال کر نلکی میں بارآور کرنا اور بارآوری کے بعد بیگم براؤن کے رحم میں منتقل کردینا۔

(ب) دوسری صورت میں مسٹر براؤن کی جگہ مسٹر ولیم کو استعمال کیا جاتا ہے، لیکن بیگم براؤن کی پوزیشن برقرار رہتی ہے۔

(ج) تیسری صورت میں مسٹر براؤن برقرار رہتے ہیں لیکن مسز براؤن کی جگہ بیگم ولیم لے لیتی ہیں۔

(د) چوتھی صورت میں براؤن اور بیگم براؤن کی جگہ ولیم اور بیگم ولیم خام مال فراہم کرتے ہیں، لیکن ولادت کا کارخانہ بیگم براؤن ہی ہوتی ہیں۔

(ہ) پانچویں صورت میں ولیم اور بیگم ولیم کا خام مال محترمہ بشیراں کو فراہم کیا جاتا ہے جو بچہ پیدا کرنے کے بعد مسٹر اور مسز براؤن کی گود بھری کردیتی ہیں۔

۳۔ تاریخ:

- اس معاملہ میں تجربات کا سن آغاز ۱۹۴۰ء ہے۔
- پانچویں دہائی میں ایک ڈاکٹر مصنوعی طریقے سے جنین کو ۲۹ دن تک زندہ رکھنے میں کامیاب ہوا، لیکن ویٹیکن کے اعتراض کے بعد مزید تجربہ ترک کردیا۔
- ۱۹۷۴ء میں ایک ڈاکٹر نے نلکی میں بارآوری میں کامیابی کا دعویٰ کیا اور بتایا کہ اس نے اس بارآور مادہ کو واپس رحم میں منتقل کرکے استقرار حمل میں کامیابی حاصل کرلی ہے
- ۱۹۷۸ء میں پہلے بچے کی پیدائش ہوئی
- پچھلے دنوں بھارت میں بھی اس طرح کا ایک بچہ پیدا ہوچکا ہے۔

۴۔ طریقۂ عمل:

بیضۂ انثیٰ نکالا جاتا ہے، مرد کے تولیدی جرثومے کشید کرکے ان پر کیمیاوی مادہ استعمال ہوتا ہے۔ ان جرثوموں اور بیضۂ انثیٰ کو یکجا کیا جاتا ہے حتیٰ کہ دونوں میں وصل ہوجائے (حمل قرار پاجائے)۔ تقریباً ۴۸ گھنٹہ میں اس وصل خوردہ مادے (حمل) کو عورت کے رحم میں منتقل کردیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ۲۰ سے ۲۵ فیصد تک حمل رحم میں ساقط ہوجاتا ہے باقی کامیاب۔

تخمینہ لاگت فی بچہ مبلغ ایک لاکھ روپیہ بتائی جاتی ہے۔ اسی طرح دس ہزار بچے ایک ارب روپیہ

خرچ کرکے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ★

۵۔ ردِّ عمل :

بہت سے افراد اور بعض ادارے اس طریق کار کو اخلاق اور قانون کے خلاف سمجھتے ہیں۔ کیتھولک چرچ اور اینگلیکن چرچ مذہبی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے اس کے خلاف ہیں۔

(الف) جہاں تک زن وشوہر کے تولیدی مادہ کو نلکی میں بارآور کرکے ماں کے رحم میں واپس رکھنے کا معاملہ ہے تو اسے بعض علماء جائز کہتے ہیں۔ اب رہ گیا مغربی طریقہ جس میں باربرداری کا کام کچھ پیسے دے کر کسی اور کے رحم سے لیا جاتا ہے تو اس سلسلے میں سوال یہ ہے کہ اگر عورت اپنے ہاتھ پیر کی محنت، اپنے علم، اپنے ذہن کی صلاحیت اپنی طلاقت لسانی اور ذہنی تخلیقات سے دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتی ہے یا ان کا معاوضہ لے سکتی ہے تو پھر اپنے رحم کا کرایہ کیوں نہیں لے سکتی۔ وہ کسی سے ہمبستری نہیں کرتی جو گناہ ہے، کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتی اور نہ ہی براخیال لاتی ہے۔ اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتی ہے، البتہ اپنے شوہر کی اجازت سے (اگر شادی شدہ ہے) رحم میں اسی طرح دوسرے کا جنین رکھ لیتی، جس طرح کسی دوسرے کا امانت رکھا ہوا زیور پہن لے، یا کرایہ پر دوسرے کے بچے کو دودھ پلائے، یا پھر اللہ واسطے رضاعت انجام دے۔

(ب) علامہ جادالحق نے اسے زنا قرار دیا ہے، حالانکہ فقہاء نے زنا ثابت ہونے کے لیے جسمانی قرب و اتصال کی جو شرائط متعین کی ہیں ان میں سے ایک بھی پوری نہیں ہوتی۔

(ج) یہ عمل : مَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ۔ کی تعریف میں آتا ہے۔

(د) حضور اکرمؐ کے قول :

(۱) تخیروا لنطفکم وانکحوا الاکفاء میں حرف عطف کے ساتھ جس ترتیب سے دو افعال کا مشورہ دیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں افعال کا ایک دوسرے سے متعلق ہونا ضروری نہیں

(۲) رہا یہ سوال کہ ترمذی کی حدیث :

لا یحل لامرئ .... ان یسقی ماءہ زرع غیرہ اس مسئلہ پر رہنمائی کرسکتی ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ جبنی

★ دوسرے الفاظ میں اگر دس ہزار بچے حاصل کرنے کے بجائے اس قسم کی رقم ان امراض اور عوارض کا تدارک کرنے پر صرف کردی جائے جو استقرار میں مانع ہیں تو شاید اس سے زیادہ بچے فطری طور پر حاصل ہوجائیں گے۔

تعلق کے سلسلے میں ایک امر واقعہ کو مجاز کی زبان دی گئی ہے، بالکل اسی طرح جیسے لاتباشروھن اور لاتقربوھن کو۔ نہ کہ تولید کی کسی ایسی شکل کو جو اس زمانے میں متعارف نہیں تھی۔

(و) اسلام میں دوسرے کے بچے کو گود لینا جائز ہے اور نلکی بچہ کسی کے بچہ کو گود لینے کے بجائے حمل کو گود لینے کا نام ہے۔

(ز) اس عمل کی حرمت کے لیے کوئی نص صریح نہیں ہے، چنانچہ فیصلہ کا انحصار قیاس اور اجتہاد پر ہونا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ ان ہزاروں لاکھوں شادی شدہ جوڑوں کی ضرورتِ شدیدہ کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جانا چاہیے جو اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں اور جو اپنی نسل چھوڑ جانے سے معذور ہیں، جس کی بقا و تحفظ مقاصد شریعہ میں سے ہے۔

نِسَاؤُكُم حَرْثٌ لَّكُمْ کہا گیا ہے، اور پھر فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ حرث میں تخم بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور علیحدہ اگائی ہوئی پنیری بھی۔ نلکی بچہ کی حیثیت پنیری کی سی ہے۔

۷۔ محرکات:

سب سے پہلا قابلِ غور سوال یہ ہے کہ آیا یہ واقعی ایسا معاملہ ہے، جس پر مسلمانوں کو اپنی ذہنی توانائیاں اور اپنے مادی وسائل صرف کرنا چاہئیں یا یہ ایک ایسے خدا فراموش اخلاق و تہذیب سے عاری معاشرے کا مسئلہ ہے جہاں:

(۱) مرد کے لیے کسی بھی مجبوری کی بنا پر عقدِ ثانی ممنوع ہے۔

(۲) اولاد سے معذور عورت کو طلاق دینا انتہائی مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔

(۳) خلع لینے والی عورت کو بالعموم شب بسری کے لیے دوست بہت دستیاب ہوتے ہیں، شوہر تقریباً نہیں۔

(۴) اولاد کم سے کم پیدا کرنے (planned parenthood) کی دھن میں کسی کے پاس بھی اپنے بچوں کا اتنا اسٹاک نہیں ہوتا کہ وہ اپنے کسی اولاد سے محروم قریبی عزیز کو ایک آدھ بچہ عطا کر دے، جسے پال کر وہ اپنی ولدیت کا فطری شوق پورا کر سکے۔

(۵) خود غرض، خودسر، اور منتشر کنبے کے گھر کی تنہائیوں میں دل بہلانے کے لیے اور ضعیفی میں معمولی سا نفسیاتی اور اخلاقی سہارا بننے کے لیے سوسائٹی کا کوئی فرد دوسرے کا ہاتھ نہیں بٹاتا، چنانچہ مغربی معاشرے میں ہر انسان

اولاد کا اسی طرح ضرورتمند ہے جس طرح کوئی ڈوبتا ہوا شخص تنکے کا۔

۶۔ بعض جائزوں کے مطابق نشے کی کثرت نے اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کو شدت سے متاثر کیا ہے۔

۷۔ بدکاری اور آزادانہ جنسی اختلاط کے نتیجے میں بعض امراض اور اسقاط حمل کی کثرت نے توالد و تناسل کی صلاحیت پر برا اثر ڈالا ہے۔

۸۔ شروع دور میں مانع حمل طریقوں کا کثرت استعمال اور آخر دور میں اولاد کے حصول کی خواہش، جب تولید کا فطری عمل مختل ہونے لگتا ہے تو سلسلۂ تولید متاثر ہوتا ہے۔

۹۔ بھاری ورزش، مردانہ کھیل کود اور سخت محنت کے پیشے بعض اوقات عورتوں کے عمل تولید میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

اگر سرسری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلم معاشرہ ابھی تک مندرجہ بالا بگاڑ کا شکار نہیں ہوا ہے اور نہ وہ اس بگاڑ کے ان بھیانک نتائج سے دوچار ہے جس سے مغربی معاشرہ۔ چنانچہ اولاد سے محرومی کے تدارک کے لیے نلکی بچوں کا طریق کار اختیار کرنے کے بجائے اسلام کے نظام عفت و معاشرت کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ نظام اپنا لیا جائے تو مغربی ممالک میں موجودہ لاولد جوڑوں کا اوسط ۱۲ فیصد سے گر کر بمشکل دو یا تین فیصد رہ جائے گا۔

۸۔ فطری عمل اور طریق کار

شریعت نے جنس کے معاملے میں غیر فطری عمل کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ أئنکم لتاتون الرّجال وَتقطعونَ السّبیل کے ذیل میں آتا ہو یا مَن وقع علی بھیمۃ فاقتلوہ واقتلوا البھیمۃ یا ارجموا الاعلی والاسفل، یا ویحرم الا ستمناء لقولہ والذین .... فمن ابتغی وراء ذٰلک فاولٰئک ھم العٰدون یا لا یباشر الرجل الرجل ولا تباشر المراۃ المراۃ۔ کے ذیل میں آتا ہو۔ اس کے برعکس وہ جنسی عمل کے لیے ایک ایسے طریق کار کی نشاندہی کرتا ہے جو جنسی انتشار، عوارض اور ہیجان بپا کرنے کے بجائے جذباتی اور جنسی تسکین مودت اور توالد و تناسل کے مقاصد حاصل کرسکے۔

- ومن اٰیاتہٖ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لِتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃً ورحمۃً ....

- هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا.
- فلمّا تغشّٰها حملت حملاً خفیفاً فمرّت به

چنانچہ ضروری ہے کہ فطری مقاصد کے حصول کے لیے وہی فطری طریق کار اختیار کیا جائے جس کی نشا: کلام پاک میں کی گئی ہے ۔

- فلمّا تغشّٰها حملت حملاً خفیفاً فمرّت به
- ثُمّ جَعَلَکُمْ ازواجاً وما تحمل من انثیٰ...
- ونُقِرُّ فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمّی
- الم نخلقکم من ماءٍ مهین فجعلناه فی قرارٍ مکین.
- خَلَقَ الزَّوجَین الذکرَ والانثیٰ من نطفةٍ اذا تمنی ۔

یہ فطری طریق کار ایسا ہے جو مادہ تولید کے نلکی میں یکجا کرنے اور پھر رحم میں واپس ڈالنے کے عمل سے ا نہیں پا سکتا، کیونکہ اس میں فلما تغشٰها ، منیّ یمنی ، اذا تمنی ، نُقرّ فی الارحام اور قرار مک (پہلے ہی مرحلے میں) کی صورت پیدا نہیں ہونے پاتی اور نہ ہی یہ تولیدی عمل زوجین کے ملاپ سے انجام پاتا چنا یہ دعوی کرنا بجا نہیں ہے کہ شریعت میں جس طرح جنس کے غیر فطری عمل کو حرام قرار دیا گیا ہے ، اسی طرح اس مقصد کے حصول کے لیے غیر فطری طریق کار کو بھی پسند نہیں کیا جا سکتا ۔

۹۔ تصفیہ طلب مسائل :

(الف) انسانی جسم سے خارج ہونے والے بعض مادّے طبعاً مکروہ تنزیہی ہیں (لعاب دہن، پسینہ، دو یا مکروہ تحریمی اور نجس (بول ، براز ، خون پیپ ، تولیدی مادہ) پھوڑے میں پیپ پڑ گئی ہے اس کے ساتھ نماز ہو سکتی ہے ، لیکن اگر یہ پیپ پھوڑے سے خارج ہو کر جلد پر بہہ نکلی یا اس نے کپڑوں کو آلودہ کر دیا تو یہ گندگی حالت ہے جس میں طہارت کے بغیر نماز نہیں پڑھی جا سکتی ۔ اسی طرح اگر دانت سے بہنے والا خون یا پس منہ کے باہ آگیا تو حرام اور نجس ہو گیا ، لیکن اگر داخلی انتقال کے ذریعہ ایک منہ سے دوسرے منہ میں چلا گیا تو معاملہ مختلف قیاس کے لیے یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ آیا جس سے بہہ جانے والے خون کو اگر کسی طرح جسم میں واپس پہنچا دیا جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا ان مثالوں پر مرد و عورت کے تولیدی مادّوں کو قیاس نہیں کیا جا سک

داخلی اتصال کے ذریعہ ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونا ایک علیٰحدہ عمل اور فطری وظیفہ ہے، لیکن اگر اس کے بغیر یہ مادہ بدن سے خارج ہوگیا تو کیا خارج ہوتے ہی اس کا حکم حرام اور نجس کا نہیں ہے؟ اور پھر یہ کہ حرام اور نجس مادے مادّے کی ملکیت کے دعوے کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ اگر اس کی ملکیت کا دعویٰ درست ہے تو گویا اس کی حیثیت مال کی ہے، اور اگر یہ مال ہے تو کیا اس کی خرید و فروخت کی جاسکتی ہے؟ اور اگر مال مباح ہے تو کیا اسے کوئی اور ضرورت مند استعمال کرسکتا ہے۔؟

(ب) دوسرا قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ اگر یہ حرام اور نجس ہے (اور غیر مملوک بھی) تو پھر کیا دو حرام نجس اور غیر مملوک اشیاء کو باہم ملا دینے سے حرمت، حلت میں بدل جائے گی اور غیر مملوک نجاست کسی خاص فرد یا جوڑے کی ملکیت طیبہ بن جائے گی۔ یاد رہے کہ مرد اور عورت کے مادے مل کر اپنی کیفیت کو نہیں بدلتے، جس طرح بول و براز مٹی میں ملنے یا پانی میں تحلیل ہونے کے بعد بدل جاتے ہیں۔ بلکہ دراصل اپنے فطری مزاج کے اعتبار سے ارتقا پذیر ہوتے ہیں۔ یہ خوردبینی مادہ حیات جو نامکمل انسان ہوتے ہیں۔ (جرثومہ اور بیضہ) باہم مل کر علقہ، مضغہ وغیرہ کے مراحل سے گزر کر مکمل انسان بن جاتے ہیں۔ مغربی ممالک میں خون سے کیمیائی عمل کے ذریعہ نمکیات کے اجزاء اخذ کیے جاتے ہیں، جنھیں ذائقہ کے لیے بطور نمک استعمال کیا جاتا ہے۔ سور (اور دوسرے جانوروں کی) آنتوں سے ایک رطوبت اخذ کی جاتی ہے، جو بعض ٹھنڈے مشروبات میں ہاضمے کے لیے اور پنیر میں ملائی جاتی ہے۔ ان ہر دو صورتوں میں نجس خون اور سور کی آنت کی رطوبت اپنی ہیئت بدل دیتی ہے۔ کیا یہ اشیاء (نمک، مشروب اور پنیر) طیب ہیں؟ پھر آدمی اور عورت کے مادہ ہائے تولید تو بدن سے خارج ہوتے ہی حرام اور نجس ہو جاتے ہیں، باہم ملا دینے سے کس طرح مملوک، طیب اور حلال قرار پائیں گے؟ اور کسی عورت کے لیے ایک خارجی، حرام اور نجس شے کو اپنے رحم میں داخل کرنے کا کیا جواز ہوگا؟ اور اگر اس نے اس طریق کار کے مطابق بچہ پیدا کر دکھایا تو وہ کس دلیل کی بنا پر نجیب الطرفین قرار پائے گا؟

(ج) پھر اس طریق کار کے نتیجے میں جو نسلی، طبی، معاشرتی، قانونی اور اخلاقی مسائل پیدا ہوں گے ان میں سے بہت سوں کا فی الحال ادراک نہیں کیا جاسکتا اور بہت سوں کا جواب خود بخود اس طریق کار کے خلاف دلیل بن سکتا ہے۔

(۱) جن مسائل کا فی الحال ادراک نہیں کیا جاسکتا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) مرد کے جرثومہ حیات کو ایک کیمیاوی عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ کیمیاوی عمل بچہ پیدا ہونے جوان یا بوڑھا ہونے کس قسم کا ردعمل پیدا کرسکتا ہے، مثال کے طور پر طویل عرصے کے تجربات کے بعد پتہ چلایا کہ ماں کا دودھ اپنی صحت بخشی کے لحاظ سے منفرد ہے ورنہ دنیا کے سارے دودھ بچے کے لیے غیر صحتمند ثابت ہو ہیں، نیز یہ کہ بختہ عمر کو پہونچنے کے بعد ماں کا دودھ پینے والے بچوں میں دوسرے بچوں کے بمقابلہ کولیسٹرال لیو کی زیادتی سے پیدا ہونے والے امراض کی مدافعت کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ اس طرح کیمیاوی عمل کے اثرات کا چلانے کے لیے نلکی بچوں کی ایک پوری نسل گزرنے کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے یہ عمل آگے چل کر بے ضرر ثابت ہو اور یہ بھی ممکن ہے دس بیس سال بعد اس کے ناقابل تلافی نقصانات کا اندازہ ہوسکے۔ ایک زمانہ تھا کہ لبرل کے علمبردار ہم جنسیت کے حق میں اخلاقی اور قانونی دلائل دیتے تھے اور اطباء ان کی تائید کرتے تھے۔ نصف گزرنے کے بعد یہ ثابت ہوا کہ اس لعنت نے جن امراض کو دعوت دی اس کے وائرس صرف فاعل کے لیے ہی بلکہ پورے معاشرے کے جانداروں کے لیے مہلک ہوتے ہیں، حتیٰ کہ بعض ڈاکٹر ایسے مریض کا پوسٹ مارٹم کرنے انکار کردیتے ہیں۔

(ب) اس غیر فطری طریقے سے پیدا ہونے والے بچے کیا نسلی اور طبیعی طور سے فطری بچوں کی طرح نشو ونما کرسکیں گے یا کسی اور طرح؟۔ یہ ممکن ہے کہ یہ نئی نسل نارمل ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ انتہائی بزدل، دون ہمت، پست اور قنوطی، یا پھر بے غیرت، وحشی، درندہ صفت، طوطا چشم، مغلوب الغضب اور بدکردار ۔

(ج) نلکی بچہ کا تجربہ ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔ چند سال بعد جب اکثر جگہوں پر اس کا عمومی رواج ہو تو ایک بدکردار، خدا فراموش معاشرے میں :

(۱) غیر ذمہ دار، خود غرض اور زر پرست اطباء، عفت، عصمت، وظائف، زوجیت، صلاحیت تولید اا جنسی صحت کو کس کس طرح تباہ و برباد کرکے جلب منفعت کا ذریعہ بنائیں گے۔

(۲) جس طرح مانع حمل ادویات کی علانیہ اور وافر فراہمی نے اور اسقاط کے غیر قانونی اداروں نے جنسی آوارگی، بدکرداری اور فحاشی کو فروغ دیا ہے، ان عجیب الطرفین بچوں کی پیدائش کے کیا کیا نئے عوا سامنے آئیں گے اور فطری اور غیر فطری تولید کے عمل ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوکر معاشرے میں کون سے نئے مس پیدا کریں گے؟ جن کے لیے اخلاقی اور معاشرتی قدروں کو، قانون اور نجابت کے معیار کو کس حد تک پسپا ہونا پڑے گا

(۲) مندرجہ ذیل مسائل وہ ہیں جن کا ادراک کیا جا سکتا ہے، چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ علمائے کرام ان کے بارے میں پہلے سے فیصلہ کریں۔

(الف) طبی، حیاتیاتی اور عرفی اصطلاح کے مطابق حمل اس لمحے قرار پاتا ہے۔ جب نر اور مادہ جرثومہ میں اتصال واقع ہو جائے۔ فرض کیجیے کہ یہ اتصال نلکی میں واقع ہوگا۔ اب جن سوالات کا جواب چاہیے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نلکی میں اتصال کے بعد یعنی حمل قرار پانے کے بعد عورت کو حاملہ سمجھا جائے گا یا نہیں۔ اس سوال کی اہمیت اس طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ بالفرض نلکی میں استقرار کے بعد شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اگر عورت کو حاملہ سمجھا جائے تو عدت کے مسائل کا حل، اگر ڈاکٹر اپنی غفلت کی بنا پر اسے ضائع کر دے تو جنایت کے مسائل پر غور و خوض، اگر عورت خود ضائع کرائے تو اس کی قانونی حیثیت پر غور اور قتل اولاد کا اطلاق یا استثنا کا مسئلہ نیز منع حمل کی نئی تعریف۔ اگر ڈاکٹر کسی اور کو فروخت کر دے تو اس مسئلہ کا حل اگر عورت اس کو اپنے رحم میں رکھ لے تو یہ مسئلہ کہ اس حمل نے رحم مادر میں شوہر کے انتقال کے بعد قرار مکین اختیار کیا اس طرح نسب کے مسائل کا حل۔

(۲) اور اگر عورت کو حاملہ نہ سمجھا جائے تو پھر متوفی شوہر کے مال یا متوفی شوہر اور پسماندہ بیوی کے مشترک مال پر وراثت کے مسائل کا حل۔ اگر کچھ ورثا اس حمل کو عورت کے رحم میں منتقل کرنے کی اجازت دیں اور کچھ نہ دیں تو اس کا حل شوہر مقروض مرا ہے تو قرض خواہوں کا اس حمل پر دعویٰ بشرطیکہ وہ مال متقوم بن گیا ہو۔ اگر کچھ ورثا اس کی اصلیت پر شبہ کرنے لگیں تو یہ ایک طرح نسب پر اتہام ہوگا اور اس طرح حد قذف کا مسئلہ۔

(۳) اس مفروضے کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ نلکی میں استقرار حمل کے بعد عورت کا انتقال ہو جائے۔ ایسی صورت میں مسائل ایک دوسری نوعیت کے ہوں گے اور علمائے کرام ان کا جو حل تجویز کریں گے وہ یا تو فیملی پلاننگ والوں کو ہتھیار فراہم کر دے گا، یا پھر مغربی ممالک کی طرح عورتوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا کر دے گا، جن کا رحم کرایہ پر حاصل کیا جا سکے۔ مغرب میں اسے نائب ماں یا (Surrogate Mother) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

(ب) ان دونوں معاملات سے ہٹ کر یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مسلم معاشرے میں اس قسم کے معاملات پر حیا کا پردہ پڑا رہتا ہے اور یہ ضروری نہ ہوگا کہ نلکی بچہ کی کوشش کرنے والا جوڑا، اس معاملہ میں کسی اور کو بھی راز دار بنالے۔ چنانچہ شوہر کے انتقال کے بعد نلکی کے استعمال کی صورت میں نسب کے دعوے کے سلسلے میں ورثاء جائداد

کے درمیان ہو۔ بہتان طرازیاں شروع ہوں گی ، ان کا حل کیا ہوگا ؟ اور اگر قانونی حل دریافت بھی کر لیا جائے معاشرتی لحاظ سے اس تنازعہ کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ کیا ایسا بچہ اور اس کی اولاد کا نسب مشکوک نہ سمجھا جائے گا۔ مزید بر اگر کوئی شوہر اپنا مادہ تولید دے کر مفقود الخبر ہو جائے یا عمر قید کی سزا پا جائے تو کیا کیا مزید پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔ مسئلہ پر فی الحال سوچا ہی نہیں گیا۔

(ج) خون کے گروپ یا انجکشن میں سہو و خطا صرف ایک فرد کو متاثر کرتی ہے ، اگر یہ سہو و خطا نلکی بچے کے مس واقع ہوئی اور عام لوگوں میں مشہور ہوگئی تو دنیا کے سارے نلکی بچوں کا نسب مشکوک ہو جائے گا ، جس کا نہ قانون تدارک کر سکے گا نہ فتویٰ ۔ اور اگر واقعی سہو و خطا نہ بھی ہوئی ہو تو بعض مالی مفادات کی بنا پر بھاری رشوت کا جادو غلط بیا پر بھی آمادہ کر سکتا ہے ۔ نتیجہ اس کا بھی یہی ہوگا۔

اگر غور کیا جائے تو ایسے بے شمار مسائل ذہن میں ابھریں گے جو حل کے متقاضی ہوں گے اور علماء کو نہ صرف یہ کہ ا پر پہلے سے سوچ بچار کر کے جواب متعین کرنا پڑے گا بلکہ یہ بھی ضروری ہوگا کہ ان سارے فیصلوں پر اجماع واقع ہو اور اس اجماع کے مطابق تمام مسلم ممالک میں قانون سازی کی ضمانت دی جائے لیکن اگر مختلف ممالک کے علماء کی آراء میں اختلاف ہوا تو پھر ایک مسئلہ یہ پیدا ہوگا کہ اگر شوہر ایک ملک کا ہو اور بیوی اس ملک کی جہاں علماء کی رائے مختلف ہے تو ایسی صورت میں اختلاف رائے کا کیا حل ہوگا ؟ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اگر اجماع بھی ہو جائے ، لیکن مسلم حکومتیں اپنے قانون میں اس کی رعایت نہ رکھیں تو معاملات کی کیا صورت ہوگی ۔ ؟

۱۰۔ نتیجہ :

مندرجہ بالا مباحث سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ نلکی بچہ چاہے وہ میاں بیوی کے ہی مادۂ تولید سے قرار پایا ہو ناقابلِ قبول ہے ۔ پھر اس کا وجود مسلم معاشرے کے لیے لاینحل مسائل کا سبب ہے ۔ اس سے مفسدات کا دروازہ کھلتا ہے ۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں نہ اس کی ضرورت ہے نہ گنجائش ۔ اس کا ایک حل یہ ہے کہ اسلامی معاشرتی نظام اپنی صحیح روح کے ساتھ اپنایا جائے اور دوسرا یہ کہ اسلام کے عائلی قانون پر عمل کیا جائے ۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل نہ صرف یہ کہ مندرجہ بالا دونوں نکات کی طرف حکومت کو توجہ دلائے بلکہ حکومت کو یہ مشورہ بھی دیا جائے کہ پاکستان میں اس قسم کے کسی تجربہ کی اجازت نہ دی جائے اور قانون سازی اور سماجی اداروں کے تعاون سے اس کی روک تھام کی جائے ۔ نیز عالمی مسلم معاشرے کو اس سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ تجویز زیرِ غور

لائی جا سکتی ہے کہ کونسل، حکومت پاکستان کو اعتماد میں لے کر رابطہ عالم اسلامی کے تعاون سے ایک عالمی مذہبی کانفرنس طلب کرے جس میں کیتھولک چرچ، اینگلیکن چرچ اور جو مذہبی فرقہ بھی اس کے خلاف ہو اس کو شامل کیا جائے اور اس طرح اس عالمی پلیٹ فارم سے تمام ممالک اور خاص طور سے اقوام متحدہ کے متعلقہ اداروں سے اپیل کی جائے کہ وہ اس قسم کے تجربات کی کی ہمت شکنی کریں۔ رحم مادر محترم ہے اسے نہ ڈاکٹر کی لیبارٹری بننے دیا جائے اور نہ کرائے کی انڈسٹری۔

•••

احکامات الٰہیہ و عبدیہ کا فرق

اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات و نتائج

یہ دنیا بعض کوتاہ بیں حضرات کے عقیدے کے مطابق کوئی اتفاقیہ وجود کا نام نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک مدبر اعظم کی عظیم کارستانیاں شامل ہیں جنھیں اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں چنداں شک نہیں کہ اس عالم کے آب وگل میں کچھ ایسے نظریات بھی ہیں جن میں خدا کا کوئی تصور نہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس فکر کے اولین ممتاز رہنماؤں نے بھی اس عالم کے ماورا ایک بے مثال شخصیت کے وجود کو اپنی تحریروں میں تسلیم کیا ہے چنانچہ کارل مارکس نے بھی تحریر کیا تھا: اس دنیا کے پیچھے ایک ایسی شکتی ہے جس کے اشارے پر دنیا ہر دم رواں دواں منزل کی طرف گامزن ہے، اسلامی عقیدے کے مطابق وہی ایسی شکتی خالق کائنات ہے جو من کل الوجوہ تمثیل مشابہت سے پاک ہے۔

چنانچہ قرآن مقدس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وهو السَّمِيعُ البصير (شوریٰ رکوع ۲) — اس کے جیسی کوئی شے نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

دوسری جگہ بیان فرمایا ہے:

لا تدركه الابصار وَهُوَ يدرك الابصار وَهو اللطيف الخبير (انعام: رکوع ۱۲) — نگاہیں اس کو نہیں پا سکیں اور وہ تمام نگاہوں کا مدرک ہے اور وہ باریک دیکھنے والا ہے۔

اس میں چنداں شک نہیں کہ خداوند قدوس کی ذات من کل الوجوہ بے مثال ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا ہر حکم لائق تقلید اور شکوک وشبہات سے بالاتر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قوانین و احکامات الہیہ اپنے خارجی اور داخلی فوائد و منافع کے سبب لائق عمل، غیر متزلزل،
ول، اس پر مکمل طور سے عمل کرنے کے بعد کائنات انسانی امن و سکون اور تعمیر و ترقی کی ان عظیم منزلوں کو
ہے جن کی خاطر ان کی روحیں مضطرب اور بے چین ہیں۔ یہی خاص سبب ہے کہ احکامات الہیہ کی ترجمانی
نت کے علمبردار نبی پاک اور صحابہ عظام کی سیرت و شخصیت کے غیر مثالی ہونے کا اعتراف اپنوں اور غیروں نے
ہے۔ وہ۔ ارتقاء کی ان منزلوں پر قائم تھے جہاں دنیا کا پہونچنا غیر ممکن سی بات معلوم ہوتی ہے۔ احکامات
حقوق انسانی کی ادائیگی کے علاوہ فطرت انسانی کا بھی مکمل پاس و خیال ہے جس کے بعد انسان عالم انسانی کی
ے آئیڈیل اور صد رشک شخصیت کا مالک ہو سکتا ہے۔

برخلاف اس کے احکامات جدیدہ وقتی زمان و مکان کی چہار دیواری میں محدود و غیر فطری، قابل تبدیل اور
دا کرتے ہیں، یہ وقتی طور پر انسانیت کے بعض حقوق کی ادائیگی تو کر سکتے ہیں لیکن کائنات انسانی کے سامنے
ان کا وہ دور نہیں آتا جس کی خاطر ان کی دل کی آنکھیں منتظر رہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے مخاطب انسانی
س کے کوئی خاص مناسب اثرات بھی مرتب نہیں ہوتے، جس کی تصدیق دور حاضر کے ان ملکوں سے ہوتی جا رہی
احکامات جدیدہ کا چلن ہے۔ حکومت کی ماتحتی قبول کرنے کے لیے اس کے باشندے ہرگز تیار نہیں، خصوصاً وہ ممالک
م و الحادی نظریات ملک کے قانون پر حاوی ہیں۔ چنانچہ مشرقی جرمنی کو جہاں حکومت سے رستگاری کی خاطر
رات سرنگوں اور غباروں کا سہارا لے کر ملک چھوڑنے پر کربستہ تھے اور اس وقت تک دم نہ لیا تا آنکہ وہ
جرمنی چلے گئے، بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی احکامات جدیدہ کے غیر فطری اور ناقص ہونے کی دلیل
س عالم رنگ و بو میں انقلاب کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہے۔ ہر ملک کے باشندے حکومت کے خلاف
ے لگا کر ان کا تختہ الٹنے کے لیے کوشاں ہیں چنانچہ یہی موجودہ دور کی سیاست کا لب لباب بھی بن چکا ہے۔
ارسطو نے کہا تھا۔

"ون سلطنت بعض حقوق انسانی کی حفاظت تو کر سکتا ہے لیکن انسان کو نیک نہیں بنا سکتا۔"
ن احکامات الہیہ کا ترجمان مذہب اسلام کے پیروکار کبھی اسلامی اصول کے خلاف قطعاً آواز نہیں نکال
اور بات ہے کہ دنیاوی حرص و طمع اور لالچ کے سبب وہ اس کے مطابق زندگی نہیں گزارتے۔" احکامات
ریقینی غیر فطری نیز کائنات انسانی کی جملہ ضرورتوں کی عدم تکمیل کی بھی آتی ہے کہ سائنس جو

دور حاضر میں قوانین جدیدہ کا ممتاز و اولین محور ہے اور بعض غیر مذہبی مفکرین کے مطابق خدا کے ثانی کی حیثیت رکھتا
اس کے احکامات و ایجادات ہر لمحہ رخ بدلتے نظر آتے ہیں۔ آج ایک سائنسداں ایک چیز کی ایجاد کرتا ہے اور کل
دوسرا اپنی جدید تحقیق کے ذریعہ بھی حذف و اضافے کی صورت نکال دیتا ہے۔ حذف و اضافے کی یہی صورت دراصل
انسانی و عبدی احکامات و قوانین کے عدم تکمیل کی واضح دلیل ہے۔ جبکہ احکاماتِ الٰہیہ ایک اٹل اور مکمل غیر متزلزل
قانونِ خداوندی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے:

لا تبدیل لکلمات اللہ ذٰلک ھو الفوز العظیم۔ (یونس رکوع ۲)

اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں وہ بڑی کامیابی ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (مائدہ: رکوع ۱)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور میں نے تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کرلیا۔

"چنانچہ اسلام دشمن غیر مسلم مفکرین نے بھی قولاً وعملاً اسلام اسلامی احکامات اور قانونِ الٰہیہ کی تصدیق کی۔
ایک غیر مسلم مفکر نے بایں طور بیان کیا ہے۔

"پوری نسل انسانی کو اسلام کے پیغمبر پر فخر کرنا چاہیے، کیونکہ آپ نے انسانیت کے لیے ایسا قانون چھوڑا جس
کے اعلیٰ معیار پر اگر انسانیت آئندہ دو ہزار سال میں بھی آجائے تو باعث مسرت و کامیابی ہوگا۔

انسانی احکامات سے دن بدن نفرت اور ممنوعہ اشیاء میں تیزی سے زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ آج ایک ملک
ایک حکم اپنی رعایا کی خاطر نافذ کرتا ہے اور کل اس کے خلاف مخالفانہ آوازیں گشت کرنے لگتی ہیں، تا آنکہ جس چیز سے
بچنے کا حکم نافذ ہوتا ہے اس میں اور زیادہ اضافے کی صورتیں نظر آنے لگتی ہیں۔ ہم بطور مثال امریکہ میں شراب بندی
کی پابندی لگائے جانے کا حکم دیکھ سکتے ہیں کہ شراب پر جوں ہی پابندیاں عائد کی گئیں ردعمل کے طور پر یہ زہر امریکی
سماج میں اور زیادہ تیزی سے پروان چڑھا۔ معاملہ بایں جا رسید کہ سرکار نے اس حکم کی تنسیخ کا آرڈر جاری کر دیا
چنانچہ کسی کالم نگار نے بایں طور اس کی تفصیل بیان کی ہے: سنہ ۱۹۲۰ء میں شراب پر ڈائرکٹ امریکہ کے کانگریسیوں

اور سنٹوں نے مخالفت کا حکم جاری کر دیا۔ امریکی افراد کا بیان ہے کہ بندی کے بعد وہاں جرائم میں ۱۴ فیصد کا اضافہ ہوا۔ بندی کے وقت ۴۰۰ شراب کشید کرنے کے کارخانے تھے لیکن ۷ سال کے بعد اسی ہزار کارخانے اور ۹۰ ہزار بھٹیاں پکڑی گئیں۔ اس سیلاب کے بعد پھر لوگوں نے ۱۹۳۳ء میں شراب بندی کا قانون واپس لے لیا (حیات ۱۹۰۵ء)

بات صرف شراب کی نہیں ہے بلکہ ہر اس چیز کی ہے جس کی روک تھام کی خاطر عبدی قوانین و احکامات کو اپنایا۔ عالم استعمال کرتے ہیں ایسی صورت میں جملہ کائنات کو دینِ اسلام کی رہنمائی کی طرف مائل ہو جانا از حد ضروری ہے کیونکہ اس کی علمی و عملی بنیاد قرآنِ مقدس پر احکامات و قوانین کی کتاب ہے جس کی رہبری انسانیت کی تعمیر و ترقی کا ضامن ہے چنانچہ اس کا مشہور فلاسفر کاؤنٹ اپنی کتاب The Life of Region میں لکھتا ہے:۔

"قرآن عالم انسانی کے لیے ایک بہترین رہبر ہے۔"

الغرض احکاماتِ الٰہیہ ایک عالمگیر، ہمہ گیر اور غیر متزلزل احکامات کی حیثیت رکھتے ہیں یہ رہتی دنیا کی خاطر ایک ایسی دستاویزی کتاب ہے، جس کے لفظوں، آیتوں اور حرفوں میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔ انسانی زندگی پر اس کے خوش آئند اثرات و نتائج بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ اس میں ان جملہ مراعات کا پاس و خیال ہے جسے انسان کی فطرت سلیمہ طلب کرتی ہے

جبکہ احکامات عبدیہ ہر آن تبدیلی کے محتاج ہوا کرتے ہیں، چنانچہ کوئی بھی ملک ایسا نہیں جہاں انسانی احکامات اصول کارفرما ہوں اور رعایا پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہوئے ہوں۔ ہر آن تبدیلی و تنسیخ کی آوازیں اٹھتی رہتی گویا اسے ثبات و دوام حاصل نہیں نیز حیات انسانی پر اس کے مثبت اثرات بھی مرتب نہیں ہوتے۔

جس کا واضح ثبوت وہ ممالک ہیں جہاں رعایا ملک کی آزادی کی خاطر سرکار سے برسرِ پیکار ہے۔ الغرض احکامات عبدیہ میں بحیثیت تاثیر و نتیجہ بعد المشرقین ہے اور کیوں نہ ہو، جبکہ ایک کے پیچھے خالقِ کائنات کی عظیم کارستانیاں رہا ہیں اور دوسرے کے پیچھے مخلوق کے اذہان و قلوب۔ ●●●

باب الفتاویٰ

علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز

۱۔ تسبیح کے دانوں پر ذکر کرنے کا حکم؟
۲۔ قبروں پر پودے لگانے کا حکم؟

سوال: تسبیح کے دانوں پر اللہ کا ذکر کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: تسبیح کے دانوں پر اللہ کا ذکر کرنے کے بارے میں شریعت مطہرہ کے اندر کوئی اصل ہمیں نہیں ملی اس لیے بہتر یہی ہے کہ شرع سے ثابت طریقہ ہی اختیار کیا جائے یعنی ہاتھ کی انگلیوں پر ہی تسبیحات گنی جائیں۔

(افادات شیخ ابن باز مفتی اعظم سعودی عربیہ۔ شائع شدہ در الدعوۃ بتاریخ ۲۷/۳/۱۴۱۰ھ)

سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد بعض لوگ قبر کے پاس سورۃ "یس" پڑھتے ہیں اور قبر پر بعض پودے رکھ دیتے ہیں، بلکہ کچھ لوگ جو یا گیہوں اگاتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر ہری ٹہنیاں رکھی تھیں۔

الجواب:۔ قبر پر دفن کے وقت یا دفن کے بعد سورہ "یس" یا کوئی بھی سورہ پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ نہ تو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے نہ تو آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے۔ اسی طرح قبر پر اذان و اقامت بھی جائز نہیں، یہ سب بدعت کے کام ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

کسی نے اگر ایسا کام کیا جو ہمارے طریقہ پر نہیں تو اس کا یہ کام رد کر دیا جائے گا۔

نیز قبر پر کسی قسم کا پودا رکھنا یا اگانا بھی جائز نہیں، کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام

ایسا نہیں کیا ہے۔ رہی بات آپ کی دو قبروں پر پودے رکھنے کی۔ تو یہ آپ اور ان دو قبروں کے ساتھ ہی خاص تھا، کیونکہ آپ نے پھر کبھی کسی قبر کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا۔ دراصل اللہ نے ان کے عذاب کے متعلق آپ کو آگاہ کردیا تھا۔ اب نہ کوئی اس طرح آگاہ ہوسکتا ہے۔ اور مسلمانوں کے لیے ایسی بدعتیں ایجاد کرنی جائز نہیں ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے جائز نہیں قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حدیث مذکور اور مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے:

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ (الشوریٰ:۲۱) کیا ان کے کچھ شرکاء ہیں جو ایسی باتیں جائز قرار دے دی ہیں جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی[1]

[1] (از افادات شیخ ابن باز شائع شدہ "الدعوۃ" بتاریخ ۲۵/۴/۱۴۱۰ھ)

(انتخاب و ترتیب: احمد مجتبیٰ سلفی) ●●●

عالم اسلام

جمعیۃ القرآن والسنۃ امریکا وکینیڈا کی تیسری سالانہ کانفرنس

بعنوان: "اسلام اور جدید مسائل ومشکلات"

(امریکہ کے صوبہ کولوراڈو کے شہر ڈلغر میں ۲۳ تا ۲۷ ربیع الآخرۃ ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۲ تا ۲۶ دسمبر ۱۹۸۹ء میں منعقدہ "جمعیۃ القرآن والسنۃ" کی تیسری سالانہ مؤتمر کی رپورٹ)

...   .

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ و صحبہ وبعد

جمعیۃ القرآن والسنۃ کے قیام کو ابھی چند سالوں کا عرصہ گزرا ہے لیکن الحمدللہ اس کا شمار اہم جمعیات میں ہونے لگا ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ شمالی امریکہ میں اس نے دعوت کے میدان میں ایک بڑے خلا کو پر کیا ہے قلیل مدت میں اس نے مسلم جوانوں کی ایک بڑی تعداد کو اکٹھا کر لیا ہے ایسا اس بنا پر ہے کہ یہ جمعیۃ اس صحیح منہج پر کام کرتی ہے جس پر قرون فاضلہ کے اصحاب عمل پیرا تھے، یعنی علم پھر اس پر عمل۔

یہ بات ہر شبہ سے خالی ہے کہ شمالی امریکا کے دعوتی میدان میں اعتقادی منہج کا خلا باطنیوں، رافضیوں، صوفیوں، فاسد عقائد کے حاملین اور گمراہ فرقوں کے لیے بڑی خوشگوار چراگاہ ثابت ہو رہا ہے، ساتھ ہی اہل سنت والجماعت کی متعدد تنظیمات نے ان فرقوں کے سلسلہ میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ نہایت درجہ ڈھیلا ڈھالا ہے مسلمانوں کی بڑی تعداد اس سبب سے ورطۂ حیرت میں ڈبکیاں کھا رہی ہے کہ اسے فرقۂ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے اصل امتیازات کا علم نہیں ہے، سارے امور مسلمانوں کے اوپر گڈمڈ ہو گئے۔ رافضیوں کے انقلابی پراپیگنڈوں کی چمک دمک نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے، مسلمانوں نے تکبیر و تہلیل پڑھتے ہوئے ان کی تائید میں ان کے پیچھے چلنا شروع کر دیا ہے ـــ

اس مضطرب فضا میں جمعیۃ القرآن والسنۃ نے اپنا راستہ نکالا ہے اور اللہ کے فضل وقوت سے شمالی امریکہ کے وسیع حلقہ کو مختلف نشاطات سے معمور کر دیا ہے۔ جمعیۃ نے ۱۹۸۶ء میں اپنی پہلی موتمر منعقد کی جس میں ساڑھے تین سو سے زیادہ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے شرکت کی، جمعیۃ نے اجتماع میں اپنے منہج کو بیان کیا اور پہلی موتمر کا موضوع "منہج الانبیاء والرسل فی الدعوۃ الی اللہ" (دعوتِ دین میں انبیاء ورسل کا طریق کار) رکھا تھا۔ اور اس میں اظہار خیال کے لیے خلیج عربی اور عالم اسلامی کے بہت سے علماء کو مدعو کیا تھا۔ اس کے بعد دوسری سالانہ موتمر منعقد ہوئی جس کا موضوع تھا: "معالم اہل السنۃ والجماعۃ والطریقۃ الی وحدتہم" (اہل سنت والجماعت کے نقوش اور ان کے اتحاد کا طریقہ)۔ اس موضوع پر اظہار خیال کے لیے ایسے علماء کو دعوت دی گئی جن کے عقیدہ کی سلامتی معروف ہے۔ اس موضوع کو مختلف اجزاء میں اس طرح تقسیم کیا گیا تھا۔

- وحدۃ منہج التلقی عند اہل السنۃ والجماعۃ (اہل سنت والجماعت اور حصول علم کا متحدہ طریقہ)
- الخصائص العقدیۃ لاہل السنۃ والجماعۃ (اہل سنت والجماعت کے اعتقادی امتیازات)
- الولاء والبراء (دوستی اور دشمنی کے ضوابط کتاب وسنت کی روشنی میں)
- الضوابط الشرعیۃ عند اہل السنۃ والجماعۃ فی معاملۃ اہل البدع (اہل بدعت سے تعامل کے شرعی اصول وضوابط) (اہل سنت والجماعت کا نقطۂ نظر)۔
- دعوۃ وعقیدۃ الشیخ محمد بن عبدالوہاب (شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ اور ان کی دعوت)

جمعیۃ کے نشاطات سے مسلم جوانوں کی دلچسپی کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس موتمر میں حاضرین کی تعداد سات سو تک پہونچ گئی۔ پھر تیسری سالانہ موتمر میں یہ تعداد آٹھ سو سے زیادہ ہوگئی۔ اس موتمر کا موضوع تھا: "الاسلام والقضایا المعاصرۃ"۔ اس موتمر کی بحوث وتحقیقات میں ذیل کے اصحاب فضائل نے شرکت فرمائی:

سعودی عرب: (جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ ریاض)

۱۔ ڈاکٹر سعود بن عبداللہ الفنیسان	سابق عمید کلیۃ الشریعۃ
۲۔ ڈاکٹر عبداللہ الطریقی	وکیل کلیۃ الشریعۃ
۳۔ شیخ عائض القرنی	کلیۃ الشریعۃ (ابہا)
۴۔ شیخ سلمان العودۃ	محاضر کلیۃ الشریعۃ قصیم

یمن :-

۱۔ شیخ عبدالمجید الریمی ۲۔ شیخ محمد الشہری

کویت :

۱۔ خالد السلطان رئیس جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت

۲۔ ڈاکٹر عبداللہ الفارس

مصر :

۱۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل ۲۔ شیخ مجدی محسن ورده مدرس معہد اعداد الدعاۃ مکہ

فلسطین :-

۱۔ شیخ حسن محمد ابوشقرہ

افغانستان :-

۱۔ شیخ عبداللہ محمدی نائب امیر جمعیۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ افغانستان

۲۔ قنعار الصفوی مدیر معہد شرعی پشاور

ان حضرات کے علاوہ اخبار عالم اسلامی، جزائر، فجی اور شمالی امریکہ سے بہت سے مہمانان خصوصی مدعو تھے۔

اس موتمر میں برادر م خالد السلطان نے کلمۂ افتتاح پیش کیا جس میں انھوں نے امریکہ کے اندر جمعیۃ القرآن والسنۃ کی مساعی نیز پوری دنیا میں جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کی بہترین کوششوں کا ذکر کیا۔ جمعیۃ القرآن والسنۃ کے رئیس محمود مراد نے اس موتمر کے لیے "الاسلام والقضایا المعاصرہ" کا موضوع اختیار کرنے کے سبب پر روشنی ڈالی موتمر کے موضوعات سے متعلق حاضرین کی بحوث کے اہم نکات یہ ہیں۔

۱۔ تجدید کا مفہوم : اس موضوع پر فضیلۃ الشیخ سلمان بن فہد العودہ نے روشنی ڈالی۔ موصوف نے اس بحث میں ان قضایا کا تجزیہ کیا جن کا تعلق فقہ میں تجدیدی رجحان سے ہے، جس کی غرض سے اسلام کو زمانہ کے مطابق ڈھالنا نہ کہ زمانہ کو مشرف بہ اسلام کرنا۔ نیز اس کا بھی تجزیہ کیا کہ اس رجحان کے حاملین نصوص میں پرتکلف تاویلات کا سہارا لیتے ہیں اور حکم کے رد و قبول کے لیے نصوص کو عقل کے تابع گردانتے ہیں۔ موصوف نے اس رجحان کی مضرت اور تمسک بالکتاب والسنۃ کی اہمیت کو واضح فرمایا نیز بتایا کہ اسوۂ حسنہ صرف نص پر منحصر نہیں بلکہ منہج اور اسلوب پر بھی مشتمل ہے۔ آپ نے بتایا کہ :

کہ اصحاب قرون فاضلہ کا اجماع ہی اصل میں اجماع ہے اور بہت پرزور انداز میں ثابت کیا کہ اصولِ دین اتنے ثابت ہیں کہ وہ کسی تحریف اور تبدیلی کو قبول نہیں کرسکتے۔

۲۔ کلمۂ توحید اساس ہے، توحید کلمہ کی، اس موضوع پر فضیلۃ الدکتور محمد اسماعیل نے روشنی ڈالی۔ محاضرے منہج دعوت کے اولیات کا ذکر کیا اور امام مالک کے قول: "لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا" کا تحلیلی تجزیہ پیش کیا، پھر ملکی دور میں دعوت محمدیہ کے خصائص بیان کیے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم الخ میں اسلامی اخوت کی تفصیل کی اور وحدتِ مسلمین کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اعتقاد و منہج کا فقدان، اختلاف مذموم، جماعتی تعصب اور گروہ بندی اس کے بنیادی اسباب ہیں۔

۳۔ فکری جنگ۔ الحاد اور جدیدیت: فضیلۃ الشیخ عائض القرنی نے اس پر روشنی ڈالی۔ جدیدیت الحاد کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور مسلم نوجوانوں میں اخلاقی انارکی کی دعوت ہے۔ اور الحاد دینی شرائع کی پابندی کرنے والوں خالق اور خالق کی عبادت کرنے والوں کا آزاد شاعری یا نثر مقفی کے ذریعہ مذاق اڑاتا ہے۔ موصوف نے بتایا کہ عالم اسلام میں بہت سے جرائد و مجلات اس رجحان کے حامل شائع ہوتے ہیں، جن میں خصوصیت سے "گوشۂ ادب" اور "صفحاتِ ادبیہ" کے کالم مخصوص کیے جاتے ہیں۔

۴۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی زندگی کے چند گوشے: ڈاکٹر سعود الغیسان، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی زندگی کے بعض پہلوؤں کا جائزہ لینا اور معاصر مسائل سے جو آج دعوت کے میدان میں پیش آرہے ان کا مقارنہ کرنا علمی بحث و تحقیق کا لازمی حصہ ہے اگر ان مسائل کا بنیادی حل مقصود ہے تو شیخ الاسلام نے اسے اپنے دور میں حل کیا تھا لیکن وہ دور ابھی ختم نہیں ہوا۔ امت اسلامیہ ان اعتقادی اور فقہی فتنوں میں آج بھی مبتلا ہے جو شیخ الاسلام کے زمانہ میں پائے جاتے اس لیے تلوار اور قلم کے ذریعہ ان کے جہادی موقف کا جائزہ لے کر اس دور میں مسائل کے حل کے لیے واضح خطوط وضع کیے جاسکتے ہیں۔

۵۔ بدعات اور اسلامی تصور کے انحراف میں ان کا اثر: فضیلۃ الشیخ عبد المجید الریمی نے اس موضوع پر روشنی ڈالی۔ محاضر نے علماء کی اصطلاح کے مطابق بدعت کا لغوی اور شرعی معنی بیان کیا، پھر "الیوم اکملت لکم دینکم الآیۃ" کے مفہوم کا مقتضی بیان کیا پھر بتایا کہ دین ذوق اور استحسان عقلی کے تابع نہیں ہے۔ پھر عبد اللہ بن

بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر اور علماء کا ذکر کرکے شرکا سے متعلق ان کے قول کا جائزہ پیش کیا۔ انما تکونوا علی ھدی بخیرا ھدی محمد او انکم مفتتحون باب ضلالة۔ پھر جوانوں میں رائج بعض بدعات کا جائزہ لیا اور بدعات اور مصالح مرسلہ کے درمیان ایسا فرق بیان فرمایا جس سے دونوں کا مقام بالکل واضح ہوگیا پھر بدعات کے خاتمہ کے لیے وسائل کا ذکر کیا، جن میں سب سے اہم علوم شرعیہ کا حصول، دلائل کے ذریعہ ان کا فہم، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا التزام، اور انہیں اس طرح سمجھنا جیسے سلف صالح نے سمجھا تھا۔

فضیلۃ الشیخ مجدی وردہ نے اپنے محاضرہ میں اہل سنت والجماعت کے اخلاقی خصائص بیان کیے اور تزکیہ، تقویٰ اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے التزام کی اہمیت کو واضح کیا۔

اسی طرح ایک محاضرہ فضیلۃ الشیخ سلمان بن فہد العودہ نے علماء کے درمیان اختلاف اور اس سے متعلق ہمارے موقف کی توضیح پر پیش کیا نیز فضیلۃ الشیخ الربعی نے "حاجتنا الی التمسک بالدین" کے موضوع پر محاضرہ پیش کیا۔ نیز متعدد موضوعات پر دروس پیش کیے گئے۔

اس موتمر میں دو مجالس کا انعقاد ہوا، پہلی کا موضوع تھا "دور الدعاة امام التحدیات المعاصرہ" اس پر فضیلۃ الدکتور سعود الفنیسان، دکتور عبداللہ الطریقی، شیخ عائض القرنی اور شیخ عبدالمجید الرکمی نے حصہ لیا۔ اس مجلس کے ناظم فضیلۃ الدکتور عبداللہ القاری تھے، شرکاء مجلس نے درپیش مسائل اور فتنوں کے مقابل دعاۃ کی ذمہ داریوں کا جائزہ لیا اور عقیدۂ سلف اور ان کے منہج کے التزام کی اہمیت واضح کی۔

دوسری مجلس "الجہاد فی افغانستان وفلسطین" کے موضوع پر تھی، اس میں فضیلۃ الشیخ عبداللہ محمدی، فضیلۃ الشیخ حسن ابوشعرہ، دکتور عبداللہ الطریقی اور شیخ عائض القرنی نے شرکت کی۔ اس کے ناظم دکتور طلال مالکی تھے۔ شیخ محمدی نے جہاد افغانستان کے متعدد پہلوؤں کا جائزہ لیا نیز بتایا کہ جماعت سلفیہ مجاہدین اور ان کی اولاد کی تعلیم وآگہی کے لیے کیا خدمات انجام دے رہی ہے اور مسلمانوں میں اتحاد کے لیے اس کی مساعی کیا ہیں، اس کی تفصیل بتائی۔ شیخ ابوشعرہ نے اسلامی زاویہ نظر سے فلسطینی انتفاضہ کی حیثیتوں کا جائزہ لیا اور انتفاضہ کو ختم کرنے اور مقامی و بین الاقوامی پیمانہ پر اس کی شکل کو بگاڑ کر پیش کرنے سے متعلق اسرائیلی طریق کار کی مذمت کی۔

صبح وشام کے تمام محاضرات میں سامعین کی مسلسل دلچسپیوں کا مشاہدہ کیا گیا اس طرح شرکت فرمانے والے علماء بھی دیکھا گیا کہ وہ تمام محاضرات میں پورے ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے۔ ہر محاضرہ کے بعد سامعین کو وقت

دیا گیا کہ وہ محاضر کے سامنے اپنے سوالات پیش کریں ، دیکھا گیا کہ بیشتر سوالات موضوع سے متعلق ہوتے تھے ، جس سے موضوع کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

جمعیۃ نے شمالی امریکہ میں کام کرنے والے بہت سے دعاۃ کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی ، جس سے جماعت اہل سنت والجماعت اور اس ملک میں ان کی تنظیمات کے درمیان اتحاد و اتفاق کے لیے جمعیۃ کے اس حسن اقدام کی اہمیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ رئیس جمعیۃ برادر محمود مراد نے برادر نبیل السدون رئیس رابطہ الشباب المسلم العربی فی امریکا شمالیہ کو اولین اقدام کے بطور حقیقت مذکورکی اہمیت کے پیش نظر دعوت دی تھی تاکہ باہم نتیجہ خیز تعاون حاصل ہو سکے ، برادر نبیل نے رئیس جمعیۃ محمود مراد کو بھی رابطہ کی بارہویں موتمر میں شرکت کی دعوت دی جوان شاء اللہ ۲۲ر تا ۲۷ر دسمبر کو منعقد ہوگی۔

اختتامی جلسہ شام شعر و شاعری پر مشتمل تھا ۔ جس میں فضیلۃ الشیخ عائض القرنی ، فضیلۃ الشیخ عبدالمجید الریمی نے شرکت کی ، نظامت فضیلۃ الدکتور محمد الفاضل مدیر معہد العلوم الشرعیۃ واللغۃ العربیۃ فی واشنگٹن نے انجام دی ۔ یہ معہد جامعۃ الامام محمد ریاض سے ملحق ہے ۔ دونوں شاعر شیوخ نے عمدہ قصائد پیش فرمائے ، دونوں شعراء نے جمعیۃ القرآن والسنۃ ، اس میدان میں اس کی مساعی اور اس کے منتظمین کے متعلق متعدد اشعار پیش کیے۔

امریکی بھائیوں اور بہنوں کے نمائندگان نے موتمر سے پہلے اصرار کیا کہ فضیلۃ الدکتور عبداللہ الغارس کو دعوت دی جائے ، موصوف نے سالوں امریکہ میں قیام کیا ہے اور اہل امریکا کے لیے کثرت سے مجالس اور محاضرات کا انعقاد کرنے کے سبب بہت سے امریکی بھائی انھیں جانتے پہچانتے ہیں ۔ موصوف نے عقیدہ سے متعلق موتمر میں بڑا بھر پور کردار ادا کیا ، اس طرح لوگوں کے دروس اور محاضرات انھیں سے متعلق کر دیے گئے ، جسے شیخ نے نہایت عمدگی سے نبھایا جزاہ اللہ خیراً

موتمر میں فضیلۃ الدکتور عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی (استاذ حدیث جامعہ سلفیہ بنارس) بھی ضرور شرکت فرماتے مگر امریکہ کے لیے ویزا کے عدم حصول کی مشکل ان کی راہ میں حائل نہ ہو جاتی ۔ اس بنا پر شرکاء ہندوستان میں اپنے بھائیوں کی حالت اور وہاں پیش آنے والے مصائب سے متعلق معلومات سے محروم ہو گئے ، شاید اللہ ہمارے لیے موصوف کے ساتھ کرسی اور ملاقات کا راستہ ہموار فرما دے۔

موتمر کے اختتام پر شرکاء میں ان کی آراء اور تجاویز معلوم کرنے کے لیے ایک بیان تقسیم کیا گیا تاکہ چوتھی سالانہ موتمر

اسے پیش نظر رکھا جا سکے، ان شاء اللہ۔ شرکا رنے جمعیۃ کا شکریہ ادا کیا اور موتمر پر منتخب موضوعات پر منتظمین کی تعریف کی گئی نیز ان علماء کی تحسین کی گئی جنھوں نے اس موتمر میں شرکت فرمائی تھی ۔

جمعیۃ القرآن والسنۃ آج پہلے سے زیادہ قوی ہو چکی ہے، خصوصاً اس کی مجلس منتظمہ، جس کے ارکان کی اکثریت امریکا اور کناڈا میں رہتی ہے، شمالی امریکا میں دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں کی جملہ مساعی کو متحد کرنے کی خاطر ایک مثبت اقدام کے بطور جمعیات اہل سنت والجماعت کا ایک اجتماع عنقریب منعقد ہوگا۔ تاکہ "دعوت کی مجلس اعلیٰ" کا انتخاب ہو سکے جو ایسے عملی خطوط وضع کر سکے جس سے فاسد عقائد کے حاملین کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے حقیقی موقف اختیار کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی اطاعت کی توفیق بخشے، اور اپنی طاقت سے ان کی تائید فرمائے۔ والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات ۔

• • •

شمارہ ۸ • اگست ۱۹۹۰ء • محرم الحرام ۱۴۱۱ھ • جلد ۸

اس شمارہ میں

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب وارانسی ۔ ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ : تیس روپئے ۔ فی پرچہ تین روپئے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

صالح قیادت، صالح اطاعت

کتاب وسنت اور شیخ الاسلام کی توضیحات کی روشنی میں

زیر نظر موضوع کے پہلے جزء کی بنیاد کتاب اللہ العظیم کی یہ آیت ہے : ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اہلہا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ ، ان اللہ کان سمیعا بصیرا (النساء، ۵۸)

اللہ تم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو دیا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو اللہ جو نصیحت تمھیں کر رہا ہے ، یقیناً وہی بہتر ہے ، بے شبہ اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت قیادت کے ذمہ داروں کے متعلق نازل ہوئی ہے ، ان کا فرض ہے کہ دینی اور شرعی امانتیں ان کے اہل لوگوں کو سونپیں اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل و انصاف سے فیصلہ کریں

موضوع کے دوسرے جزء کی بنیاد کتاب اللہ کی یہ آیت ہے ۔ یاایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ، فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ، ذلک خیر واحسن تاویلاً (النساء)

اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے قائدوں کی بھی ، پھر اگر کسی معاملہ میں تم جھگڑا کر بیٹھو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ سب سے بھلا اور انجام کے اعتبار سے سب سے اچھا ہے ۔ یہ آیت رعایا اور عام افراد سے متعلق ہے ، ان پر

واجب ہے کہ اپنے قائدین کی اطاعت کریں سوا اس کے کہ وہ اللہ کی معصیت کا حکم دیں، ایسی صورت میں کسی کی اطاعت ناجائز ہے۔ کسی معاملہ میں جھگڑا ہو جائے تو اسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر دیں، اگرچہ قائدین یہ ذمہ داری ادا نہ کرتے ہوں، جن باتوں میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیتے ہوں اس میں ان کی اطاعت کریں، اس لیے کہ یہ اللہ اور رسول کی اطاعت ہے: وتعاونوا علی البر و التقویٰ و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان» (المائدۃ: ۲)

بھلائی اور تقویٰ کے کاموں پر باہم تعاون کرو اور گناہ و ظلم و جارحیت کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

قیادت سے متعلق آیت میں مستحقین کو امانتیں سونپنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ دو طرح کے امور سے متعلق ہے ایک منصب، عہدہ اور ولایات کی امانت ہے، دوسرا مالوں کی امانتیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو آپؐ نے کعبہ کی کنجیاں بنو شیبہ سے لے لیں، جنھیں حضرت عباسؓ نے آپؐ سے طلب کیا۔ اس واقعہ پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی کنجیاں بنو شیبہ کو دیدیں۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں اس آیت سے قائد کا یہ فرض ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے امور میں ہر کام پر وہ ایسے شخص کو ذمہ دار بنائے جسے وہ اس کام کے لیے بہتر اور اصلح پائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، «من ولی من امر المسلمین شیئاً فولی رجلا وھو یجد من ھو اصلح للمسلمین منہ فقد خان اللہ ورسولہ»

جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار ہوا پھر اس نے کسی ایسے شخص کو نائب ذمہ دار مقرر کیا کہ مسلمانوں کے حق میں اس سے بہتر اور اصلح شخص اسے ملتا ہے تو یقیناً اس نے اللہ اور اس کے رسول کی (اور ایک روایت میں ہے کہ تمام مومنین کی) خیانت کی ،،

اس حدیث کی رو سے قائد پر واجب ہے کہ عہدوں اور مناصب کے لیے مستحق ذمہ داروں کی چھان بین کرے اور یہ ذمہ دار کاموں کی نوعیت کے لحاظ سے بہتر اور اصلح لوگوں کو کاموں کی امانتیں سونپا کریں۔ چنانچہ یہ سلسلہ نمازوں کے امام، موذن، معلم، خزانچی، دربان اور چپراسی وغیرہ تک محیط ہوگا۔ کسی کو اس بنیاد پر ترجیح نہیں دی جا سکتی کہ اس نے ذمہ داری طلب کی تھی یا پہلے طلب کی تھی، بلکہ یہ تو اسے نہ دینے کا سبب ہے۔

صحیحین کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن سمرہ سے فرمایا: یا عبد الرحمٰن! لا تسأل الامارۃ، فانک ان اعطیتھا من غیر مسألۃ اعنت علیھا، وان اعطیتھا

ن مسألة وكلت إليها »
عبدالرحمٰن امارت مت طلب کرو، اگر بغیر طلب کے تمھیں یہ دیدی جائے گی تو اس کے لیے تمھاری مدد کی جائے
ی، اور اگر طلب پر تمھیں یہ دی گئی تو بے مدد چھوڑ دیے جاؤ گے :
بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اذا أضيعت الامانة
فانتظر الساعة ، قيل يارسول الله ! وما اضاعتها ؟ قال اذا وسد الامرالى غير
هله فانتظر الساعة ۔
جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو آپؐ سے پوچھا گیا اے اللہ کے رسول اسے ضائع کرنے
کا کیا معنی ہے، آپ نے فرمایا جب کوئی ذمہ داری غیر مستحق اور نااہل کو سونپ دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔
شیخ الاسلام فرماتے ہیں اگر کوئی قائد اور ذمہ دار قرابت دوستی، شہر وعلاقہ، نسل و برادری، حقدار کے خلاف کینہ یا
عداوت کی بنا پر نااہل اور غیر اصلح کو ذمہ دار مقرر کرتا ہے تو اللہ ورسول اور تمام مومنوں کی خیانت کرتا ہے اور وہ
اس آیت کا مصداق ہے : يأيها الذين امنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا اماناتكم
وانتم تعلمون » آگے فرمایا : « واعلموا انما اموالكم واولادكم فتنة ، وان
الله عنده اجر عظيم » (الانفال ۲۷)
اے ایمان لانے والو ! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور دانستہ طور پر آپس میں ایک دوسرے کی خیانت
کرو، خوب جان لو کہ تمھارے اموال اور تمھاری اولاد فتنہ ہیں، اور اللہ کے پاس یقیناً بڑا اجر ہے ۔
شیخ الاسلام فرماتے ہیں آدمی اولاد کی محبت میں کبھی اسے بعض مناصب کے لیے ترجیح دیتا ہے، یا جس چیز
کا وہ مستحق نہیں وہ اسے دیتا ہے ، یا کبھی مال کی زیادتی اور اس کی حفاظت کے لیے اسے ترجیح دیتا ہے، یا مداہنت
اور چاپلوسی کرنے والوں کو کسی عہدہ کے لیے سہولت دیتا ہے ۔ ایسا کرنے والے اللہ اور رسول کی خیانت کرتے ہیں۔
شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ہر عہدہ ومنصب کے لیے بہتر اور اصلح ذمہ دار کی تلاش قائد کے فرائض میں سے
ہے اور ہر منصب کے لیے دو بنیادی اوصاف لازم ہیں ایک قوت دوسرا امانت ، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :
« ان خير من استأجرت القوي الامين » (القصص : ۲۶)
« سب سے بہتر جسے آپ اجرت پر رکھیں قوت والا اور امانتدار ہونا چاہیے ۔ »

رنے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا ، " انك اليوم لدينا مكين امين " (یوسف ۵۴)
ہمارے یہاں باوزن امانت دار ہو۔
۔جبریل علیہ السلام کے وصف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ
رش مکین ، مطاع ثم امین " (التکویر ۲۰)
زرگ فرشتہ کا لایا ہوا پیغام ہے ، بڑا قوت والا عرش والے کے یہاں بڑا معزز ، وہ آسمان میں
ہے۔
ب کی نوعیت کے لحاظ سے قوت کی نوعیت ہوا کرتی ہے ، جنگ کے عہدہ کے لیے شجاعت قلب اور
رب سے واقفیت کی قوت درکار ہوتی ہے ، حکم وقضا کے منصب کے لیے کتاب وسنت کے نظام عدل
یذ احکام کی قوت وقدرت مطلوب ہوتی ہے اور امانت کے لیے اللہ کی خشیت مطلوب ہوتی ہے اور یہ
دنیا کے چند سکوں کے عوض نہ بیچا جائے ۔
سلام فرماتے ہیں ، مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کسی میں قوت اور امانت کے مطلوبہ اوصاف
اسی لیے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے : اللهم اشكو اليك جلد
الثقة ۔ اے اللہ ! فاسق وفاجر کی قوت اور نیک ومعتبر آدمی کی عاجزی کا شکوہ تجھی سے
س لیے منصب کی نوعیت کے اعتبار سے زیادہ نافع اور قلیل الضرر ذمہ دار کی تعیین ضروری ہے
سکے لیے قوی وشجاع آدمی کو اگرچہ اس میں فجور پائے جاتے ہوں ضعیف وعاجز شخص پر ترجیح
ہ امانت دار ہو ۔ امام احمد بن حنبل رح سے دو ایسے جنگی سپہ سالاروں کے متعلق دریافت کیا گیا ، جن
ہے ، دوسرا صالح ضعیف ہے ، دونوں میں سے کس کی قیادت میں جنگ کی جائے گی ؟ امام احمد رح
ی کی قوت مسلمانوں کے لیے ہے اور اس کے فجور کا وبال خود اس کے اوپر ہے ، لیکن صالح
وتقویٰ اپنی ذات کے لیے ہے اور اس کا ضعف مسلمانوں کے لیے ہے ، اس لیے قوی فاجر کی قیادت
گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : ان الله يؤيد هذا الدين بالرجل
تعالیٰ اس دین کو فاجر آدمی کے ذریعہ تقویت دیتا ہے ۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،
کے اسلام لانے کے وقت سے ہی جنگ کا سپہ سالار مقرر فرماتے تھے ، باوجودیکہ وہ کبھی ایسا کام کر گزرتے تھے ۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہوتا تھا، مثلاً ایک شبہ کی بنیاد پر بنو جذیمہ کا قتل اور ان کے اموال لے لینا یہ جائز نہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، آسمان کی سمت اپنے ہاتھ بلند کیے اور فرمایا: "اللّٰھم انی ابرأ الیك مما فعل خالد" اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے اپنی بے تعلقی کا اظہار تجھ سے کرتا ہوں۔" لیکن اس کے باوجود آپ خالد کو جنگی سپہ سالاری کے لیے ترجیح دیتے تھے، کیونکہ اس منصب کے لیے وہ دوسروں سے بہتر و اصلح تھے۔ لیکن صدق و امانت میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان سے بہتر تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ان سے فرمایا، اے ابوذر میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور ہو اور میں تمہارے لیے وہی بات محبوب رکھتا ہوں جو اپنے لیے محبوب رکھتا ہوں، دو آدمیوں کے بھی امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کے نگراں ہونا۔ (مسلم)

خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر رضی نے بھی خالد کو برابر اس منصب پر قائم رکھا، کیونکہ ان کے بقا میں مصلحت مفسدت پر غالب تھی اور کوئی دوسرا شخص اس ذمہ داری کا اہل نہ تھا۔ اس لیے کہ بڑے قائد کے اخلاق میں اگر نرمی کا پہلو غالب ہے تو بہتر ہے کہ اس کے نائب میں شدت کا میلان ہو اور جب بڑے قائد میں شدت کا پہلو غالب ہو تو اس کے نائب میں نرمی کا میلان ہو تاکہ اعتدال پیدا ہو جائے، اسی لیے حضرت ابوبکر رض خالد کو ترجیح دیتے تھے اور عمر بن خطاب بے نفس معزول کرنا بہتر سمجھا اور ان کی جگہ ابوعبیدہ بن جراح کی سالاری کو ترجیح دی۔ اس لیے کہ خالد رض عمر بن خطاب کی طرح سخت تھے اور ابوعبیدہ ابوبکر رض کی طرح نرم تھے۔ اس لیے دونوں خلفاء کی ترجیحات مصلحت کے لحاظ سے بہتر اور اصلح تھیں، تاکہ ہر ایک کا معاملہ معتدل ہو جائے اور اس کے ذریعہ وہ خلفاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہو جائیں جو بنفس نفیس معتدل تھے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "أنا نبی الرحمة انا نبی الملحمة" میں نبی رحمت ہوں، میں نبی جنگ ہوں، اور آپ کی امت معتدل اور وسط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: أشداء علی الکفار، رحماء بینھم " یہ مسلمان کافروں کے مقابلے سخت اور آپس میں رحم پرور ہیں۔

اور جب قیادت میں امانت کی سخت حاجت ہو تو امانت دار شخص کو ترجیح دی جائے گی تاکہ وہ اموال کا پوری طرح تحفظ کر سکے۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ قیادت کی صالحیت کی بنیاد یہ ہے کہ مناصب کی نوعیت کے لحاظ سے بہتر اور اصلح ذمہ دار اشخاص کو ترجیح دی جائے، شیخ الاسلام فرماتے ہیں، لیکن اصلح شخص کی معرفت اسی وقت ہو سکتی ہے، جب مقصد قیادت کا

علم حاصل ہو نیز مقصد قیادت کے وسائل کا علم بھی حاصل ہو، مقاصد اور وسائل کا جب پورا علم حاصل ہوگا تو قائد کے لیے بہتر اور اصلح ذمہ داران کے انتخاب کا معاملہ کامل ہو جائے گا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں ملوک کی تاریخ سامنے ہے جب اکثر ملوک نے دنیا کو مقصد بنالیا اور دین کو ترک کر دیا تو انھوں نے عہدوں اور مناصب کے لیے ایسے اشخاص کو ترجیح دی جو ان مقاصد پر ان کی مدد کر سکیں۔ جب کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تھی کہ جو لوگ مسلمانوں کو جمعہ اور جماعت کی نماز پڑھاتے تھے ان کے درمیان خطبہ دیتے تھے وہ سلطان کے نائب یہ سالاران جنگ ہوتے تھے، اسی لیے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھایا تو مسلمانوں نے انھیں جنگ کی سالاری کے لیے بھی آگے بڑھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو سالار جنگ مقرر فرماتے تھے تو اسے اصحاب کو نماز پڑھانے کا بھی حکم دیتے تھے، یا جب کسی کو کسی شہر پر اپنا نائب مقرر فرماتے تھے تو وہی اہل اسلام کو نماز پڑھاتے اور حدود قائم کرتے اور ایسا ہی ان کے نائبین بھی کرتے تھے جیسے کہ جنگ کے سالار کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کی اہم بنیادیں نماز اور جہاد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر احادیث نماز اور جہاد ہی کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الصلاۃ عماد الدین ، نماز دین اسلام کا ستون ہے، چنانچہ جب قائد اور اس کے نائبین نے دین کے ستون کو قائم کر دیا تو نماز تو وہ چیز ہے جو تمام بے حیائی اور منکرات سے روکتی ہے اور ان کے ماسوا تمام امور طاعات کے لیے مدد دیتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: واستعینوا بالصبر والصلاۃ وانها لکبیرۃ إلا على الخاشعین۔ (البقرہ: ۴۵)

صبر اور نماز کے ساتھ اللہ سے مدد چاہو، یہ بہت گراں ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں پر،

ایک مقام پر صبر اور نماز کے ساتھ اللہ سے مدد چاہنے کے بعد فرمایا: ان اللہ مع الصابرین ۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں: قیادت کا لازمی فریضہ اور مقصود خلق اللہ کی دینی اصلاح ہے، اس کے فوت ہو جانے سے ان کا خسران مبین میں پڑ جانا لازم ہے اور دنیا کی حاصل شدہ نعمتیں انھیں کوئی نفع نہیں دے سکتیں اور دنیا کے جن امور سے دین کا قیام ہوتا ہے اور قائد کے لیے جن کی اصلاح لازم ہے وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک یہ کہ جو لوگ مستحق ہوں ان میں مال کی تقسیم کی جائے، دوسرے جو لوگ حدود اسلامیہ کو توڑیں انھیں شرعی سزا دی جائے، اسی لیے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: انما بعثت عمالی الیکم لیعلموکم کتاب ربکم و سنۃ نبیکم و

ولیقسموا بینکم فیئکم ‏، میں نے اپنے نائبین تمہارے پاس اس لیے بھیجے ہیں تاکہ وہ تمہیں تمہارے رب کی کتاب سکھائیں اور تمہارے نبی کی سنت بتائیں، اور تمہارے درمیان تمہارا مال تقسیم کریں، لیکن جب افراد دو رُخ اختیار کرلیں اور قائدین کوئی اور رُخ تو احوال میں تناقض اور تضاد کا پیدا ہوجانا یقینی ہے۔ اس لیے کوئی قائد جب افراد کے دین و دنیا کی اصلاح امکانی حد تک کرے گا تو وہ اپنے دور کا افضل انسان ہوگا۔

چنانچہ مسند احمد میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ,, احب الخلق إلى الله امام عادل وابغضهم اليه امام جائر ،، خلق اللہ میں سب سے بڑھ کر محبوب اللہ کے نزدیک عدل پرور امام و قائد ہے اور سب سے مبغوض اس کے نزدیک غیر منصف امام و قائد ہے۔

اور صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سات طرح کے اشخاص ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے سایے میں رکھے گا، جس روز اس کے سایے کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ عدل پرور امام و قائد، ایسا جوان کہ اللہ کی اطاعت میں جس کی نشو و نما ہوئی، ایسا آدمی جس کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد مسجد میں لگا ہوا ہے، ایسے دو آدمی جنھوں نے اللہ کے لیے باہم محبت کی اسی پر ایک ساتھ رہے اور اسی پر الگ ہوگئے، ایسا آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کے آنسو بہہ پڑے، ایسا آدمی جسے معزز صاحب جمال خاتون نے برائی کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور ایسا آدمی جس نے کوئی صدقہ کیا تو اسے پوشیدہ رکھا راس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہیں کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں قیادت کا اصل مقصود یہ ہے کہ پورا کا پورا دین اور اطاعت اللہ کے لیے ہوجائے اور اللہ کا کلمہ ہی سب سے بلند ہو، کلمۃ اللہ قرآن مجید کے تمام کلمات الٰہیہ کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لقد أرسلنا رسلنا بالبيّنٰت وأنزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم النّاس بالقسط (الحدید ۲۵)

یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانات دیکر بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان ہم نے اتارا تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم رہیں، یعنی رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگ حقوق اللہ اور حقوق خلق اللہ میں عدل وانصاف پر قائم رہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وأنزلنا الحديد فيه بأس شديد ومنافع للناس، وليعلم الله من ينصره ورسله بالغيب ،، اور ہم نے لوہا پیدا کیا، اس میں سخت ہیبت ہے اور لوگوں کے لیے بڑے

للہ ان لوگوں کو نمایاں کردے جو بغیر دیکھے اس کے دین کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں ، یعنی جو
راض کرے گا لوہے سے سیدھا کر دیا جائے گا ۔ اسی لیے دین کا قیام مصحف اور تلوار ہی کے ذریعہ ہے ۔
ضی اللہ عنہ کی روایت ہے "امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نضرب بهذا
— من عدل عن هذا — يعني المصحف ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
م اس کے یعنی تلوار کے ذریعہ اسے ماریں جو اس سے یعنی مصحف سے اعراض کرے ۔
فرماتے ہیں جب امارت و قیادت کا مقصودِ اصلی یہی ہے تو اس مقصود سے قریب تر شخص کو ذریعہ
ے قیادت سونپی جائے گی ۔ مثال کے طور پر اگر قیادت اور ذمہ داری صرف نماز کی امامت کے
ترجیح دی جائے گی ، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجیح دی ہے ۔ آپ نے فرمایا ہے :
، اللہ کا زیادہ یاد رکھنے اور جاننے والا کرے گا ، اگر اس میں برابر ہوں تو سنت کا زیادہ جاننے
سنت میں بھی برابر ہوں تو پہلے ہجرت کرنے والا کرے گا ، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو عمر میں بڑا آدمی
ی قدرت و صلاحیت میں برابر ہوں اور یہ واضح نہ ہو سکے کہ بہتر اور اصلح کون ہے تو دونوں کے درمیان
یسا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کے دن اذان کے لیے لوگوں کے جھگڑنے پر قرعہ ڈالا تھا اور
وسلم کے اس فرمان کی متابعت کی تھی "لو يعلم الناس ما في النداء والصف
ل ثم لا يجدوا الا ان يستهموا عليه لاستهموا" اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے
ت میں کیا اجر ہے ، پھر اس کے لیے قرعہ اندازی کے سوا کوئی سبیل نہ ہو تو لوگ اس کے لیے قرعہ اندازی
ر کسی ذمہ داری نے کسی کو اس بنیاد پر ترجیح دی کہ اللہ کا حکم ظاہر ہو گیا اور اس کے عمل قرعہ سے
ذا ایسے شخص نے اس منصب کی امانت کو اس کے اہل کے سپرد کر دیا ۔ ●●●

(عبدالوہاب حجازی)

الانطلاق الفکری وجهود الشاہ ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ

العلامہ محمد اسماعیل السلفی رحمہ اللہ — تعریب الدکتور مقتدیٰ حسن الازہری

دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن

مکتبہ جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس سے طلب کریں

داڑھی کتنی بڑی ہو؟

مولانا محمد اسماعیل السلفیؒ

داڑھی کے خلاف آج کل ایک عالمگیر نفرت ہے ۔ مشرکین فرنگ، مشرکین مجوس و ہنود اور مشرکین یہود، بمشرکین اسلام کے ساتھ اس نفرت میں پوری طرح متفق ہیں "والمتفرنجون لهم بعد ذلك ظهير" اور اہل علم اس میں متساہل اور خاموش، روشن خیالی کی آرزو میں روشن ضمیری سے دستکش ہونے کے لیے عملاً تیار۔ ملک کے اہم مسائل کی آڑ میں تعلیم یافتہ طبقہ مصر ہے کہ سنت نبوی کی جگہ انھیں سنت یورپ پر عمل کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے ۔ وقت کے مسائل کو حل کرنے کا یہ عجیب حیلہ ہے اور حیرت انگیز انکشاف ۔ گویا وقت کے اہم اور موسم کے مشکل مسائل کا حل صرف چہرے کے چند بالوں کو اڑا دینے پر موقوف ہے، ہم ایسے قدامت پسندوں کے لیے اس منطقی ربط کا سمجھنا قطعی ناممکن ہے جو ان مسائل اور بالوں میں پایا جاتا ہے، اس لیے ترقی پسند حضرات کی ہر سرزنش بجا اور برمحل ۔

اصلاح اور اثر : اسلام نے ایک جامع دعوت دنیا کے سامنے پیش فرمائی ہے، جس میں اعتقاد، عمل اور جو آثار ان پر مرتب ہوتے ہیں سب کو یکساں ملحوظ رکھا ہے اور ہر ایک کو دعوت میں مناسب جگہ دی ہے ۔ اسلام کی نظر میں وضع کی درستگی اصلاحِ قلب کا لازمی سا اثر ہے : ان في الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب ۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ وضع درست ہو اور دل درست نہ ہو لیکن یہ مشکل ہے کہ دل درست ہو اور وضع پر اس کا کچھ اثر نہ پڑے ۔ اسی لیے ان آثار کی تبدیلی پر کوئی سزا نہیں دی گئی ۔ اعتقاد و عمل کے بعد کھلا چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ اس کا اثر خود بخود ظاہر ہو ۔

اصلاح وضع میں داڑھی کے بالوں کو شرعاً خاص اہمیت حاصل ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فطری عادت قرار دیا ہے ۔ بعض احادیث میں خصائل فطرت پانچ آئی ہیں (بخاری) ۔ بعض میں ان کی کل تعداد دس بتائی گئی ہے (مسلم

ابوداؤد) صحیح یہ ہے کہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔ دائیں اور بائیں ہاتھ کے کاموں کا امتیاز اسی قسم کا تہذیبی مسئلہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور تک انبیاء اور صلحاء ان عادات کے پابند رہے اور ان عادات کی پابندی کو امتِ اسلامیہ کا شعار قرار دیا گیا، شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

اقول، هذه الطهارات منقولة عن ابراهيم عليه السلام متداولة في طوائف الامم الحنيفة لله بث في قلوبهم دخلت في صميم اعتقادهم عليها محياهم وعليها مماتهم عصرا بعد عصر ولذلك سميت بالفطرة وهذه شعائر الملة الحنيفة ولابد لكل ملة من شعائر يعرفون بها الخ (حجۃ اللہ البالغہ مصری ج ۱ ص ۱۸۲، ج ۲ ص ۱۹۱)

یہ پاکیزہ عادتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں۔ تمام موحدین ان کی پابند ہیں۔ ان لوگوں نے دل سے اسے پسند کیا اور ان کے معتقدات کی یہ عادتیں جزو بن گئیں، ہر ملت کے لیے ایسے نشانات کی ضرورت ہے جن سے وہ پہچانے جائیں اور ضروری ہے ان کی وضع اس کی نظیر ہے۔

غرض اگر ملت کا دینی مزاج درست ہوگا تو یہ نشانات یقیناً اسے پسند ہوں گے، اگر دینی مزاج بگڑ جائے تو ان مقدس عادتوں سے خود بخود انحراف شروع ہو جاتا ہے۔ مزاج ملت کے لیے ایسے شعائر نبض کا حکم رکھتے ہیں:

اللهم وفقنا لما تحب وترضى۔

مسئلہ کی اہمیت: ان شعائر کے ترک سے خروج عن الملۃ یا ارتداد تو لازم نہیں آتا لیکن انبیاء اور دانشورانِ فطرت کی راہ سے انحراف ضرور ہو جاتا ہے۔ ان دس خصلتوں میں تجمل اور نظافت کا بہت حد تک خیال رکھا گیا ہے۔ اسی سے نظافت پسند غیر مسلموں نے بھی نظافت کے نقطۂ نگاہ سے ان عادات کی پابندی کی کلمۃ الحکمۃ ضالۃ الحکیم۔

مشرکین ہنود اور فرنگی تہذیب کی آمیزش نے عوام میں داڑھی بڑھانے کے متعلق عجیب قسم کے خیالات پیدا کر دیے ہیں۔ ایک مختصر سی جماعت کے سوا جو اس کو دینی شعار سمجھتی ہے، عوام کی غلط روی اس معاملہ میں واضح ہے کسی نائی کی دکان پر چند منٹ ٹھہر کر دیکھیے کہ وہاں کاٹ چھانٹ کے کتنے نمونے بنتے ہیں اور کتنے خوش منظر چہرے حجام کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں اور چھیل چھلا کر فرسودگی سے واپس ہوتے ہیں۔ ان في ذلك لعبرة۔ گناہ کے عموم سے بے حسی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ عوام تو خیر عوام ہیں علماء بھی ان مسائل پر گفتگو کرنے سے ہچکچاتے ہیں

احادیث اعفاء کی تاویل اس طرح کی جاتی ہے کہ مداہنت کا واہمہ بھی نہ ہو، روشن خیالی بھی قائم رہے اور موجودہ فیشن پرستی کے لیے سند جواز بھی حاصل ہو جائے۔

اصحابِ عزیمہ : ایسے حالات میں اصحاب عزیمت کی رفتار تیز ہو جانی چاہیے سنن نبویہ پر بوقت فساد عمل کرنے سے سو شہید کا ثواب فرمایا ہے۔ سنت کی ترویج اور اس اجر عظیم کے لیے اس سے بہتر وقت کون سا ہوگا۔؟ روشن خیالی وہی درست ہوگی جس کے ساتھ روشن ضمیری ہاتھ سے نہ جائے۔ ضرورت ہے امر بالمعروف کے تمام ذرائع اس وقت جمع کر دیے جائیں تاکہ عوام کم از کم اتنا تو محسوس کریں کہ وہ غلطی کر رہے ہیں اور ان کے دلوں میں اعمال صالحہ اور سنن صحیحہ کے لیے جستجو اور خلش باقی رہے۔ وہ گناہ کو گناہ سمجھ کر کریں اور غلطی کو غلطی سمجھیں۔ اس مسئلہ پر لکھتے وقت میں خود بھی سوچتا ہوں کہ اسے پڑھ کر عوام کے تاثرات کیا ہوں گے، جبکہ علماء کا شیوہ بھی تساہل کی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ یورپ زدہ ذہن تو شاید یہ سننا بھی گوارا نہ کرے کہ داڑھی شعائر اسلام سے ہے۔ تاہم میں بے امید نہیں چند آدمی بھی اس جمود عام میں اس سنت کے صحیح مقام کو سمجھ جائیں تو اس ظلمتستان میں غنیمت ہوگا۔

اس معاملہ میں احادیث صحیحہ کا منشاء :

۱۔ عَنِ ابنِ عمر عَنِ النبیّ صلی اللہ علیہ وَسلم قالَ خالِفوُا المشرِکینَ وفرّوا اللّحیٰ واحفوُا الشوارِبَ۔ (صحیح بخاری مع الفتح ص ۲۷۳ ج ۱)

۲۔ ایضاً عنہ قال رَسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھکوُا الشّوارِبَ واعفوُا اللّحیٰ (حوالہ مذکور)

۳۔ عنہ ایضاً انّہٗ اَمَرَ باِحفَاءِ الشّوارِبِ وَاِعفَاءِ اللحیۃ۔ (صحیح مسلم ابوداؤد ص ۱۲۹ ج ۱)

۴۔ عن عائشۃ قالت قال رَسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر مِنَ الفِطرَۃِ قصُّ الشّوارِبِ وَاِعفَاءُ اللحیَۃِ الخ

۵۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رَسُول اللہ صلی اللہ عَلَیہِ وسلم جزّوا الشّوارِبَ وارخوا اللّحیٰ وَخالِفوا المجُوسَ (ابوداؤد، مسلم ص ۱۲۹ ج ۱)

۶۔ وفی حدیث احفوُا الشّوارِبَ وَاَوفُوا اللّحیٰ۔ (مسلم ص ۱۲۹ ج ۱)

۷۔ وفی شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنّہٗ کان کثّ اللحیۃِ (شمائل ترمذی)

ان احادیث کا مفاد یہ ہے کہ لبوں کے بال منڈوا دیے جائیں یا جڑ سے کٹوا دیے جائیں اور ڈاڑھی پوری طرح بڑھائی جائے۔ احادیث زیر قلم سے داڑھی بڑھانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بعض احادیث میں یہ ذکر بصیغۂ امر آیا ہے اور بعض میں بلفظ امر اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک بہت بھاری تھی۔ وجوب و اباحت کی اصطلاحی مباحث کو نظر انداز کر کے بھی کسی حکم کا جو مفاد ہو سکتا ہے اور امر ان الفاظ سے جن نتائج کا خواہش مند ہو سکتا ہے ان سے اغماض نہیں کیا جا سکتا۔ جب یہ معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی اطاعت پر امت مجبور نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح صریح احادیث کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کے عمل کو اہمیت نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی تعارض یا ترجیح کسی دوسرے کا حق ہے۔ اگر تاویل کی ضرورت ہو تو امت کے اقوال و اعمال میں ہونی چاہیے۔ پیغمبر کو امت کے تابع نہیں کرنا چاہیے۔ صحابہؓ ہوں یا افراد امت مقام نبوت کی تقدیس کو نہیں پہنچ سکتے۔ اطاعت کا عہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا ہے، افراد امت سے نہیں۔

نص حدیث: حدیث میں اس مفہوم کو پانچ الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ أَوْفُوْا - أَعْفُوْا - أَرْخُوْا - أَرْجُوْا، وَفِّرُوْا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں۔

معنی کلہا ترکہا علیٰ حالہا هذا هو الظاهر من الحديث الذی یقتضیه الالفاظ وهو الذی قاله جماعة من اصحابنا وغيرهم من العلماء۔ (نووی ص ۱۲۹ ج ۱)

ان تمام الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ داڑھی اپنی حالت پر چھوڑ دی جائے۔ اور حدیث کا ظاہر یہی مطلب ہے اور علماء کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔

... ...

قال فی مجمع البحار ص ۴۰۳ ج ۲ فیہ امر باعفاء اللحیٰ وهو ان یوفر شعرها ولا یقص کالشوارب الخ اس میں داڑھی بڑھانے کا حکم ہے۔ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ومعنی الکل ترکها علیٰ حالها ویکره حلقها وقصها الخ۔ ان تمام الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ داڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے نہ کتروایا جائے نہ منڈایا جائے۔ قال النووی اترکوها ولا تتعرضوا لها بتغییر (ص ۱۲۹ ج ۱ نووی)

داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور اس میں کوئی تبدیلی نہ کرو۔ قال الطبری ذهب قوم الیٰ ظاهر الحدیث فکرهوا تناول کل شیئ من اللحیة من طولها وعرضها - (فتح ص ۲۴۲ ج ۱۰) ایک جماعت نے حدیث کے صریح مفہوم کو پسند فرمایا اور طول و عرض سے کٹانا ناپسند کیا ہے۔

قال عیاض یکرہ حلق اللحیۃ وقصہا وتحذیفہا الخ قاضی عیاض فرماتے ہیں: داڑھی منڈانا کترنا، اس میں کمی کرنا ناجائز ہے، لیکن طولِ فاحش میں کمی درست ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر حدیث کے خلاف ہے۔

مفہوم لغوی : اب اعفاء، ارخاء، ایفاء، ارجاء، توفیر کے لغوی معنی پر غور فرمائیے۔ ان الفاظ میں تکثیر و تکمیل کے معنی کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مفہوم کمی اور نقص کے منافی ہے، جو حلق اور تقصیر کا لازمی مفاد ہے۔ صاحب جامع الصحیح رحمہ اللہ نے لغوی شہادت کے طور پر آیت سورۃ اعراف کا ذکر فرمایا ہے: حتی اذا عفوا کثروا وکثرت اموالہم یعنی ان کے مال اولاد میں بڑی کثرت ہوگئی ہے۔

قال ابن قتیبہ حتی عفوا اے کثروا ومنہ الحدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر ان تحفی الشوارب و تعفی اللحی اے توفر (قرطبی صہ۱۷۹)

عفو کے معنی کثرت کے ہیں۔ اور حدیث اعفوا اللحی کا بھی یہی مطلب ہے۔

ابن دقیق العید فرماتے ہیں: حقیقۃ الاعفاء الترک وترک التعرض للحیۃ یستلزم تکثیرھا (فتح الباری ص۱۷۳، جلد۱)

عفا الشیٔ کثر وفی التنزیل حتی عفوا اے کثروا (ویقال) عفرت الشعر عفوا وعفیہ واعفیتہ عفیا ترکتہ حتی یکثر ویطول ومنہ احفوا الشوارب واعفوا اللحی (مصباح المنیر مختصراً)

قال الراغب اعفیت کذا ای ترکتہ یعفوا ویکثر ومنہ قیل اعفوا اللحی و العفاء ماکثر من الوبر والریش الخ (مفردات القرآن)

نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں: "مراد باعفاء گزاشتن ریش برحالِ اوست بدون حلق وتکثیر وانبوہ کردن او" (ہدایۃ السائل ص۱۲)

پھر فرماتے ہیں "ابو حنیفہؒ گفتہ اعفاء لحیہ ترک اوست تا آنکہ انبوہ وبسیار شود۔"

(ہدایۃ السائل ص۱۲)

قال عیاض قولہ امر باعفاء اللحیٰ ای بتوفیرھا یقال عفا الشئ اذا کثر و یقال
یہ اعفیت الشئ و عفیتہ اذا کثرتہ و تفسیرہ فی الحدیث الآخر فیرد اللحیٰ و منہ
الحدیث الآخر اذا دخل صفر و عفا الوبر الخ (مشارق الانوار ص ۹۰ ج ۲) کذا
القاموس والمنجد والنہایۃ و اقرب الموارد وغیر ذالک من کتب اللغۃ و شروح
لحدیث۔

ان تمام حوالوں کا منشا یہ ہے کہ عفو کے معنی لغۃً میں تکثیر اور انبوہ کے ہیں اور داڑھی کے معاملہ میں آنحضرت
لی اللہ علیہ وسلم کا یہی مقصود ہے، کیونکہ اسلامی وضع میں یہ ایک اہم اسلامی شعار ہے۔

داڑھی بڑھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اور اس کی ضرورت بھی
تھی۔ یہ تو فطرت کا طبعی فعل ہے۔ اس کے لیے قانونی حد مقرر نہیں کی جا سکتی، کہیں چند بالوں تک یہ قصہ ختم ہو جاتا
ہے اور کہیں پوری چھاتی اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔ البتہ کترنا چونکہ انسانی فعل ہے، اس کی تحدید ضروری
ہے اور دلیل بذمہ مدعی۔ ارخاء، رخار، استرخار، رخویہ قریب المعنی الفاظ ہیں جن میں نرمی و وسعت
ہوتی ہے۔ فرس رخاء ای وسیع الجری۔ ارخوا اللحیۃ۔ کا معنی یہ ہوگا کہ اسے اپنی طبعی
رفتار سے لٹکنے اور بڑھنے کا موقع دیا جائے۔

وفا، ایفاء، توفی: یہ الفاظ تکمیل و اتمام کی تعبیر کے لیے مستعمل ہوئے ہیں۔ قال الراغب الوافی
الذی بلغ التمام یقال درھم واف وکیل واف و اوفیت الکیل والوزن الموفون بعھدھم
وغیرہ اسند میں اتمام و تکمیل کا مفہوم ظاہر ہے گویا ریش کا شرعاً کامل رکھنا ضروری ہے۔ کذا فی وادی اللغۃ)

ارجاء: اس کے معنی تاخیر اور مہلت کے ہیں۔ وآخرون مرجون لامر اللہ۔ ارجوا اللحیٰ اسی
مادہ سے ماخوذ ہے۔ یعنی بالوں کو چھوڑ دو۔ اس تاخیر کے لیے بڑھنا ضروری ہے اور یہی شارع علیہ السلام کا
مقصود ہے۔

وفر، وفور، توفیر، الوفر المال اتمام یقال وفرت کذا تممتہ وکملتہ ویقال ان
جھنم جزاءکم جزاء موفور او وفرت عرضہ اذا لم تنقصہ (مفردات القرآن) وفروا
اللحیٰ۔ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں، جس کا مطلب ہوگا کہ داڑھی کو مکمل کرو۔ اتمام و تکثیر اس کے معنی میں ضروری ہیں۔

مصباح، مختار الصحاح و دیگر کتب لغت ان معانی پر متفق ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زبان جانتے تھے تو پھر ان الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ ان مرفوع احادیث کا مطلب تو یہی ہے کہ داڑھی کو اپنی طبعی حد تک پہنچنا چاہیے، نہ اس میں منڈانے کی گنجائش ہے نہ قصر فاحش کی۔ بلکہ یہ سبزہ اپنی طبعی رفتار سے بڑھنا چاہیے اور اسے چہرے کی زینت رہنا چاہیے۔

جہاں تک صحیح احادیث کا تعلق ہے کوئی حدیث منڈانے یا کترانے کے جواز میں میری نظر سے نہیں گزری۔ جامع ترمذی میں ایک حدیث بواسطہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ باین الفاظ مروی ہے :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاخذ من لحیتہ من عرضہا وطولہا۔

(ترمذی مع تحفہ ص ۱۱ ج ۴) ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کے طول وعرض سے کچھ بال لے لیا کرتے تھے۔

یہ حدیث بشرط صحت پراگندہ بالوں کی دلیل ہوسکتی ہے۔ لیکن حدیث میں کئی وجوہ سے کلام ہے

۱۔ حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ایسی نہیں ہے جس سے بصورت انفراد کوئی حکم ثابت ہوسکے۔

۲۔ اگر اس میں نکارت نہ بھی پائی جائے تو بھی صحیحین کی احادیث اس کے خلاف ہیں۔

۳۔ اس کی سند میں عمر بن ہارون راوی ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں، ان کی یہ روایت بالکل بے اصل اور منکر ہے۔

۴۔ عمر بن ہارون منفرد ہیں اور ان کا کوئی متابع نہیں۔

۵۔ عمر بن ہارون تفرد کے علاوہ ضعیف ہیں، عبدالرحمٰن بن مہدی امام نسائی فرماتے ہیں، یہ متروک الحدیث ہیں، یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کذاب اور خبیث ہے، ابوداؤد فرماتے ہیں، ثقہ نہیں۔ ابن مدینی اور دارقطنی فرماتے ہیں، سخت ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال تقریب)

ایسی روایات سے نہ کوئی مسئلہ ثابت ہوسکتا ہے اور نہ ہی ترجیح دی جاسکتی ہے۔

شعار المشرکین : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خالفوا المشرکین اس کی تفسیر میں مجوس اور یہود دونوں کا ذکر آیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین میں منڈانے اور کترانے کی دونوں عادتیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت کے لیے حکم فرمایا بلکہ تاکید فرمائی کہ ہم اپنی وضع ان سے بیدار رکھیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: فانہم کانوا یقصون لحاھم ومنہم من کان یحلقہا (فتح ج ۲۴)

ایک قوم نے داڑھی منڈانا شروع کیا اور یہ مجوس سے زیادہ برے ہیں کیونکہ وہ کتراتے تھے۔

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ مشرکین عموماً کترانے کے عادی تھے، منڈانے کا زیادہ رواج حافظ ابوشامہ کے زمانہ میں ہوا۔ مجوس میں منڈانے کی عادت کم تھی گویا حدیث خالفوا المشرکین میں کترانے کو برا سمجھا گیا ہے اس کے باوجود یہ دونوں فعل ناجائز ہیں اور ممنوع

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین میں قصر فاحش کا رواج تھا، اسی سے بعض سلف نے قبضہ کو قصر کی آخری حد سمجھا۔ اس سے کم کرنا مشرکین کی مشابہت ہے جس سے حدیث میں بصراحت روکا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ مشرکین کی وضع اور زی کے سخت مخالف تھے، جیسے کہ ان کے مکاتیب سے واضح ہے، کیونکہ جب اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں رہ نمائی فرماتا ہے تو پھر وضع کا شعبہ اس رہ نمائی سے کیوں محروم ہو۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں۔

قصر اللحیة من صنع الاعاجم وھو الیوم شعار کثیر من المشرکین کالافرنج والھنود ومن لاخلاق لہ فی الدین من الفرق الموسومة بالقلندریة (مجمع البحار ۴/۳۱۲)	داڑھی کٹانا اکثر فرنگیوں اور ہنود مشرکوں کی عادت ہے، اور ایک بے دین فرقہ قلندریہ کا بھی یہی شیوہ ہے۔

جب مشرکین میں قصر کا رواج زیادہ تھا تو منڈانے کے ساتھ کترانا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔ مجوزین قصر کے نزدیک اس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہوگا کہ قبضہ سے کم نہ ہو، کیونکہ یہی قصر فاحش ہے جو مشرکین کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشابہت سے روکا۔

اگر قصر کا معیار ہر شخص کی صوابدید کو قرار دیا گیا تو حدیث خالفوا المجوس بالکل بے مقصد رہ جائے گی۔ آخر وہ کون سا قصر ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور حدیث نہی کا انطباق قصر کے کون سے افراد پر ہوگا۔ حضرات معاصرین سنجیدگی سے تحدید قصر پر غور فرمائیں۔

صحابہ کرامؓ: سنت صحیحہ کے بعد جہاں تک عمل و اعتقاد کا تعلق ہے، کسی دوسرے شخص کی طرف توجہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم صحابہ کے مقام کی رفعت معلوم ہے، ان کے اعمال و ارشادات تسکین قلب میں اضافہ کا موجب ہیں۔ اس لیے "مذاہب صحابہ" کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حضرت جابرؓ: عن جابرؓ کنا نعفی السبال الا فی حج وعمرة (ابوداؤد مع بذل المجہود)
حج اور عمرہ کے سوا ہم داڑھی کے بال بڑھایا کرتے تھے۔
سبال سبلہ کی جمع ہے۔ شوارب کے آخری بالوں کو بھی کہا جاتا ہے اور سامنے کے بالوں کو بھی جو سینہ پر پھیلاتے ہیں (مجمع البحار ج۲) یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔ الفاظ حدیث سے جمہور صحابہ کے دائمی عمل کا پتہ چلتا ہے کہ ان میں کٹانے کا رواج نہ تھا بلکہ سب بڑھایا کرتے تھے۔ قرین قیاس بھی یہی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً بشرط صحت کترانا ثابت نہیں۔ نواب صدیق حسن فرماتے ہیں۔

حضرات عمرؓ و عثمانؓ:

لیکن عمر و عثمان رضی اللہ عنہم را ریش و راز زاید بر قبضہ بود و ایں ناظر در ارسال است ولہذا فقہا ارسال را مباح داشتند و علیہ مبارکہ بوے آمدہ کث اللحیۃ یملأ الصدرہ یعنی انبوہ ریش کہ پرمیکرد سینہ را الخ (ہدایۃ السائل ص ۱۲)

حضرت عمر، عثمان، علی کی داڑھیاں قبضہ سے زیادہ تھیں، یہ ارسال کی دلیل ہے، اس سے فقہا نے ارسال کی اجازت فرمائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ میں مرقوم ہے کہ حضرتؐ کی داڑھی سینے پر چھائی ہوئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ: عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ حج اور عمرہ سے جب فارغ ہو کر احرام کھولتے تو داڑھی کے زائد بال کٹوا دیتے۔ وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ (الجامع الصحیح ص ۸۷۲ ج۱ ایضاً زرقانی مع المؤطا) صحابہ عموماً اور عبداللہ بن عمر خصوصاً اتباع سنت میں مشہور ہیں، لیکن ان کا یہ فعل سنت صحیحہ کے خلاف ہے۔

۱۔ اس لیے کہ موقوف آثار سنن صحیحہ سے متعارض نہیں ہو سکتے

۲۔ صحابہؓ کا اجماع یا جمہور صحابہ اگر عملاً کسی سنت صحیحہ کے خلاف ہوں تو حدیث کے مطلب پر غور کی ضرورت ہے۔ لیکن افراد کے اختلاف میں سنت صحیحہ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ پیش نظر مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔

۳۔ عبداللہ بن عمرؓ حدیث اعفاء لحیہ کے راوی ہیں، ائمہ حدیث اور جمہور ائمۂ اسلام کے نزدیک مرفوع صحیح حدیث ہی معمول بہا ہوگی (خلافاً لجمہور الحنفیۃ) امام شوکانی فرماتے ہیں:

ولا یضرہ عمل الراوی بخلافہ خلافا — راوی کا عمل حدیث کے خلاف حدیث کو کوئی نقصان،

لجمهور الحنفية وبعض المالكية لانا متعبدون بما بلغ الينا من الخبر ولم نتعبد بما فهمه الراوي ولم يأت من قدم عمل الراوي على روايته بحجة تصلح الاستدلال۔

نہیں پہنچا سکتا (خلافاً للحنفیہ) ہم اتباع حدیث کے پابند ہیں۔ فہم روایت کے پابند نہیں۔ جو لوگ عملِ روایت کو مقدم سمجھتے ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

(ارشاد الفحول ص ۵۳ کتاب الاحکام ابن حزم)

. . . .

۴: بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ابن عمر صرف حج یا عمرہ ہی میں ایسا کرتے تھے (زرقانی صد ۲۵۰) جامع صحیح میں بھی یہ تخصیص موجود ہے۔ جہاں یہ تخصیص نہیں ممکن ہے تصرف رواۃ سے ایسا ہوا ہو۔

۵۔ سابقہ گزارشات ظاہر معنی کی بنا پر تھیں۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ داڑھی کے پراگندہ بالوں کو اطرافِ لحیہ سے پکڑ کر درست فرما دیا کرتے تھے۔ اس اثر میں قبضہ سے مراد پیمائشی قبضہ نہیں، جیسے قرآن میں ہے: ثم قبضناه الينا قبضاً يسيرا۔ یہاں قبض بمعنی اخذ آیا ہے۔

وانكر ابن التين ظاهر ما نقل عن ابن عمر فقال ليس المراد انه كان يقتصر على قدر القبضة من لحية بل يمسك عليها فيزيل ما شذ منها فيمسك من اسفل ذقنه باصابعه الاربعة (فتح الباری ص ۲۷۳ ج ۱۰)

ابن عمرؓ کا یہ منشاء نہیں کہ قبضہ سے زائد داڑھی کاٹ دی جائے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ذقن کے نیچے کے بال چاروں انگلیوں سے پکڑ کر کاٹ دیا کرتے تھے یعنی پراگندہ بال طول و عرض سے لیا کرتے تھے۔

یہ معنی احادیثِ صحیحہ سے متعارض نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا جذبۂ اتباعِ سنت اسی معنی کا مقتضی ہے جذبۂ اتباعِ سنت سے، خلافِ سنت کو سنت ثابت کرنا مضحکہ خیز استدلال ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کے داڑھی کٹوانے سے اگر کتروانا سنت ہو سکتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کا حکم اور عمل داڑھی بڑھانا سنت نہ ہوگا۔ آیا عبداللہ بن عمر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سنت کی محبت زیادہ تھی۔ العجب۔

تفرداتِ صحابہؓ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً کوئی سنت ثابت ہو تو صحابہؓ کے انفراد سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شغف بالسنۃ سنتِ ثابتہ کے خلاف استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ صحابہؓ سنت کے عاشق تھے، ان کا عمل اسی صورت میں دلیل ہو سکتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

صراحۃً اس باب میں کچھ ثابت نہ ہو۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحت آجائے تو اصل سنت وہی ہوگی، بعض صحابہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تعداد ثابت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر رضؓ نے ایک دفعہ کی تین طلقات کو ایک سمجھا، حضرت عمر رضؓ نے انھیں تین ہی نافذ فرمادیا (مسلم)
حضرت عمر رضؓ متعۃ الحج کو ناپسند کرتے تھے۔ (مسلم)

عروہ بن زبیر لڑکا ہو یا لڑکی ایک ہی بکری کافی سمجھتے تھے۔ (موطا مع زرقانی صہ ۹۸ جلد ۳)

عبداللہ بن عمر رضؓ بھی عقیقہ میں عروہ بن زبیر سے متفق تھے (زرقانی ص ۹۸ ج ۳)

ابراہیم بن حارث چڑیا کے ساتھ عقیقہ جائز سمجھتے تھے۔ (موطا ص ۹۸ جلد ۳)

عبداللہ بن مسعود رضؓ رکوع میں تشبیک کے قائل تھے، حالانکہ سنت صحیحہ اس کے خلاف ہے (ترمذی وغیرہ)

بعض صحابہ مرغی اور انڈے تک کی قربانی جائز جانتے تھے (محلی ابن حزم)

حضرت عائشہ رضؓ عورت کی ولایت کو جائز سمجھتی تھیں۔ والحدیث علیٰ خلافہ

ایسے مسائل میں صحابہ کے عمل سے سنت ثابت نہیں ہوگی اور نہ ہی صحابہؓ پر طعن کیا جائے گا۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ جنگ جمل اور جنگ صفین نے اس حقیقت کو اور بھی واضح کردیا ہے۔

حضرت عمر رضؓ اور ابوہریرہ رضؓ: حضرت عمر رضؓ کا ایک اثر فتح الباری میں مجملاً آیا ہے۔ حافظ احمد اللہ نے اسے طبری کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے اور سند نہیں لکھی۔ عمدۃ القاری نے اس کی تھوڑی سی تفصیل فرمائی ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے ایک آدمی کو دیکھا، اس کی داڑھی بہت لمبی اور پراگندہ تھی۔ آپ نے اس کی داڑھی کاٹ دی۔ علامہ عینی نے یہ روایت بصیغۂ تمریض ذکر فرمائی ہے۔ امام احمدؒ نے مسند عمر میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

یوں بھی اس کا تعلق پراگندگی کے ساتھ ہے، اس میں داڑھی کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا ذکر بالاصالت نہیں۔ حضرت عمر رضؓ کا مقصد یہ ہے کہ پراگندہ نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت داڑھی کٹانے کا رواج نہیں تھا، لوگ سنت کے مطابق داڑھی بڑھاتے تھے۔ حضرت عمر رضؓ اگر اسے گندا نہ سمجھتے تو کٹانے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔ پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت عمر کی ریش مبارک بھی قبضہ سے زیادہ تھی۔

اسی طرح حضرت ابوہریرۃ رضؓ کے متعلق مذکور ہے کہ وہ قبضہ سے زیادہ کتراد یا کرتے تھے۔ یہ اثر بے سند ہے۔

دثین نے اس قسم کے آثار پر اعتماد نہیں فرمایا، نہ ہی ان کی اسانید کے متعلق کوئی ذمہ داری لی ہے۔
اگر صحیح سند سے ان کا ثبوت مل بھی جائے تو احادیث سے تعارض کی صورت میں صحیح احادیث کو ترجیح دی جائے گی۔
ایک مرسل روایت کا ذکر صاحب اتحاف النبلاء نے بحوالہ فوائد ابن قیم ذکر فرمایا۔ ابن قیم کی فوائد اور بدائع
د جھپ چکی ہے۔ ان میں ایسی کوئی حدیث نہیں ملی۔ ویسے ہی یہ روایت بواسطہ ابو صالح السمان (ذکوان) مرقوم
ابو صالح اوساط تابعین سے ہیں ۱۰۱ھ میں انتقال فرمایا اس لیے حدیث مرسل ہوگی۔ مرسل کی حجیت آئمہ
ں اور اہل حدیث کے نزدیک معلوم ہے جن صحیح روایات کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں آثار و مراسیل کا یہ مختصر اور مشکوک
ان کے مقابل معرض بحث میں نہیں آ سکتا۔

موجودہ فیشن: جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا تعلق ہے حلق اور قصر فاحش معصیت
اور کبیرہ گناہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام کی مخالفت۔ تعجب یہ ہے کہ عوام کی بدعملی کے سبب
پڑھے لکھے لوگوں نے بھی اس میں تاویل شروع کر دی اور عوام کی خوشنودی کے لیے تاویل اور حیل کا افتتاح فرما دیا
ام میں ان کی روشن خیالی کا چرچا ہو۔

مشرکین مجوس میں قصر فاحش کا عام رواج تھا اور خالفوا المشرکین فرما کر اس قصر سے روکا گیا۔ اگر
تحدید شرعانہ کی جائے تو حدیث اعفوا اللحی بے معنی ہو کر رہ جائے گی کیونکہ جنس اعفار تو قصر اور حلق کی
ورت میں پائی جاتی ہے۔ جب تک مشرکین کے قصر کو سمجھ نہ لیا جائے اس کی کوئی صورت ذہن میں نہ آ جائے۔ ان
لفت کا بھی کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ حدیث خالفوا اور حدیث اعفار صرف ایک قضیہ مفروضہ ہو کر رہ جائے گی
مقام پر عوام کے ساتھ بعض اہل علم بھی مبتلا ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس مقام کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے۔
لک من هلك عن بينة ويحيى من حي عن بينة

متذکرہ دونوں صورتیں قطعی طور پر خلافِ سنت ہیں۔ ترکِ سنت چونکہ کفر نہیں۔ اس لیے عموماً مجلسی طور
پہ گوارا کیا جاتا ہے اور شاید اسی وجہ سے یہ معصیت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس تساہل کو جواز و اباحت کی
نہ سمجھا جائے۔ ہمارے معمولات میں اس قسم کی چیز عقہ ہے۔ اس کی حرمت میں بعض اہل علم کو تامل ہے لیکن
ی مضرت میں کوئی اختلاف نہیں اور اس کا غیر مفید ہونا قریباً مسلم ہے اور سوسائٹی میں اس کا استعمال اس
ناسے ہے کہ بعض وقت سوسائٹی کی ذہنی افتاد پر افسوس ہوتا ہے۔ تاہم کثرت استعمال اور اس بلیہ کے عموم

کو اس کے جواز یا استحسان کی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اصحاب عزیمت کا فرض ہے کہ معاشرہ میں ایسی خرابیوں کے وقت اصلاحِ حال کی پوری کوشش فرمادیں۔

بلیک مارکیٹ، ذخیرہ اندوزی، منافع خوری، سود کی بعض صورتیں ہمارے معاشرے میں عام ہو رہی ہیں رشوت، کنبہ پروری ہمارے ذمہ دار طبقہ کا عام روگ ہے لیکن اسے جواز یا اباحت کی دلیل نہیں تصور کیا جا سکتا۔ زیرِ مسئلہ کو ہی دیکھیے، آپ اس کے خلاف کہیں تو لوگ تعجب انگیز نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھیں گے۔ لیکن یہ جواز کی دلیل نہیں قرار دی جا سکتی۔

۳۔ بعض لوگ قبضہ سے زائد کٹوا دیتے ہیں۔ جس کے لیے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کے اثر سے استدلال کیا گیا۔ آثار کی بحث بلحاظ ثبوت پہلے گزر چکی ہے۔ نواب صدیق حسنؒ فرماتے ہیں۔

ہمچنیں حکایت ایں فعل بعض اہل علم از جماعتے از تابعین و استحسانش از شعبی و ابن سیرین نقل کردہ اند۔ و مذہب ابوحنیفہؒ و ابویوسفؒ و محمدؒ نیز ہمیں است کہ طول لحیہ بقدر قبضہ باید و قطع ما ورائے او واجب است (ہدایۃ السائل ص ۷۷)

تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے کہ قبضہ سے زائد کٹا دینا ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں کوئی حدیث منقول نہیں۔ کٹانے کے باب میں یہی حد ہے، جسے فعلِ صحابہ کی بنا پر مباح کہا جا سکتا ہے گو عام صحابہ کا عمل اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کا اثر بروایت ابوداؤد پہلے گزر چکا ہے۔

۴۔ داڑھی کے طول و عرض سے بکھرے ہوئے بال کترا دینا، یہ صورت درست ہے اور حدیثِ اعفاء کے خلاف بھی نہیں۔ سنن ابن ماجہ میں اصول کے طور پر اس کا ذکر آیا ہے۔

باب کراھیۃ الشعر عن وائل بن حجر قال رآنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولی شعر طویل فقال ذباب ذباب فانطلقت فاخذتہ فرآنی فقال انی لم اعنک وھذا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بال لمبے دیکھے تو فرمایا یہ جوئیں کیسی ہیں؟ میں نے جا کر بال کٹوا دیے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا، لیکن یہ بہتر ہے۔

حسن ۔ (ابن ماجہ امع المطابق ص ۲۶۷) ... ...
حضرت عمرؓ کے اثر کا مفاد بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور وائل بن حجر کی حدیث کا ضعف کے باوجود اسی قدر مفاد ہے ۔ ابن عمرؓ کے اثر کا جو معنی ہم نے پہلے لکھا ہے ، اس کا بھی یہی مطلب ہے ۔ احادیث اعفاء اور آثار قطع لحیہ میں اس سے تطبیق بھی ہو جاتی ہے ۔

تجمل کے نقطۂ نظر سے : ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس مسئلہ میں حسن کے نقطۂ نظر سے بھی گفتگو ہونی چاہیے ۔ اس کے معاملے میں شارع نے اسے کافی حد تک ملحوظ رکھا ہے ۔ ان اللہ جمیل و یحب الجمال ، سے اس اصل کا پتہ چلتا ہے ۔ اس اصول کے پیش نظر اگر بحیثیت مسلمان بحث کی جائے تو تجمل کی صحیح صورت تو وہی ہو سکتی ہے جسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ، لیکن اگر عشق کی طغیانیاں اور حسن کی سرمستیاں کسی ساحلی تحدید کی پابند نہ رہ سکیں تو اتنا تو سوچنا پڑے گا کہ حسن و تجمل کے لیے دنیا کے پاس کوئی قطعی قانون تو ہے نہیں ، یہ بالکل وقتی اور اضافی چیز ہے ۔ متمدن شہروں میں فیشن ہفتوں کا مہمان ہوتا ہے ۔ اس لیے مصنوعی حسن و تجمل کی تلاش میں حسن ساذج کی حدود کو پھاندنا مناسب نہیں ، حسن و تجمل کو جزوی حیثیت ہی دی جا سکتی ہے ، لیکن اس کے لیے قدرت کے اٹل قانون سے پیہم جنگ کوئی خوشگوار مشغلہ نہیں ۔

اس اجمال کی تفصیل یوں سمجھیے کہ آغاز سبزہ سے جو جمالیاتی کیفیت اس لیل و نہار کے اجتماع میں پائی جاتی ہے نگاہیں جس قدر حظ اس قدرتی منظر سے پاتی ہیں اسے اس مصنوعی شور زمین سے کوئی نسبت ہی نہیں جسے پر تکلف تراش خراش کے بعد پوڈر اور کریم کی مدد سے پیدا کیا جاتا ہے ۔ اس مصنوعی سپیدہ میں بالوں کی سیاہ کھونٹیاں یا حسن کی سیاہ قبریں ہیں جو اس کے ماتم کی زندہ اور جاوید دعوت ہے ۔ عوام کا ذوق ویسے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن استدلال و بحث کے مقام پر تو عوامی رجحانات کی کوئی قیمت ہی نہیں اور حسن کی اس ریاکارانہ نمائش میں عوام کے عامیانہ جذبات کے سوا کچھ بھی نہیں جس پر ایک عقلمند فکر کر سکے ۔ یا سوچنے کی تکلیف کرے ۔

بڑھاپے میں جب کہ جمال و تزئین کا چراغ طلوع سحر کا پتہ دے رہا ہو ، چہرے کی جھریاں بکھر کر باطن کی پریشانیوں کی غمازی کر رہی ہوں چند بالوں کی پریشانی سے پریشان ہو کر موسیٰ و مقراض کی دیوانہ وار احتیاج صرف پریشان خیالی ہی نہیں بلکہ عقل کی پراگندگی کا بھی پتہ دیتی ہے ۔

اور جب چہرہ قدرتی جمال کی رعنائیوں سے سرشار ہو ، جوانی کی سج دھج پورے جوبن پر ہو تازہ خون کی سیلابی میز

موجیں چہرے پر چل رہی ہوں۔ ان قدرتی مساکر کو مصنوعی اور مصنوعی اسلحہ سے مسلح کرنا تحصیل حاصل ہے۔ سچ جانیے کہ یہاں تو بالوں کی پرپیچ پراگندگیاں چہرۂ دلآرام پر مشاطہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آج کی یہ پریشانی اور ان سیاہ ناگوں کے پرپیچ بل اور بے ترتیب پریشانی حسن وجمال کی آخری معراج ہے۔ اس پریشانی کی حفاظت کے لیے عاشق اور شاعر شانہ سے برسرپیکار ہیں کہ وہ اس پریشانی کو پریشانی سے بچانے کے لیے .... کس دعویٰ سے کہا جاتا ہے ؎

حاجت مشاطہ نیست روے دلآرام را

کتنا ظلم ہوگا شانہ کے ساتھ اس کھلی جنگ کے بعد حسن کا تمام اثاث البیت استرے اور قینچی کی نذر کردیا جائے ایسے حسن پرستوں سے حسن کی یہ فریاد کس قدر برمحل ہوگی ؎ ۔

یوسف دیدیم عاقبت خود گرگ بودی

یہاں یورپ کی تقلید کا جنون اس قدر سوار ہے کہ اگر کہیں پیرس کی آوارہ مزاج حسن بدوش لیڈیوں نے سر منڈانے کا فیصلہ کرلیا تو یہاں بلا تأمل آمین کہہ دی جائے گی اور عورت کی چوٹی اور مرد کا چہرہ دونوں ہی پاش پاش ہوتے نظر آئیں گے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ان ماہران جمالیات کی متاع گراں بہا تقلید یورپ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہم ایسے قدامت پسند تقلید ونقل کی ان زنجیروں کو کیونکر توڑ سکتے ہیں۔

مجھے حسن مصنوع سے عداوت نہیں، جہاں تک فطرت کی سادگی کا تعلق ہے یہ بال ایک نوجوان چہرے کی عصمت وآبرو ہیں، اس برنائی کو دست درازی کا کوئی حق نہیں۔ اس آبرو کو پامال کرنا معصوم فطرت پر ایک ظلم ہے۔ جہاں تک اس موضوع کا فطرت کی صنعت کاری سے تعلق ہے میں نے جو عرض کیا وہ قطعاً صحیح ہے اور اگر اختلاق وتصنع پر ہی اصرار ہے تو ہر صناع وحرّاف کو حق ہے کہ اپنی رائے پر اعتماد کرے اور وہ آزاد ہے کہ قدرت کے پیدا کردہ حسن میں جو تحریف وتبدیل کرسکتا ہے کر گزرے۔

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لاتبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لایعلمون۔

(الاعتصام ۱۰ر فروری ۱۹۵۰ء)

•••

اسلام کا فلسفۂ جہاد

ترجمہ: عبدالمنان محمد شفیق سلفی
اجمل خاں طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تحریر:
شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق، کویت

جہاد کے اندر بہت ساری مصلحتیں، حکمتیں اور اسرار و رموز پوشیدہ ہیں، جن سے موجودہ دور کے مسلمان بالعموم ناواقف ہیں، ان حکمتوں اور مصلحتوں کا مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ جہاد: رفعت اسلام کی علامت اور ایک عظیم عبادت ہے۔

جہاد کے اندر پہلی شرعی مصلحت یہ پائی جاتی ہے کہ یہ ایک عبادت ہے جس کو اللہ نے امت مسلمہ پر فرض کیا ہے، بلکہ یہ تمام عبادات میں اس کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے اور یہی اسلام کی رفعت کی علامت بھی ہے جیسا کہ آپؐ کا فرمان ہے: راس الامر الاسلام وعمودہ الصلاۃ وذروۃ سنامہ الجہاد فی سبیل اللہ۔

ترجمہ: تمام امور کی بنیاد اور اصل اسلام ہے اور اسلام کا ستون نماز ہے اور رفعتِ اسلام کی علامت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ جہاد تمام وسائل و ذرائع میں اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنے کا سب سے اہم ترین وسیلہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے: یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون (سورۃ المائدہ: ۳۵)

ترجمہ: اے مومنو خدا سے ڈرو اور اس کی قربت تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمھیں کامیابی نصیب ہو۔

لہذا اللہ تعالیٰ سے قربت و محبت پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ جہاد ہی ہے، اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد کی توفیق صرف انھی کو ہوتی ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے اور جو اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سر اطاعت وتسلیم خم کردیتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: یایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یأت اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ واسع علیم (سورہ المائدہ ۵/۵۴)

ترجمہ: اے مسلمانو! سن لو اگر تم میں سے کوئی مذہب اسلام میں داخل ہونے کے بعد دین سے پھر جاتا ہے (تو پھر جائے اس سے اللہ کے دین پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں) بلکہ وہ تمھارے بدلہ میں ایک ایسی قوم پیدا فرمائے گا جو اللہ سے اور اللہ جن سے محبت کرتا ہوگا اور جو مسلمانوں کے لیے نرم دل، خاکسار اور متواضع ہوں گے اور کافروں کے لیے سخت دل اور ان پر غالب ہوں گے اور جن کا شیوہ راہ خدا میں جہاد جہاد کرتا ہوگا اور جنھیں ملامت گروں کے ملامت کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی، یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عنایت کرتا ہے اور اللہ بہت زیادہ جاننے والا ہے۔

اس آیت پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھی کو اپنے دین کا انصار و معین و مددگار منتخب کیا ہے، جن سے وہ محبت کرتا ہے اور جو اس سے محبت کرتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو اپنوں وغیروں کی ملامت سے بے نیاز اپنے نصب العین کے حصول کے لیے معروف و سرگرداں رہتے ہیں۔

اور یہ کوئی انہونی شے نہیں ہے اور نہ ہی اس میں تعجب کی کوئی بات ہے، کیونکہ اپنے نفس و مال کے ذریعہ جہاد کرنے والا ہی صحیح معنوں میں حقیقی مومن اور کامل و صادق موحد ہوتا ہے جو اپنی جان و مال تک کو اللہ کے حوالہ کردیتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بأن لھم الجنۃ یقاتلون

ی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقرآن و
ن اوفی بعہدہ من اللّٰہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ ذٰلک ھو الفوز
لعظیم ہ (سورۃ التوبۃ /۱۱۱)

ترجمہ: اللہ نے مسلمانوں سے جنت کے عوض ان کی جانوں و مالوں کو خرید لیا ہے۔ مسلمان اللہ کے راستہ
ں جہاد کرتے ہیں لہذا قتل کرتے ہیں اور قتل بھی کیے جاتے ہیں جس پر خدا کی طرف سے انعام واکرام کا، توریت
بور اور قرآن مجید کے اندر پختہ وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہے؟ اے مسلمانو
فیں اس بیع کی بنا پر جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے خوش ہونا چاہیے اور درحقیقت یہی کامیابی و کامرانی ہے

مختصر اینکہ نفس، مال اور زبان کے ذریعہ جہاد کرنا عظیم تر عبادات میں سے ایک ہے اور بلاشبہ جہاد
النفس کا مرتبہ جہاد بالمال سے بڑھ کر ہے اور جہاد بالمال جہاد باللسان سے افضل و برتر ہے۔ اور
ہاد کی پہلی شرعی مصلحت بھی یہی ہے کہ وہ محض ایک عبادت ہی نہیں بلکہ سب سے اہم اور عظیم عبادت ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ عبادات بذات خود مقصود ہیں اور ان کے اندر فرمانبرداری، اطاعت گزاری، اللہ
ی رضا کا حصول اور جنت کا پالینا ہی کافی ہے گرچہ کوئی دنیوی منفعت حاصل ہو یا نہ ہو، لیکن اس کی اہمیت و
ان و شوکت کا کیا پوچھنا جبکہ دین کے ساتھ اس کے دنیاوی منافع بھی ہمارے تخیلات و تصورات کی حد پرواز
ے باہر ہوں اور جن کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتے ہوں۔

۲۔ کفار کی اذیتوں کا دفاع اور ان کی سرکشی وطغیانی کا جواب:

جہاد کی دوسری شرعی مصلحت یہ ہے کہ وہ کفار کی تکالیف اور اذیتوں کو روکنے کا بہترین آلہ ہے۔
ور ان کی سرکشی وطغیانی کو کچلنے کا بہترین ہتھیار ہے، کیونکہ کفر کی خصلت و طینت ہی ہر زمانہ و ہر نسل کے
ندر سدا سے عدوان و سرکشی کی رہی ہے۔ دنیا میں بھیجے گئے تمام انبیاء، مبلغین اور مصلحین کو تکالیف اٹھانی
ڑیں، سرکشی وطغیانی کا سامنا کرنا پڑا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قتل، جلاوطنی اور دیگر بہت سے آلام و
مصائب کا قدم قدم پر سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان الذین یکفرون بآیٰت اللّٰہ ویقتلون النبیین بغیر حق ویقتلون الذین

یامرون بالقسط من الناس فبشرھم بعذاب الیم » سورہ آل عمران/۲۱

ترجمہ :۔ جو لوگ اللہ کی آیات کی تکفیر کرتے ہیں اور بنا کسی کے جواز و استحقاق کے انبیاء کو قتل کرتے ہیں اور انصاف کے دعاۃ کو بھی قتل کرنے سے باز نہیں رہتے ، ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔

معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کی طینت ہمیشہ سے بغاوت و سرکشی رہی ہے اور ازل سے ان کا یہی شیوہ رہا ہے اور موجودہ دور میں بھی ان کی یہی حالت ہے ، کیونکہ انبیاء و رسل کی دعوت و تبلیغ کے طریقہ کار پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر ایک نے اپنی قوم کے سامنے اسلام کی دعوت بہت ہی احسن انداز میں پیش کی رفق و ملائمت اور نرمی و خیر خواہی کے ساتھ اللہ کا پیغام ان تک پہونچایا اور تا حیات ان کی ہدایت کے لیے کوشاں رہے۔ مختصر اینکہ اپنے آپ کو ان کی بھلائی و بہتری کے لیے وقف کر دیا ، لیکن دوسری طرف ان اقوام کا رویہ اپنے انبیاء کے ساتھ بہت ہی گھناؤ ، گندا اور حد درجہ خراب رہا ، سب و شتم ، وعید ، دھمکیاں مزاحمتیں ، لعن طعن ، مارپیٹ ، غرضیکہ برائی کی کون سی صورت ہے جو اپنائی نہ گئی ہو حتیٰ کہ بعض انبیاء کو قتل کا سامنا کرنا پڑا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دور اول میں مبعوث اپنے انبیاء کو جنھیں اسلام کے دشمنوں پر غلبہ نہیں حاصل تھا اور جو ان کے مقابلے میں بے بس و کمزور تھے مدد فرمائی اور ظالمین کے چنگل سے ان کو نجات دلائی جس کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ نوحؑ ہودؑ ، صالحؑ اور لوطؑ سب کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا ، نتیجۃً ان اقوام کو ہلاک کر دیا گیا ، لیکن دور آخر کے انبیاء و رسل جو قدرت و طاقت کے مالک تھے اور دفاع کے اسباب و ذرائع ان کے پاس مہیا تھے ، ان کو حکم دیا گیا کہ وہ خود اپنا دفاع کریں۔ اس کی مثال بنی اسرائیل کے انبیاء میں ملتی ہے ، جنھیں دشمن سے قتال کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اسی طرح جب آپ کے انصار معین و مددگار مدینہ کے اندر پیدا ہو گئے تو آپ کو بھی میدان جہاد میں نکلنے اور اسلام کی حفاظت و خود کی مدافعت کرنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ » سورۃ الحج/۳۹

ترجمہ :۔ جنھیں جنگ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے انھیں ان کی مظلومیت کے بسبب قتال کی اجازت

دی جاتی ہے اور بلاشبہ اللہ ان کی نصرت و حمایت پر قادر ہے، جنھیں ان کے گھروں سے بنا کسی جواز و استحقاق کے نکال دیا گیا، محض اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنا رب اللہ کو تسلیم کر لیا تھا۔

اذن کا معنی یہی ہے کہ قتال کا وقت اب آچکا ہے، لہذا کفار سے قتال کیا جائے اور ان کی طاقت و قوت، سرکشی و بغاوت کا ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی بھی وضاحت بہت ہی کھلے طور پر کر دی ہے کہ اگر وہ اہل ایمان کی مدافعت کے لیے آگے نہ بڑھتا، ان کو قتال کی اجازت نہ عطا کرتا اور نہ ہی نفس کی محافظت کا اختیار انھیں دیتا تو یہ زمین مذاہب اور ان کے نام لیواؤں سے خالی ہوتی۔ اس صفحۂ ہستی پر کسی مسجد کا وجود ہوتا نہ مندر کا، گرجا گھر کہیں نظر آتا نہ گردوارہ، الغرض مذہب یا اس نام کی کوئی شے دنیا کے اندر باقی نہ رہتی جس سے کوئی انسان قلبی سکون حاصل کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ولولا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم اللہ كثيرا و لينصرن اللہ من ينصره ان اللہ لقوى عزيز

(سورہ الحج / ۴۰)

ترجمہ: اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے، اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔

الغرض جہاد کا مقصد یہی ہے کہ کفار و مشرکین کی طغیانیوں اور ان کی بے اعتدالیوں کو روکنے کا حکم دیا ہے اور مسلمانوں کی مال و دولت، عزت و آبرو اور دین کی حفاظت کا کارگر وسیلہ ہے اور یہ چیز بہت ہی اہمیت کی حامل ہے جس سے کوئی بھی ذی ہوش فرد اپنی آنکھیں نہیں بند کر سکتا، مگر جس کا ضمیر ہی مردہ ہو چکا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے مسلمانوں کو قتال کرنے پر ابھارا ہے اور اس پر اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے، ارشاد ہے: الا تقاتلون قوما نكثوا ايمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدءوكم اول مرة اتخشونهم فاللہ احق ان تخشوه ان كنتم مومنين (التوبۃ / ۱۳)

ترجمہ: اے مسلمانو! آخر تمھیں ہو کیا گیا ہے، تم ایک ایسی قوم سے قتال کیوں نہیں کرتے جنھوں نے اپنا وعدہ توڑ دیا اور رسول کو در بدر کرنے کی سازش کی اور ابتدا بھی انھیں کی طرف سے ہوئی ہے، کیا تم ان سے خوف کھاتے ہو (اگر ایسی بات ہے) تو یہ جان لو کہ اللہ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اگر تم صحیح معنوں میں مسلمان ہو۔

۳- دشمنانِ اسلام کو ڈرانا اور ان کے اوپر رعب طاری کرنا

من جملہ دیگر مقاصد کے جہاد کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اعداء اسلام و مسلمان، کفار و مشرکین، ملحدین و زنادق کے اندر دہشت پھیلا دی جائے ان کے اوپر رعب و دبدبہ طاری کر دیا جائے، ان کی صفوں و جماعتوں کے اندر انتشار پیدا کر دیا جائے، اور ان کے دلوں میں اسلام کی شان و شوکت اور اس کی عظمت کا سکہ بٹھا دیا جائے، حتیٰ کہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ اسلام و مسلمانوں سے قتال کی اہلیت ان کے اندر نہیں ہے اور وہ ان سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے۔ تاکہ وہ کبھی دوبارہ سر نہ اٹھا سکیں اور سرکشی و بغاوت کے متعلق سوچ بھی نہ سکیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ امن و آشتی کا سب سے بڑا ضامن حربی و جنگی صلاحیت کا وجود ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ بسا اوقات ضعیف کی سرکشی و عدم عدولی طاقتور کو برانگیختہ کرنے کا سبب بن جاتی ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ظلم کرنا ہر فرد کی فطرت ہے، خواہ ضعیف ہو یا طاقتور، چھوٹا ہو یا بڑا، جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

والظلم من شيم النفوس فان تجد ذا عفة فلعلة لا تظلم

ظلم کرنا ہر انسان کی خصلت ہے، اگر کوئی شخص ظلم نہیں کرتا تو اس کی وجہ اس کی پاکدامنی نہیں بلکہ مجبوری ہے

اب جہاں تک اس ظلم و تعدی سے دور رہنے کا سوال ہے تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول کا خوف اور یہ معلوم ہے کہ ایک کافر خدا سے نہیں ڈرتا ہے، لہٰذا ظلم و زیادتی سے دور رہنا اس کے بس کی بات نہیں اور ایک مسلمان کی بہ نسبت وہ زیادہ ظالم و جابر بھی ہوتا ہے، اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: والكافرون هم الظالمون، سورہ بقرہ/ ۲۵۴، اور کافر ہی حقیقت میں ظالم ہوتے ہیں۔ اور جب کافر کے لیے ظلم و تعدی سے مانع کوئی چیز نہ ہوگی تو وہ لامحالہ سرکشی و بغاوت پر

اتر آئے گا، اس وجہ سے اہل اسلام کے لیے لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو قتال کے لیے تیار رکھیں اور کسی بھی ناگہانی مقابلہ کے لیے پوری طرح تیار رہیں اور سدا ان کی آرزو جہاد و شہادت کو پالینا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم » سورہ انفال/۶۰

ترجمہ اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقتور اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنھیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جہاد کا ایک اہم مقصد دشمنان اسلام کی صفوں میں لرزہ طاری کرنا اور ان کے دلوں میں اسلام و مسلمانوں کا رعب بٹھانا ہے، کیونکہ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ ان کو زیادتی و ظلم سے روکنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ لیکن اس کے برعکس جب مسلمان امن و آشتی کا ورد کرنے لگیں آرام طلبی اور عیش و عشرت ان کا وطیرہ ہو، محلات کے اندر داد عیش دیں اور صرف زراعت سے اپنے کو وابستہ کرلیں، ایسی صورت میں جو ہوگا وہ واضح ہے۔ کفار و مشرکین کے اندر تحریک پیدا ہوگی، ان کے دلوں سے مسلمانوں کا رعب نکل جائے گا، ان کے اندر قتال کا جذبہ بہت ہی شدت کے ساتھ ابھرے گا، جو ایک دن جنگ کی شکل و صورت میں ہمارے سامنے ہوگا، جس کے نتیجہ میں مسلمان رسوا و ذلیل ہوں گے اور ان کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا، جیسا کہ آپ کا فرمان ہے :

اذا تبايعتم بالعينة واتبعتم اذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد في سبيل الله سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه عنكم حتى تعودوا الى دينكم "

ترجمہ : جب تم نقود کی بیع نقود سے کرنے لگو اور جانوروں گائے بھینس کا پالنا تمہارا مشغلہ بن جائے اور زراعت ہی پر قناعت کرلو اور راہ خدا میں جہاد سے کترانا شروع کردو تو تم اس وقت کا انتظار کرو جب اللہ تعالیٰ کی ذلت و رسوائی تمہارے اوپر مسلط ہوجائے گی اور اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک کہ تم دین کی طرف پلٹ نہیں آتے ہو۔

گرچہ اسلام ہمیں امن و صلح کا درس دیتا ہے اور امن و آشتی اس کا ایک خاص وصف ہے، لیکن اس کا مطلب

ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم جہاد سے دور رہیں بلکہ ہمیں سلامتی صرف اسی صورت میں نصیب ہو سکتی ہے، جبکہ ہم جہاد کریں۔ حکومت ہماری ہو اور ایک بڑی سلطنت، قوت وطاقت کے مالک ہوں، جس سے کفار کا دل دہل جائے اور وہ مقابلہ کی جرأت نہ کر سکیں۔

۴۔ جہاد ایک عظیم تعلیمی وتربیتی درسگاہ ہے۔

جہاد کی ایک اہم غرض وغایت امت کے افراد کی تربیت، طاقت وقوت، صبر وشجاعت کا مادہ پیدا کرنا ہے اور ایک صالح معاشرہ کی تخلیق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللّٰہ والیوم الآخر والملائکۃ والکتاب والنبیین واتی المال علیٰ حبہٖ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون۔ سورۃ البقرہ/۱۷۷

ترجمہ: نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی ومصیبت کے وقت میں اور حق وباطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔

معلوم ہوا کہ کامل وصادق مومن وہی ہے جو تمام ارکان اسلام پر ایمان رکھتا ہے اور نیکی وبھلائی کے تمام مواقع میں بے دریغ اپنا مال صرف کرتا ہے، بیماری، محتاجی، تنگدستی وتنگدامانی، جنگ اور حرب کے اوقات میں صبر کرتا ہے اور ایک حقیقی مسلمان کے لیے نہ صرف یہ اشیاء ضروری ہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صابر اور شاکر ہو۔ شجاع، بے خوف اور نڈر ہو، رجولت ومردانگی کا حصہ اس کے اندر پائی جاتی ہو، ارشاد ربانی ہے،

من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليهم فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا ۔ (سورۃ الاحزاب/۲۴)

مسلمانوں میں سے بعض نے اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کردیا اور اس طرح سے بعض نے اپنی نذر پوری کردی اور بعض ابھی منتظر ہیں اور انھوں نے اپنے ارادہ میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر ایمان لانے والوں کے اندر مردانگی و رجولت کے تمام اوصاف بدرجہ اتم پائے جائیں، شجاعت و مردانگی میں ان کا کوئی ثانی نہ ہو، جب جنگ کا وقت ہو تو داد شجاعت دیں اور جب مصیبت کا سامنا ہو تو صبر کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں۔ خوف کیا شے ہے، اس سے واقف نہ ہوں اور ضعف و پست ہمتی کیا ہے اس کو جانتے نہ ہوں اور ساتھ ہی تقویٰ ان کا شعار ہو، نیکی ان کا شغلہ ہو، خشوع وخضوع اور طہارت ان کی صفت ہو، مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ان تمام اوصاف و خصائل کے حامل ہوں جن اوصاف کے ساتھ اللہ کے نبی اور آپ کے صحابہ انصار و مہاجرین معروف تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من أثر السجود، (سورۂ فتح /۲۹)

ترجمہ اللہ کے رسول محمد ہیں اور آپ کے اصحاب کفار کے خلاف سخت ہیں اور مسلمانوں کے لیے مہربان ہیں، آپ ان کو رکوع و سجود کی حالت میں دیکھتے ہیں، اس حال میں کہ وہ اللہ کی رضا کی تلاش میں ہوتے ہیں اور ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اس کی ترجمانی اس طرح کی ہے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم ۔۔۔ رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جو لوگ اللہ کی نگاہ میں محبوب ہوتے ہیں اور جن سے وہ اپنا کام لینا چاہتا ہے، وہ ان تمام صفات کے مجموعہ ہوتے ہیں جن کا تذکرہ ابھی کیا گیا اور یہی جہاد کا ایک بنیادی نکتہ وفلسفہ ہے، جس کی بنا پر اہل اسلام کو قتال کی اجازت دی گئی ہے اور اس کی تکالیف، مشقات و مصائب کو برداشت کرنے کا حکم دیا گیا ہے غزوۂ احد کے اغراض ومقاصد اور اس کے اندر رونما ہونے والے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ وتلک الایام نداولھا بین الناس ولیعلم اللہ الذین آمنوا ویتخذ منکم شھداء واللہ لایحب الظالمین ولیمحص اللہ الذین آمنوا ویمحق الکافرین۔ (آل عمران /۱۴۰-۱۴۱)

ترجمہ:۔ اگر آج تم کو تکالیف برداشت کرنی پڑی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، کیونکہ تم سے پہلے بھی سابقہ امتوں نے تمھارے ہی مثل تکالیف کا سامنا کیا ہے اور یہ تو زمانہ کے نشیب وفراز ہیں جسے ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتا رہتا ہوں تاکہ اللہ اہل ایمان کو جان لے اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی) کے گواہ ہوں اور اللہ ظالمین کو پسند نہیں کرتا، اور تاکہ اللہ ایمان والوں کا تجربہ کرے اور کافرین کا خاتمہ کر دے۔

اس آیت کے اندر جہاد کی بہت سی مصلحتوں، حکمتوں اور اہداف واغراض کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ منجملہ ان میں یہ بھی غرض شامل ہے اور جسے آج کے دور میں امت مسلمہ کی سب سے اہم حاجت وضرورت کہا جاسکتا ہے وہ یہ کہ ایسے افراد کی تخلیق ہے جو حقیقی معنی میں مسلمان ہوں، جن کے اندر شجاعت کوٹ کوٹ کر بھری ہو، جو صبر ورضا کے پیکر اور خطرات سے کھیلنے والے ہوں۔ جن کی رگوں میں جہاد کا خون دوڑ رہا ہو، جن کے قلوب شک وشبہ سے بالاتر ہوں۔ جن کا اللہ پر اٹوٹ اعتماد اور کامل بھروسہ ہو، جو اس کی رضا وخوشنودی کے جویا ہوں، مصائب پر صبر ان کا شیوہ ہو اور اس کی رضا ومحبت کی خاطر خواہشات نفس کی قربانی دینا جن کی فطرت ہو۔ اگر قتال سے صرف ایک مقصد کی تکمیل ہو جاتی ہے تب بھی کافی ہے، کیونکہ دولت ومردانگی، شجاعت وبہادری بازاروں میں خرید وفروخت ہونے والی شے نہیں، جس کو خریدا جاسکے۔ اور نہ ہی اس کی تعلیم کٹ بحثی، قیل وقال اور ٹال مٹول کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے، بلکہ اس کا حصول صرف قتال ونزال اور شمشیر وسنان کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور یہی مواقف ہیں جہاں افراد کی تربیت ہوتی ہے اور جس کے بطن سے پہلوان جنم لیتے ہیں تو کیا ایسا شخص عقلمند کہلانے کا مستحق ہے، جس کا خیال ہے کہ وہ محض لفظ جہاد کے وردسے مجاہد بن جائے گا اور احادیث صبر کے مطالعہ سے جس کے اندر صبر کی صفت پیدا ہو جائے گی اور جس کا گمان ہے کہ محض فن تیراکی کی کتابوں کے پڑھنے سے وہ ایک عظیم تیراک بن جائے گا تو ایسا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ہو سکتا ہے، بلکہ حق بات یہی ہے کہ عمل کے بغیر افراد تیار نہیں کیے جاسکتے اور موقف ومیدان کے بغیر تربیت نہیں کی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ہم مسلمانوں

ر قتال کو فرض کیا ہے۔

ختم شد

آج پوری دنیا کے مسلمانوں کی بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے، وہ طرح طرح کے
لام و مصائب میں گھرے ہوئے ہیں، ان کی عزت و آبرو، جان و مال، حتیٰ کہ ان کا دین بھی محفوظ نہیں ہے
یں سکون میسر نہیں ہے، آرام و چین کے ساتھ ان کا رہنا مشکل ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے اسلام
، صلح و آشتی، امن و خیرسگالی کے پیغام کو صحیح طریقے سے سمجھا نہیں اور صلح کے نام پر باطل طاقتوں و طاغوت
ے سمجھوتہ کرلیا ہے، جس کا نتیجہ انھیں بھگتنا پڑ رہا ہے، اس صورت میں پوری دنیا کے مسلمانوں خصوصاً ہم
دی مسلمانوں کو اس سلسلے میں از سر نو غور کرنا ہوگا اور جہاد کا راستہ اپنانا ہوگا تبھی ہمیں سکون حاصل ہو سکتا ہے
ن و چین، راحت میسر ہو سکتی ہے، ورنہ اس کے علاوہ کوئی بھی تدبیر اختیار کریں ممکن ہے کہ وقتی کامیابی ہمیں
ل جائے اور عارضی سکون میسر ہو جائے لیکن دائمی سکون کا ملنا محال ہے، گورنمنٹ کے بدلنے۔ سرکار کے
گے ہاتھ پھیلانے اور رحم کی بھیک مانگنے سے کچھ نہیں ملنے والا۔ ضرورت ہے جہاد کی اور صرف جہاد کی
رورت ہے۔

...

خصوصی شمارہ کی اشاعت کا فیصلہ

جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق ناظم اعلیٰ اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے سابق امیر جناب مولانا
عبدالوحید صاحب سلفی رحمہ اللہ کے حیات و اعمال پر مشتمل ماہنامہ محدث بنارس کے خصوصی شمارہ کی
اشاعت کا فیصلہ کیا گیا ہے، ہم جماعت اور ملت کے اعیان، علماء اور شعراء حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ
موصوف سے متعلق اپنے تاثرات، نگارشات اور مقالات ارسال فرما کر اس خصوصی شمارہ کو زینت بخشیں۔

(ادارۂ محدث)

اسلامی جمعیت وتنظیم میں شوریٰ کی اہمیت

عربی سے ترجمہ : امتیاز احمد سلفی

آج جس اسلامی بیداری کے ماحول میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں، ہر چہار سو اسلامی تنظیمات وانجمنیں مختلف مقاصد کے پیش نظر مختلف شکل میں پھیلی ہوئی ہیں، جن میں نوجوانوں کی تنظیم اور بعض اصلاحی تحریکات ہیں۔ بلاشبہ ان تنظیمات کے بہتر اثرات بھی مختلف شکل میں مرتب ہوئے، مثلاً محاضرات، ندوات، کانفرنسوں کا انعقاد اور مجلات وکتب کی نشر واشاعت وغیرہ۔

ان تنظیمات ومراکز کا امیر وقائد بھی ہونا فطری وعقلی واجبات میں سے ہے، شریعت نے بھی اس کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إذا خرج ثلاثة في سفر فليؤمروا أحدهم (ابوداؤد) جب تین آدمی سفر کے لیے نکلیں تو ان میں سے کسی کو امیر منتخب کرلو۔

ان امراء کے نام بھی مختلف ہوا کرتے ہیں، مثلاً امیر جماعت، رئیس جماعت اور امیر مرکز وغیرہ اور عادۃً اس منتخب شخص کو انھی ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کی ذہنی صلاحیت دوسرے افراد کی بہ نسبت زیادہ ہوا کرتی ہے۔

بعض اوقات مختلف اسباب کی بنیاد پر بعض روسائے جماعت کی صلاحیتیں بے پناہ ہوتی ہیں، یہاں تک کہ جماعت وتنظیم انتہا پسند مرکز کی شکل اختیار کرلیتی ہے یا مطلق العنان ہوتی ہے اور دوسروں کی رائے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور وہ بسا اوقات ان کو منصب سے بھی دست بردار کر دیا جاتا ہے، حالانکہ ان کی صلاحیتیں قابل قدر ہوتی ہیں، امیر ہی کی رائے کی اہمیت ہوتی ہے، اس طرح کہ امیر اور اس کی صوابدید میں افتراق نہیں ہوتا، اس قسم کی صورتحال پیدا ہونے سے امیر اپنے آپ کو امام تصور کرنے لگتا ہے اور لوگوں سے بیعت یا دائمی امارت کا خواہشمند ہوتا ہے۔ سادہ لوح قسم کے لوگ

اسے اسی حیثیت سے دیکھتے ہیں گویا لوگوں نے امیر کو دھوکا دیا اور لوگ اس سے دھوکے میں پڑے، اس کے ہم نوا نے یہ تصور کرلیا کہ منصب امامت کی اہلیت وہی رکھتا ہے، اس وجہ سے ان کے مضر اثرات و نتائج بھی رونما ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دائرہ علم سے خارج نہیں، کیونکہ علماء کے نزدیک امامت کی چند شرائط ہیں جو امت کے چند مخصوص اور تھوڑے لوگوں میں پائی جاتی ہیں، ان شرائط میں علم و ثقاہت کا ہونا لازمی ہے، جیسا کہ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں ذکر کیا ہے، ایسی عدالت و ثقاہت جو تمام شروط کو جامع ہو اور علم ایسا ہو کہ احکام الٰہی میں اجتہاد کی قوت رکھتا ہو، ظاہر ہے اس قسم کے لوگ کم ہی ہیں جس کے اندر یہ شرائط موجود ہوں۔

جو بھی گروہ کسی تنظیم یا جمعیت میں خدمت دین کے جذبہ سے کام کرے وہ مسلمانوں میں سے ہی کوئی جمعیت ہوگی نہ کہ بالکلیہ مسلمانوں کی جماعت، جو انشاء اللہ قابل مشکور ماجور کام انجام دے گی بشرطیکہ نیت خالص ہو اور ایک مخلص جماعت کسی ایسے داخلی نظام کی محتاج ہوگی جس کو اس تنظیم کے ارباب حل وعقد نے مرتب کیا ہو اور اس دستور کی حدود میں امیر جمعیۃ بھی فعال اور متحرک ہو تاکہ اس کے اہداف و مقاصد روبہ عمل لائے جاسکیں اور دستور کا بنیادی عنصر یہ ہونا چاہیے کہ جمعیۃ کے تمام افراد کا خیر خواہانہ عملی تعاون امیر کے ساتھ ہو اور اخلاص و محبت کا جذبہ کارفرما ہو۔

سب سے بہتر نام جس کا اطلاق جمعیۃ کے ذمہ دار پر ہوسکتا ہے وہ (امیر جماعت) ہے بشرطیکہ اس پر اتفاق ہو وہ خود احباب جمعیۃ کے ساتھ تعاون کرے اور احباب کا تعاون اس کو حاصل ہو، ان مقررہ ضوابط کی روشنی میں جو بہ اتفاق رائے طے کیا گیا ہو۔

سب سے اہم اور بنیادی رکن جس پر کسی جمعیۃ یا تنظیم کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے وہ شورائیت ہے جس سے کوئی بھی امیر جمعیۃ مستغنی نہیں اور اگر کوئی رائے و مشورہ سے مستغنی ہوسکتا ہے تو وہ صرف رسول پاک کی ذات گرامی ہے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشورہ کرنے کا حکم فرمایا، جس کی مؤید وحی الٰہی ہے تاکہ آپ اپنی امت کو وقوع قیامت سے قبل اس اصول کی اہمیت سے مطلع فرمادیں، چنانچہ ارشاد ہے۔

وشاورھم فی الامر (آل عمران ۱۵۹) اور ان سے اپنے کام میں مشورہ لیا کرو۔

غزوۂ بدر کا واقعہ ہے کہ رسول خدا صحابہ کے ساتھ ایک مقام پر قیام کرنے کے ارادے سے رکے، حباب بن منذر نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اس جگہ قیام کا ارادہ اگر من جانب اللہ ہے تو پھر ہمیں کوئی پس وپیش نہیں اور اگر آپ کی صوابدید سے ہے تو جنگ تدبیر کا نام ہے، آپ نے فرمایا: یہ میری رائے ہے اور بلا شبہ جنگ تدبیر کا نام ہے ۔۔ بل ھو

الرای والحرب والمکیدۃ ۔ حباب بن منذر نے پھر عرض کیا اللہ کے رسول اس جگہ قیام نامناسب ہے، چنانچہ تمام لوگوں نے ایک ایسی جگہ قیام کیا جہاں پانی کی قلت تھی صحابہ نے وہاں ایک حوض بنایا اور اس میں پانی جمع کیا، پھر مقابلہ ہوا، مسلمانوں کو پانی میسر تھا مگر دشمن اس سے محروم تھے ۔ حضور پاک نے حضرت حباب کی اس تدبیر پر خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا لقد اشرت بالرای تم نے صحیح مشورہ دیا ۔

اسلام میں شوریٰ کی کتنی اہمیت ہے کہ قرآن کی سورتوں میں ایک سورہ شوریٰ کے نام سے بھی ہے، اس سورۃ میں مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے کہ ان کے معاملات باہم مشورے سے طے پاتے ہیں :

والذین استجابوا لربھم واقاموا	اور جو اپنے رب کا حکم مانتے اور نماز قائم رکھتے ہیں
الصلوٰۃ وامرھم شوریٰ بینھم ومما رزقنھم	اور ان کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں اور
ینفقون (شوریٰ ۳۸)	ہمارے دیے میں سے خرچ کرتے ہیں ۔

مناسب ہے کہ اسلامی تنظیمات و جمعیات حقیقۃً شوریٰ پر مبنی ہوں کہ اس جماعت میں نیکی و بھلائی اور عمل میں سرگرمی بڑھتی ہے ۔ اخوت و بھائی چارگی اور عمل خیر میں سبقت کا جذبہ بیدار ہوگا اور جو کام مخصوص لوگوں کے لیے انجام پاتا تھا اب اس کی حیثیت رفاہ عام کی سی ہو جائے گی ۔

لیکن جب صرف شوریٰ کا ڈھانچہ باقی رہ جائے تو اس قسم کی تنظیم و جماعت میں صلاحیت کار کی روح فنا ہوتی ہے اور اس کے امیر میں منفی و مثبت دونوں طرح کا کردار رونما ہونے لگتا ہے اور اس جماعت کے افراد سے مثبت اقدام اور فعال و نشیط عناصر کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے ۔

اسلامی تنظیمات میں شوریٰ کی بنیاد اور اس کے اہداف و مقاصد کو بروئے کار اور کامیاب بنانے کے لیے مندرجہ ذیل نقاط کو ملحوظ رکھنا ہوگا ۔

ا۔ سب سے ضروری امر یہ ہے کہ اسلامی تنظیم کے ارکان خصوصاً امیر جمعیۃ میں اخلاص و للّٰہیت اور صدق نیت سے کام کا جذبہ ہو اور اس ذمہ داری کا احساس ہو جو ان کے سپرد کی گئی ہیں اور کسی قسم کی ذمہ داری یا عہدہ کے خواہشمند نہ ہوں ۔ اس مفہوم کی ایک حدیث صحیحین بروایت معقل بن یسار مروی ہے کہ حضور پاک نے فرمایا ما من عبد یموت و ھو غاش لرعیتہ الا حرم اللہ علیہ الجنۃ ، کہ ہر وہ بندہ جس کی موت واقع ہو دراں حالیکہ اپنی رعایا کو دھوکہ دینے والا رہا ہو، اس پر جنت حرام ہے ۔ بھلا بتائیے خود رائی اور مطلق العنانی کی قیادت سے بڑھ کر بھی کوئی دھوکا ہو سکتا ہے

صحیحین ہی کی ایک دوسری روایت میں عبدالرحمن بن سمرۃ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے عبدالرحمن بن سمرہ امارت کو طلب نہ کرو کیونکہ اگر امارت کی ذمہ داری تمھیں بغیر مطالبہ کے ملی تو تم مدد کیے جاؤ گے اور اگر مطالبہ کے ذریعہ ملی ہے تو تمھارے ہی ذمہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نصرت نہیں ہوگی۔)

اسی طرح بخاری وغیرہ میں حضرت ابوہریرۃ سے یہ روایت منقول ہے کہ رسول عربی نے فرمایا انکم ستحرصون علی الامارۃ وستکون ندامۃ یوم القیامۃ۔ امارت و سرداری کا حریص بننا قیامت کے دن باعث ندامت ہوگا۔

۲۔ مختلف نزاعی مسائل کے بحث و مناقشہ اور فیصلے کی صلاحیت ہو، تعصب اور تنگ نظری سے پاک ہو کیونکہ مسلمان حق کا طالب ہوتا ہے، جہاں حق بات ملے اسے قبول کرنا چاہیے۔

۳۔ ہر ایک کی رائے مشورے کا احترام ہو، اگر کوئی رائے مخالف بھی ہو تو اس کی تحقیر سے احتراز کرنا ہے، اس لیے کہ رائے مشورہ میں اختلافات کا ہونا ایک فطری امر ہے اور اختلاف رائے اس وقت تک رساں نہیں ہوسکتی جبتک کہ باہم اتفاق و محبت ہو اور ہر شخص کو حق رائے دہندگی کی آزادی حاصل ہو اور دوسروں کا یہ حق ہوتا ہے کہ اس کی رائے کا احترام کریں۔

۴۔ اعضاء جمعیۃ کے لیے واجب ہے کہ اس کے ہر اجتماع و میٹنگ میں پابندی وقت سے شریک ہوں اور اس میں حاضر ہونا ایک اہم کام تصور کریں۔

۵۔ ادارے کو چاہیے کہ ہر اجتماع کے انعقاد سے قبل ایک لائحہ عمل تیار کر کے جمعیۃ کے ارکان کو مطلع کردے تاکہ ادارے کے اراکین ہر پہلو سے اس پر غور و فکر کے بعد مناقشہ و مباحثہ اور رائے مشورہ کے لیے پہلے سے تیار ہو کر آئے ہوں۔

۔ جمعیۃ کے دستور و نظام کا احترام ہو، جس پر اس کی بنیاد قائم ہے۔

۔ نو منتخب امیر کے دل میں سابقہ امیر کا احترام ہو، اس کے تجربات سے مستفید ہو اور اسی روشنی میں جمعیۃ کے کام کو ہموار کرے، نہ کہ اس کی مخالفت میں ہر کام کو نئے ڈھنگ سے انجام دینے کی کوشش کرے۔

ارشاد ہے: ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا (النحل: ۹۲) اور اس عورت کی طرح نہ ہو جس نے اپنا کاتا ہوا سوت مضبوط بٹنے اور درست کرنے یا محنت اٹھانے کے بعد

ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

۸۔ ادارے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جمعیۃ کے افراد یا کسی دوسری تنظیم کی جانب سے کوئی رہنمائی، مشورہ اور نصیحت وغیرہ موصول ہو تو اس کا خوش اسلوبی سے استقبال کرے اور ان کا شکر گزار ہو اور جسے صحیح و درست سمجھے اسے قبول کرلے۔

۹۔ یہ بھی مناسب ہے کہ جمعیۃ کا لائحہ عمل مدون ہو اور نئے انتخاب کا اعلان کم از کم تین ماہ قبل کردیا جائے تاکہ جماعت کی کارگزاری اس کے حالات و کوائف کی اطلاع بخوبی ہو جائے اور سابقہ تجربات سے بھی استفادہ ممکن ہو

۱۰۔ ایک اسلامی تنظیم کے لیے یہ بھی بہتر ہوگا کہ کوئی مجلس مشاورت کی تشکیل ہو، جس میں جمعیۃ کے سابق امیر اراکین بھی شامل ہوں تاکہ ان کے قیمتی تجربات سے مستفید ہوا جاسکے۔

۱۱۔ اگر کسی نامناسب امیر کا انتخاب ہو جائے جس کے اندر جمعیۃ کے کاز کو ترقی دینے کی صلاحیت نہ ہو تو ضابطے اور نظام کے تحت اسے منصب سے الگ کردیا جائے اور یہ کام انتہائی خوش اسلوبی اور مناسب طریقے انجام پذیر ہو، نہ کہ اس پر کسی قسم کی تحریک و تہمت طرازی ہو۔

جس معیار کی بنیاد پر لوگوں کو مقدم کیا جائے تاکہ وہ جمعیۃ کی ذمہ داریوں کو قبول کریں، وہ اسلام کے سرچشمہ سے منسلک ہوں، جس پر خود اسلامی تحریک قائم ہے، لیکن اگر کسی شہرت، ہمنسائی یا اس شہر اور اس ملک کے ہونے کی بنیاد پر انتخاب ہو تو اس جمعیۃ سے قطع تعلق کرلینا چاہیے، کیونکہ یہ چیز کسی تنظیم کے عمل اور کارکردگی کو کمزور بنانے والی ہے اور اس اسلامی روح کو مفقود کرنے والی ہے جسے پھیلانے کی ضرورت ہے۔

اس وقت جو اسلامی تنظیمات و مراکز دنیا میں قائم ہیں، خصوصاً مغربی ممالک میں، ان کے ذمہ داران اکثر و بیشتر شریعت اسلامیہ سے نابلد ہیں بایں سبب بہتر ہے کہ شورائیت پر کامل اعتماد رکھا جائے اور اسی کے مطابق معاملات کا نفاذ ہو اور جس اصول و ضابطے پر جمعیۃ کا قیام ہے اس کا احترام ملحوظ ہو تو یہ طریقہ کار زیادہ نفع بخش اور قیل وقال، جنگ وجدال سے پاک ہوگا، اسی طرح مشورہ سے طے شدہ فیصلے میں تنازع نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس کا تسلیم کرنا دینی حیثیت نہیں رکھتا، اس لیے کہ یہ معاملہ بنیادی طور پر اسلامی مملکت میں امام کی صلاحیت سے متعلق ہے، اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور اسی کے لیے حمد و ثنا لائق بھی ہے۔ •

مذکورہ مقالہ الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی (ریاض) کے لیے لکھا گیا تھا جو التوعیۃ الاسلامیہ مکہ مکرمہ کے شمارہ ۱۲ / ۱۲ / ۱۴۰۹ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ عرب

۲ اگست ۱۹۹۰ء ۱۰ محرم ۱۴۱۱ھ کی تاریخ امت مسلمہ کے موجودہ احوال و ظروف میں ایک سیاہ
ب کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھی جائے گی، جب عین فجر کے وقت ایک لاکھ ۲۰ ہزار عراقی فوجوں نے برادر اسلامی
ت کویت پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کر لیا۔ عراقی صدر صدام حسین نے اس کارروائی سے پوری دنیائے انسانیت کو عموماً
ملت اسلامیہ کو خصوصاً، یہ ثابت کرکے دکھا دیا کہ عراق کی مٹی میں آج بھی وفاداری، اخلاق و مروت اور تقویٰ
صلاح کا عنصر ضعیف و مغلوب ہے۔ فتنہ و فساد، جارحیت و عدوان اور بے وفائی و بے مروتی کا
صر قوی و غالب ہے اور یہ زمین سیکڑوں تباہ کن فتنہ و فساد اور غداری و بے وفائی کے انتہائی سیاہ داغ
جیسے جو ہزاروں برس سے اس کی پیشانی اور دامن پر لگے ہوئے ہیں آج بھی دھلنے کے لیے تیار نہیں ہے۔
صدام حسین نے اس کارروائی سے پوری دنیا میں اسلام کو رسوا کرنا اور امت مسلمہ میں تفریق پیدا کرکے اس کا مذاق
اڑانا چاہا ہے۔ قبضہ کے دوسرے دن اس نے اعلان کرایا کہ عراقی افواج کویت سے واپس آرہی ہیں، لیکن تیسرے
ن اعلان کرایا کہ کویت عراق ہی کا ایک حصہ ہے اور وہاں ایک ناجائز حکومت قائم کرا دی۔ ایک مسلمان ملک کے
لقہ، جھوٹ، فریب، بدعہدی، ظلم و عدوان اور قتل و نہب کی یہ غیر اسلامی روش کسی مسلمان حکمراں کے شایان
ن نہیں۔ اگر اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ادنیٰ خیال بھی اس کے دل میں بحیثیت مسلم حکمراں
ہوتا تو محسن انسانیت رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک حدیث اسے اس جارحانہ کارروائی سے
ز رکھ سکتی تھی "کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ"، تمام مسلمانوں پر دوسرے
سلمانوں کا خون، ان کا مال اور ان کی عزت حرام ہے"۔ لیکن یہ صدام حسین اس ظلم و تعدی کے لیے تنہا نہیں
سے لاکھ ناکارہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ مسلمانوں کے مال سے بے پناہ سامانِ حرب تیار کرتا ہے، تاکہ اس سے مسلمانوں

کا خون بہائے، ان کا مال چھینے، ان کی زمینوں پر قبضہ کرے اور ان کی عزت و آبرو کو برباد کرے۔

صدام کی یہ جارحانہ غداری حالیہ ملی تاریخ کا سیاہ باب اس لیے ہے کہ اس نے یہ کارروائی ایک ایسے اہم موڑ پر انجام دی ہے یا اس سے دلوائی گئی ہے۔ جب عالم عرب جو پوری دنیا کی ملت اسلامیہ کا دھڑکتا دل ہے اپنے بیشتر اہم داخلی نزاعات کو تقریبا ختم کر کے ایک ناقابل تسخیر سپر پاور کے مرحلہ میں داخل ہونے کے لیے پر تول رہا تھا اور خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد جدید اسلامی نشاۃ ثانیہ کے تقاضہ کے مطابق پھر سے ایک عرب اسلامی خلافت کا نقشہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل و دماغ میں ابھرنے لگا تھا، لیکن اس محسن کش کے ذریعہ جو کارروائی انجام پائی ہے، اس سے ملت اسلامیہ کے بندھتے ہوئے شیرازہ کے پھر سے نامعلوم عرصہ کے لیے بکھرنے کے اندیشے پیدا ہو گئے ہیں، صدام حسین کے اس اعلان سے ساری دنیا کے مسلمانوں پر سکتہ سا طاری ہو گیا ہے جب ایک طرف تمام مسلم حکمراں قاہرہ چوٹی کانفرنس میں کویت قضیہ کے حل کی تدبیریں کر رہے تھے، دوسری طرف وہ عرب عوام کو بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔ اس نے نہایت پرشور نعرہ بلند کیا تھا کہ اب وقت آچکا ہے کہ عرب عوام مکہ اور مدینہ کو سامراجی ایجنٹوں کے تسلط و اقتدار سے آزاد کرالیں۔ اس اہم مرحلہ پر ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر کرنے کے لیے عراق کے جارحیت پسند قائد کا یہ نعرہ بعینہ وہی نعرہ ہے جو اس سے پہلے ایرانی توسیع پسند رہنمانے حدود حرم میں خونریزی کراتے ہوئے بلند کیا تھا اور ایران نے غالباً اسی مقصد کے لیے تین سال سے اپنے آدمیوں کو حج کرنے سے بھی روک رکھا ہے آٹھ سال کی تباہ کن جنگ اور لاکھوں انسانوں کی خونریزی ابھی کل کی بات ہے لیکن یہ دونوں منافق خلیج میں بحران پیدا ہو جانے کے بعد اپنے رستے ہوئے زخموں کو بھول کر گلے مل چکے ہیں۔ ایسے مشکل اور نازک حالات میں جبکہ دشمن زبردست قوت کے ساتھ سرحد پر تیار کھڑا ہو، امیر المومنین پر شریعت اسلامیہ واجب قرار دیتی ہے کہ حرمین شریفین اور مقدسات اسلامیہ کے تحفظ کے لیے زبردست قوت تیار کرے اور ایسے لوگوں سے مدد لے جو زبردست قدرت و طاقت رکھتے ہوں اور ان سے تحفظ کا مقصد حاصل ہو جائے۔ عرب اور مسلم ممالک کی افواج کے ساتھ امریکا اور دیگر اہل کتاب ممالک کی افواج سعودی عربیہ کے ساحلی علاقوں میں اسی لیے بلائی گئی ہیں کہ وہ عراقی حملے کا دفاع کریں اور سعودی عربیہ اور دیگر خلیجی ممالک کا تحفظ کریں۔

صدام کی اس جارحانہ کارروائی کو پوری دنیا نے انسانیت شرمناک قرار دیکر ملامت کر رہی ہے، اقوام عالم کا سب سے بڑا عالمی متحدہ پلیٹ فارم "اقوام متحدہ" اعلان کر چکا ہے کہ صدام کی کارروائی غلط ہے، وہ کویت سے فوجیں ہٹالے ورنہ اس کا تجارتی اور اقتصادی بائیکاٹ کیا جائے گا۔ ہر طرف سے اس کا بائیکاٹ ہو بھی رہا ہے۔

(باقی صفحہ ۴۹ پر)

باب الفتاوی

تعویذ اور گنڈہ حرام ہے!

مفتی اعظم سعودی عرب علامہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ ولولاہ سے محمد محمود نامی ایک شخص نے فتوی طلب کیا: کہ: کون سے تعویذ اور گنڈے سے شرک کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ اور جس شخص نے تعویذ اپنے گلے میں باندھا، کیا وہ مشرک ہے جس پر نماز جنازہ ناجائز ہوگی؟

اس کے جواب میں آپ نے مندرجہ ذیل فتوی صادر فرمایا: جن تعویذوں سے منع کیا گیا ہے، وہ یہ ہیں: کہ بچوں، بیماروں یا دوسرے ضرورت مندوں کے گلے میں تعویذ یا ہاتھ یا گردن میں گنڈہ باندھا جائے یا کیل کانٹا اور ہڈیاں لٹکائی جائیں، جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں مشرکین کے یہاں رائج تھا۔

قرآنی آیات یا مشروع ادعیہ پر مشتمل تعویذ اور گنڈے کا حکم بھی وہی ہے جو زمانۂ جاہلیت کی ممنوع اشیاء کا ہے۔ علماء کا یہی صحیح قول ہے اور اس کی دلیل وہ احادیث نبویہ ہیں جن سے ان کی حرمت و ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

۱۔ ان الرقی والتمائم والتولة شرك

۲۔ من تعلق تميمة فلا اتم الله له، ومن تعلق ودعة فلا ودع الله له۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے: من تعلق تميمة فقد اشرك۔ (جس نے تمیمہ لٹکایا، اس نے شرک کیا)

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ہاتھ میں پیتل پہنے ہوئے دیکھا تو سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ واہنہ میں سے ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اسے اتار پھینکو، یہ تمہاری کمزوری میں اضافہ کے علاوہ اور کچھ نہ فائدہ پہنچائے گا۔ اگر تم اس کو پہنے ہوئے مر گئے تو کبھی بھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے۔

اس مسئلہ میں اور بہت سی احادیث ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ ہر طرح کے تعویذ کا استعمال حرام ہے، یہ ایسی

حرام چیزیں ہیں جن کا شمار شرک میں ہے لیکن یہ شرک اصغر کے قبیل سے ہے ۔

الا یہ کہ اس کو پہننے والا یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کے بغیر صرف تعویذ سے اس کے شر کا دفعیہ ہو جائے تو ایسے اعتقاد کی صورت میں یہ شرک اکبر کے قبیل سے ہو جائے گا ۔

اور جس شخص نے ان تعویذات اور گنڈلوں کا استعمال اس اعتقاد کے ساتھ کیا کہ یہ کسی تکلیف کو دفع کرنے یا جن وغیرہ کو دفع کرنے کا سبب بنیں گی تو یہ محرمات میں سے ہے اور اس طرح کا اعتقاد و عمل شرک اصغر ہے یہ شرک اکبر کے قبیل سے نہیں ہے ۔

ممنوع اور منہی عنہ جھاڑ پھونک سے وہ رقیہ مراد ہے جو نامعلوم الفاظ میں ہو یا حرام مفاہیم و معانی پر مشتمل ہو ۔ اگر یہ جھاڑ پھونک ایسے کلمات کے ذریعہ ہو جن کے معانی معلوم ہوں اور اس میں کوئی شرعی محذور نہ ہو جیسے قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ اور پاکیزہ دعائیں جن میں کوئی غیر مشروع چیز نہ ہو اور رقیہ کرنے والا اور جس پر دم کیا گیا ہو ، دونوں کا اس امر پر اعتقاد ہو کہ شفا تصرف اور صرف اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے ، یہ تو صرف اسباب شفا ، سے ہے تو ان شرطوں کے ساتھ جھاڑ پھونک میں کوئی حرج نہیں ہے ۔

تولہ سحر (جادو) کی ایک قسم ہے جس کو صرف اور عطف کہا جاتا ہے ، جادو کی تمام انواع و اقسام حرام ہیں بلکہ شرک اکبر ہیں ، جس پر کتاب و سنت کے دلائل ہیں ۔ واللہ ولی التوفیق ۔

(ترجمہ : ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی) •••

بقیہ : ننگ آدم ، ننگ عرب :

لیکن یہ جنونی اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے ۔ بائیکاٹ میں آگے آنے والے ملکوں کے ان افراد کو یرغمال بنا لیا ہے جو عراق میں رہتے تھے ۔ صدام کی یہ کارروائی بھی پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی رسوائی کا سبب بن رہی ہے ۔ چنانچہ موجودہ امریکی صدر نے اپنی ایک تقریر میں یہ پھبتی بھی صدام پر کسی ہے کہ کیا اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ ناکردہ کار لوگوں کو ناحق حراست میں لے کر انہیں خوفزدہ کیا جائے ۔ ؟

•••

(ابن حبیب اشرف)

ہماری نظر میں

شیخ الاسلام ابن تیمیۃ وجھودہٗ فی الحدیث

تالیف: ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی، استاذ حدیث جامعہ سلفیہ بنارس

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے علمی، دینی، تحقیقی، تجدیدی، مجاہدانہ اور مجتہدانہ کارنامے اہل علم اور پڑھے لکھے لوگوں کے لیے محتاج تعارف اور مخفی نہیں۔ اہل اسلام، اسلام، پیغمبر اسلام اور علوم اسلام کے سلسلے میں ان کی نمایاں اور واضح و موثر خدمات جو ہر میدان و مراحل میں موصوف کے ذریعہ انجام پذیر اور ظہور پذیر ہوئیں، وہ بھی عیاں ہیں محتاج بیان نہیں۔

قرآن مجید نے بہت سارے انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے اولوالعزم مومنین وصالحین اور ان کے مخالفین و معاندین کے احوال وکوائف بکثرت بیان کیے تاکہ بنی نوع انسانی کے لیے چراغ راہ اور درس عبرت اور باعث پند ونصیحت ہوں، علماء اسلام میں دین اسلام کی خدمت کرنے والے خصوصاً علمی وتحقیقی، مجتہدانہ ومجاہدانہ کارنامے انجام دینے والے اولوالعزم اشخاص کے سیر وسوانح، حالات زندگی، کارنامے وتراجم ہمیشہ لکھتے رہے ہیں، کیونکہ یہ بھی علم دین کی ایک ضرورت اور خدمت ہے

امام ابن تیمیہ کی سیرت وحالات، سوانح وخدمات پر مشتمل بہت ساری تحریریں کتابی شکل میں وجود پذیر ہوئیں، موصوف کی شخصیت عام اولوالعزم و حوصلہ مند اہل علم اور تجدیدی کارنامے انجام دینے والے بلند پایہ افراد کی طرح موافقین ومخالفین دونوں طرح کے لوگوں کی نگاہوں کا مرکز رہی۔ بہت سارے لوگوں نے اگر ان کی موافقت وتائید میں کتابیں لکھیں اور بہت سے لوگوں نے ان کی مخالفت وتغلیط میں کتابیں لکھیں۔ موصوف شیخ الاسلام سے متعلق بہت ساری کتابوں کے موجود ہونے کے باوجود بہت سارے اہل علم کو اس ضرورت کا احساس رہا کہ ان کی سیرت وکردار، سوانح،

احوالِ زندگی، کارناموں، علمی، تحقیقی، تجدیدی اور مجاہدانہ و مجتہدانہ ہمہ جہتی نمایاں اور موثر خدمات پر مشتمل کوئی جامع و مانع اور مفصل و محقق کتاب لکھی جائے، جو ان کی زندگی اور علمی و تحقیقی خدمات کے تمام گوشوں اور نواحی کو اجاگر و نمایاں کرتی ہو اور کسی پہلو سے اس میں تشنگی نہ پائی جاتی ہو۔

اس ضرورت کا علمی احساس ہمارے فاضل نوجوان اور غیرت مند محنتی صاحب قلم شیخ ڈاکٹر عبدالرحمن الفریوائی سلمہ اللہ وحفظہ کو ایسا ہوا کہ موصوف نے اس طرح کی جامع کتاب کی تصنیف کا عزم کیا اور امام موصوف کی اور ان سے ملنے والی جملہ کتابوں کا تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے غائر مطالعہ کیا، پھر ان کی سیرت و علمی تحقیقی خدمات پر مشتمل نہایت ضخیم کتاب جو چار بھاری بھاری جلدوں پر محتوی ہے اور جس کے مجموعی صفحات (۲۱۰۰) اکیس سو ہوتے ہیں، لکھ کر شیخ الاسلام کی سیرت اور ان کے علوم کا ایک انسائیکلو پیڈیا تیار کر دیا۔ خصوصاً شیخ الاسلام کے علوم حدیث سے متعلق خدمات کی طرف توجہ بلیغ اس لیے دی کہ موصوف ایک سلفی فاضل ہونے کے ناطے علوم حدیث سے خصوصی دلچسپی اور لگاؤ خود بھی رکھتے ہیں۔ فاضل مصنف نے امام ابن تیمیہ کے حالات و کوائف و سوانح کا مبسوط تعارف کرانے کے ساتھ تصانیف اور تعمیم عقائد و رسوم کے سلسلے والے موثر کارناموں کا بھی بلیغ انداز میں تعارف کرایا ہے اور ان کی جملہ تصانیف حتیٰ کہ موصوف کے مراجع کے تعارف کی طرف بھی خاص توجہ دی ہے۔ ان کی فقہی، افتائی اور مجتہدانہ خدمات و بصیرت و بصارت و معلومات اور طریق خدمت علوم کا بھی تعارف کرایا ہے اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ امام موصوف کی زندگی پر ایک انسائیکلو پیڈیا موصوف نے تیار کر دیا، ہم کو خوشی یہ ہے کہ ان کی اس تصنیف کو دیکھ کر ہم نے محسوس کیا کہ ایک اہم اور ضروری علمی و دینی کام کی جو کمی پائی جا رہی تھی، اسے موصوف نے اپنی محنت و مشقت اور جد و جہد سے پوری کر دیا۔

ہم نے اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھ لیا اور عزیز موصوف نے اگرچہ سعادت مند شاگرد کی طرح کہا کہ اس کی حسب ضرورت اصلاح اور اس پر اپنے ملاحظات لکھیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے میں خاص معلومات اور مزید تحقیقات سے بہرہ ور ہوا اور بہت خوشی ہوئی کہ اسلامی کتب خانہ میں اہل علم کے افادہ کے لیے ایک اچھی کتاب کا اضافہ ہوا۔ اس کتاب سے متعلق یہ تاثرات میں نے اپنے قلبی واردات سے متاثر ہو کر قلم بند کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب اور مصنف سے اہل اسلام کو زیادہ سے زیادہ نفع و فائدہ حاصل ہوتا رہے۔ موصوف کے علم و عمل اور خدمات ملت و دین و دنیا میں برکت ہو اور انھیں راہِ مستقیم پر استقامت کی توفیق ہمیشہ رہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

فقط والسلام۔ محمد رئیس ندوی جامعہ سلفیہ بنارس ۱۲/۳/۱۹۹۰ء

ہماری مطبوعات

نام کتاب	ــــــــ	قیاس ایک تقابلی مطالعہ
نام مصنف	ــــــــ	عمر سلیمان الاشقر حفظہ اللہ
مترجم	ــــــــ	مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب
ناشر	ــــــــ	ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس
ملنے کا پتہ	ــــــــ	مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب ۲۲۱۰۱۰۔ بنارس

آج کی مجلس میں ہم ایک ایسی کتاب کا تعارف پیش کر رہے ہیں جس کا موضوع خالص علمی ہے، جیسا کہ نام سے عیاں ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :

" صحابہ رضی اللہ عنہم احکام میں قیاس کا استعمال کرتے تھے، مثالوں، نظیروں اور مشابہ چیزوں سے ان کی وضاحت کرتے تھے۔ ان اسانید و آثار میں جو لوگ عیب جوئی کرتے ہیں وہ قابل التفات نہیں ہیں۔ یہ کثرت تعداد و طرق میں تواتر معنوی کی حد تک پہونچی ہوئی ہیں (اعلام الموقعین) کتاب کے شروع میں منکرین قیاس کی تردید میں ایک قصیدہ بھی شامل ہے۔

یہ رسالہ ایک مقدمہ، دو فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں قیاس کے لغوی و اصطلاحی مفہوم اور قیاس و اجتہاد و رائے کے باہمی فرق پر روشنی ڈالی گئی ہے

پہلی فصل میں مؤلف نے قیاس کی حجیت پر بحث کی ہے اور اس ضمن میں علماء کے مختلف مذاہب اور نقطہائے نظر کا ذکر کیا ہے۔

دوسری فصل میں قیاس کے ماننے اور نہ ماننے والے دونوں فریق کے دلائل اور ساتھ ہی ان پر اعتراضات و جوابات ذکر کر کے دونوں قسم کی آراء کے مابین تطبیق کی کوشش کی گئی ہے۔ اس فصل میں قیاس سے متعلق رسول اکرم ؐ اور صحابہ کرام ؓ کے

موقف کا بھی ذکر کیا ہے۔

خاتمہ میں قیاس کی مخالفت کے لئے مشہور اہلِ ظاہر کی رائے پر محاکمہ اور مناقشہ ہے اور پھر ان شرائط کی وضاحت ہے جن کا وجود قیاس کے لئے ضروری ہے۔ خاتمہ ہی میں اس سوال کا جواب بھی ہے کہ صریح حکم کی تلاش و جستجو سے پہلے قیاس جائز ہو سکتا ہے یا نہیں۔

کتاب چھوٹی تقطیع میں ۷۵ صفحات پر مشتمل ہے، کتابت و طباعت معیاری اور عمدہ ہے، اس رسالہ کا مطالعہ ہر منتہی طالب علم کے لئے مفید ہوگا کیونکہ قیاس شریعت کے دلائل اربعہ کا چوتھا رکن ہے جس سے واقفیت انتہائی ضروری ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسالہ کی افادیت کو عام فرمائے اور مؤلف، مترجم و ناشر کو جزائے خیر سے بہرہ ور فرمائے۔

(امتیاز احمد سلفی)

ادارۃ البحوث الاسلامیہ

جامعہ سلفیہ کا یہ ادارہ تصنیف، ترجمہ اور طباعت و اشاعت کی خدمت انجام دیتا ہے۔ اس ادارہ سے عربی زبان میں ایک ماہنامہ "صوت الامہ" اور اردو زبان میں ایک ماہنامہ "محدث" شائع ہوتا ہے، ان دونوں رسالوں میں دینی موضوعات کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی موضوعات پر بھی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ اب تک عربی ماہنامہ کے تین خاص نمبر بھی شائع ہو چکے ہیں:

پہلا دعوت و تعلیم کے موضوع پر، دوسرا اسلامی مدارس کے تعارف و تعاون پر اور تیسرا علوم اسلامیہ میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصّہ کے موضوع پر۔

ان رسالوں کے علاوہ مذکورہ ادارہ نے مختلف دینی و علمی موضوعات پر عربی، اردو اور انگریزی میں چھوٹی بڑی تقریباً ڈیڑھ سو کتابیں شائع کی ہیں۔ جن میں سب سے اہم اور وقیع کتاب "مرعاۃ المفاتیح" ہے، مشکوٰۃ المصابیح کی اب تک جو شروح منظرِ عام پر آ چکی ہیں ان میں مرعاۃ سب سے مبسوط اور محققانہ ہے۔ اسے جامعہ سلفیہ کے صدر شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی نے تصنیف کیا ہے، اس کے اب تک نو حصے شائع ہوئے ہیں جن میں کتاب المناسک تک کی شرح مکمل ہو گئی ہے۔

ماہنامہ بنارس

شمارہ ۹ ✻ ستمبر ۱۹۹۰ء ✻ صفر ۱۴۱۱ھ ✻ جلد ۸

اس شمارہ میں

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتصنیف والترجمہ

بی ۱/۱۸ اجی ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ تیس روپے ششماہی پندرہ روپے

فی پرچہ تین روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

درس قرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صبح وشام کے اوراد و وظائف

ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی

یا ایہا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً. وسبحوہ بکرۃ واصیلاً. (مسلمانو! اللہ کو بہت بہت یاد کیا کرو اور صبح وشام اس کی تسبیحیں پڑھا کرو) (سورۃ احزاب ۴۱-۴۲)

قرآن مجید اور احادیث شریفہ کے اللہ کی یاد میں حکم اور اس کی فضیلت اور اس پر اجر وثواب پر بے شمار مواد موجود ہے. اور ایک حدیث میں تو یہ ہے کہ تمہاری زبان ذکر الٰہی سے ہر وقت تر رہنی چاہئے. اس کے بیشمار دنیوی واخروی فوائد ہیں. صبح وشام کے اوراد و وظائف سے متعلق بہت سی آیات واحادیث ہیں. سورۂ غافر میں ہے: وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار (۵۵) (اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ شام وصبح تسبیح پڑھا کر) اور سورۂ ق میں ہے: وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب (۳۹) (اور طلوع شمس کے قبل اور غروب سے پہلے اللہ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کیا کر) صبح وشام کے اذکار واوراد کا وقت نماز فجر کے بعد، اور نماز عصر کے بعد کا ہے. صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: جس شخص نے صبح وشام کو (سبحان اللہ وبحمدہ) سو بار پڑھا، اس سے افضل عمل کوئی آدمی قیامت کے روز لے کر نہیں آئے گا. اِلّا یہ کہ کسی نے یہ وظائف پڑھے یا اس سے زیادہ ـــــ عبداللہ بن خبیب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنے کے لئے کہا تو آپ نے عرض کیا: میں کیا پڑھوں، آپ نے حکم دیا کہ: قل ھو اللہ احد، اور معوذتین (یعنی سورۃ الفلق اور سورہ والناس) صبح وشام تین تین بار پڑھو. یہ تمہارے لئے ہر چیز سے کفایت کریگی (ترمذی، ابوداؤد، نسائی ریہ حدیث صحیح ہے) ـــــ اس کے علاوہ بھی ان دونوں وقتوں کے اوراد و وظائف احادیث صحیحہ میں موجود ہیں لیکن عام مسلمان اس آسان نسخہ پر عمل کرے اور ان دعاؤں کا التزام کرے تو یہ بڑے خیر وبرکت اور فضیلت کی بات ہے. یعنی صبح وشام روزانہ "سبحان اللہ وبحمدہ" یا "سبحان اللہ" اور الحمدللہ سو بار پڑھے اور سورۂ اخلاص یعنی قل ھو اللہ، اور قل اعوذ برب الفلق، اور قل اعوذ برب الناس، تین تین بار ـ اس مختصر اور آسان نسخہ پر عمل کی فضیلت آپ کی زبان مبارک سے سن چکے ہیں. اسلئے آج ہی سے اسے اپنا معمول بنائیں اور آخرت کیلئے توشہ وزاد سفر بنائیں.

بقیہ ص۵ پر

درس حدیث

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی

خیرکم من تعلم القرآن وعلمه

تم میں سے سب سے اچھا اور بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور اسے دوسروں کو سکھلائے

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے. اس لئے وہ دوسرے ہر کلام سے افضل و برتر ہے. یہی وجہ ہے کہ قرآن سے شغف رکھنے والے. اس کی تعلیم حاصل کرنے والے، اور اس کو لوگوں تک پہونچانے والے لوگ اس حدیث صحیح کی روشنی میں سب سے اچھے لوگ ہیں ــــ مذکورہ حدیث کو مشہور امام تابعی ابو عبدالرحمٰن سلمی نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وارضاہ کے قرآن کے ساتھ شغف کا عالم یہ تھا کہ فتنہ کے زمانہ میں جب آپ اپنے گھر میں محصور تھے تو عین حالت تلاوت کلام اللہ میں آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا، اور آپ نے جام شہادت نوش فرمایا، نیز جمع و تدوین قرآن کے سلسلہ میں آپ نے جو خدمات جلیلہ انجام دیں. اس سے بھی آپ کی عظمت و فضیلت اور منقبت عیاں ہے. آپ نے جس قرآن کو مرتب کروایا اور اس کے مختلف نسخے عالم اسلام میں بھیجے، اس کو امام، اور مصحف عثمانی کا نام دیا گیا اور اس وقت قرآن کے بے شمار موجود نسخے سب اسی کے مطابق ہیں. فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات ـــ

حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی روایت کے بعد فرماتے ہیں کہ قرآن کی فضیلت دوسرے کلام پر ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت اس کی مخلوقات پر، اس لئے کہ قرآن اللہ سے صادر ہوا ہے.

اس مفہوم کی بعض مرفوع احادیث بھی ہیں جن میں ضعف ہے.

حدیث مذکور میں قرآن سیکھنے اور سکھانے کی جو فضیلت وارد ہوئی ہے اور کلام الٰہی کی جو فضیلت ہے اس کے حصول کے لئے ابوعبدالرحمٰن سلمی نے قرآنی علوم و فنون کی اشاعت اور اس کی تدریس کے لئے اپنی زندگی کو وقف فرمادیا. چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ درس قرآن کی یہ ذمہ داری میں نے اس حدیث کے سننے کے بعد قبول کی. بخاری میں ہے کہ آپ نے خلافتِ عثمانی کے عہد سے حجاج کے والی عراق ہونے کی مدت میں قرآن کی تدریس کا کام کیا.

ابتدائی عہد خلافت عثمانی سے حجاج کی گورنری کے اختتام تک کا زمانہ تین ماہ کم بہتر سال کا ہے. اور حضرت عثمان کے آخری عہد سے حجاج کی گورنری کی ابتداء کے مابین ۳۸ سال کی مدت ہے.

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ درس و تدریس کا یہ سلسلہ کب شروع ہوا، اور کب ختم ہوا، اس کی تعیین نہ ہو سکی اللہ تعالیٰ ہی صحیح مدت کا علم رکھتا ہے۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی نے اپنے اساتذۂ کرام کے طریقہ درس قرآن پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تبلیغ و تعلیم لفظاً و معنیً فرمائی۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ ہم سے عثمان بن عفان، اور عبد اللہ بن مسعود وغیرہ (جو ہمیں قرآن پڑھاتے تھے) نے فرمایا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دس آیات کا سبق لے لیتے تو اس کے معانی و مطالب کو سیکھتے اور اس پر عمل کے بغیر آگے کا سبق نہیں لیتے تھے۔ ان لوگوں نے یہ بھی عرض کیا کہ ہم نے قرآن، علم، اور عمل سب ایک ساتھ سیکھا۔ (تفسیر طبری ۱/۸۰)

ابوعبدالرحمٰن سلمی خود اپنے طریقۂ تدریس پر روشنی ڈالتے ہیں کہ وہ پانچ پانچ آیات شریفہ کا درس دیا کرتے تھے۔

قرآن کی تعلیم و تبلیغ کی فضیلت پر جہاں دوسرے بہت سے دلائل ہیں۔ وہیں یہ قول بھی ملاحظہ فرمائیں کہ امام ثوری سے جہاد اور قرآن کی تعلیم و تدریس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے قرآن کی تدریس کو راجح قرار دیا۔

حضرت عثمان اور ابوعبدالرحمٰن سلمی کے قرآنی شغف و انہماک کا حال آپ نے سنا، یہ صرف انہیں حضرات کے ساتھ خاص نہ تھا، بلکہ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمہ اسلام کی ایک بہت بڑی تعداد نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تدریس اور تبلیغ میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں، اور دین حق اور تعلیم حقہ کی حفاظت و حمایت اور تبلیغ کا ایسا ریکارڈ قائم کیا کہ اس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں مل سکتی۔

آج کتاب و سنت سے شغف و انہماک تو دور کی بات ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت ان علوم سے بیگانہ، اور دوسرے دل چسپی کے امور سے اپنا تعلق استوار کئے ہوئے ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد لاکھوں میں ہے اگر کتاب و سنت کے علم رکھنے والوں کو وہاں تلاش کریں تو مایوسی ہوگی۔ کچھ دنوں پہلے تک ناظرہ قرآن کا پڑھنا اور دینی تعلیمات کا حصول مسلم معاشرہ کا امتیاز تھا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ وسائل تعلیم کے ہوتے ہوئے بے شمار مسلم خاندانوں کے نونہال ناظرہ قرآن اور عام دینی تعلیمات اور اردو زبان (جو اس برصغیر پاک و ہند میں واحد حصول دین کی زبان ہے) سے نابلد ہیں۔ اور اس نازک صورتحال پر لب کشائی بھی اب لوگوں کے لئے ناگوار خاطر ہوتی ہے۔ ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا ٭ کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم حقیقی معنوں میں کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں۔ قرآن مجید کی تلاوت، اس میں تدبر

اور اس کی تعلیمات پر عمل، اس کی اشاعت اور اس کی تعلیم و تدریس، اور اس کی منشا، و مراد کو سمجھنے کے لئے حدیث رسول سے قرآن ہی کی طرح کا شغف واہتمام، اس لئے کہ اسلام کے چشمۂ صافی کی طرف لوٹے بغیر پیاس بجھانے کے جتنے مصنوعی ذرائع ہیں، وہ سب سراب ہیں، اور صرف سراب۔ اس چشمۂ صافی کو چھوڑ کر ان چشموں سے سیرابی حاصل کرنے کا انجام مزید تشنگی کو بڑھانا، اور دنیا سے آخرت تک میں ذلت و رسوائی اور خسارے کا سامان بہم پہونچانا ہے۔

بقیہ درس قرآن

قرآن پڑھنے پڑھانے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے متعلق ایک صحیح حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

عن أبی موسیٰ الأشعری رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ قال: مثل الذی یقرأ القرآن ویعمل بہ کالأترجۃ طعمہا طیب وریحہا طیب، والذی لا یقرأ القرآن کالتمرۃ طعمہا طیب ولا ریح فیہا، ومثل الفاجر الذی یقرأ القرآن کمثل الریحانۃ، ریحہا طیب، وطعمہا مر، ومثل الفاجر الذی لا یقرأ القرآن کمثل الحنظلۃ طعمہا مر ولا ریح لہا۔

(صحیح بخاری)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قرآن پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کی مثال سنترے اور نارنگی کی ہے جو خوش ذائقہ ہوتا ہے اور جس میں خوشبو ہوتی ہے۔ اور قرآن نہ پڑھنے والے کی مثال کھجور کی ہے جو خوش ذائقہ ہوتا ہے لیکن خوشبو سے عاری، اور قرآن پڑھنے والے فاجر کی مثال چنبیلی کی ہے جس میں مہک ہوتی ہے لیکن وہ کڑوی ہوتی ہے، اور قرآن نہ پڑھنے والے فاجر کی مثال تھوہڑ کی ہے جو بدذائقہ ہونے کے ساتھ ساتھ خوشبو سے بھی عاری ہوتا ہے۔

اس حدیث رسول میں ہمارے لئے بڑی عبرت و موعظت کا سامان ہے۔ آیئے ہم اپنی زندگی پر نظر دوڑائیں اور اپنا محاسبہ کرکے دیکھیں کہ مذکورہ مثالوں میں سے کون سی مثال ہم پر صادق آتی ہے، ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس پر پہلی مثال صادق آئے اور وہ قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے میں میٹھے خوش ذائقہ اور خوشبو والے سنترے کی طرح ہو، تاکہ دنیوی واخروی سعادت کا مستحق ہو۔

افتتاحیہ

چار قسم کے انسان

مسلمان اپنا مقام پہچانیں!

امارت وقیادت کے شرعی فرائض بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے انسانوں کی چار قسمیں بتائیں ہیں۔

۱ ایک قسم انسانوں کی وہ ہے جو دوسرے انسانوں پر قہر و برتری اور زمین میں فساد چاہتے ہیں اور یہ اللہ کی معصیت اور نافرمانی ہے۔ یہ ملوک اور مفسد رؤسار کی قسم ہے۔ جیسے فرعون اور اس کا گروہ۔ اس قسم کے لوگ خلق اللہ کے بدترین افراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا " اِنّ فرعون علا فی الارض، وجعل اھلھا شیعا، یستضعف طائفۃ منھم، یذبح ابناءھم ویستحیی نساءھم۔ انہ کان من المفسدین (القصص)
" یقیناً فرعون نے زمین میں قہر و برتری اختیار کی اور اس نے اہل ملک کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا تھا۔ ان کی ایک جماعت کو کمزور کرتا تھا ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ یقیناً وہ فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ اور صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا اور ایسا شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔ ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! میں پسند کرتا ہوں کہ میرا کپڑا اچھا ہو، میرا جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! اللہ جمیل ہے۔ جمال کو پسند کرتا ہے، حق کو دفع کرنا اور اس کا انکار کرنا اور دوسرے لوگوں کو حقیر و ذلیل ٹھہرانا تکبر ہے۔" اس وصف سے وہی لوگ متصف ہوتے ہیں جو دوسروں پر قہر و برتری اور زمین میں فساد چاہتے ہیں، ریاست، قہر و برتری اور قیادت کے حریص انسانوں کی انتہا یہ ہے کہ وہ فرعون جیسے ہوجائیں اور مال جمع کرنے والوں کی انتہا یہ ہے کہ وہ قارون جیسے ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرعون اور قارون کے احوال کے سیاق میں فرمایا ہے " اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین کانوا من قبلھم

کانوا ھم اشد منھم قوۃ ، وآثارًا فی الارض ، فاخذھم اللہ بذنوبھم ، وما کان لھم من اللہ من واق - (غافر ۲۱) -

" کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی کہ دیکھتے کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیا انجام ہوا . وہ ان لوگوں سے زیادہ طاقت ور اور زمین میں پائیدار آثار کے مالک تھے . پھر اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا تو انھیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا " اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : " تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا ، والعاقبۃ للمتقین " (القصص ۸۳) اس آخرت کے گھر کو ہم ان لوگوں کے لئے خاص کریں گے جو زمین میں قہر و برتری اور فساد نہیں چاہتے اور بہتر انجام متقیوں کے لئے ہے . "

۲ دوسری قسم انسانوں کی وہ ہے جو فساد تو چاہتے ہیں لیکن دوسروں پر قہر و برتری نہیں چاہتے . جیسے عامی انسانوں میں چور اور دیگر مجرمین ہوتے ہیں

۳ تیسری قسم انسانوں کی وہ ہے جو قہر و برتری تو چاہتے ہیں لیکن فساد نہیں چاہتے . جیسے وہ لوگ جن کے پاس دین ہوتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ اس دین کے واسطے سے دوسرے لوگوں پر قہر و برتری حاصل کریں .

۴ چوتھی قسم انسانوں کی وہ ہے جو زمین میں نہ قہر و برتری چاہتے ہیں اور نہ فساد ، باوجودیکہ وہ دوسروں سے اعلیٰ ہوتے ہیں . یہی اہل جنت ہیں . جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین . (آل عمران ۱۳۹) نہ سست ہو اور نہ غمگین ہو ، اگر تم ایمان پر ثابت قدم رہوگے تو تم ہی اعلیٰ وبالا رہوگے ، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا : فلا تھنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون ، واللہ معکم ولن یترکم اعمالکم : (محمد ۳۵) تم سست نہ ہو اور انھیں صلح کی دعوت نہ دو ، تم ہی اعلیٰ وبالا رہوگے . اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہارے اعمال ضائع نہیں کرے گا . اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا " وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین (المنافقون ۸) اللہ ہی کے لئے عزت ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے : چنانچہ انسانوں میں کتنے ایسے ملیں گے جو قہر و برتری کے حریص ہوتے ہیں لیکن یہ جذبہ ان کی پستی میں مزید اضافہ کر دیتا ہے . اور انسانوں میں کتنے ایسے بھی ملیں گے جو اعلیٰ وبالا لوگوں میں سے بنا دیئے گئے حالانکہ نہ وہ قہر و برتری چاہتے تھے اور نہ فساد ، اس کا سبب یہ ہے کہ خلق اللہ پر قہر و برتری چاہنا ظلم ہے . اس لئے کہ تمام انسانوں کی جنس ایک ہے . لہذا کسی انسان کا یہ چاہنا کہ وہی اعلیٰ وبالا ہو اور اس کی نظیر اس کے نیچے ہو ظلم ہے . اور ظلم ہونے کے ساتھ دوسرے لوگ اس سے بغض اور عداوت کا معاملہ کرنے لگتے ہیں اسلئے

کہ انسانوں میں جو عادل ہوتے ہیں وہ کبھی پسند نہیں کرتے کہ اپنی نظیر کے مقہور بن جائیں۔ اور انسانوں میں جو غیر عادل ہوتے ہیں وہ اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ قاہر و برتر صرف وہی ہوں پھر اس کے ساتھ ہی عقل و دین دونوں اعتبار سے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ بعض انسانوں کو بعض پر فوقیت حاصل ہو جس طرح کہ سر کے بغیر جسم کی درستگی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وھو الذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فیما اٰتاکم" (الانعام ۱۶۵) وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا قائم مقام بنایا اور تم میں سے ایک دوسرے پر درجات کی بلندی بخشی تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا۔ (الزخرف ۳۲) ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے سامان معیشت کو ان کے درمیان تقسیم کیا ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر درجات کی بلندی بخشی ہے تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے" اسی لئے امارت وقیادت دین اسلام کے عظیم ترین واجبات میں سے ہے اور امیر و قائد پر واجب ہے کہ امارت وقیادت کو دین و اطاعت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنائے۔ امارت وقیادت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سب سے افضل تقرب الی اللہ میں سے ہے۔ لیکن قیادت و امارت کے ذریعہ ریاست، عزو شرف اور مال کی طلب کے سبب اکثر لوگوں کے احوال فاسد ہو جاتے ہیں۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما ذئبان جائعان ارسلا فی زریبة غنم بافسد لھا من حرص المرء علی المال والشرف لدینه" دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں کے باڑہ پر حملہ آور ہوں ان کے لئے اتنی تباہی کا باعث نہیں ہیں جتنا کہ مال اور عزو شرف کے لئے آدمی کی حرص اس کے دین کی تباہی کا باعث ہے —
خلق اللہ کے امور کے نگراں امراء اور قائدین پر جب مالی اور عزو شرف کی طلب غالب آگئی تو وہ اپنی امارت وقیادت میں ایمان کی حقیقت سے دور ہو گئے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کا یہ نقطۂ نظر ٹھہرا کہ امارت وقیادت ایمان اور کمال دین کے منافی ہے۔ اور کچھ لوگوں پر یہ طریقہ غالب آگیا کہ دین سے انہوں نے ربط و انتساب رکھا لیکن طاقت وقدرت، جہاد اور مال سے انہوں نے اعراض کیا جن کے بغیر دین کو کمال حاصل نہیں ہوتا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں یہ دونوں طریقے فاسد ہیں چنانچہ پہلے طریقے کو اختیار کرنے والے طاقت وقدرت، مال اور حرب وضرب سے شغف رکھتے ہیں لیکن اس سے اقامت دین ان کا مقصود نہیں ہوتا یہ مغضوب علیہم یعنی یہودیوں کا طریقہ ہے۔ اور دوسرے طریقہ کو اختیار کرنے والے دین سے شغف رکھتے ہیں لیکن طاقت وقدرت مال اور جہاد کے ذریعہ اسے کمال تک پہونچانے کی سعی نہیں کرتے یہ ضالین یعنی نصاریٰ کا طریقہ

ہے، صراط مستقیم اللہ کے انعام یافتہ نبیوں، صدیقین، شہدا، صالحین خاتم الانبیاء والرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کے خلفاء، اصحاب اور انکی صحیح اتباع کرنے والوں کا راستہ ہے، جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور جن کے لئے ایسی جنتیں تیار فرمائیں جن میں وہ ہمیشہ عیش کے ساتھ رہیں گے۔ بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے آپؐ نے فرمایا، دین اسلام خیرخواہی ہے، دین اسلام خیرخواہی ہے دین اسلام خیرخواہی ہے۔ صحابۂ کرام نے پوچھا اے اللہ کے رسول کس کے لئے خیرخواہی ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے لئے اس کی کتابوں کے لئے اس کے رسولوں کے لئے مسلمانوں کے اماموں اور قائدین کے لئے اور مسلمانوں کے عام لوگوں کے لئے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزیں پسند فرماتا ہے۔ صرف اسی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی اور چیز کو شریک نہ کرو، سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور بکھرو نہیں، اور اللہ نے جسے تمہارے احوال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اس کی خیرخواہی کرو۔ امارت وقیادت دینی فرائض میں سے ہے اسی کے ذریعہ دین اور دنیا کا قیام ہوتا ہے۔ نوع انسانی کے مصالح ان کی اجتماعیت اور ایک دوسرے کے کام آنے سے ہی پورے ہوتے ہیں۔ اور اجتماع کے لئے کسی امیر یا قائد کا ہونا لازم ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین آدمی بھی جب سفر پر نکلیں تو ان میں ایک کو امیر بنالیں۔ اس طرح دیگر واجبات شرعیہ جیسے امر بالمعروف والنہی عن المنکر جو بغیر طاقت اور امارت وقیادت کے کامل طور پر انجام نہیں دی جاسکتی۔ نیز جہاد، قیام عدل، قیام حج، جمعہ وجماعت، تنفیذ حدود اور مظلوم کی مدد وغیرہ۔ واجبات شرعیہ بغیر امارت وقیادت کے کامل طور پر انجام نہیں دی جاسکتیں۔ البتہ امارت وقیادت خود طلب کرنا ناجائز ہے اور امارت وقیادت اور دین کے ذریعہ طاقت وقدرت مال عزوشرف اور قہر وبرتری کے حصول کو مقصود بنانا ضلال عظیم اور طریقۂ یہود ہے۔ امارت وقیادت کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور اس فریضہ کی انجام دہی سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنی وسعت بھر اس کے لئے کوشش کرے۔ قائدین اور ذمہ دار لوگ مسلمانوں کے دینی ودنیاوی مصالح کی پاسداری اللہ کی اطاعت اور تقرب سمجھتے ہوئے انجام دیں اور عام لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کے جملہ کاموں میں ان کو تعاون دیں اور ان کی خیرخواہی کریں۔

ـــــ محمد عزیز ـــــ

کالا خضاب لگانا کیسا ہے؟

چند دنوں قبل ایک مجلس میں کالے خضاب کا ذکر آیا اور مانعین کے بعض دلائل اور مجوزین ان کی جو تاویل و توجیہ کرتے ہیں اس پر بحث ہوئی۔ اس موضوع پر استاد محترم مولانا عبدالسلام رحمانی نے ایک مبسوط مقالہ شائع کیا تھا جو "بالوں میں خضاب لگانے کی شرعی حیثیت" کے نام سے علیحدہ چھپ چکا ہے (دہلی ۱۹۹۰ء) راقم الحروف نے مختلف مراجع و مآخذ پر ایک نظر ڈالنے کے بعد جب یہ مقالہ پڑھا تو بعض باتیں قابلِ توضیح و استدراک معلوم ہوئیں۔ اس مسئلے سے متعلق بہت سے نصوص (احادیث و آثار) ایسے ہیں جنہیں پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ مولانا نے چونکہ اس بحث میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی (۳/۵۶-۵۸) پر زیادہ اعتماد کیا ہے۔ اس لئے دیگر مآخذ میں موجود اکثر نصوص اور علماء کی تصریحات سے پورے طور پر مستفید نہ ہو سکے۔ زیرِ نظر تحریر کو اس مقالے کا ردّ سمجھنے کے بجائے اس کا تکملہ کہنا چاہئے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ مسئلہ کی صحیح صورتِ حال واضح کر دی جائے۔ اور مولانا کی تحریر سے جو لوگ خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں انھیں اپنے موقف پر نظرِ ثانی کی دعوت دی جائے۔

مولانا لکھتے ہیں "صحابہ و تابعین کے دور میں زرد، سرخ، سیاہی مائل سرخ اور سیاہ چاروں رنگ کے خضاب مستعمل تھے کوئی کسی رنگ پر اعتراض نہ کرتا تھا لیکن بعد میں کالا خضاب ایک مختلف فیہ مسئلہ بن گیا۔" (ص ۲۷-۲۸) پھر اس پر ایک طویل حاشیہ چڑھایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (حضرت عثمان اور دیگر صحابہ و تابعین کے کالا خضاب لگانے پر کسی کا کوئی اعتراض منقول نہیں۔ یہ قول ناقابلِ التفات ہے کہ ہو سکتا ہے کالا خضاب لگانے والوں پر اعتراض کیا جاتا رہا ہو مگر کسی نے اسے نقل نہ کیا ہو۔ اگر اعتراضات کا سلسلہ رہا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ایک دو کا بھی اعتراض منقول نہ ہوتا۔

اگر اعتراض کرنا تسلیم کر لیں تو اس قدر صحابہ و تابعین کا کالا خضاب لگانا ظاہر کرتا ہے کہ اعتراض میں کوئی جان نہ تھی اور اس کے لئے قابلِ تسلیم دلائل نہ تھے ورنہ کالا خضاب نہ لگاتے۔)

میں نے جہاں تک اس مسئلے کی تحقیق کی ہے اس نتیجہ تک پہونچا ہوں کہ عہدِ نبوی میں کسی صحابی سے کالا خضاب لگانا ثابت نہیں۔ صرف ایک ضعیف روایت مجاہد کی یہ ملی کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے بال سیاہ دیکھے جو کل سفید تھے آپنے پوچھا کیا نام ہے ؟ اس نے کہا میں فلاں ہوں ! آپ نے فرمایا تم شیطان ہو (ابن سعد ۱/۴۴۱) ویسے بھی یہ روایت مجوزین کے مفید طلب نہیں۔ دیگر تمام احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لوگ صرف زرد اور سرخ خضاب لگایا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کا حکم دیا تھا اور کالا خضاب لگانے سے بار بار متعدد مواقع پر منع فرمایا تھا۔ چنانچہ اگر کبھی انہوں نے بغیر کسی تعیین کے سفید بالوں کا رنگ بدلنے (تغیر الشیب) کا مطلقاً بھی کوئی حکم دیا تو اس سے صحابہ کرام نے زرد اور سرخ خضاب لگانا ہی سمجھا اور اس پر عمل کیا کسی نے بھی اس سے کالے خضاب کا جواز نہ سمجھا۔ اس سلسلے کی بعض احادیث و آثار ملاحظہ ہوں۔

(۱) اسود بن یزید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انصار آئے جن کے سر اور داڑھی کے بارے سفید تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سفید بالوں کا رنگ بدلنے کا حکم دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ سب لوگ پھر سرخ یا زرد بالوں والے ہوگئے (ابن سعد ۱/۴۴۴)

(۲) ابو امامہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے بوڑھوں کے پاس گئے جن کی داڑھی کے بال سفید تھے۔ پھر فرمایا۔ اے انصاریو ! اپنے بال سرخ اور زرد کرلو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو (مسند احمد ۵/۲۶۴، طبرانی = مجمع الزوائد ۵/۱۳۱، ۱۶۰ = شعب الایمان ۲/۱۷۲ ب، فتح الباری ۱۰/۳۵۴)

(۳) انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے ان کے یہاں کچھ یہودی آئے جن کی داڑھی کے بال سفید تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے بال کے رنگ کیوں نہیں بدل لیتے کسی نے کہا کہ انھیں یہ ناپسند ہے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا، لیکن تم لوگ بدل لیا کرو البتہ کالے رنگ سے بچنا (طبرانی در المعجم الاوسط = مجمع الزوائد ۵/۱۶۰، فتح الباری ۱۰/۳۵۴)

(۴) نافع بن جبیر بن مطعمؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے بالوں کے رنگ بدلو اور یہود سے مشابہت اختیار مت کرو" راوی کہتے ہیں: چنانچہ ابوبکرؓ نے حنا، اور کتم کا خضاب لگایا، حضرت عمرؓ نے گہرے رنگ کا، اور عثمانؓ نے زرد رنگ کا خضاب استعمال کیا۔ (ابن سعد ۳/۱۹۱)

یہ اور ان کے علاوہ دیگر بہت سی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی کالا خضاب

لگانے کا حکم دیا اور نہ ہی اسے پسند فرمایا اور نہ صحابہ کرام نے ان کے فرمان سے کبھی کالے خضاب کا جواز سمجھا۔ عہد نبوی میں جن چیزوں سے خضاب لگایا جاتا تھا وہ حِنّاء، کتم، وَرْس اور زعفران ہیں۔ جیسا کہ حسب ذیل روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱) ابو مالک الاشجعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، ہمارے خضاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وَرْس اور زعفران تھے (مسند احمد ۳/۴۷۲، مسند بزار = مجمع الزوائد ۵/۱۵۹، مسند ابی عوانہ ۵/۵۱۵)

(۲) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی حِنّاء کا خضاب لگائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرا، آپ نے فرمایا کہ یہ کتنا بہتر ہے۔ پھر دوسرا آدمی گذرا جس نے حِنّاء اور کتم کا خضاب لگا رکھا تھا آپ نے فرمایا یہ اس سے بہتر ہے۔ پھر تیسرا کوئی گذرا جس نے زرد خضاب لگا رکھا تھا آپ نے فرمایا یہ سب سے بہتر ہے۔ (ابن سعد ۱/۴۴۴، ابن ابی شیبہ ۸/۴۳۲، ابوداؤد ۴/۸۶، ابن ماجہ ۲/۱۱۹۸، شعب الایمان ۲/۱۷۲ ب، الآداب للبیہقی ص ۳۷۸ ـ ۳۷۹ ـ علامہ البانی فرماتے ہیں" اسنادہ جید" (مشکوٰۃ المصابیح رقم ۴۴۵۴)۔

(۳) ابوذرؓ کی مشہور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سفید بالوں کا رنگ بدلنے کے لئے سب سے اچھی چیز حِنّاء اور کتم ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۵۳، ابن سعد ۱/۴۳۹، ابن ابی شیبہ ۸/۴۳۲، مسند احمد ۵/۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۹، ابوداؤد ۴/۸۵، ترمذی ۴/۲۰۴، نسائی ۸/۱۳۹، ابن ماجہ ۲/۱۱۹۶، ابن حبان = موارد الظمآن، رقم ۱۴۷۵ = المعجم الکبیر للطبرانی رقم ۱۶۳۸، الآداب للبیہقی ص ۳۷۷، شعب الایمان ۲/۱۷۲ الف، تاریخ بغداد ۸/۳۵) اسی مفہوم کی حدیث بریدہؓ (ابن سعد ۱/۴۳۹) انسؓ، مسند بزار = مجمع الزوائد ۵/۱۶۰ بسند ضعیف، ابوالطفیلؓ۔ مسند بزار = مجمع الزوائد ۵/۱۶۰ بسند ضعیف، عطاء خراسانی = (ابن سعد ۱/۴۳۹)، حسن بصری، مصنف ابن ابی شیبہ ۸/۴۳۳، ان دونوں سے مرسلاً = اور سعد بن ابی وقاص (ابن سعد ۱/۴۴۰) سے مروی ہے۔

اس حدیث سے متعلق ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ بعض شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ ممکن ہے اس سے حناء اور کتم دونوں کا امتزاج مراد ہو یا یہ کہ حناء سے علاحدہ اور کتم سے علاحدہ خضاب لگانے کی طرف اشارہ ہو۔ (معالم السنن ۶/۱۰۴ ـ ۱۰۵، فتح الباری ۱۰/۳۵۵، نیل الاوطار ۱/۱۴۸، عون المعبود ۴/۱۳۷، تحفۃ الاحوذی ۳/۵۶) بعض علماء نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ حناء اور کتم دونوں کے امتزاج سے سیاہ رنگ پیدا ہوتا ہے اور چونکہ سیاہ رنگ کا خضاب لگانے سے ممانعت آئی ہے اس لئے حدیث کے بارے میں اس شک کا اظہار کیا کہ شاید اس میں "بالحناء او الکتم" (حناء یا کتم) کے الفاظ تھے،

جس سے تخییر کا مفہوم نکلتا ہے (المجموع المغیث لابی موسیٰ المدینی ۳/ ۱۸ ۔ النہایۃ لابن الاثیر ۴/ ۱۵۰ ــــ ۱۵۱ ۔ لسان العرب ۱۵/ ۱۱۴) علامہ ابن القیم بھی اس حدیث سے کتم سے خضاب لگانے کا جواز سمجھ کر اس کے اور سیاہ خضاب سے ممانعت والی حدیث کے درمیان تطبیق کی کوششوں میں مصروف ہو گئے (زاد المعاد ۴/ ۳۶۷ ــ ۳۶۸ طبع ارناؤط)

میرے نزدیک اس حدیث کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں۔ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد حنّاء اور کتم دونوں کے امتزاج سے ہے۔ ان دونوں کے امتزاج سے سیاہ کے بجائے گہرا سرخ رنگ (أحمر قانئ) پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں صراحۃً مذکور ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری : مع فتح الباری ۷/ ۲۵۷ ، ابن سعد ۳/ ۱۸۸ ، ۱۹۰ ، ۱۹۱ ، ابن ابی شیبہ ۸/ ۳۳۴ ، ۴۳۴) بعض لغت کی کتابوں کا سہارا لے کر حنّاء اور کتم کے امتزاج سے سیاہ رنگ پیدا ہونا ، اور قانئ سے داڑھی کا سیاہ ہونا مراد لینا امر واقع ، تجربے اور مذکورہ روایات کے خلاف ہے۔ " قانئ " ہمیشہ " أحمر " سرخ ہی کی صفت اور تاکید ہوتی ہے۔ " اسود " (سیاہ) یا کسی دوسرے رنگ کی نہیں۔ (دیکھئے۔ فقہ اللغۃ للثعالبی ۷۴ ــ وغیرہ)

جن لوگوں نے اس حدیث سے صرف " کتم " سے خضاب لگانے کا جواز سمجھ کر اشکال محسوس کیا ہے ان کی رائے بھی صحیح نہیں۔ میرے علم و مطالعہ کی حد تک کسی ایک روایت میں بھی صرف " کتم " سے خضاب لگانے کا تذکرہ نہیں ہے جب کہ صرف حنّاء سے خضاب لگانا بہت سی احادیث و آثار میں مذکور ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف کتم کے ذریعہ خضاب لگایا ہی نہیں جاتا تھا کہ بال سیاہ ہو جاتے۔ اطبّاء (جنہیں پودوں اور جڑی بوٹیوں کے فوائد اور استعمال کا سب سے زیادہ علم تھا) نے بھی تصریح کی ہے کہ خضاب کے لئے کتم کو حناء کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے جس سے رنگ پختہ اور پائیدار ہو جاتا ہے ۔ (دیکھئے۔ المعتمد فی الأدویۃ المفردۃ لابن رسول ۴۱۳ بحوالہ مفردات ابن البیطار) ۔

ان حقائق کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ اس حدیث اور نہی عن السواد والی حدیث کے درمیان کوئی تعارض ہے ہی نہیں کہ اس کے دفع کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس حدیث سے صرف کتم کا خضاب مستنبط کرنا امر واقع ، اطبّاء کی تصریحات اور اسالیب عرب کے خلاف ہے۔ تمام روایات میں بھی بلا اختلاف " بالحناء والکتم " واو کے ساتھ آیا ہے یہ کہنا کہ شاید حدیث میں " أو " رہا ہو ، بہت بڑی جسارت ہے۔

اس وضاحت کے بعد ان دو حدیثوں پر بھی بحث ضروری معلوم ہوتی ہے جنہیں سیاہ خضاب کے مجوزین پیش کیا

کرتے ہیں اور جو بظاہر ہمارے اس دعویٰ کے خلاف ہیں کہ عہد نبوی میں صحابہ نے سیاہ خضاب کا استعمال نہیں کیا ہے

(۱) عائشہ رضؓ کی وہ حدیث جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی عورت کو پیغام نکاح دے اور وہ کالا خضاب لگاتا ہو تو اسے چاہئے کہ عورت کو بتا دے کہ وہ کالا خضاب لگائے ہوئے ہے۔ (مسند الفردوس للدیلمی، ضعیف الجامع الصغیر ۱/۱۷۶)۔

(۲) صہیب الخیر کی روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین رنگ جس سے تم اپنا بال رنگو یہ کالا رنگ ہے جو تمہاری بیویوں کے لئے تمہارے اندر زیادہ رغبت اور تمہارے دشمنوں کے دلوں میں زیادہ ہیبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ (ابن ماجہ ۲/۱۱۹۷)۔

پہلی حدیث کے بارے میں استاذ محترم نے مناوی (فیض القدیر ۱/۳۴۴) کا قول نقل کیا ہے کہ "ضعیف" ہے۔ (ص ۳۷)۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ "موضوع" ہے۔ اس لئے بالکل ناقابل التفات ہے (ضعیف الجامع الصغیر ۱/۱۷۶) علامہ ناصر الدین البانی نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ رقم ۲۵۵۳) یہ حصہ ابھی طبع نہیں ہوا ہے

دوسری روایت کے بارے میں استاد محترم نے بوصیری کا قول زوائد ابن ماجہ سے نقل کیا ہے کہ "اس کی سند حسن ہے" (ص ۲۵) پھر حاشئے میں اس سند کے دو متکلم فیہ رواۃ کے دفاع میں صاحب "تحفۃ الاحوذی" (۳/۵۶-۵۷) کا کلام نقل کیا ہے۔ یہ دفاع اتنا کمزور ہے کہ مختصر مناقشہ سے اس کے تار و پود بکھر کر رہ جاتے ہیں۔

اس سند میں ایک راوی دفاع بن دغفل ہے جس کے بارے میں ابوحاتم کہتے ہیں کہ ضعیف الحدیث ہے، ابن حبان نے اس کا ذکر اپنی کتاب "الثقات" میں کیا ہے۔ (میزان تہذیب التہذیب) مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں کہ ابن حبان کی توثیق معتمد ہوگی کیونکہ ابوحاتم نے جرح کی ہے مگر سبب بیان نہیں کیا ہے (تحفۃ الاحوذی ۳/۵۶-۵۷) یہاں مولانا کے ہم نواؤں کے لئے ابن حبان کا منہج بیان کر دینا کافی ہوگا جو جمہور علمائے جرح و تعدیل کے خلاف ہے۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کی جہالتِ عین مرتفع ہو جائے اس طرح سے کہ (اس سے ایک مشہور راوی روایت کرے) تو اسے عادل سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کے بارے میں جرح نہ ثابت ہو۔ اپنے اس منہج کے مطابق انہوں نے "الثقات" میں بہت سے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کے بارے میں ابوحاتم وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ وہ مجہول ہیں۔ ابن حبان کے اس منہج کو لوگوں نے قبول نہیں کیا ہے (دیکھئے۔ لسان المیزان ۱/۱۴-۱۵) جب مجہول راوی کے بارے میں یہ حال ہے تو دفاع بن دغفل کے بارے میں تو ابوحاتم کی صاف جرح موجود ہے۔ پھر ابن حبان کے قول کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔ اور ابوحاتم سے جرحِ مفسّر

ی طلب کے کیا معنیٰ ؟ حافظ ابن حجر نے اسی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تقریب)

دوسرا راوی عبدالحمید بن صیفی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں " عبد الحميد عن ابيه عن جده لايعرف سماع بعضهم عن بعض " (یعنی ان کے باپ دادا میں سے ایک کا دوسرے سے حدیث سننا معلوم نہیں) مولانا مبارکپوری زماتے ہیں کہ امام بخاری نے حدیث معنعن قبول کرنے کے لئے راویوں کے درمیان کم از کم ایک بار ملاقات کی جو شرط لگائی ہے، عبدالحمید کے سلسلے میں یہ قول بھی اسی پر مبنی ہے، جمہور نے یہ شرط نہیں لگائی ہے۔ اس راوی کا ذکر ابن حبان نے الثقات ں کیا ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں " هو شيخ " (تحفۃ الاحوذی ۳/۵۷)

مجھے حیرت ہے کہ مولانا مبارکپوری نے اتنا کمزور جواب (اپنی طرف سے یا کسی دوسرے کی طرف سے) کیسے بلا کسی اعتراض ، ذکر کرنا گوارا کیا۔ امام بخاری یہاں سماعِ حدیث کی نفی کر رہے ہیں ، بقا رکی نہیں۔ یہلی صدی ہجری میں کیا اس کا سور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی اپنے باپ یا دادا سے زندگی بھر ایک بار بھی نہ ملے اور اس کے حوالے سے حدیثیں بیان کرے ؟ بلاشبہ ہاں دراصل سماعِ حدیث کے بارے میں گفتگو ہے۔ ابن حبان کے " ثقات " میں ذکر کرنے سے راوی کا ثقہ ہونا لازم ں جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے۔ ابوحاتم کا اسے " شیخ " کہنا توثیق نہیں۔ حافظ ابن حجر نے ان ہی امور کے پیش نظر ے " لین الحدیث " بتایا ہے۔ (تقریب)۔

اس تفصیل کے بعد ظاہر ہے کہ مجوزین کی پیش کردہ یہ حدیث ناقابلِ احتجاج ہے اس کا منکر ہونا اس سے بھی واضح ہے کہ یہ ابوذر کی مشہور حدیث صحیح کے خلاف ہے جس میں حنا ، دکتم کے خضاب کو سب سے بہتر بتایا گیا ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر ائے ہیں۔

کالا خضاب لگانا صحابہ سے ثابت ہے؟

عہدِ نبوی کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی صحابۂ کرام کالا خضاب نہیں لگاتے تھے۔ جن صحابہ کی طرف ان کی نسبت ۱تی ہے ان سے اس کا ثبوت محلِّ نظر ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن القیم نے تصریح فرمائی ہے (تہذیب سنن ابی داؤد ۶/۱۰۴) نے جب ہر ایک کے بارے میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ :

(الف) ان سے سیاہ خضاب لگانا صحیح سند سے ثابت نہیں۔

(ب) بلکہ ان میں سے اکثر سے زرد یا سرخ خضاب لگانا مروی ہے۔

(ج) ایک دو واقعات ایسے بھی ملتے ہیں کہ سیاہ خضاب لگانے پر اعتراض کیا گیا۔

ذیل میں ہر صحابی کے بارے میں تفصیل ملاحظہ ہو :

(۱) عثمان بن عفان : ان سے طبری نے " تہذیب الآثار " میں سیاہ خضاب لگانا نقل کیا ہے (زاد المعاد ۴/۳۶۷) افسوس کہ تہذیب الآثار کا یہ حصہ مفقود ہے۔ ورنہ سند دیکھ کر اس روایت کی حقیقت معلوم ہوتی۔ مجھے حضرت عثمان کے سیاہ خضاب لگانے کی روایت کسی بھی ماخذ میں نہیں ملی۔ اس کے برعکس ان سے زرد خضاب اور حناء کا خضاب لگانا متعدد ماخذ میں بسند صحیح مروی ہے (ابن سعد ۳/۵۷، ۵۸ = کنز العمال ۶/۶۹۲ = ابن ابی شیبہ ۸/۴۴۰)۔

(۲) سعد ابن ابی وقاص : ان کے سیاہ خضاب لگانے کا ذکر بعض ماخذ میں ہے (ابن سعد ۲/۱۴۳، المعجم الکبیر للطبرانی رقم ۲۹۴، معرفۃ الصحابہ لأبی نعیم، = کنز العمال ۶/۶۹۲ = المستدرک ۳/۴۹۶، وبلا سند در، شرح السنۃ ۱۲/۹۴، سیر أعلام النبلاء ۱/۹۷) اس کی مختلف سندوں میں واقدی، رشدین بن سعد، اور سلیم بن مسلم ہیں۔ جو بالترتیب کذاب، ضعیف اور مجہول ہیں (دیکھئے مجمع الزوائد ۵/۱۶۲، جس میں آخری دونوں کا ذکر ہے)

(۳) عمرو بن العاص : ان سے ہیثمی (مجمع الزوائد ۵/۱۶۲ بحوالہ طبرانی) نے سیاہ خضاب لگانا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ ابن عبد الحکم نے (فتوح مصر = کنز العمال ۶/۶۸۹ =) ایک روایت ذکر کی ہے جس میں ہے کہ عمرو بن العاص داڑھی اور سر کے بال میں سیاہ خضاب لگائے ہوئے ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس آئے انہوں نے فرمایا تم کون ہو ؟ کہا میں عمرو بن العاص ہوں، حضرت عمر نے فرمایا میں تو تمہیں بوڑھا جانتا تھا، آج تم جوان ہو! میں تمہیں بتاکید کہتا ہوں کہ جب نکلنا تو یہ سیاہی ضرور دھل لینا۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمرو بن العاص نے اگر کبھی سیاہ خضاب لگایا بھی ہو تو حضرت عمر سے ملنے کے بعد اسے ضرور ترک کر دیا ہوگا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اسلامی دور میں سب سے پہلے سیاہ خضاب مغیرہ بن شعبہ نے لگایا لوگ دیکھتے تھے کہ ان کے بال سفید ہیں، ایک دن وہ سیاہ خضاب لگا کر نکلے تو لوگوں کو سخت حیرت ہوئی (ابن ابی شیبہ، = الوسائل إلی معرفۃ الاوائل للسیوطی ص ۲۲)۔

(۴) عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب : ان سے سیاہ خضاب لگانا طبری نے نقل کیا ہے جس کی سند کا کوئی پتہ نہیں۔ دوسرے کسی ماخذ میں اس روایت کا ذکر نہیں، البتہ حناء کا خضاب لگانے کا تذکرہ ملتا ہے (طبرانی = مجمع الزوائد ۵/۱۶۴)

(۵) مغیرہ بن شعبہ : ان سے سیاہ خضاب لگانے کی روایت طبری نے نقل کیا ہے جس کی سند کا علم نہیں۔ اس کے برخلاف ان سے زرد خضاب لگانا منقول ہے (ابن سعد ۶/۲۰) ان کے بالوں کی رنگت کے بارے میں آتا ہے " کان أصهب

الشعر جلد ۱۔" (ابن عساکر ۱۷/۳۵ ب ۔ سیر اعلام النبلاء ۳/۲۲)۔ "أصہب" زرد مائل بہ سرخی و سفیدی کو کہتے ہیں (المعجم الوسیط)۔

(۶) جریر بن عبداللہ بجلی : ان سے بھی طبری نے سیاہ خضاب نقل کیا ہے جو مجھے کسی دوسرے ماخذ میں نہیں ملا البتہ زرد خضاب لگانا بہ سند صحیح منقول ہے (ابن ابی شیبہ ۸/۲۴۴ ، مجمع الزوائد ۵/۱۶۳ ، شعب الایمان ۲/۱۷۲ ب۔)

(۷) عقبہ بن عامر : ان کے سیاہ خضاب لگانے کا ذکر بعض روایات میں ہے (ابن سعد ۴/۳۴۴ ، ابن ابی شیبہ ۸/۴۳۸ ، طبرانی ، مجمع الزوائد ۵/۱۶۲ ، وبلاسند در : سیر اعلام النبلاء ۲/۴۶۸) یہ شاعری کیا کرتے تھے اور کہتے تھے۔" نُسَوِّدُ أعلاها وتأبیٰ أصولُها ۔" (ہم بالوں کو اوپر سے تو سیاہ کرتے ہیں مگر اس کی جڑیں اسے قبول نہیں کرتیں) ان کی وفات حضرت معاویہ کے دور میں ۶۰ھ کے قریب ہوئی (تقریب التہذیب) گویا انہوں نے خلفائے راشدین کے دور کے بعد خضاب لگایا تھا جب کہ صحابہ کی بعض اولاد نے سیاہ خضاب لگانا شروع کر دیا تھا۔ جیسے حسن، حسین، عمرو بن عثمان بن عفان، علی بن عبداللہ بن عباس۔

سعید المقبری کا بیان ہے کہ میں نے صحابہ کی اولاد کو سیاہ خضاب لگاتے ہوئے دیکھا (ابن سعد ۵/۱۵۱) مشہور تابعی عطاء بن أبی رباح کے بقول بلاشبہ یہ بعد کے لوگوں کا فعل ہے " هو مما أحدث الناس " وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کی ایک بڑی جماعت کو دیکھا ہے ان میں سے کسی کو بھی وَسْمَہ سے سیاہ خضاب لگاتے ہوئے نہیں پایا، وہ صرف حناء اور کتم کا اور زرد خضاب لگایا کرتے تھے (ابن سعد ۱/۴۴۱-۲ ، ابن ابی شیبہ ۸/۴۳۹ ، ۴۴۰)۔ عطاء کے اس صریح بیان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیاہ خضاب کا رواج بعد میں ہوا ہے، پہلے نہیں تھا۔ صحابہ اسے سخت کراہت نگاہ سے دیکھتے تھے حضرت عمر کا استنکار ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان ہی سے ایک دوسرے موقع پر ابن الحرانیہ نامی ایک شخص (جس نے حمص میں سب سے پہلے کالا خضاب لگایا تھا) پر انکار منقول ہے۔ انہوں نے اپنے خطبے میں فرمایا: " ابن الحرانیہ نے اپنا نور بجھا دیا (یعنی سیاہ خضاب لگایا) اللہ اسے قیامت کے دن بے نور کرے (ابن عساکر ، کنز العمال ۶/۶۹۰)

ایک تیسرا واقعہ ان کے دور کا بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی (جو کالا خضاب لگایا کرتا تھا) نے شادی کی، کچھ دنوں کے بعد اس کا خضاب زائل ہو کر بڑھاپا ظاہر ہو گیا۔ عورت کے رشتہ دار معاملہ حضرت عمر تک لے گئے انہوں نے اس کا نکاح توڑ دیا اور اسے خوب پیٹا اور فرمایا: تم نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی جوانی کا اظہار کیا اور بڑھاپا چھپایا۔ (احیاء علوم الدین ۱/۱۴۳)۔

حضرت ابوہریرہ سے بھی جب کالے خضاب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا "سیاہ خضاب لگانے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے۔ (ابن ابی شیبہ ۸/۴۳۹)

صحابہ کے بعد تابعین نے بھی سیاہ خضاب سے نفرت اور کراہت کا اظہار کیا۔ مجاہد سے اس کی کراہت کے ساتھ یہ بھی منقول ہے کہ سب سے پہلے سیاہ خضاب فرعون نے لگایا (ابن ابی شیبہ ۸/۴۳۹، ابن سعد ۵/۴۶۷) ان کا یہ قول بھی مروی ہے کہ "آخری زمانے میں بہت سے لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب لگائیں گے، اللہ ان کی طرف نظر نہیں کریگا (مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۵۵)۔

سعید بن جبیر سے سیاہ خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس سے کراہت کا اظہار کیا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے چہرے کو نور پہناتا ہے اور وہ اسے بجھا کر سیاہی پوت لیتا ہے (مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۵۴، ابن سعد ۶/۲۶۷، ابن ابی شیبہ ۸/۴۴۰)۔

فرقد السبخی سے جب اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایسے آدمی کے سر اور داڑھی میں قیامت کے دن آگ کے شعلے بھڑکیں گے (مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۵۶، شعب الایمان ۲/۲۷۱-الف) کالے خضاب سے کراہت مکحول اور شعبی سے بھی منقول ہے (ابن ابی شیبہ ۸/۴۳۹، ابن سعد ۱/۴۴۱) بلکہ زہری سے بھی ایک روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا: "توراۃ میں لکھا ہے کہ جو داڑھی میں سیاہ خضاب لگائے وہ ملعون ہے" (ابن سعد ۱/۴۴۱) لیکن اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ زہری سے صحیح روایت اس کے جواز بلکہ استحباب کی ہے (عبدالرزاق ۱۱/۱۵۴، ۱۵۵، ابن سعد ۱/۴۴۱، مسند احمد ۲/۳۰۹) ان کے شاگرد الزبخی کہتے ہیں کہ میں نے انھیں سیاہ خضاب لگائے دیکھا، مگر دوسرے شاگرد امام مالک کہتے ہیں کہ میں نے انھیں حنا، کا خضاب لگاتے دیکھا (طبقات ابن سعد - القسم المتمم ص ۱۸۱) تیسرے شاگرد سفیان کا بیان ہے کہ میں نے زہری کے سر اور داڑھی کے بال گہرے سرخ مائل بہ سیاہی دیکھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۵/۳۴۲) ان روایات کے درمیان بہ ظاہر اختلاف نظر آتا ہے جو ان ہی سے منقول ایک روایت سے دور ہو جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ہم سیاہ خضاب لگاتے تھے جب چہرہ نیا تھا مگر جب چہرہ اور دانت بے رونق ہو گئے تو چھوڑ دیا۔ (الخضاب لابن أبی عاصم - فتح الباری ۱۰/۳۵۵) گویا شروع میں تو وہ سیاہ خضاب لگاتے رہے، بعد میں اسے ترک کر دیا۔ اخیر عمر میں کسی نے جب انھیں دیکھا وہ سیاہ کے بجائے سرخ خضاب لگاتے تھے۔

علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں کہ: زہری کو سیاہ خضاب کی حرمت کی حدیث دراصل ملی ہی نہ تھی، اس لئے انہوں

نے اپنے ذوق کے مطابق سیاہ خضاب اختیار کیا اور پھر چھوڑ دیا۔ (غایۃ المرام فی تخریج احادیث الحلال والحرام ص ۸۴) مجھے مطالعہ کے دوران ابوقحافہ کو خضاب لگانے اور انھیں سیاہ خضاب سے روکنے کی ایک روایت زہری منقول ملی (مسند الحارث بن ابی اسامہ = کنزالعمال ۶/۶۸۸ =) لیکن اس کی سند سامنے نہیں کہ تحقیق کی جاسکے۔

پچھلے مباحث کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ عہدنبوی اور خلافت راشدہ کے دور میں کالے خضاب کا رواج مسلمانوں میں نہ تھا۔

۲۔ اگر کسی نے کالا خضاب لگایا تو اس پر شدید نکیر ہوئی۔

۳۔ اس کی کراہت متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔

۴۔ جن صحابہ کی طرف کالا خضاب لگانا منسوب کیا جاتا ہے ان سے اس کا ثبوت محل نظر ہے۔ اس کے برخلاف ان سے زرد یا سرخ خضاب لگانا ثابت ہے۔

۵۔ کالے خضاب کی کراہت عہدنبوی اور عہدخلفائے راشدین میں اجماعی مسئلہ تھا۔ اس سلسلے میں کوئی اختلاف منقول نہیں۔

۶۔ عہدخلافت راشدہ کے بعد بعض اولادصحابہ اور کچھ تابعین سیاہ خضاب لگانے لگے۔ اس طرح اسے اختلافی مسئلہ بنادیا گیا۔

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کالے خضاب کا نہ حکم دیا اور نہ اسے پسند فرمایا جن احادیث سے اس کا جواز یا استحباب سمجھا جاتا ہے وہ یا تو موضوع اور ضعیف ہیں یا ان کا غلط مطلب سمجھا گیا ہے۔

۸۔ عہدنبوی اور خلافت راشدہ میں جن چیزوں سے خضاب لگایا جاتا تھا وہ: حناء، کتم، ورس اور زعفران ہیں۔

اب تک کی بحث سے استاد محترم کے اس بیان کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے جسے ہم نے مقالے کے شروع میں نقل کیا ہے۔ آئندہ سطور میں سیاہ خضاب کی ممانعت کے دلائل اور مجوزین کی تاویلوں کا جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے پتہ چلے گا کہ کیا یہ دلائل مقنع اور قابل تسلیم ہیں یا نہیں؟ ان کی تاویل کی ابتدا کب سے ہوئی، سلف کا ان دلائل سے متعلق کیا موقف رہا؟ محدثین اور فقہاء نے ان دلائل سے کیا استنباط کیا ہے؟

(جاری)

خلیج کا موجودہ بحران

اپنے صحیح تناظر میں

کویت پر عراقی قبضہ کے خلاف پوری دنیا میں عموماً اور عالم اسلام میں خصوصاً نفرت وغصہ کے جذبات پائے جاتے ہیں، ہرطرف لوگ عراق کے اقدام کی مذمت کر رہے ہیں اور اس سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ کویت سے اپنی فوجیں فوراً ہٹالیں۔

عراقی جارحیت کے نتیجہ میں جس طرح ایک پڑوسی دمحسن عرب ملک کویت پر عراقیوں کا قبضہ ہوا، صدر صدام حسین نے اپنے جارحانہ عزائم کی تائید وحمایت میں جس طرح کے سخت بیانات دیئے اور جس انداز سے عراقی فوجوں نے نقل وحرکت شروع کر دی اس سے علاقہ کے دوسرے ملکوں اور بالخصوص سعودی عرب کو بھی سخت خطرہ لاحق ہوگیا۔ اس صورت حال کے پیش نظر عراق کے پڑوسی ملکوں نے جس نوعیت کے دفاعی اقدامات کئے ہیں، ان سے کچھ غرض منداور مفاد پرست عناصر عوام پر غلط تاثر قائم کرنا چاہتے ہیں، اور اپنے بے جا مقاصد کی تکمیل کے لئے ایسے مبالغہ آمیز ومبنی برخیالات بیان دے رہے ہیں جن سے لوگوں میں ذہنی الجھن و بے چینی اور حقائق کے بارے میں غلط تصورات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے جامعہ سلفیہ اپنے آرگن ماہنامہ «محدث» کے ذریعہ اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

۱۔ ایک مسلمان کی نظر میں دین ودنیا کا معاملہ الگ الگ نہیں ہے، فرد کی طرح جماعت اور حکومت پر حکم لگاتے ہوئے عقیدہ وعمل کی استواری کا مقام سب سے اول ہے جن حکومتوں کے زیر سایہ الحاد وبے دینی اور شرک وبدعت کو فروغ مل رہا ہے ان کی تائید وحمایت کا مسئلہ مشکل ہے، اور جو حکومتیں صحیح اسلام کی اشاعت وحمایت اور شرک وبدعت کی بیخ کنی کے لئے کوشاں ہیں ان کی تائید ہمیشہ مطلوب ومستحسن ہے۔

۲۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ انہیں ملوکیت، جمہوریت، حریت، مساوات اور انقلاب وغیرہ اصطلاحات کے چکر میں پھنسا کر کچھ لوگ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرتے ہیں، لیکن غور سے دیکھا جائے تو اسلام میں یہ اصطلاحات اصل

مقاصد کے تابع ہیں، اوران مقاصد سے دور ہٹ کر ان کی کوئی حیثیت واہمیت نہیں ہے، جمہوریت، مساوات اور انقلاب کے نام پر جو لوگ بنیادی اسلامی اقدار کو پامال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کی تائید وحمایت کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ سعودی حکومت نے اپنے آغاز ہی سے صحیح عقیدہ کی تائید واشاعت اور شرک وبدعت نیز الحاد وبے دینی کی بیخ کنی کے سلسلہ میں انتہائی واضح موقف اختیار کیا ہے، ساتھ ہی باطل وگمراہ فرق ومذاہب کی پردہ دری کے باب میں کبھی بھی کسی طرح کی مداہنت نہیں برتی ہے۔ اس لئے باطل پرستوں نے اس کے خلاف شروع سے محاذ آرائی جاری رکھی ہے۔ آٹھ سالہ ایران عراق جنگ کے دوران اس حکومت کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا، برصغیر میں شیعہ اور اہل بدعت احناف نے کھل کر سعودی عرب کے خلاف آواز بلند کی اور حرمین شریفین کو بین الاقوامی تحویل میں دینے کا مطالبہ کیا، اس وقت عراقی جارحیت کے بعد یہ عناصر پھر سعودی عرب کے خلاف پروپیگنڈے کی مہم میں مصروف نظر آرہے ہیں۔ کبھی ملوکیت کے خلاف آواز اٹھائی جارہی ہے اور کبھی بیرونی افواج اور مغربی سامراج کا ہوا کھڑا کیا جارہا ہے، فکری انتشار کے اس مرحلہ میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صورتحال کو اس کے پس منظر اور جملہ متعلقات کی روشنی میں دیکھے تاکہ اسلام اور اس کی تعلیمات واقدار پر ضرب نہ لگے۔

۴۔ سعودی حکومت نے ہمیشہ الحادی ولادینی نظریات کی مخالفت کی جس کی وجہ سے اشتراکی ممالک ہمیشہ اس کے مخالف رہے، اور جب عرب دنیا میں بھی اشتراکیت کا نفوذ ہوگیا تو سعودی عرب پر رجعت پرستی، انقلاب دشمنی وغیرہ کے الزامات عائد کئے جانے لگے اور یہ کہا جانے لگا کہ یہ ملک مغربی سامراج کے زیر اثر ہے، لیکن جو لوگ عالم اسلام میں الحاد وبے دینی پھیلانے میں سرگرم تھے، اور جن کے ہاتھوں مسلمانوں کو سخت ترین آزمائشوں میں مبتلا ہونا پڑا، ان کے بارے میں جمہوریت پرست اور انقلاب نواز عناصر بالکل خاموش تھے۔

۵۔ سعودی عرب نے پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی تائید وحمایت کے باب میں انتہائی شاندار وعظیم کارنامہ انجام دیا ہے، افغانستان میں روسی جارحیت کے خلاف علم جہاد بلند کرنے میں اس ملک کا کارنامہ بے مثال ہے۔ اسی طرح پوری دنیا کی مسلم اقلیتوں کے ساتھ اس کا رویہ اسلامی اخوت وہمدردی پر مبنی ہے، فلپائن، اریٹریا اور مختلف دوسرے حصوں میں مسلم اقلیات اپنی آزادی وخود مختاری اور دینی تحفظ وترقی کے لئے جس طویل جدوجہد میں مصروف ہیں، ان کی تائید وحمایت کے سلسلہ میں سعودی عرب، کویت اور ان کے معاون دوسرے ملک گرانقدر تعاون دے رہے ہیں جس کی اہمیت کو ہر ایک محسوس کرتا ہے۔

پوری دنیا میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنے ، اور صحیح عقیدہ پھیلانے کے لئے اس نے مبلغین کا جال بچھادیا ہے ، مساجد و مدارس کی تعمیر میں مدد دی ہے ، ہر علاقہ کے مسلمانوں کو تعلیمی وظائف دے کر اعلیٰ اسلامی تعلیم کے مواقع فراہم کئے ہیں ۔

اسلام کے ارکان میں حج ایک عظیم رکن ، اور اسلام کی اہم بدنی ومالی عبادت ہے ، حج کے سفر میں مسلمان کو بیت اللہ کی زیارت اور اسلامی تاریخ کے سب سے اہم اور مقدس شہر مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے مشاہدہ کا موقع ملتا ہے ، اس لئے ہر مسلمان کے دل میں اس عبادت کی ادائیگی کے لئے آرزوئیں مچلتی رہتی ہیں ۔ مالی وسائل کی کمی کے باعث جو لوگ اس سفر کی سعادت نہیں حاصل کر پاتے ان کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعائیں اور التجائیں اس کثرت سے ہوتی ہیں کہ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے شوق وانابت کے صلہ میں ان کو حج کے ثواب سے سرفراز فرمادے گا ۔

اس عظیم عبادت سے مسلمانوں کا شغف ہمارے سامنے ہے ۔ اب ایک نظر حرمین کی مقدس سرزمین کے ماحول اور حجاج کے لئے امن وامان پر ڈالئے ، تاریخ بتاتی ہے کہ قرون اولیٰ کے بعد حرمین کی مقدس سرزمین یا آس پاس کے علاقے پورے طور پر امن و امان سے بہرہ ور نہ رہے ۔ سیاسی ، مذہبی ، یا اقتصادی اسباب کی وجہ سے سفر حج پر جانے والوں کو طرح طرح کے اندیشوں یا جانی ومالی نقصانات کا سامنا رہا ، کبھی کبھی یہ صورتِ حال اس حد تک بگڑ گئی کہ حج سے بسلامت واپسی کو نئی زندگی سے تعبیر کیا جاتا تھا ، ایک مسئلہ مقامات مقدسہ میں امن وامان کے علاوہ اشیاءِ خورد ونوش اور رہائش کی فراہمی کا بھی تھا ، اس مسئلہ کا ایک پہلو تو انسانی طاقت وانتظام کے دائرہ سے باہر ہے ، لیکن دوسرا پہلو ذمہ داروں کی طرف سے حسنِ تقسیم وتنظیم کا ہے ۔ سعودی حکومت نے جس طرح امن وامان کے قیام اور اشیاءِ خورد ونوش کی فراہمی کے مسائل کو حل کیا ہے اس کا اندازہ آج کے دور کا ہر انسان کر سکتا ہے ، جو لوگ صورتِ حال سے واقف ہیں ان کو اعتراف ہے کہ ملک عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے عہد سے ارض مقدسہ میں امن وامان اور خوشحالی کا دور دورہ ہوا ہے ، اس کی مثال قرونِ اولیٰ کے بعد کے ادوار میں بہت کم ملے گی ۔

حجاج کے لئے امن وامان اور اشیاءِ ضروریہ کی فراہمی کے ساتھ ہی سعودی حکومت نے حرمین شریفین کی تعمیر وتوسیع کے باب میں بھی اہم خدمت انجام دی ہے ، ترکی دورِ حکومت میں حرمین کی وسعت جس قدر تھی آج اس سے دوگنا سہ گنا ہے ، مکہ و مدینہ دونوں شہروں میں رہائش کے لئے انتظامات بھی کافی ہیں ، ایام حج میں منیٰ وعرفات میں پانی وغیرہ کی اب کوئی دشواری نہیں جس سے حجاج کرام بڑے اطمینان وسکون سے فریضۂ حج ادا کرتے ہیں اور قلبی سکون وطمانیت کا سرمایہ لے کر وطن واپس لوٹتے ہیں ، یہ حجاج کے مسئلہ اور حسنِ انتظام پر توجہ ان لوگوں کو اچھی نہیں معلوم ہوتی جو شعائر اسلام اور مسلمانوں کو خوشحالی کا منظر دیکھتے ہیں ۔ اس لئے اسلام دشمن طاقتیں اس ملک کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنانے کے درپے ہیں ، تاکہ اس طرح وہ تمام سرگرمیاں

متاثر ہو جائیں جو اس حکومت کے ذریعہ انجام پا رہی ہیں ، نہ افغانی جہاد کی تائید ہو سکے نہ دنیا میں تدریس و تبلیغ کا سلسلہ برقرار رہے نہ اسلامی علوم وفنون کی حوصلہ افزائی کی جا سکے نہ بحث و تحقیق کے لئے مواقع میسر ہو سکیں نہ حج جیسا مقدس فریضہ امن و سکون کے ساتھ انجام پا سکے ۔

کویتی حکومت اور عوام بھی اسلامی خدمات کے سلسلہ میں بڑی حد تک سرگرم تھے اور ان سے بھی بیرون دنیا کے مسلم عوام کو تعاون حاصل ہوتا تھا ، اس لئے انقلابی جمہوری عناصر کی نظر میں وہ بھی کھٹکتے تھے ، کویت نسبتاً چھوٹا ، کمزور اور قریب تھا اس لئے حامیان انقلاب و ترقی کی نظر پہلے اسی پر پڑی اور دیکھتے دیکھتے اس کی سالمیت و خود مختاری قصۂ ماضی بن گئی ۔

۶ ۔ کسی بھی معاملہ کو ، اور بالخصوص کسی اہم معاملہ کو صرف کسی ایک پہلو سے دیکھنا قرین انصاف و دانشمندی نہیں ، خلیجی خطہ میں صورت حال یقیناً دھماکہ خیز ہے ، کسی بھی ملک میں بیرونی فوج کا وجود اگر بلا ضرورت ہو تو باعث تشویش ہے ۔ مسلح تصادم کا نتیجہ ہمیشہ ملک اور عوام کی بربادی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ۔

لیکن ان سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کی صورت حال کا ذمہ دار کون ہے ؟ اندیشوں کی دنیا میں پلنے والے افراد کو پہلے اس سوال کا جواب دینا چاہئے ، پھر اس کے بعد اس فیصلہ کا وقت آئے گا کہ کون صحیح ہے ، اور کون غلط ۔ سعودی عرب کی داخلی وخارجی سیاست کو بعض دشمن عناصر نے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا تھا اور آج بھی اس کا سلسلہ جاری ہے ، لیکن اصل صورت حال واضح ہونے کے بعد ہمیشہ معاندین اور ان کی پشت پناہی کرنے والوں کو خفت کا سامنا ہوا ، اور سعودی حکومت کی سیاست اسلام اور مسلمانوں کے حق میں مفید ثابت ہوئی ۔

۷ ۔ تقریباً نصف صدی قبل فلسطین کا مسئلہ پیدا ہوا ، جس نے پوری عرب اور اسلامی دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ، اسلام دشمن طاقتوں کے اس کھیل سے پوری دنیا کے مسلمان تلملا اٹھے ، جس قدر ممکن ہوا انہوں نے اسرائیلی جارحیت اور مغرب کی اسلام دشمنی کا مقابلہ کیا ، کئی مرتبہ عربوں کا اسرائیل کے ساتھ مسلح تصادم بھی ہوا لیکن نہ تو اسرائیل ختم ہو سکا نہ فلسطینیوں کی ان کے وطن میں صحیح طور پر آبادکاری کی کوئی سبیل پیدا ہوئی ۔ فلسطینی پناہ گزینوں کا مسئلہ عالم اسلام کے سنگین ترین مسائل میں سرفہرست ہے ، ان خانماں برباد لوگوں کی آبادکاری ، تعلیم اور ملازمت کے بوجھ کو مختلف عرب ملکوں نے برداشت کیا ہے ، اور یہی بین الاقوامی سطح پر اس مسئلہ کی تائید وحمایت کر رہے ہیں ، اس پیچیدہ مسئلہ کو اسلامی اقدار اور عرب منصوبوں کے مطابق حل کرنے میں سعودی عرب ، کویت اور ان کے معاون ملکوں کے کردار پر منصفانہ نظر ڈالی جائے تو واضح ہوگا کہ سعودی عرب اور کویت وغیرہ کا کردار اس سلسلہ میں بے حد مثبت اور قابل تعریف ہے ، ان ملکوں نے بیت المقدس کی بازیابی اور فلسطینی عوام کے حقوق کی حمایت کے مسئلہ سے نہ

تو کوئی سیاسی غرض وابستہ کی ، نہ اس کے ذریعہ زعامت وقیادت کو تقویت دینے کی بات سوچی ، نہ اس سلسلے میں کبھی دولت وثروت کی پروا کی ، نہ اس راہ میں کسی انحراف کو قبول کیا بلکہ اسلامی بنیادوں پر ہمیشہ ممکنہ حد تک اس مسئلہ کو فلسطینی عوام کے حق میں حل کرنے کے لئے کوشاں رہے ، جن لوگوں نے اس مسئلہ کو اسلامی دائرہ سے نکال کر کسی اور بنیاد پر حل کرنے کا نعرہ بلند کیا ، ان کی کوششوں کا انجام سامنے ہے ، چند سال قبل انتفاضہ کی جو تحریک شروع ہوئی اور آج بھی جاری ہے ۔ اس پر غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو سکتی ہے کہ سعودی عرب وغیرہ نے مسئلہ کو آگے بڑھانے کے لئے جو راستہ متعین کیا تھا وہی صحیح راستہ ہے جس پر چل کر اس مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہے ۔

۸ ۔ مصر سے اٹھنے والی " الاخوان المسلمون " تحریک کو اسلامی وعربی دنیا میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ، دعوت و تبلیغ اور تصنیف وتالیف کے میدان میں اس جماعت کی خدمات کا اعتراف سب کو ہے ، سعودی حکومت کے ذمہ دار اور علماء و مشائخ اس تحریک کے افکار و نظریات اور طریقۂ کار سے کلی طور پر متفق نہیں تھے اور بدقسمتی سے اس تحریک کو اپنے وطن اور پوری عرب دنیا میں سخت ترین آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا ، جس سے تحریک کا کام خاطر خواہ طور پر آگے نہ بڑھ سکا ، تحریک کے بعض ذمہ داروں نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی وتجدیدی دعوت کے تئیں مناسب رویہ بھی اختیار نہیں کیا ، پھر بھی سعودی حکومت اور وہاں کے علماء و مشائخ نے " تعاونوا علی البر والتقوی " کے اصول پر چلتے ہوئے اخوان تحریک کے ساتھ ہر موڑ پر زبردست تعاون کیا ، آمریت پسند حکام کے مقابلہ میں تحریک کے زعماء و قائدین کی پشت پناہی کی ، جو لوگ تحریک سے وابستگی کی بناء پر اپنے وطن میں معتوب یا گردن زدنی تھے ان کو سعودی عرب میں پناہ دی ، اور ان کے ساتھ تکریم وتعاون کا معاملہ کیا ، یہ تکریم وتعاون کبھی کبھی اس حد تک بڑھ گیا کہ دوسرے لوگوں نے تکدر وانقباض محسوس کیا خود مستفید حضرات نے بھی شاید یہ سوچا کہ ہم اپنی حقیقت چھپانے میں کامیاب رہے ، لیکن اصل بات یہ نہ تھی ، معاملہ صرف یہ تھا کہ سعودی حکومت کے ذمہ دار ہمیشہ اس نوعیت کی اسلامی تحریکوں کے ساتھ رواداری وحسن ظن کی بنیاد پر معاملہ کرتے ہیں ، انھیں یہ توقع رہتی ہے کہ دینی میدان میں کام کرنے والے افراد اور جماعتیں صحیح عقیدہ و مسلک واضح ہونے پر اسے قبول کرلیں گی ، ان کی یہ توقع یقیناً اسلامی تعلیم کے مطابق ہے لیکن کس حد تک پوری ہوگی ؟ یہ ایک علیحدہ سوال ہے ۔

۹ ۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام " اسلامی مملکت " کی حیثیت سے ہوا تھا ، لیکن اس ملک کے ذمہ دار اسلامی شریعت کو بروئے کار لانے میں جس طرح ناکام رہے اس کے تذکرہ کی ضرورت نہیں ، اس ملک میں عوام کو اسلام کے شرائع واحکام سے صرف دور ہی نہیں رکھا گیا بلکہ وہاں ایسی ایسی تحریکیں اور نظریات پھلے پھولے جس سے اسلام کی کھلم کھلا بیخ کنی ہوئی ، اور آج بھی انکی

سلام دشمنی کا سلسلہ جاری ہے ، ان تحریکوں میں قادیانیت ، بہائیت اور انکار حدیث سر فہرست ہیں ۔ قیام پاکستان سے متصل
مانہ میں علمائے حق میں سے بعض نے قادیانیت کی تردید میں بے حد مؤثر کردار ادا کیا ، تنہا شیخ الاسلام علامہ ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری
مہ اللہ کی ذات گرامی اس مسئلہ میں اتنی وزن دار تھی کہ قادیانی حلقہ اس ضرب کو برداشت نہ کرسکا اور مرزا غلام احمد قادیانی
تھک کر یہ اعلان کرنا پڑا کہ اس معاملہ کو میں (غلام احمد) خدا کے حوالے کرتا ہوں ، ہم (غلام احمد ، ثناء اللہ) میں سے جو جھوٹا
ھوٹا ہوگا اس کی موت کسی دبا میں پہلے ہوگی ، اور سچا زندہ رہے گا ، اللہ تعالیٰ نے مرزا کی اس خواہش کی تکمیل کردی ، اور وہ
لامہ امرتسری رحمہ اللہ سے بہت پہلے ہیضہ کی وبائی بیماری میں فوت ہوگئے ، یہ واقعہ قادیانی فرقے پر سخت ضرب تھی ، لیکن باطل نے
یشہ سخت جانی کا مظاہرہ کیا ہے ، قیام پاکستان کے بعد قادیانی فرقہ کے لئے حالات سازگار ہوئے اور انہوں نے سرزمین پاکستان
ں اپنا قدم جما لیا ، حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر ان کے افراد پہنچ گئے اور اس طرح انہوں نے اسلام کے نام پر حاصل کی ہوئی اس
ملکت کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا ، ضرورت تھی کہ اس سلسلہ میں سخت قدم اٹھا کر پاکستان کو اس گمراہ فرقہ کے اثرات بد سے
ک کیا جائے ۔ پاکستان میں حکومت اور علماء حق کے تعاون سے سعودی حکومت نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ، اور احقاق حق اور
طال باطل کے لئے علماء کی رہنمائی کی ، اس سلسلہ میں اہل علم کو جس سرپرستی و حوصلہ افزائی کی ضرورت تھی اسے فراہم کیا ،
س کے نتیجہ میں قادیانیت کے خلاف تحریک کو تقویت حاصل ہوئی ، اور حکومت پاکستان نے اس فرقہ کو اسلام سے خارج قرار دیا۔

۱۰ ۔ موجودہ دور میں پوری دنیا کا اقتصادی ڈھانچہ سود پر قائم ہے ، یہ اسلام دشمن عناصر کی ایسی سازش ہے جسے بہت
لوگ سمجھ پاتے ہیں ، دشمنوں کا مقصد ہے کہ مسلمانوں کو حلال کمائی سے جس کی اسلام میں غیر معمولی بلکہ سب سے زیادہ اہمیت ہے
دم کردیا جائے ، اس طرح وہ معنوی و مادی دونوں لحاظ سے غیر مؤثر ہو جائیں گے ، عالم اسلام پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ
شمنان اسلام اپنے اس سازش میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی دنیا میں اتنی بڑی تعداد
ں طرح غیر مؤثر اور کمزور ہے ۔

علماء و محققین اور ارباب حل و عقد کی ایک جماعت کو اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر سوچنے اور سودی نظام سے مالیات کو پاک
رنے پر غور کرنے کی توفیق دی پھر یہ مسئلہ نظریات کے دائرے سے نکل کر عملی دنیا میں آیا ، مختلف تنظیموں اور حکومتوں نے غیر سودی
باد پر مالی معاملات کو آگے بڑھانے کے لئے قربانی پیش کی ، اور اب ایک ایسا ڈھانچہ وجود میں آگیا جس کے دائرہ میں غیر سودی
باد پر مالی تعامل کیا جاسکتا ہے ۔

سعودی حکومت نے اپنے سرمایہ اور افرادی طاقت سے اس مسئلہ کو غیر معمولی تقویت دی ، سعودی عرب کے علاوہ دیگر

عرب و مسلم ممالک میں غیر سودی بینک قائم کئے گئے، مسلم ماہرینِ اقتصاد کی خدمات حاصل کر کے نظریاتی طور پر غیر سودی مالی تعامل کی بہتر صورتوں کی نشاندہی کی گئی اور مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی کہ وہ سودی کاروبار سے کلی طور پر اجتناب کرتے ہوئے اپنے مالی مسائل کو حل کریں۔

۱۱۔ اسلام کے ساتھ نصرانیت کی کشمکش پرانی ہے، موجودہ دور میں دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے مابین طاقت کا توازن قائم نہیں رہ سکا، اسلامی دنیا مختلف اسباب کی بنا پر سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں کمزور اور نصرانی دنیا بے حد مضبوط ہے، اس طرح کے حالات میں اسلام کے تحفظ و بقاء اور اس کی اشاعت و ترقی کے لئے جدوجہد ایک مشکل اور صبر آزما کام ہے، اس سلسلہ میں مختلف مسلم ممالک اور تنظیمیں اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور مسلمانوں کی تقویت و دفاع کے لئے وسائل کے مطابق خدمات انجام دے رہی ہیں اور ان کی کوششوں کے ثمرات بھی بڑی حد تک سب کے سامنے ہیں، سعودی عرب کی حکومت اور علماء کی اس سلسلہ میں کوششیں بے حد نمایاں اور مؤثر ہیں اور ان کا دائرہ مختلف براعظموں تک پھیلا ہوا ہے۔

براعظم افریقہ عرصہ سے نصرانی مبلغین کا مرکزِ توجہ ہے، اس براعظم میں اقتصادی صورت حال کمزور ہے، ساتھ ہی جہالت و پسماندگی کا غلبہ ہے جس کی وجہ سے عیسائی مشنریاں جن کے پاس دولت کی ریل پیل ہے۔ اس علاقہ میں قدم جمائے ہوئے ہیں، سعودی حکومت نے افریقہ میں اسلام کی اشاعت اور وہاں کے مسلمانوں کے دینی تحفظ کے لئے اقتصادی و علمی دونوں محاذوں پر کام کیا ہے اور اپنے مبلغین کے ذریعہ عیسائی مشنریوں کا مؤثر مقابلہ کیا ہے، ہم یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتے کہ افریقہ میں عیسائی مشنریاں معطل ہو گئی ہیں، لیکن یہ کہنا بلاشبہ صحیح ہوگا کہ سعودی عرب، کویت اور مصر وغیرہ کی توجہ سے افریقہ میں نصرانیت کی سرگرمیاں سرد پڑ رہی ہیں اور وہاں کے مسلمانوں میں یہ اعتماد پیدا ہو چکا ہے کہ ہم جس دین کو مانتے ہیں اس کی شریعت میں دین و دنیا کی کامیابی کی ضمانت موجود ہے اور اسلامی تہذیب و تمدن کی تاثیر مغربی تہذیب کے مقابلہ میں بہت زیادہ قوی ہے۔

ایشیا اور آسٹریلیا میں بھی سعودی عرب کے مبلغین اسلام کی اشاعت کے لئے سرگرم ہیں اور اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ ان کے پیشِ نظر یہ مسئلہ بھی ہے کہ عقیدہ و عمل کے میدان میں مسلمانوں کی اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ ہر طرح کے مذہبی خطرات کا پورے طور پر مقابلہ کر سکیں، مذکورہ دونوں براعظموں میں نصرانیت کے علاوہ دوسرے مذاہب و نظریات بھی موجود ہیں جن سے مسلمانوں کا سابقہ ہے، سعودی عرب کی طرف سے کام کرنے والے علماء و مبلغین کی خدمات اس سلسلے میں بھی مؤثر ہیں۔ چنانچہ ہم محسوس کر سکتے ہیں کہ مذکورہ علاقہ کے مسلمان خود اعتمادی و مذہبی بیداری کے لحاظ سے دوسری جگہ کے مسلمانوں سے کم نہیں ہیں۔

یورپ اور امریکہ میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور نصرانیت کی طرف سے اسلام پر عائد کئے جانے والے الزامات کی تردید کے لحاظ

سے بھی اگر سعودی حکومت کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو بے حد اطمینان ہوتا ہے، مذکورہ دونوں براعظم نصرانیت کا مرکز اور مختلف حیثیتوں سے بے حد مضبوط و ترقی یافتہ ہیں، ان علاقوں کی مختلف حکومتوں نے عرصہ تک مسلم ممالک کو اپنے زیر نگیں رکھا ہے، اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں براعظموں میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام بلا شبہ مشکل ہے۔ سعودی عرب نے یورپ و امریکہ دونوں جگہ کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے دعوتی و تبلیغی خدمات انجام دی ہیں، ان کوششوں میں مبلغین کے تقرر اور تعلیمی و تبلیغی مراکز کا قیام اہمیت رکھتا ہے، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں بسنے والے مسلمان اپنے مذہب سے وابستہ اور ان کی نئی نسل اس سے آشنا ہے، اگر اس نوعیت کی کوششیں نہ کی جاتیں تو مغرب کے مادی معاشرہ میں مسلمانوں کا وجود و تشخص پوری طرح ختم ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ سعودی عرب اور دیگر ممالک نیز تنظیموں کی کوششوں سے دیارِ غرب میں اسلام کے عروج و ترقی کی باتیں سننے میں آرہی ہیں۔

اسلام کی تبلیغ واشاعت کے سلسلہ میں سعودی عرب کا یہ کارنامہ بڑی معنویت اور وزن رکھتا ہے کہ اس نے دعوتی کوششوں کو دینی علم کے ساتھ مربوط رکھا ہے۔ ایک طرف سعودی یونیورسٹیوں اور بالخصوص مدینہ منورہ کی جامعہ اسلامیہ میں سو سے زائد ممالک کے طلبہ کو وظائف دے کر تعلیم کا موقع دیا جاتا ہے، یہ طلبہ بڑے اطمینان وسکون سے یہاں رہ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں پھر اپنے وطن واپس جا کر دین کی تعلیم و تبلیغ کی خدمت انجام دیتے ہیں، اس کے علاوہ سعودی عرب کے تحقیقی ادارے پورے عالم اسلام کے علماء و محققین کے تعاون سے ایسا لٹریچر مہیا کر رہے ہیں جس سے اسلام کی اشاعت و ترقی میں کافی مدد مل رہی ہے جو لوگ اعداد و شمار پر نظر رکھتے ہیں انہیں بخوبی اندازہ ہے کہ دینی علوم کی تعلیم و تحقیق کے میدان میں سعودی عرب کی خدمات بے نظیر ہیں۔

۱۲۔ ان حقائق کی روشنی میں ہم یہ اعلان ضروری سمجھتے ہیں کہ کویت پر عراقی حکومت کا قبضہ سراسر جارحانہ و ظالمانہ ہے جس کے لئے نہ تو عالمی رائے عامہ کا سہارا لیا جا سکتا ہے نہ ہی کویتی عوام کی مزعومہ تائید و حمایت کا، نہ کسی شرعی و بین الاقوامی قانون کا، ــــ چونکہ عراقی حکومت کے جارحانہ عزائم اور عراقی صدر صدام حسین کے تہدید آمیز بیانات بالکل واضح تھے، اس سعودی حکومت کی دفاعی کوششیں ضروری اور برمحل ہیں، جان و مال اور عزت و آبرو کے لئے خطرہ پیدا کرنے والے عناصر کے خلاف شریعت اسلامیہ نے مدافعت کا جو حق ایک مسلمان کو دیا ہے مذکورہ اقدام اسی کے دائرہ عمل میں آیا ہے۔

جو لوگ غیر ملکی افواج کے وجود پر بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے عراقی حکومت اور وہاں کے بعث پارٹی کے مسلمانوں کے ساتھ سابقہ تمرد کو فراموش کر دیتے ہیں، ان کے عزائم مسلمانوں کے حق میں کبھی بھی بہتر نہیں ہو سکتے۔ عراق نے اپنے رویہ سے جس جارحیت اور محسن کشی کا ثبوت دیا ہے اس کی تائید کے لئے کوئی بنیاد فراہم نہیں کی جا سکتی۔

اسرائیل عرصہ سے امریکہ، روس اور دیگر اسلام دشمن عناصر کی تائید وحمایت کے سہارے علاقہ میں موجود ہے، عرب قومیت اور اسلام دونوں کے ساتھ اس کی دشمنی اس کا سب سے اولین وعزیز ترین مقصد ہے، اس کے جارحانہ عزائم کی زد میں تمام عرب ممالک ہیں، ایسی صورت حال میں عراق کا کویت پر حملہ اور سعودی عرب کو اس کی دھمکی کیا اسرائیلی وسامراجی عناصر کے ساتھ تعاون کے مترادف نہیں ہے؟ ۔

ہم ہر مسلمان اور بالعموم ہر انصاف پسند انسان کا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ کویت پر عراق کے جارحانہ قبضہ کی پر زور الفاظ میں مذمت کرے اور موجودہ دھماکہ خیز صورت حال کے لئے اس کو پورے طور پر ذمہ دار قرار دے، نیز ایک پڑوسی محسن ملک پر قبضہ جمانے کے لئے جس طرح عراق نے طاقت کا سہارا لیتے ہوئے ہر طرح کے اصول ودستور کو نظر انداز کیا ہے اس سے نفرین کرے ۔

ہم سعودی حکومت کے ذمہ داروں کی حکمت عملی پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے یقین رکھتے ہیں کہ سرزمین حرمین شریفین، مقامات مقدسہ اور جملہ سعودی علاقوں کے تحفظ وسعادت کے لئے وہ تمام مناسب ومؤثر اقدام کریں گے اور ساتھ ہی ان عناصر کی شدید مذمت کرتے ہیں جو حرمین کی مقدس آراضی کا نام لے کر سعودی حکومت کے خلاف لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ عناصر نہ تو اسلام کے لئے مخلص ہیں نہ مسلمانوں کے بہی خواہ ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو ہر طرح کے فتنہ وفساد سے محفوظ رکھے، اور اسلامی دنیا کو دشمنوں کے قبضہ وتسلط سے بچائے ـــــ آمین! وصلی اللہ علی النبی الکریم وسلم ۔

(شعبہ نشر واشاعت، جامعہ سلفیہ، بنارس)

نقوشِ ماضی

استعانت

قبل اس کے کہ کسی مسئلہ کی تنقیح وتنقید میں خامہ فرسائی کی جائے اولاً یہ جانچ ہو جانا لازمی ہے کہ مسئلہ مابہ البحث حیزّ امکان میں آنے کے قابل ہے یا نہیں، اور جب قابلِ امکان یا کم از کم قرینِ قیاس ہونے پر وجوہ موجود ہوں تو انضباطِ تحریر یا معرضِ تقریر میں لانا چاہیئے۔ مگر متضاد اس کے مسئلہ بحث شروع ہو کر ایک فریق اپنی تائید میں اور مخالف یا معترض اپنی توثیق کے بیان میں طویل وبسیط مکالمہ تحریری وزبانی شروع کر دیتے ہیں جس کا ماحصل بجز تضیعِ اوقات اور کچھ نہیں، اسی سلسلۂ بے معنی کا مسئلہ استعانت ہے۔

استعانت کی دو صورت ہیں ۔ صورت اول وہ جو ہر وقت انسان کی زندگی سے وابستہ ہے اور باہم دگر ضروریات دنیوی میں لاحق ہوتے رہنے سے زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ تمدن کا اسی پر حصر ہے اور کوئی متنفس اس کے عمل سے خالی نہیں۔ ایسی استمداد نہ شرک ہو سکتی ہے نہ گناہ، البتہ دوسری صورت خاص باری تعالیٰ کی اجابت پر منقطع ومنحصر ہے اور بشر کو کسی طرح کا تصرف واختیار نہیں۔ وہی استعانت میری بحث کا موضوع ہے۔ جو صاحب دونوں صورتوں میں خلط مبحث کر کے طول کلام کرتے ہیں وہ صرف ان کی حجتِ بیجا ومایوس الکلامی کا نتیجہ ہے، ورنہ ان دونوں میں تناقض تامہ ہے۔ خداوند قدوس کی مشیئت دربار سلطانی سے بالکل غیر مماثل ہے، دنیا کے بادشاہ اپنے حاضر وغائب کے دلی حالات سے ناواقف بلکہ پس پشت کی چیز پر بھی ان کا علم محیط نہیں۔ اور وہ علام الغیوب فاطر الغیب والشہادۃ ہے اسکے یہاں خفی وجلی دونوں یکساں ہیں، پھر اس کو انبیاء واولیاء سے استشارہ کی کیا حاجت؟ البتہ شفاعت کا حکم ہے سو یہ روز قیامت ہوگی جب کل مردے حساب وکتاب کے لئے جمع کئے جاویں گے اور وہ شفاعت بھی اس طور نہیں کہ چاہے جس کا قصور معاف کرا دے بلکہ شفاعت اسی شخص کی ہوگی جس کی مشیئتِ الٰہی نے معافی دیدی ہے۔ صرف شرعی حیلہ رفع کرنے کی غرض سے اذن ہونے پر انبیاء اولوالعزم وملائکہ مقربین شفیع

ہوں گے، اس شفاعت سے قضائے حاجات دینی و دنیوی کا کچھ تعلق نہ رہا کیونکہ یہ روز فیصلہ ہوگی اور استعانت بقید حیات درکار ہوتی ہے اور جب خداوند لایزال صاف صاف فرما چکے ہیں کہ: ایاك نعبد و ایاك نستعین، اور فطرت وسنت اللہ میں تبدیل نہیں ہوتی پھر کسی کی استعانت سے کوئی نتیجہ مفید مترتب ہونا خارج از قیاس ہے جو نوشتۂ تقدیر ہے ہو کر رہے گا۔ اگر فطرت بدل جایا کرتی تو ہمارے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے کون افضل و برتر ہے کہ باوجود ہادی کامل ہونے کے اپنے چچا ابوطالب و دیگر اعزا یعنی ابوجہل وغیرہ کو ہدایت یاب نہ فرما سکتے؟ چند جگہ خداوند تعالیٰ کلام مجید و فرقان حمید میں فرما چکا ہے کہ خدا چاہے جس کو شقی کرے یا سعید، تنگ روزی کرے یا فراخ، اولاد ذکور دے یا اناث، یا دونوں، یا عورت کو عقیمہ کرے وغیرہ۔ پھر کون استعانت باقی ہے جو غیر اللہ سے کی جاوے؟

اگر خیال کیا جاوے کہ ہمارے اور اولیاء اللہ کے مابین یہ تفاوت ہے کہ ہماری دعاء مقبول نہیں اور اولیاء کی دعا کو اختصاص قبولیت حاصل ہے؟ مگر جہاں تک غور کیا جاتا ہے کہ یہ خیال بھی نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔ جہاں صاف الفاظ میں ارشاد ہے کہ مجھ سے دعا مانگو قبول کروں گا۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں، پھر دوسروں سے استعانتاً دعا کرانا محض فضول ہے البتہ اولیاء کرام سے تعلیم روحانی کا استفاضہ ہو سکتا ہے جسطرح معلمین سے علم دینی و دنیوی کا، لیکن اس فیض کا استعانت سے کوئی تعلق نہیں، اکثر لوگ اپنی کم عقلی سے (وابتغوا الیہ الوسیلۃ) کو استعانت بہ اولیاء کرام سے منسوب کرتے ہیں لیکن غور کرنے پر اس کا تعلق خاص اتباع شریعت غراء پابندی صلاۃ ہے کیونکہ اسی سے تزکیۂ نفس و درجۂ ولایت حاصل ہوتا ہے۔ دراصل استعانت و وسیلہ دونوں جداگانہ ہیں۔ استعانت سے یہ غرض ہوتی ہے کہ مستعان خود حاجت پوری کردے یا خداوند تعالیٰ سے حاجت پوری کرادے۔ لیکن وسیلہ کی صورت میں بذات خود یا اس کی وساطت کو نفع رساں نہیں سمجھا جاتا میرے عقیدہ سے تو بطفیل یا بوسیلہ و واسطہ دعا مانگنے میں بھی شرک فی النبوت ہے۔ رہا یہ امر کہ کسی عالم یا صوفی کی رائے ہے کہ استعانت انبیاء و اولیاء مستحسن و ضروری ہے۔ لیکن یہ ان کی رائے ہے جس کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر کوئی صاحب نصوص قرآنی سے استعانت غیر اللہ کو ثابت کر دیں تو میں بلا قیل وقال تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں ایسے شخص کو جو سوائے ذات یکتا دوسرے کو مستعان سمجھے مشرک قطعی سمجھتا ہوں۔ اگر میرا عقیدہ اصل اسلام کے خلاف ہو تو بموعظت بزرگانہ تنبیہ فرما کر ممنون فرمائیے۔

عبدالحکیم سہسوانی (اخبار اہلحدیث ۲۵ جون ۱۹۱۵ء جلد ۱۲ نمبر ۳۴)

نغمۂ اخلاص

حماد انجم / ایڈوکیٹ

جاں آفرینِ ذات ، ھو اللہ واحدٌ
سرچشمۂ حیات ، ھو اللہ واحدٌ

اس کی خبر کی خوشبو گلِ مبتدی میں ہے
مہکی ہے کائنات ، ھو اللہ واحدٌ

شش دانگ میں فروغ ہے ذاتِ جمیل سے
مشہودِ بینات ، ھو اللہ واحدٌ

شبنم ہے رنگ درامشِ منظر کی زندگی
آئینۂ ثبات ، ھو اللہ واحدٌ

دن کا سفیر اس کا وظیفہ گزار ہے
شب زندہ دار رات ، ھو اللہ واحدٌ

اظہارِ اعتقاد میں کیسی مداہنت؟
نکلی ہے منہ سے بات ، ھو اللہ واحدٌ

رنگِ وجود اس سے نقوشِ عدم میں ہے
خلاقِ کائنات ، ھو اللہ واحدٌ

فانوسِ حق کے سامنے کس کا دیا جلا
کیا لات کیا منات ، ھو اللہ واحدٌ

توحید کے اجالے میں ہر شئی ہے آئینہ
باطل ہے سومنات ، ھو اللہ واحدٌ

ہاتھوں میں اس کے بند ہیں مشکل کشائیاں
تیسیرِ مشکلات ، ھو اللہ واحدٌ

حماد ہر بساط پر ایماں کی چال چل
سب کو ہے شاہ مات ، ھو اللہ واحدٌ

ایک پیر غیوّر کی جواں ہمتی

انسان کو جو حیرت و استعجاب لاحق ہوتا ہے اس میں کبھی غم کی آمیزش ہوتی ہے اور کبھی خوشی کی، میں اپنے جس استعجاب کا ذکر کر رہا ہوں اس میں بحمداللہ خوشی کا پہلو غالب ہے۔ ماہنامہ "محدث" کسی پچھلے شمارے میں یہ اپیل شائع ہوئی تھی کہ جماعت کے اہل قلم ان خدمات کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں تعاون فرمائیں جنہیں جماعت کے علماء و مصلحین نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں انجام دیا ہے تاکہ جماعتی تاریخ کا یہ پہلو منضبط ہو سکے، اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کو اس تذکرہ سے مدد ملے۔

ہمیں توی امید ہے کہ جماعتی تاریخ کے اس اہم پہلو پر اہل قلم ضرور توجہ دیں گے، اور جامعہ سلفیہ کے اس منصوبہ کو عملی شکل دینے کے لئے مخلصانہ جد وجہد فرمائیں گے۔ جماعت میں لکھنے والوں کو کمی نہیں، نہ جوش و حوصلہ کا فقدان ہے، لیکن افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ جوش وجذبہ غیر تعمیری کاموں کی نذر ہو جاتا ہے، اور علمی منصوبوں کو مادی اغراض و مصالح کا تابع بنا دیا جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تصنیفی صلاحیتوں کو خالص علمی منصوبوں کی تکمیل کے لئے استعمال کیا جائے اور منصوبہ بندی کے ساتھ ان موضوعات پر کام شروع کیا جائے جن پر لکھنا زیادہ ضروری ہے۔

جامعہ سلفیہ نے محدث میں جو اپیل شائع کی تھی وہ صرف نظری دائرے تک محدود نہیں تھی بلکہ جامعہ کے اساتذہ اور بعض دوسرے حلقوں کی طرف سے اس پر کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ اور اس وقت بھی بحمداللہ یہ سلسلہ جاری ہے۔ بلاشبہ یہ کام مشکل اور صبر آزما ہے، اور ممکن ہے اس میں قابل ذکر مادی فائدہ بھی نہ ہو۔ لیکن یہ یقین ہے کہ اس نوعیت کا کام وقت کی ضرورت اور جماعت کی اہم خدمت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے انجام کی توفیق دے۔

مذکورہ اپیل کی اشاعت کے بعد جماعتی حلقوں سے ہمیں جس مثبت ردعمل اور تعاون کی توقع تھی اس کا آغاز ایک ایسی شخصیت کی طرف سے ہوا ہے جسے ہم باجرکت بھی سمجھتے ہیں اور راہنما بھی۔ محترم مولانا شاکر گیاوی صاحب

حفظہ اللہ تعالیٰ جماعت کے واجب التعظیم بزرگ ہیں۔ تقریباً سو سال کی عمر ہے لیکن آج بھی ان کے دل کی دھڑکنوں میں جماعتی تعمیر و ترقی کی صدا ہم سن سکتے ہیں۔ ان کی لگن اور حوصلہ ایسا ہے کہ بڑے بڑے متحرک نوجوان اس سے حرکت و عمل کا درس لے سکتے ہیں۔ موصوف نے محدث کی اپیل پر بے حد اخلاص اور سوز و درد سے ہمیں اپنے خط کے ساتھ ایک تحریر بھیجی ہے جس میں جماعت کی تبلیغی خدمات کے بعض اجزار کا ذکر ہے۔ یہ تحریر بے حد سادہ اور جماعتی تاریخ کے سمندر کے ایک قطرے کی مانند ہے۔ لیکن اس کے پیچھے جو پاکیزہ جذبہ اور جماعتی ترقی کی لگن پوشیدہ ہے وہ بے حد عظیم ہے۔ ہمیں اس جذبہ کو محسوس کرکے اس کی قدر کرنا چاہئے۔ محترم شاکر گیاوی صاحب نے آزادی سے پہلے اور بعد کے دونوں زمانوں میں جماعتی احوال اور سرگرمیوں کو قریب سے دیکھا ہے اور بہت سی سرگرمیوں میں خود شرکت کی ہے۔ علمار کا اخلاص ان کی سادگی اور ادائے فرض کی راہ میں قربانی کا جذبہ ان کی نظروں کے سامنے ہے۔ نصف صدی سے زیادہ مدت کے جماعتی احوال کو کسی بھی طرح اگر وہ قلم بند فرمادیں تو اس سے جماعتی تاریخ پر کام کرنے والوں کو بیش قیمت معلومات حاصل ہونگی محترم شاکر صاحب عمر کی جس منزل میں ہیں ہم ان سے کچھ عرض کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے لیکن یہ ان کا کرم اور جماعتی بہی خواہی ہے کہ انہوں نے خود آگے بڑھ کر جماعت کے نوجوان اہل قلم کے لئے ایک تحریک پیدا کردی، اور تبلیغی تاریخ کی ترتیب کے سلسلہ میں عملی قدم اٹھایا۔ اب جماعت کے اہل قلم، مبلغین اور علمار کرام کا فرض ہے کہ اس منصوبہ کو اپنے گراں قدر تعاون سے تکمیل تک پہنچائیں۔ ذیل میں محترم شاکر صاحب کی تحریر کا ایک حصہ پیش کرتے ہوئے ہم امید کرتے ہیں کہ جماعت کے مخلص اور باشعور افراد اس " پیرِ جواں ہمت " کے تتبع میں تبلیغی تاریخ کی ترتیب کا کام شروع کردیں گے:

اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ،

(ازہری)

تذکرۂ اسلاف

حافظ سلامت اللہ علیہ الرحمہ جو بچپن میں کپا رو ہا چھیل دینے کے سبب نابینا ہو گئے تھے۔ اپنے سرپرستوں کی بے اعتنائی دیکھ کر حصول علم کے شوق میں ایک بزرگ حافظ ناظر علی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو شہر گیا صوبہ بہار میں حفظ قرآن کا درس دیتے تھے انہوں نے انہیں اپنے پاس رکھ لیا اور قرآن پاک حفظ کرانے لگے۔ لیکن دیکھا کہ یہ تو بہت ہی بدعقیدہ ہیں۔ کوئی وہابی گلاس میں پانی پی لے تو اسے کل دھو کر استعمال کرتے ہیں۔ ایسے متعصب شاگرد کی زبانی اصلاح انہوں نے مناسب نہ سمجھی اور لگے غنیۃ الطالبین ؒ سنانے۔ شاگرد نے اثنار سماعت استاد سے عرض کیا کہ حضور اس میں تو وہابیوں کے عقیدے کی باتیں ہیں۔

استاد نے فرمایا یہ کسی ایسے ویسے کی نہیں بڑے پیر صاحب کی لکھی ہوئی کتاب ہے، اب تم جیسا سمجھو۔ نتیجتاً عقیدہ سدھر گیا، عمل کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو سکا۔ حافظ ہونے کے بعد آمدنی کا ذریعہ بڑے بڑے زمینداروں کے یہاں چہلم، چہارم میں قرآن خوانی تھا۔ چہلم کے بعد داد و دہش ہوتی تھی۔ شدہ شدہ حضرت مولانا ابراہیم آروی علیہ الرحمہ جو شہر شہر، قصبہ قصبہ، قریہ قریہ زاد راہ لے کر سڑک کے چوراہوں، کناروں اور گلی کے نکڑوں پر وعظ و پند کی تبلیغی خدمات فرماتے تھے۔ ان کے مواعظ حسنہ سننے کا یہ اثر ہوا کہ حافظ صاحبؒ پکے موحد اور متبع کتاب و سنت ہو گئے۔ مذکورہ صورت آمدنی ختم ہونے کے سبب عسرت و تنگدستی سامنے آ گئی۔ درس و تدریس اور تبلیغ میں لگ گئے اپنی بستی جو پستی میں تھی اسے دین خالص سے روشناس کرایا شہر گیا میں سربرآوردہ اور با اثر نیز عام افراد ان کے دینی و علمی فیض سے فیض یاب ہوئے۔ بیناؤں کے لئے یہ نابینا درس عبرت ہے جنہوں نے اصلاح عقائد کے بعد مالی تنگی رواجی مسلمانوں کی طرف سے دل آزاری اور چند در چند مصائب کو نہایت ہی صبر و استقامت اور نہایت پامردی سے برداشت کر گئے۔ اپنے دور دراز تک کے علاقہ میں یہ تنہا اہل حدیث ہے۔ برادری کے زمیں دار نے از راہِ تعصب یا کسی اور وجہ سے نالہ کی صورت کر دی۔ جمعہ جماعت اور کہیں آنے جانے میں دشواری ہونے لگی۔

مشقت اور اذیت دونوں کو پامردی سے برداشت کرتے رہے۔

ایک بار بعد جمعہ چند متعصبوں نے عامل بالحدیث ہونے کے سبب ان سے حجت وتکرار پر اترآئے۔ کچھ روشن خیال اور سمجھدار افراد نے ان کی طرف داری کی حامی ومخالف لوگوں میں کافی ہنگامہ آرائی ہوئی زدو کوب کا اندیشہ اندیشہ ہی تک محدود رہا اور خدا خدا کرکے فتنہ ختم ہوا۔

بہار میں حضرت مولانا ابراہیم آروی رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغی فیضان کا جہاں جہاں اثر ہوا انہیں میں سے موجودہ ضلع اورنگ آباد میں مدنپور، کھریانواں نامی بستیاں فیضیاب ہوئیں۔ جہالت معاشی گراوٹ، تہذیبی پستی اور احساس کمتری وغیرہ سب دور ہوئیں۔ توحید ودین خالص اور کتاب وسنت کی روشنی سے روشن ہوگئیں۔ جناب حافظ صاحب موصوف تقریبًا پچاس سال موضع کھریانواں ضلع گیا میں تراویح پڑھاتے رہے لیکن اعزازی طور پر پیشہ وارانہ طور پر نہیں اللہ ہمیں بھی ان کی طرح عقیدہ کی پختگی، مصائب میں صبر واستقامت اور ایمان کی روشنی سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین!

صوبہ بہار میں حضرت مولانا ابراہیم آرویؒ کا گشتی تبلیغی فیضان

سننے میں آیا ہے کہ مولانا آروی رحمۃ اللہ علیہ ارض حجاز ہجرت فرمانا چاہتے تھے۔ استصواب رائے کے لئے حضرت مولانا عبداللہ غزنویؒ سے ملنے امرتسر تشریف لے گئے۔ خادم سے خبر بھجوائی، جواب ملا کہ ظہر کے وقت ملاقات ہوگی۔ جَو کی روٹی اور پنیر سے ضیافت کی گئی موعودہ وقت میں ملاقات ہوئی۔ بعد مراجعہ حضرت مولانا غزنوی نے رائے دی کہ ابھی ہجرت نہ کریں، دینی تبلیغ کا فریضہ انجام دیں۔ لہٰذا اپنے وطن مالوف میں باوجود رئیس شہر ہونے کے زادراہ لے کر پاپیادہ قصبہ قصبہ، قریہ قریہ سڑکوں اور گلیوں میں وعظ وتبلیغ کی خدمت انجام دینے لگے اور خاص وعام ان کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہونے لگے۔ میرے علم میں ان سے درج ذیل بستیاں فیض یاب ہوئیں۔ مروتی، بکسوتی، رجہت، کھریانواں، مدنپور اور سونے گھاپ، ان فیضیاب بستیوں کے باشندوں اور افراد کے جوش وولولہ جذبۂ ایمانی ارتقائے روحانی، سلفی عقائد و اعمال میں پختگی ومستعدی جو میرے دیکھنے میں آئی۔ ان کے کیا کہنے۔ مذکورہ بستیوں کے ہدایت یافتہ بزرگوں کے دیدہ وشنیدہ احوال قدرے قدرے بستیوں کے نام لکھ کر عرض کرتا ہوں۔

رجہت:- یہ سادات کی بستی ہے۔ دوسری برادریاں اقلیت میں ہیں پہلے اس کا ضلع گیا تھا اب اورنگ آباد بہار ہے چند گھرانوں میں دین خالص کی روشنی پہنچی۔ ایک پیر آخوند صاحب نے جب اپنے دورہ میں یہ خبر سنی تو وہابیوں کے قتل کا فتویٰ دیا

جو ناقابل عمل رہا تو ترک تعلقات (بائیکاٹ) کی نوبت آئی جسے سلفی گھرانوں نے بخوشی جھیل لیا۔ ان میں ایک مولانا سید عبدالحفیظ صاحب نامی رئیس و زمیندار تھے۔ برادری کے ترک تعلقات اور مسجد سے روکے جانے کے سبب الگ مسجد کی بنا ڈالی جس میں آزادی سے افضل و مسنون طریقے پر جماعت وجمعہ ہونے لگا موصوف حج کو تشریف لے گئے تو شاہ عبدالعزیز کو ذاتی طور پر خلیفۃ المسلمین سمجھا اور سلطان کے ہاتھ پر بیعت سے شرف یاب ہوئے۔

دوسرے بزرگ مولانا سید اصغر حسین صاحب تھے، درس و تدریس میں رہے۔ موضع کھریانواں میں چند سال ان کا تدریسی و تعلیمی دور گذرا، ان کے تلامذہ میں کئی سلفی عالم ہوئے۔ مولانا عبدالرحیم، حکیم اسحاق مولوی انوار الحسن اور مولوی سکندر علی وغیرہم۔

مولانا عبدالرحیم ابو العظیم عبدالرحیم کے کنیت و نام سے اخبار اہلحدیث امرتسر میں مضامین بھیج کر حق تبلیغ ادا فرماتے اور لسانی تبلیغ وعظ و پند سے خاص شغف رکھتے تھے۔ بات طول کر گئی تذکرہ رجہت کا تھا۔ مجھے کھریانواں کے حاجی محمد یاسین مقیم موضع جھونپڑہ اڑیسہ کے ساتھ رجہت جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ اپنے استاذ محترم مولانا سید اصغر حسین صاحب سے ملنے گئے تھے رات کو صبح صادق سے پہلے بارگاہ الٰہی میں ان کی گریہ وزاری سے میری نیند اچانک کھل گئی ان کی گریہ وزاری کا مجھ پر عجیب اثر ہوا انہوں نے ایک کتاب بنام "حق الادب" تالیف فرمائی تھی۔ جسے افسوس کہ مرور زمانہ نے کھریانواں کے کتب خانے کی دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب تلف کر دیا۔ اسی رجہت کے ایک معاند سلفیت سے شہر گیا میں میں نے سنا کہ رجہت سے گئے ہوئے ایک زائر حرم کی موت ہو گئی۔ قبر کھودی جا رہی تھی تو اس میں ایک محفوظ تازہ لاش کی طرح لاش نظر آئی چہرہ دیکھا گیا تو رجہت والوں نے اس ہیئت کا چہرہ پہچان لیا اور بتایا کہ یہ تو مولانا ابراہیم آروی کی لاش ہے۔ سبحان اللہ، الفضل ما شهدت به الأعداء۔

اسی ضلع میں دو بستیاں مروئی اور بکسوتی ہیں۔ مروئی جانے کا اتفاق تو نہیں ہوا وہاں کے ایک بزرگ عالم غالباً ان کا اسم گرامی مولینا توسل حسین تھا جنہیں میں نے دیکھا تھا۔

بکسوتی :۔ اس بستی میں مولانا عبدالرحیم کھریانوی کے ہمراہ عقیدتمندانہ حیثیت سے تبلیغی سلسلہ میں پہونچا۔ نووارد اجنبی تھے کھپریل مسجد میں ٹھہرے۔ ظہر کے وقت دو ایسے ناخواندہ بزرگوں سے ملاقات ہوئی جن کی ایمانی تازگی نادر المثال نظر آئی۔ بعد نماز ان دو میں سے ایک نے اللہ و رسول کی باتیں سنانے کی فرمائش کی۔ مولینا موصوف نے سورہ دہر کی ابتدائی دو تین آیات تلاوت فرمائی پہلی آیت کا ترجمہ سنتے ہی دونوں بزرگ پر ایسے گریہ طاری ہوئی جو تھامے نہ تھم رہی تھی۔ (بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں بھائی

بھائی تھے) مولانا کی تقریر ختم ہوئی کچھ دیر بعد ان دونوں کی گریگی بھی جاتی رہی ۔ ایک بھائی نے ہمیں مہمان بنایا ۔ اپنے گھر لے گئے ۔ رات وہیں بسر ہوئی ۔ شاید ڈھائی تین بجے ہوں گے کہ کسی جانب سے عورتوں کی نوحہ خوانی کی طرح آواز سے نیند کھل گئی غور کیا کان لگایا تو ایک ہی جملہ کی تکرار تھی " دوجگہ کی اگیا سے بچپہو مورے مولی " (مولیٰ نہیں) یہ ان کی دیہاتی بولی تھی دوسرے دن مسجد میں بعد ظہر میں نے ایک سے دریافت کیا کہ کیا شروع ہی سے آپ دونوں میں ایسی دینداری ہے ۔ وہ رونے لگے اور سسک سسک کر بتایا کہ نہیں ۔ ہم ایک مقدمہ میں پھنسا دیئے گئے ۔ خونی مجرم قرار دیئے گئے ۔ جج نے پھانسی کا حکم سنانا چاہا پیشگی طور پر ہمارے پیروی کار بیرسٹر نے بتادیا تھا فیصلہ کی تاریخ اور جمعہ کا دن تھا ۔ نماز روزہ سے ہمیں کوئی سروکار نہیں تھا ہم نے بیرسٹر صاحب سے کہا حضور (حضور) جمعہ کا وقت ہو گیا ہے جج صاحب سے اجازت دلوایئے تاکہ ہم جمعہ پڑھ آئیں ۔ کچہری کے احاطہ سے کچھ دور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اللہ کے سامنے اپنی رہائی کے لئے خوب روئے ۔ کچہری پہونچے ، جج صاحب نے فیصلہ سنایا کہ باوجود ثبوت کے میں نہیں سمجھتا کہ یہ ملزم جو ایک پکا خدا پرست ہے خونی مجرم ہو سکتا ہے لہذا میں اسے رہا کرتا ہوں ۔ رہائی ملی گھر پہونچے ۔ کہاں کا روزہ ، کہاں کی نماز ۔ یہ مولانا ابراہیم صاحب آروی کا فیض ہے جو ہم میں دیکھا جا رہا ہے ۔ راقم الحروف کو اپنا کھیت دکھانے لے گئے تھے دوسروں کے کھیت میں لگے ہوئے گیہوں سے ان کے کھیت کا گیہوں کہیں زیادہ اونچا اور سرسبز و شاداب نظر آیا ۔

قمرالدین محمد ادریس ربستوی۔ عالم فاضل جامعہ سلفیہ بنارس۔

پہلے ہم یہ کہا کرتے تھے : کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب ۔ لیکن آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا مشرق بھی مغرب بنتا جارہا ہے۔ عورتوں اور لڑکیوں کی اندھی آزادی کے جو افسانے ہم مغرب کے بارے میں سنا کرتے تھے وہی سب کچھ مشرقی ممالک اور ہمارے ملک ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ لڑکیاں نہ صرف بڑی تیزی سے بے پردہ ہو رہی ہیں بلکہ حسن کی نمائش بھی عام ہے ہر پارک ہر سینما اور ہر بازار میں بے شمار ایسی بے پردہ لڑکیاں ملیں گی جو سولہ سنگار کرکے گھروں سے نکلتی ہیں اور نمائش حسن کو کوئی عیب خیال نہیں کرتی ہیں۔ بے پردگی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا عام خیال ہے کہ وہی شادیاں خوشگوار اور کامیاب ثابت ہوتی ہے۔ جو باہمی عشق و محبت کے بعد کی جاتی ہیں۔ حالانکہ حالات کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ عشق و عاشقی کی شادیاں مشکل ہی سے کامیاب ہوتی ہیں جس کی مثال یورپ تو خیر ہے ہی اس طرح کی شادیوں کا سروے کرکے ہندوستان میں بھی حقیقت معلوم کی جاسکتی ہے۔

اس غیر فطری اور اندھی آزادی و بے حجابی کا افسوسناک پہلو یہ کہ یورپ جس کی تہذیب کو اپنانے کے لئے نوجوان طبقہ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی اس کے پیچھے دوڑ رہا ہے اسی آزادی و بے حجابی سے یورپ آج خود بیزار ہے۔ یورپ کی ایک خاتون کا کہنا ہے کہ ہمارے ملک میں ستّر فیصد میں اسّی شادیوں کا نتیجہ طلاق ہوتا ہے کیونکہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ابتداء میں جذبات کی رو میں اندھے ہو کر شادیاں رچالیتے ہیں لیکن شادی ہونے کے بعد بدمزگیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ (اخبار اہلحدیث دہلی ، مئی ۱۹۷۱ء)

اب میں اپنے ملک کے لڑکوں اور لڑکیوں کو بتلانا چاہتا ہوں کہ جس طرح روح کا سکون تھیٹر اور سینماؤں میں نہیں بلکہ عبادت خانوں میں حاصل ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح سکونِ زندگی عشرت کدوں میں نہیں ، بلکہ مشرق کے ان قدیم گھروں کی تہذیب میں میسر آسکتا ہے جو دن بدن ناپید ہوتی چلی جارہی ہے۔ مشرق کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ اس نے عورتوں کو مردوں کا کھلونا نہیں بنایا بلکہ عورت کو دنیا کو سب سے پاک اور مقدس امانت قرار دیا ہے۔ چنانچہ مشرقی عورت جب تک اپنے تقدس کے دائرے میں

رہی ہمارے گھر امن وامان اور سکون کے گھر بنے رہے اور عورتوں کی زندگیاں بھی بڑے اطمینان کے ساتھ گذرتی رہیں۔

مگر افسوس کہ مغرب کے سیلاب نے ہمارے ملک اور ہمارے معاشرے کی خصوصیات کو برباد کرکے رکھ دیا ہے۔ اور مغربی تعلیم جو اخلاقیات کے معاملہ میں قطعی کوری ہے. اس نے ہمارے ملک اور معاشرے کے لڑکوں اور لڑکیوں کو تباہی وبربادی کے راستے پر ڈالدیا ہے۔

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب بھی قوموں نے قانون قدرت سے فرار کیا تو انہیں تباہی وبربادی کا سامنا کرنا پڑا، انہیں قانونوں میں سے پردہ بھی ایک ایسی ضروری شئی ہے کہ اگر اسے اتارنے کی کوشش کی جائے تو بہت ساری تباہ کن خرابیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عورت قوم کی ماں ہے اور ماں کے سامنے نظریں ہمیشہ نیچی رہتی ہیں۔ اس کے مقدس چہروں کو حریص نگاہوں سے بچانے کے لئے پردہ ضروری ہے۔ پردہ عورت کی عصمت، عزت وآبرو بچانے کے لئے نہیں بلکہ ان ناپاک نگاہوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے۔ عورت کی پاکیزگی کو اجنبی مرد کی نگاہ بھی ناپاک کردیتی ہے۔ آج یورپ جس راہ پر گامزن ہے بلاخوف کہا جاسکتا ہے کہ وہ تباہی کے عمیق گڈھے میں جارہا ہے لیکن پھر بھی یورپ کی اندھی تقلید کو لازم سمجھا جاتا ہے۔

قوم مسلم جو دنیا کی نگاہ میں تہذیب وتمدن کی داعی اور شرافت وانسانیت کی علم بردار خیر امۃ کے لقب سے ملقب کی گئی ہے وہ بھی اس بلا سے محفوظ نہ رہ سکی۔ حالانکہ اسلام نے عورتوں کا مقام بلند کیا اور ان کا اتنا احترام کیا جتنا پچھلی قوم نے نہیں کیا۔ چنانچہ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ باتیں بالکل عیاں ہوجاتی ہیں کہ عرب، روم، ایران، ہند اور ان کے علاوہ دوسری ان گنت قوموں کے نزدیک عورت کا کوئی مقام نہیں تھا وراثت اور دولت میں انھیں کوئی حصہ نہیں ملتا تھا اس زمانے میں عورت گھر کی معمولی پونجی کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان کے ساتھ برا سے برا سلوک کیا جاتا تھا۔ شیطان نے انھیں جس طرح ورغلایا تھا، یہ تاریخ کی لمبی داستان ہے۔

لیکن جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اپنی ضیا پاش کرنوں سے مسلم قوم کی خواتین کو ایک نایاب تحفہ دیا کہ جس سے وہ ناپاک وحریص نگاہوں سے بچ سکیں اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان کے مقام کو اونچا کیا اور انھیں عزت وشرافت بخشی۔ بالخصوص عورتوں کو پستی اور حقارت کے عمیق غار سے نکال کر انہیں سربلندی عطا کی۔ انہیں آہنی سلاخوں کی چہار دیواریوں سے نکال کر غلامی سے آزاد کیا، اور بیشتر احکام میں ان کو مردوں کے مساوی احکام سے نوازا جیسے عبادات. معاملات اور حیابات وغیرہ میں. صرف ایک حکمرانی کے صیغے سے انہیں علیٰحدہ رکھا ورنہ زندگی کے ہر شعبہ میں انہیں نمایاں مقام سے نواز کر شرم وحیا

جیسی دولت عطا کیا۔ لیکن آج حوا کی ان بیٹیوں نے قرآن و احادیث کے حکموں کو ٹھکرا کر اپنے آپ کو بنانے اور سنوارنے میں اس طرح مشغول ہو گئیں کہ انہیں اپنا مقام بھی نہ یاد رہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کن خاردار جھاڑیوں سے انہیں نکال کر مردوں کے مساوی احکام سے نوازا۔ اسی لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے ایسی عورتوں اور مردوں پر جو ایک دوسرے کی شکل وصورت کو اپناتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

(۱) لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

اس روایت کو بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور طبرانی نے نقل کیا ہے۔

آخر الذکر کے نزدیک یہ روایت اس طرح ہے:

ان امرأة مرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متقلدة قوسًا فقال لعن اللہ المتشبھات من النساء بالرجال والمتشبھین من الرجال بالنساء۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت کمان لٹکائے ہوئے گذری۔ آپ نے فرمایا ان عورتوں پر لعنت فرمائی اللہ نے جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔

دوسری جگہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرجل یلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی جو عورت کی پوشاک پہنے۔ اور اس عورت پر لعنت فرمائی جو مرد کی پوشاک پہنے۔

... روایت کو ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، اور ابن حبان اپنی صحیح میں نقل کیا نیز حاکم نے اس کو نقل کیا اور کہا یہ روایت مسلم کے شرط کے مطابق صحیح ہے۔

ان تمام احادیث نبویہ کو سامنے رکھ کر اپنے معاشرے کا جائزہ لیں اور پرکھیں کہ ہمارا نوجوان طبقہ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کو بھلا کر اور یورپ کی اندھی آزادی وبے حجابی کو گلے لگا کر کتنی دور نکل گئے

ہیں. کیا ہم کو غور وفکر اور عقل وتدبر سے سوچنا نہیں چاہئے کہ آج قوم اور ہمارا معاشرہ ہم سے کیا مانگ رہا ہے. آج کے ماڈرن دور کو لیجئے جس کو ترقی یافتہ زمانہ کہا جاتا ہے اس دور میں عورتوں نے اپنے بناؤ سنگار میں اتنا کافی روپیہ پیسہ برباد کیا اور کر رہی ہیں جس سے معاشرہ کی ان عورتوں اور بچوں کے گھر آباد ہو سکتے ہیں جن کے گھر نہیں اور نہ کھانے کی کوئی چیز وہ فاقہ پر فاقہ کر کے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے نظر آتے ہیں جسے دیکھ کر انسانیت چیخ چیخ کر پکار رہی ہے اور بار بار فریاد کر رہی ہے. لیکن یہ آدم کے بیٹے اور حوا کی بیٹیاں اپنے فیشن کے پیچھے پڑکر اپنے گھروں میں رنگ رلیاں منا رہے ہیں اور شرم وحیا کو بازاروں اور کوٹھوں کے ان حسیناؤں کے ہاتھوں بیچ کر اپنے آپ کو مرد مجاہد کہہ رہے ہیں. شاید کہ ان لوگوں نے صلاح الدین ایوبی اور محمد بن قاسم وغیرہم کے کارناموں کو نہیں پڑھا کہ صلاح الدین جیسے مرد مجاہد کو اسلام کے دشمنوں نے کئی طریقوں سے بہکانا چاہا ان کے سامنے ایسی خوبصورت حسین وجمیل حسینائیں آتی تھیں جن کے جسموں پر لباس صرف کہنے کے لئے رہتا تھا لیکن اس مرد مجاہد نے اسلام اور شریعت کے حدود میں رہ کر نہ تو ان حسیناؤں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا نہ انھیں اپنے قریب آنے دیا اور شجر اسلام کی آبیاری کرتا ہوا خدا سے جا ملا.

عورتوں کے کارناموں کی تاریخ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو سرفہرست حضرت ام سلیم اور ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہا وغیرہم نے جو کارنامے انجام دے کر دار فانی سے گئی ہیں کیا آج کی مسلم عورتیں ایسے کارناموں کو انجام دے سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں!

افسوس ہے ایسے ماڈرن دور میں کہ مسلم نوجوانوں اور مسلم عورتوں پر جو اپنے اخلاق وعادات کو چھوڑ کر دوسروں کے طریقوں کو گلے لگا کر اپنے آپ کو مسلمان کہہ رہے ہیں.

آج ہم اخلاقی تباہی کے کتنے بھیانک دور سے گذر رہے ہیں. وحشت وبربریت کے سیاہ بادل ساری دنیا پر چھا گئے ہیں آئے دن شرافت وتہذیب کا جنازہ اپنی آنکھوں کے سامنے اٹھتے دیکھتے ہیں. آدم کی اولاد اپنے خالق حقیقی کو فراموش کر چکی ہے ساتھ ہی قتل وخونریزی، زنا، لواطت، شراب نوشی، بے حیائی. غرض انسانی سماج کے رگ میں تباہ کن بیماریاں پھیل چکی ہیں. افسوس! ہر صبح کو طلوع ہونے والا سورج نئے حادثات، رنج والم کی نئی مہلک داستان اور ظلم وبربریت کی خونچکاں داستان سناتا ہے. مکارم اخلاق، تہذیب وشرافت، عدل ومساوات، امن وسلامتی، محبت ولطف وکرم اب بے معنی الفاظ بن کر رہے ہیں.

دنیا جس تیزی سے بگڑ رہی ہے نہیں کہا جا سکتا کہ اگلے چند سالوں میں انسانیت کا سسکتا ہوا قافلہ تباہی وبربادی کے کس منزل پر جا کر رکے گا، یا دنیا اپنے آلام ومصائب کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے گی. اس تاریک اور مایوس کن

حالات میں اگر امید و نجات، سلامتی و تحفظ کی کوئی ادنیٰ سی امید باقی ہے تو وہ صرف اسلام کے پیغام امن وعافیت میں ہے۔ بگڑے ہوئے انسانوں کا سدھار اگر ممکن ہے تو صرف رب کائنات کے عدل و رحمت بھرے نظام پر۔

دنیا کا ہر حساس اور باشعور طبقہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ یہ زمانہ جس میں ہم سانس لے رہے ہیں ایسا بدترین زمانہ ہے جس میں نافرمانی، شہوت رانی، برائی بے حیائی اور گندی حرکتوں اور کمینہ خصلتوں جیسے سیلاب امنڈ رہا ہے۔ بھلے برے کی تمیز اٹھ گئی ہے نیکی پر بدی اور بدی پر نیکی کا لیبل لگا ہوا ہے۔ اکثر شہروں اور قصبوں میں فحاشی، بے حیائی اور بدکاری کے اڈے کھلے ہیں، شراب وشباب کی دوکانیں لگی ہیں۔ لہو ولعب، بے پردگی اور آوارگی کا بازار گرم ہے۔ جگہ جگہ گناہوں کی طرف مائل کرنے والی چیزوں کی نمائش گاہیں سجی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف مسجدیں اور تقرب الٰہی کی بارگاہیں سنسان پڑی ہیں

اب آیئے قرآنی آیات کی روشنی میں ہم جائزہ لیں کہ اسلام نے عورتوں کو جو اعزاز بخشا ہے۔ اسلامی شریعت اور اس کے اسرار سے واقف رہنے والے یہ بخوبی جانتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے اندر کینہ نہیں وہ اس حقیقت سے آشنا ہیں۔ اسلام نے عورتوں کو جو اعزاز و مقام بخشا ہے اس کی ایک ہلکی سی جھلک میں پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو ہر قسم کی بیہودگی اور مردوں کے اختلاط سے منع کیا اور اس بات کے لئے سختی سے انکار کیا کہ عورت کو بازار کا مال سمجھ کر اسے زینت محفل نہ بنایا جائے۔ اسی لئے عورتوں کو طہارت و پاکیزگی کی بلندیوں سے خطاب فرمایا۔

"وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ" ـــــ	اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو ابتدائی دور جاہلیت والی بے راہ روی اختیار کرکے باہر بے پردگی اور نمائش کرکے نہ نکلا کرو۔ ـــــ
(الآیۃ ۳۳۔ سورۂ احزاب۔ پ ۲۲۔ رکوع ۱۔)	

اس آیت کریمہ سے تمام عورتوں کو عبرت و نصیحت پکڑنی چاہیئے کہ جب یہ حکم امہات المسلمین اور پاکباز خواتین اسلام کے لئے تھا تو دیگر عورتیں بدرجۂ اولیٰ اس حکم میں داخل ہوں گی اور اس کی پابند ہوں گی۔ وہ مردوں سے آزادانہ میل جول نہ رکھیں، بن سنور کر نہ نکلیں۔ اور جب تک حقیقی حاجت و ضرورت لاحق نہ ہو۔ بازاروں، سڑکوں، چوراہوں پر بے پردہ ہرگز نہ نکلیں۔ اس لئے کہ بے پردہ نکلنے سے نتائج حد درجہ خطرناک ہوں گے۔ حقیقی ضرورت سے مراد یہاں شرعی ضرورت مراد ہے۔ مثلاً مسجد جانا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کی مسجدوں سے اللہ کی بندیوں کو نہ روکو، اور وہ مسجد کے لئے نکلیں تو سادہ نکلیں۔ کسی خوشبو کا استعمال نہ رکھیں۔ لیکن ہم جس دور سے گذر رہے ہیں کیا اس دور کی عورتیں اس بات پر متفق ہیں۔ ہرگز نہیں وہ عورتیں ہی تھیں جنہوں نے اپنی کوکھ سے اسلام کے پاسبانوں کو اس مادیگیتی پر جنم دیا۔ اس مرد مجاہد کو جسے ہم فاتح سندھ

کے نام سے یاد کرتے ہیں آخر وہ بھی تو ہم لوگوں کی طرح انسان تھا جس نے سندھ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر راجہ داہر کے غرور و گھمنڈ کو اپنے پیروں سے روندتا ہوا اسلامی جھنڈا ہندوستان کے کونہ کونہ میں لہرا کر کے اس دنیا سے جاتے جاتے اپنے انمول کارناموں کو چھوڑ کر چلا گیا۔ لیکن آج نوجوانوں نے ان تمام نوجوانوں کے کارناموں کو فراموش کر کے یورپ کی تقلید کرتے ہوئے وہ اپنا مقصد ہی بھول گئے، ان ماؤں نے اپنے مجاہدوں کو کونسا دودھ پلائی تھیں جن کے رگوں میں شرم و حیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اور آج ہماری مائیں اپنے بچوں کو کونسا دودھ پلا رہی ہیں جن کے اندر نہ تو شرم و حیا ہے اور نہ ان کے اندر غیرت و حمیت کی کوئی رمق باقی ہے۔

اخبار، ریڈیو، سینما، کالج ان سب کے ذریعہ ہمارے نوجوانوں کو جس سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ کالج کی تعلیم یافتہ دوشیزائیں زمانۂ جاہلیت کی طرح بن سنور کر گھروں سے اس طرح نکلتی ہیں کہ ان کی چالوں میں جادو اور پاؤں میں پازیب جب وہ چلتی ہیں تو اپنے قدموں کو زمین پر مار مار کر چلتی ہیں اور ایسے نزاکت بھرے انداز میں چلتی ہیں کہ نہ تو ان کے سروں پر دوپٹہ رہتا ہے نہ سینوں پر۔ آج جس آزادی و بے باکی کے ساتھ سڑکوں پر پھرتی ہیں وہ قابل صد لعنت ہے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ان ماؤں کی بیٹیاں ہیں جن کی ایک جھلک ثریا بھی نہ دیکھ سکی۔

آج ہم جس پُرخطر دور سے گذر رہے یہ ترقی کا دور کہلاتا ہے۔ اگر ہم اس دور کے ترقی کا جائزہ لیں تو سب سے پہلے ہماری قوم کی اپنی ماؤں اور بہنوں کو دیکھ کر ہماری آنکھیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ ہمارے نوجوانوں کے کیریکٹر کا اگر جائزہ لیں تو کوئی نہیں کہے گا کہ ان کے بیٹے ہیں جن کے کیریکٹر پر کبھی دھبہ تک نہ آیا تھا لیکن افسوس تو اس بات پر ہے کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ سب اسلام کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ یہ سینما ہال کے عریاں فحش ڈرامے یہ بڑھتی ہوئی فضول خرچیاں آمدنی کے تہائی حصے فیشن کی نذر ہو جاتے ہیں۔ یہ اخلاق کی عام تباہی یقیناً بے حجابی کے نتائج اور قانون قدرت سے بغاوت کے پھل ہیں۔ آج سسکتی و بلکتی دنیا نوجوانوں سے چیخ چیخ کر فریاد کر رہی ہے کہ قانون قدرت سے بغاوت نہ کرو اسلام کی حدوں سے باہر نہ نکلو ورنہ افسوس کروگے۔ اسوقت کچھ نہ ہاتھ آئیگا۔

وہ مسلمان جن کے گھروں میں قرآن کی تلاوتیں ہوتی تھیں اور ہر صبح کی نئی کرن ان کے لئے ایک نہ ایک خوشخبری لاتی تھی اور ہر آنے والی صبح کو ان کے گھروں میں فرشتے برکتیں لے کر آتے تھے اور جاتے وقت سلامتی کی دعائیں دے کر جاتے تھے۔ لیکن افسوس ہے ایسے مسلمانوں پر کہ انہیں گھروں کے فرشتے ان کے بیٹوں اور بیٹیوں پر لعنت بھیجتے ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اپنانے کے بجائے یورپ کے طریقوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ بے پردگی و بے حجابی کا عالم یہ ہے کہ جن گھروں میں

قرآن کی تلاوتیں ہوتی تھیں آج ان گھروں سے گانوں اور باجوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں وہ عورتیں جو راستہ چلتے نگاہیں نیچی کر کے باقاعدہ پردوں کے ساتھ کوئی ضرورت لاحق ہونے پر نکلتی تھیں آج انھیں کی بیٹیاں پوتیاں بے پردہ اور سڑکوں پر گھومتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس بے پردگی پر شرم کرنے کے بجائے وہ فخر کے ساتھ اپنے دائیں بائیں اپنی نگاہوں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے چلتی ہیں۔

نگاہوں کو نیچی رکھنے کے فوائد کیا ہیں اور مقاصد کیا ہیں ؟ ملاحظہ فرمائیے!

نگاہیں نیچی رکھنے کے فوائد حسب ذیل ہیں۔

(۱) دل حسرت والم سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ نظر بازی جتنی زیادہ ہوتی ہے دل حسرتوں کی آماجگاہ بنا ہوتا ہے. نظروں کے تیر دل کو حد درجہ اذیت پہنچاتے ہیں. کیونکہ نظر جتنی زیادہ پڑتی ہے ہوس اتنی ہی زیادہ بڑھتی جاتی ہے. پھر نہ صبر وشکیب باقی رہتا ہے نہ وصل کی کوئی صورت نظر آتی ہے اور پھر فراق کا کوئی کرب اور جدائی کی تکلیف ناقابل برداشت ہوتی جاتی ہے. نظر بازی دل پر تیر کی طرح اثر انداز ہوتی ہے. اس سے آدمی کا خون تو نہیں ہوتا البتہ گھائل ضرور ہو جاتا ہے اور یہ در حقیقت آگ کا شعلہ ہے جو سوکھی ہوئی گھاس پر پڑ کر دم کی دم میں اسے راکھ کر دیتا ہے اگر سب نہیں تو کچھ حصہ ضرور جل کر ڈھیر ہو جاتا ہے نیچی نگاہ رکھنے سے دل میں نور اور آنکھوں میں سرور پیدا ہوتا ہے جس سے چہرہ اور اعضاء پر تازگی نظر آتی ہے. متانت، سنجیدگی انسانیت، شرافت وتہذیب کے سارے لوازمات اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں. جبکہ نظر بازی سے چہرہ تاریک ہوتا ہے اور اس کے اثرات ہاتھ پاؤں پر بھی نمایاں نظر آتے ہیں. نیچی نگاہ رکھنے سے صحیح فراست پیدا ہوتی ہے کیونکہ فراست نور کا اثر اور اس کا نتیجہ ہے. اور جب دل میں نور ہوگا تو فراست بھی راست اور درست پیدا ہوگی۔

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ نور میں حجاب اور نیچی نگاہ رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

وقل للمؤمنٰت یغضضن من	اور مومنہ عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی
ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا	رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں
یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا	اور اپنی سج دھج کو بھی ظاہر نہ کریں اور اپنے
ولیضربن علیٰ جیوبھن۔	سینوں پر دوپٹے ڈالے رہیں۔

(۵) آج کے اس ماڈرن دور میں یہ رجحان دن بدن بڑھتا جا رہا ہے. صنف نازک بازار کے مال کی طرح عام ہو چکی ہے جن کے حصول کے لئے گراں قیمت یا مزید مشقت کی حاجت نہیں. اس پر مستزاد یہ ہے کہ اس صنف نے خود کو بنا سنوار کر

دلربا اور دلفریب بنا ڈالا ہے جس کا مقصد عام طور سے یہ ہے کہ ان کے خریدار اور ان کے حسن کے داد دینے والے ملیں. جس کی وجہ سے نفس سرکش اور نہایت حساس ہو چکا ہے. شیطان بھی کیل کانٹے سے لیس ہو کر مردوں کے پیچھے پڑا ہوتا ہے پھر لا محالہ شہوت رانی اور حرص و ہوس کا بازار گرم ہو جاتا ہے. پردہ نہ کرنے کی وجہ سے مسلم معاشرے کے اندر طرح طرح کی برائیاں جنم لے رہی ہے جو در حقیقت ایٹم بموں اور زلزلوں سے زیادہ مہلک ہیں. بے حجابی اور اختلاط کے مفاسد پر مبنی مذکورہ اشارات واضح کرنے کے بعد میں ان چند عواقب و نتائج کا ذکر کرتا ہوں جو عورتوں کے بے پردہ نکلنے، بازاروں، اسکولوں، یونیورسٹیوں دواخانوں اور تجارتی مراکز میں آزادانہ اختلاط کے صورت سامنے آرہے ہیں. پھر یہ نتائج دن بدن بھیانک صورتِ حال اس لئے اختیار کرتے جارہے ہیں کہ موجودہ زمانے تجارتی اشیاء کی کھپت بڑھانے اور ان کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے حسین وجمیل خوبصورت لڑکیوں اور عورتوں کو ملازم رکھا جاتا ہے. تجارتی منڈیوں بازاروں ہوٹلوں اور ریسٹورنٹ میں انھیں یہ موقع دیا جاتا ہے کہ وہ گاہکوں اور خریداروں کو اپنی طرف مائل کریں کیونکہ وہ جانتے ہیں کمزور دل مرد ــــ دل کے ہاتھ مجبور ہو کر ان کے پاس جائے گا خصوصاً نوجوان طبقہ بے پردہ عورتوں کی طرف بہت جلد ملتفت ہوتا ہے لیکن ان عورتوں کو ملازم رکھنے والے اور تاجر پیشہ ور افراد چند پیسوں کے خاطر بے حیائی اور فحش کاری کو فروغ دے رہے ہیں جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور اس کے حبیب سیدنا سرور کائنات احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دے کر اس فعل بد سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے.

اوپر کی سطروں سے ہمارا مقصد یہ دکھانا ہے کہ ہم مشرق والوں کو یورپ نے جو کھوٹی تہذیب دے رکھی ہے اس کے نتائج نہایت خطرناک حد تک سنگین ہو چکے ہیں اور نوبت یہاں تک آپہونچی ہے کہ عورت شمع خانوں کے سبھا کی پری بن چکی ہیں. جو بازاروں اور آفسوں میں ملازمت کے درپے ہے بلکہ وہ ایک بازاری سودا بن چکی ہے.

یہی وجہ ہے کہ کالجوں سے پینتالیس فیصد نکلی ہوئی لڑکیوں میں اکیس فیصدی بچہ پیدا کرنے کے ناقابل ثابت ہو رہی ہیں. بچہ پیدا کرنے کے ناقابل ہونے کی صرف یہی وجہ ہے کہ اسکولوں اور کالجوں کی لڑکیاں مائیں بننے کے خوف سے بچے پیدا کرنے کے اعضاء کو ناکارہ کر ڈالتی ہیں. یا منع حمل اور اسقاط کی تیز دوائیں انہیں ناکارہ بنا دیتی ہیں.

بے حیائی اور بے پردگی میں سانس لینے والا سماج ان گنت مہلک خطرے کی زد میں ہے جو اسے ہلاکت اور تباہی کے دعوت دیتے ہیں. انہیں میں سے فحش کاری اور شہوت پرست عورتوں کی بہتات ہے جو فحش کاری کو دل سے چاہتی ہیں جو سر بازار آبرو کا سودا کرتی ہیں. اسی کی روٹی کھاتی ہیں. ہر کس وناکس کے لئے خود کو پیش کرتی ہیں حالانکہ انجام کو وہ بھی جانتی ہیں کہ شہوت پرستی کے غلبہ سے عزت وآبرو کس طرح نیلام ہوتی ہے. آج ہمارے سماج میں بدکاری بے حیائی

کے جابجا اڈے کھل چکے ہیں، فحش کرنے والوں، رقص گاہوں، کلبوں اور سینما گھروں کی ریل پیل ہو چکی ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر اونچے طبقے کے لوگوں، مردوں عورتوں اور بے حیائی کی خواہاں دونوں صنفوں کے اندر عزت و آبرو کا سودا ایک اونچا پیا کی صورت اختیار کر گیا ہے جس کے نتیجے میں شہوت کا بازار گرم ہوا، مفاسد بڑھ گئے، مال و دولت برباد ہوا، جرائم کی کثرت ہوئی، طرح طرح کی بیماریاں پھیلیں، قویٰ کمزور ہوئے، شرافت و انسانیت کی اقدار بہت گھٹ گئی اور پھر سماج کی وہ بنیادیں ہل گئیں جن پر اس کی عمارت کھڑی ہوتی تھی۔

یہ وہ حقائق ہیں جو روز روشن کی طرح عیاں ہیں اس کو جھٹلانا سورج کے وجود کو انکار کرنا ہے اس چیز کو دیکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ یورپ دنیا کا مہذب ترین ملک ہے۔

اتنا لکھنے کے بعد اب میں صرف ایک بات کہوں گا اور وہ بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ فرمانِ خداوندی ہے کہ اس بےحیائی سے جتنے بھی فتنے پیدا ہو رہے ہیں وہ سب خدائی عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واذ اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا۔ (الاسراء)	اور جب ہم چاہتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کر دیں تو وہاں کے عیش پسندوں کو ہم حکم دیتے ہیں کہ وہ خوب خوب فسق کرتے رہیں پھر ہماری بات ٹھیک ٹھیک اسی پر صادق آتی ہے اور ہم انہیں نیست و نابود کر دیتے ہیں۔

مسلمانو! اب بھی سنبھل جاؤ اب بھی موقع ہے کہ ابھی پانی سر سے اونچا نہیں ہوا۔ جب پانی سر سے اونچا ہو جائے گا تو سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ ؎

نہ مانوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندی مسلمانو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

علامہ قاضی محمد سلیمان منصورپوری رحمۃ اللہ

کی شہرۂ آفاق کتاب رحمۃ للعالمین کا عربی ترجمہ

سیرت طیبہ کے موضوع پر اردو زبان میں چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں مشہور و مقبول ہیں، ان میں رحمۃ للعالمین ندرت تحقیق، بلاغت اسلوب، صحتِ مآخذ اور تاثیر و رقت انگیزی کے لئے معروف ہے۔ مصنف علامؒ نے مستند کتابوں سے مفید معلومات اکٹھا کر کے انہیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے چشمۂ عسل مصفیٰ میں ڈبو ڈبو کر اپنے پاکیزہ قلم سے کتاب کے صفحات پر اس طرح ترتیب کے ساتھ سجایا ہے کہ حرف حرف شہد کا قطرہ اور پوری کتاب رحمت کا بہتا ہوا دریا معلوم ہوتی ہے، شاید ہی کوئی کم نصیب ملے گا جس نے اس کتاب کو رغبت کے ساتھ پڑھا ہو اور اسے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت نہ ہو گئی ہو۔

علمائے حق کے دلوں میں عرصہ سے یہ آرزو تھی کہ عجم کے اس تحفہ کو ملت اسلامیہ کی دینی زبان "عربی" کے ذریعہ عرب اخوان تک پہنچایا جائے، جذبۂ صادق ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کے وسائل مہیا فرما دیتا ہے۔ قطر کے معروف و مخیر عالم شیخ عبداللہ ابراہیم انصاری (جن کی پچھلے دنوں وفات ہو گئی، رحمہ اللہ) کے سامنے الدار السلفیہ بمبئی میں اس کتاب کے ترجمہ کی تجویز آئی تو انہوں نے اس سلسلے میں تعاون کی پیش کش کی۔ جامعہ سلفیہ کی تحریک پر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب پہلے ہی سے اس کتاب کے عربی ترجمہ کا آغاز کر چکے تھے، شیخ انصاریؒ کی پیش کش کے بعد ڈاکٹر عبدالعلی عبدالحمید صاحب کو بھی ترجمہ کی اسکیم میں شریک کیا گیا لیکن موصوف نے اپنی مصروفیتوں کے باعث معذرت کر دی، لہٰذا ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب نے رحمۃ للعالمین کے پہلے اور تیسرے حصہ کا ترجمہ خود کیا اور دوسرے حصہ کا ترجمہ جامعہ سلفیہ کے ایک ہونہار فاضل مولوی عبدالسلام عین الحق کے ذمہ کیا، عزیز موصوف نے ترجمہ کی تکمیل کر لی تو ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب نے پورے ترجمہ کا مراجعہ کیا، ترجمہ کے بعد مسودہ شیخ انصاری کے حوالہ کیا گیا جس کا انہوں نے مصری علماء سے مراجعہ کرایا اور اس کے بعد کتاب الدار السلفیہ سے عمدہ کاغذ پر بہترین ٹائپ میں شائع ہوئی، کتاب کا عربی

ایڈیشن موجودہ طباعتی معیار کے مطابق ہے، اسے دیکھ کر تمام علم دوست حضرات خوشی محسوس کریں گے۔

عربی ترجمہ میں دقت و احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ تمام حوالوں کو اصل ماخذ سے ملا کر اطمینان کیا گیا ہے، جن عربی عبارتوں کا ترجمہ درج تھا ان کو اصل کتاب سے صحت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، اور جلد وصفحہ کا حوالہ جدید ذوق کے مطابق درج کیا گیا ہے، اس طرح یہ کتاب سیرت کی عربی کتابوں میں ایک قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اسے قارئین کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے، اور مؤلف، مترجم، ناشر سب کو اجر جزیل سے نوازے۔ اِنہ ولی التوفیق۔

(ع۔ح۔)

ماہنامہ

بنارس

شمارہ نمبر ۱۰	اکتوبر ۱۹۹۰ء	ربیع الاول ۱۴۱۱ھ	جلد نمبر ۸

اس شمارہ میں

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

۱۸/۲ بی ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ تیس روپے۔ فی پرچہ تین روپے

اس دائرہ میں سُرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدّتِ خریداری ختم ہوچکی ہے۔

افتتاحیہ

اساتذہ اور تلامذہ

باہمی معاشرت کے شرعی ضابطے

تلمیذ پر شریعت لازم قرار دیتی ہے کہ علم کے متعلق اپنی نیت درست رکھے، اور اس سے اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ارادہ کرے، اور استاد کا فریضہ ہے کہ تلمیذ کی خیر خواہی کرے اور اس کی تعلیم میں پوری جد وجہد کرے اور تلمیذ اپنے استاذ کا احترام کرے، تعلیم کے لئے اس کے احسان کی شکر گذاری کرے، اس لئے کہ جو شخص لوگوں کا شکر گذار نہیں ہوگا وہ اللہ کا بھی شکر گذار نہیں ہوگا۔ (حدیث) نہ استاذ کے حق کا انکار کرے اور نہ اس کے نیکی واحسان کا منکر ہو۔

تلامذہ پر واجب ہے کہ ہر قسم کی بھلائی اور تقویٰ کے کاموں میں آپس میں ایک دوسرے کا تعاون کریں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: المسلم اخو المسلم، لایسلمہ ولایظلمہ: ہر مسلمان ایک دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اسے بے مدد چھوڑے نہ اس پر ظلم کرے، آپؐ نے فرمایا ہے: "مثل المؤمنین فی توادھم وتعاطفھم کمثل الجسد الواحد، اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالحمی والسھر" محبت وشفقت میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف پہونچتی ہے تو سارا جسم تپ اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے، آپؐ نے فرمایا "والذی نفسی بیدہ لایؤمن احدکم حتی یحب لأخیہ من الخیر ما یحب لنفسہ" اس ذات کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اچھی چیز جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے اپنے مسلم بھائی کے لئے پسند نہ کرے۔ آپ نے فرمایا: المؤمن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا وشبک بین اصابعہ، ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کے مثل ہوتا ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصہ کو مضبوطی سے تھامے رہتا ہے آپ نے دونوں ہاتھ کی انگلیاں مثال کے طور پر ایک دوسرے میں ملا کر دکھائیں، آپؐ نے فرمایا: لاتحاسدوا، ولاتقاطعوا ولاتباغضوا، ولاتدابروا، وکونوا عباد اللہ اخوانا۔ آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، نہ قطع تعلق کرو، نہ بغض

رکھو، نہ دشمنی وعداوت رکھو، اے اللہ کے بندو! باہم بھائی بھائی بن کر رہو۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم لوگوں کو نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف والنہی عن المنکر سے افضل کار خیر کی خبر دوں؟ صحابہؓ نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا: "باہمی تعلقات کی درستگی" پھر کہا "باہمی تعلقات کا فساد" "مونڈ دینے والا ہے، بالوں کو نہیں! دین کو مونڈ دینے والا ہے۔ بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے آپ نے فرمایا: جنت کے دروازے ہر سوموار اور جمعرات کو کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر ایسے بندے کی مغفرت کی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتا سوا ایسے آدمی کے کہ اس کے اور دوسرے درمیان بغض وعداوت ہو، فرمایا جاتا ہے کہ صلح ہو جانے تک انہیں مؤخر رکھو، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق وقطع کلام رکھے، وہ ملتے ہیں لیکن ایک دوسرے سے اعراض کرتے ہیں، ان دونوں میں بہتر وہی ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔"

کسی استاد کو حق نہیں کہ دوسرے پر زیادتی کرے اور نہ ہی اپنی بات یا کسی عمل سے دوسرے کو ناحق اذیت دے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "والذین یؤذون المؤمنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا واثما مبینا" (الاحزاب ۵۸) جو لوگ مسلمان مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی قابل ملامت کام کے اذیت دیتے ہیں وہ بڑا بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر اٹھاتے ہیں، کسی کے لئے جائز نہیں کہ بغیر کسی ظلم، قانون شکنی اور حق کی پامالی کے کسی کو سزا دے، اگر نفسانیت کے تقاضے میں کوئی ایسا کرتا ہے تو ایسا ظلم ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے، "اے میرے بندو! یقیناً میں نے ظلم کو اپنے لئے حرام ٹھہرایا ہے اور تم لوگوں کے درمیان بھی اسے حرام ٹھہرایا ہے، لہذا باہم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔"

اگر کوئی شخص کوئی گناہ کرے تو جائز نہیں ہے کہ اسے شرعی سزا کے علاوہ کوئی اور سزا دی جائے، تلامذہ اور اساتذہ میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ اسے اپنی مرضی کے مطابق جو سزا چاہے دے، اور نہ ہی کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ اس بات پر اسے تعاون دے اور اس کی موافقت کرے، مثلاً کوئی شخص کسی کو حکم دے کہ فلاں شخص سے ترک تعلق کرے اور وہ بغیر کسی شرعی گناہ کے اس سے قطع تعلق کرے یا کہے کہ میں اس پر عمل کی پابندی کا حکم دیتا ہوں یا اسے مباح الدم قرار دیتا ہوں وغیرہ، یہ طریقہ کار بعینہ ویسا ہے جیسے قسیسین اور رہبان نصاریٰ کے ساتھ اور یہودی احبار یہودیوں کے ساتھ اور دیگر رہنمایان ضلالت اپنے پیروؤں کے ساتھ عمل میں لاتے ہیں، خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپؐ کی امت کے متعلق فرمایا تھا: تم لوگ اس وقت تک میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں، اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تمہارے لئے جائز نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی

نافرمانی کے کاموں میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، نیز آپ نے فرمایا، اگر کوئی شخص تمہیں اللہ کی نافرمانی کا حکم دے تو اس کی اطاعت مت کرو، لہٰذا اگر معلم یا استاذ نے کسی شخص سے قطع تعلق کرنے اسے مباح الدم قرار دینے یا کسی بھی عمل سے روک دینے یا نکال دینے کا حکم دیا تو اس پر غور کیا جائے گا، اگر اس نے کوئی شرعی گناہ کیا ہے تو بغیر ادنیٰ زیادتی کے اس کے گناہ کے بقدر سزا دی جائے گی، اور اگر کوئی شرعی گناہ نہیں کیا ہے تو معلم، استاد یا کسی اور شخص کی خاطر اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی، معلم اور اساتذہ کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان گروہ بندی کرائیں اور ایسا کام کریں جس سے لوگوں میں عداوت و بغض پھیلے، بلکہ نیکی وتقویٰ کے کاموں میں باہم تعاون کرنے والے بھائیوں کی طرح رہنا چاہئے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: " وتعاونوا على البر والتقوىٰ ولا تعاونوا على الاثم والعدوان " نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو، نہ ہی ان میں سے کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ کسی سے اس قسم کا عہد وپیمان لے کہ اس کی تمام باتوں پر موافقت اور تائید کرے، جس سے وہ دوستی کرے اس سے وہ بھی دوستی کرے، جس سے وہ دشمنی کرے اس سے وہ بھی دشمنی کرے، بلکہ ایسا کرنے والا چنگیز خاں وغیرہ کے جنس کا آدمی ہوگا جو اپنی موافقت کرنے والوں کو دوست اور مخالفت کرنے والوں کو دشمن اور باغی سمجھتے ہیں بلکہ ان حضرات اور ان کے ماننے والوں کو چاہئے کہ اللہ اور اسکے رسول کے عہد کی پاسداری کریں بایں طور کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو بجالائیں اور جس کام کو انہوں نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام سمجھیں، تلامذہ کو چاہئے کہ اساتذہ کے حقوق کی اس طرح نگہداشت کریں جیسے اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ اگر کسی کا کوئی استاذ مظلوم ہو تو اس کی مدد کرے اور اگر ظالم ہو تو ظلم پر اس کا تعاون نہ کرے، بلکہ اسے ظلم سے روکے، جیساکہ بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے " اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم ہو، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول مظلوم ہو تو ہم اس کی مدد کریں لیکن ظالم ہو تو کیسے مدد کریں، آپ نے فرمایا: اسے ظلم سے روکو یہی اس کے لئے تمہاری مدد ہے۔

اگر استاد واستاد کے درمیان یا تلمیذ تلمیذ کے درمیان یا استاذ اور تلمیذ کے درمیان کوئی جھگڑے کا معاملہ پیش آجائے تو جب تک حق معلوم نہ ہو جائے کسی کے لئے جائز نہیں کہ کسی کی مدد کرے، جہل اور خواہش نفس کے مطابق کسی کی مدد نہیں کی جاسکتی، بلکہ حق واضح ہو جانے کے بعد صاحب باطل کے خلاف صاحب حق کی مدد کی جائے گی خواہ صاحب حق اسی کے تلامذہ میں سے ہو یا غیر کے تلامذہ میں سے یا صاحب باطل اسی کے تلامذہ میں سے ہو یا دوسرے کے تلامذہ میں سے، مقصد صرف اللہ کی عبادت، اس کے رسول کی اطاعت حق کی اتباع اور عدل وانصاف کا قیام ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، " يا ايها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على انفسكم او الوالدين والأقربين إن يكن غنيا أو فقيرا فالله اولى بهما، فلا تتبعوا الهوىٰ أن

تعدلوا، وإن تلووا او تعرضوا فان الله كان بما تعملون خبيرا۔ (النساء ۱۳۵) اے ایمان لانے والو انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لئے شہادت دینے والے بن کر رہو خواہ وہ تمہارے یا تمہارے والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اگر کوئی غنی ہو یا فقیر ہو تو اللہ ان کا نگراں ہے، تم لوگ انصاف کرنے میں خواہش نفس کی پیروی نہ کرو، اور اگر جھوٹ بولوگے یا حق بات چھپاؤگے تو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ یقیناً اس کے حقائق سے پوری طرح باخبر ہے، لہذا تمام لوگوں پر واجب ہے کہ متحد ہو کر صاحب باطل کے خلاف صاحب حق کا ساتھ دیں، سب کے نزدیک باعظمت وہ قرار پائے جسے اللہ اور اس کے رسول عظمت دیں محبوب وہ قرار پائے جسے اللہ اور رسول محبوب قرار دیں، سب کے نزدیک ذلیل وہ قرار پائے جسے اللہ اور رسول ذلیل ٹھہرا دیں یہ سب اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے مطابق ہونا چاہئے نہ کہ خواہش نفس کے مطابق، اس لئے کہ جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ کامیاب ہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ اپنے آپ کو نقصان پہونچاتا ہے ایسے موقع پر لوگوں کا انتشار یا گروہ بندی شریعت کے مطلوب کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: إن الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا لست منهم في شيء (الانعام ۱۵۹) جن لوگوں نے اپنے دین میں پھوٹ پیدا کرلی ہے اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہیں، اے نبی ! آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات (آل عمران ۱۰۵) ان لوگوں کی طرح مت بنو جو منتشر ہو گئے اور اختلاف میں پڑ گئے اس کے بعد کہ اللہ کے احکام ان کے پاس آچکے تھے۔

تمام لوگ جب اللہ اور رسول کی اطاعت پر اکٹھا ہو جائیں گے اور نیکی و تقوی کے کاموں پر ایک دوسرے کا تعاون کریں گے تو کوئی شخص ہر بات میں کسی دوسرے شخص کے ساتھ نہیں رہے گا بلکہ ہر شخص ہر شخص کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تمام کاموں میں رہے گا، اور اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کے کاموں میں کسی کے ساتھ نہیں رہیں گے بلکہ سچائی، عدل و انصاف، احسان، امر بالمعروف والنہی عن المنکر، مظلوم کی مدد اور تمام ایسے کاموں میں جسے اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں ایک دوسرے کا تعاون کریں گے، نہ ظلم پر مدد کریں گے نہ جاہلی عصبیت پر اور نہ خواہشات نفس کی پیروی پر اور نہ ہی آپس میں اختلاف وانتشار اور گروہ بندی ہوگی۔

اساتذہ و تلامذہ سب پر واجب ہے کہ بھلائیوں کا حکم کرتے رہیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ اپنے درمیان کسی شخص کو آزاد لا چھوڑ دیں کہ وہ ظلم و زیادتی اور بے حیائی کو عام کرتا پھرے، اور نہ ہی امرد لڑکوں کو خلاف شرع زیب وزینت کے اظہار کا موقع دیں جس سے لوگوں میں فتنہ پھیلے، نہ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کریں جو ان کے لئے تہمت کا باعث بنے اور انھیں

کسی فاسد غرض کے لئے کسی کی تکریم کریں ۔

مشائخ، ملوک، علماء، امراء، معلمین اور تمام لوگوں کے لئے لازم ہے کہ دین اسلام کی پیروی کریں جسے دے کر اللہ نے اپنے تمام رسولوں کو بھیجا ہے، یہی دین خاتم الرسل، سید البشر، امام المتقین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، کوئی بھی شخص جب کسی بات کا حکم دے تو پہلے اسے کتاب و سنت پر پیش کر کے دیکھا جائے اگر ان کے موافق ہے تو قبول کیا جائے ورنہ رد کر دیا جائے جیسا کہ صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے " من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد " جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جس کے لئے ہمارا کوئی حکم موجود نہیں تو وہ مردود ہے ۔

(مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ)

(۲۸/ ۷)

ادارۃ البحوث الاسلامیہ

جامعہ سلفیہ کا یہ ادارہ تصنیف، ترجمہ اور طباعت و اشاعت کی خدمت انجام دیتا ہے۔ اس ادارہ سے عربی زبان میں ایک ماہنامہ " صوت الجامعہ " اور اردو زبان میں ایک ماہنامہ " محدث " شائع ہوتا ہے، ان دونوں رسالوں میں دینی موضوعات کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی موضوعات پر بھی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ اب تک عربی ماہنامہ کے تین خاص نمبر بھی شائع ہو چکے ہیں:

پہلا دعوت و تعلیم کے موضوع پر، دوسرا اسلامی مدارس کے تعارف و تعاون پر اور تیسرا علوم اسلامیہ میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ کے موضوع پر۔

ان رسالوں کے علاوہ مذکورہ ادارہ نے مختلف دینی و علمی موضوعات پر عربی، اردو اور انگریزی میں چھوٹی بڑی تقریباً ڈیڑھ سو کتابیں شائع کی ہیں۔ جن میں سب سے اہم اور وقیع کتاب " مرعاۃ المفاتیح " ہے، مشکوۃ المصابیح کی اب تک جو شروح منظر عام پر آچکی ہیں ان میں مرعاۃ سب سے مبسوط اور محققانہ ہے۔ اسے جامعہ سلفیہ کے صدر شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی نے تصنیف کیا ہے، اس کے اب تک نو حصے شائع ہوئے ہیں جن میں کتاب المناسک تک کی شرح مکمل ہو گئی ہے ۔

ﺪالرحمٰن ابن عبدالجبار الفریوائی

ترجمہ: ابن حبیب اشرف

خ الاسلام ابن تیمیہؒ کا علمی مقام اور علماء کے تعریفی کلمات

شجاعت ضرب المثل تھی۔ شجاعت کے بعض مظاہروں کے سبب آپ بڑے بڑے سورماؤں کے مشابہ ہیں
میں اللہ نے آپ کو کھڑا کیا۔ آپ نے اس کے پورے مسائل اپنے سر لیے، کھڑے ہوئے بیٹھے، پھر اٹھے اور
بادشاہ سے ملاقات کی اور قطلوشاہ اور بولائی سے بھی ملے۔ مغلوں کے خلاف آپ کے جرأت و اقدام پر قبچق
بحث کے اندر ان میں سخت تیزی پیدا ہو جاتی تھی۔ ایسا لگتا تھا گویا میدانِ جنگ کے شیر ہیں۔ وہ اس بات سے
جیسا شخص ان کی صفات کو جان سکے۔ اگر میں حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان قسم کھاتا تو یہی قسم کھاتا: کہ
آنکھوں سے ان کی نظیر نہیں دیکھی اور نہ ہی علم میں انھوں نے اپنا مثل دیکھا۔ [1]
فرماتے ہیں: ابن تیمیہ ذکاوت اور سرعتِ ادراک کی ایک نشانی تھے۔ قرآن و سنت اور اختلافی
ر تخیل تھے۔ منقولات کے سمندر تھے، علم، زہد، شجاعت، سخاوت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور کثرت
پے زمانہ کے یکتائے روزگار تھے۔ درس و مطالعہ سے شغف ہوا تو حدیث و فقہ میں ممتاز ہو گئے اور
ں تدریس اور فتویٰ کے اہل ہو گئے۔ آپ کو علم تفسیر اور جملہ علوم اسلامیہ اور ان کے اصول و فروع اور چھوٹی بڑی

ہ (۴۰۳-۴۰۴) اس کا بیشتر حصہ ابن ناصر الدین دمشقی نے الرد الوافر (۷۰، ۷۲) میں نقل کیا ہے۔ العقود الدریہ
(۲۲، ۲۵) الدرر الکامنہ لابن حجر (۱ / ۱۵۸، ۱۵۹) مختصراً ابن الوردی نے تعمیر حدیث کے متعلق ذکر کرتے ہوئے ترجمہ
، اس کا اکثر حصہ الدرۃ الیتیمیۃ فی السیرۃ التیمیۃ سے ماخوذ ہے۔ دیکھیے "شیخ الاسلام سیرتہ واخبارہ" عند

باتوں میں امتیاز حاصل تھا۔ اگر تفسیر کا ذکر آئے تو آپ اس کے سرخیل تھے اور اگر فقہا کا شمار ہو تو آپ مجتہد مطلق تھے۔ اگر حفاظِ حدیث کی مجلس میں حاضر ہوتے تو وہ بولتے اور بقیہ سب گونگے ہوتے۔ وہ اپنا کلام جاری رکھتے اور سب چپ ہوتے۔ وہ غنی معلوم ہوتے اور بقیہ سب مفلس معلوم ہوتے اور اگر متکلمین کی مجلس ہو تو آپ انھیں کے ایک فرد معلوم ہوتے اور سب کے وہی مرجع ہوتے اور اگر ابن سینا فلاسفہ کے ساتھ آجاتے تو آپ انھیں شکست دیدیتے۔ ان کے پردے چاک کر دیتے اور ان کی کمزوریاں واشگاف کر دیتے۔ علوم عربیت اور صرف ولغت میں آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ وہ اس سے بہت عظیم ہیں کہ میرا قلم ان کے اوصاف بیان کرسکے اور میرا بیان ان کی عظمت کا پتہ دے سکے۔ ان کی سیرت، علوم و معارف اور مجاہدات کے بیان کے لیے دو جلدیں درکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ جنت عطا فرمائے۔ یقیناً آپ ربانی امت، یکتائے روزگار علمبردار شریعت، مسلمانوں کے مصائب کے اوقات میں ان کے ساتھی، علم کے بلند مینار تھے۔ حق کی اشاعت، جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ایسا جوش وجذبہ رکھتے تھے کہ نہ میں نے ایسا جوش وجذبہ دیکھا اور نہ ہی کسی شخص بلکہ کسی فقیہ میں یہ چیز نظر آئی۔ [۱]

امام ذہبی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خط کے متعلق لکھا ہے: یہ ہمارے شیخ، امام، شیخ الاسلام، یکتائے زمانہ، بحر العلوم تقی الدین کا خط ہے۔ جنھوں نے بلوغت کے سن کو پہنچنے سے پہلے قرآن اور فقہ پڑھی، مناظرہ کیا اور بحث واستدلال کے درجہ تک پہنچے۔ مختلف علوم اور تفسیر میں درجہ امتیاز تک پہنچے، فتویٰ دیا اور درس بھی حالانکہ ابھی بیس سال سے کم عمر کے تھے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں اور اپنے شیوخ کی زندگی ہی میں اکابر علماء میں شمار ہونے لگے۔ آپ نے بڑی بڑی تصنیفات لکھیں جنھیں لوگ سفر کے سواریوں پر لے جاتے ہیں۔ غالباً اس وقت آپ کی تصانیف چار ہزار کراسہ یا اس سے بھی زیادہ ہوں گی۔ برسوں جمعہ کے خطبوں میں آپ نے قرآن مجید کی تفسیر کی۔ آپ نہایت بیدار مغز تھے، حدیث میں آپ کے سماعات بہت زیادہ ہیں۔ آپ کے شیوخ کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے۔ تفسیر میں آپ کی مہارت نہایت کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ حفظ حدیث، اسماء الرجال صحت وسقم حدیث کے سلسلہ میں آپ کی بلندیوں تک پہنچا نہیں جاسکتا۔ مذاہب اربعہ کے علاوہ، فقہ اور مذاہب صحابہ وتابعین کے علم میں آپ کی کوئی نظیر نہیں۔ اقوام عالم اور ان کے شرائع ومذاہب، اصول اور علم کلام میں ان کا مثل مجھے معلوم نہیں آپ کو عربی زبان پر عبور حاصل تھا۔ آپ کی عربیت نہایت قوی تھی۔ تاریخ وسیر میں آپ کی معلومات نہایت تعجب انگیز تھی، آپ کی شجاعت، جہاد، اور جرأت کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ایسے سخی اور کریم تھے کہ اس کی مثال بیان کی جاتی تھی۔ زہد اور کھانے

[۱] العقود الدریہ (۲۳، ۲۴) الشہادۃ الزکیۃ (۴۲، ۴۳)

بیٹے میں تھوڑے پر قناعت کرنا آپ کے خاص اوصاف تھے۔[۳]

نیز ذہبی فرماتے ہیں: فضلاء اور زہاد پر آپ کی عظمت غالب ہے اور بعض علوم میں تو آپ مجتہد ہیں۔ آپ کا مسلک خلق کے لیے عذر کی وسعت پیدا کرتا ہے۔ آپ کسی کی بھی تکفیر اس وقت تک نہیں کرتے جب تک اس پر حجت قائم نہ ہو جائے۔[۴]

تذکرۃ الحفاظ میں تحریر فرماتے ہیں: شیخ، امام، علامہ، حافظ، ناقد، فقیہ، مجتہد، مفسر باکمال، شیخ الاسلام سرخیل زہاد، نادرۂ روزگار، احمد بن تیمیہ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں اپنے خاندان کے ساتھ دمشق آئے اور ابن عبدالدائم، ابن ابی الیسر، الکمال بن عبد، ابن الصیرفی، ابن ابی الخیر، اور دیگر بہت سے شیوخ سے سماع کیا، علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے بہت سے اجزا قلمبند کیے۔ شیوخ کے یہاں حاضر ہوئے۔ تخریج و انتقاء کیا اور فن رجال، علل حدیث، فقہ حدیث، علوم اسلامیہ، علم کلام اور دیگر علوم میں ممتاز ہو گئے۔

آپ علم کے سمندر تھے، گنے چنے بیدار مغزوں، ممتاز زاہدوں، عظیم بہادروں اور معروف سخاوت شعاروں میں سے تھے۔ آپ کی تعریف موافق اور مخالف سبھی کی ہے۔ آپ کی تصانیف لوگ سفر کر کے سواریوں پر بار کر کے لے جاتے تھے اور غالباً ان کی تعداد تین سو مجلدات ہے۔

آپ نے دمشق، مصر اور سرحدی خطوں میں اپنا دریائے فیض جاری کیا۔ بارہا آزمائش میں ڈالے گئے، تکالیف میں مبتلا کیے گئے اور قلعہ مصر و قاہرہ و اسکندریہ میں قید کیے گئے اور قلعۂ دمشق میں دو بار اسیر کیے گئے اور وہیں ۲۰ر ذی القعدہ ۷۲۸ھ میں قلعہ کے ایک کمرہ میں حالتِ اسیری میں وفات پائی۔ پھر تجہیز و تکفین کے بعد وہاں سے نکال کر شہر کی جامع مسجد لایا گیا، اس موقع پر بے شمار انسان اکٹھا ہوئے۔ ایک اندازہ کے مطابق ساٹھ ہزار آدمی تھے، نماز جنازہ کے بعد اپنے بھائی امام شرف الدین عبداللہ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔[۵]

امام ذہبی معجم الشیوخ میں لکھتے ہیں: ہمارے شیخ، شیخ الاسلام، علم و معرفت، شجاعت، ذکاء، الٰہی تنویر، کرم، خیر خواہی امت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ نے حدیث کا سماع کیا۔

---

[۳] العقود الدریۃ (۲۲، ۲۳)، الرد الوافر (۶۸، ۶۹) الشہادۃ الزکیہ (۴۰) شیخ الاسلام و سیرتہ و اخبارہ عند المورخین (۶۱، ۶۲)

[۴] ذیل طبقات الحنابلہ (۲/۳۹۴)

[۵] تذکرۃ الحفاظ (۴/۱۴۹۶)

کثرت طلب میں کتابیں قلمبند کیں، ان کی تخریج کی، رجال وطبقات میں غور وفکر کیا اور وہ کچھ حاصل کیا جو ان کے علاوہ کوئی اور حاصل نہ کرسکا۔ آپ تفسیر قرآن میں امتیاز رکھتے تھے۔ سیال طبیعت اور بیدار ذہن کے ساتھ آپ نے قرآن کے دقیق معانی میں غوطہ لگایا۔ مشکل مقامات کی عقدہ کشائی کی طرف طبیعت کا میلان زیادہ تھا۔ آپ نے قرآن سے ایسے معانی کا استنباط کیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیے گئے۔ حدیث اور اس کے حفظ میں آپ نے امتیاز حاصل کیا ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو احادیث کو متون اور روایت کرنے والے صحابہ کے ناموں کے ساتھ محفوظ رکھتے ہوں اور دلیل قائم کرتے وقت ان کے استحضار پر پوری طرح قادر ہوں۔ آپ فقہ، اختلاف مذاہب اور صحابہ وتابعین کے فتاویٰ کی معرفت میں ممتاز تھے۔ فتوے دیتے ہوئے آپ نے کسی ایک مذہب کا التزام نہیں کیا۔ بلکہ اس بات کا فتویٰ دیا جس پر دلیل قائم ہوگئی۔ آپ کو اصول وفروع اور تعلیل واختلاف کے اعتبار سے عربیت میں نہایت ٹھوس مہارت حاصل تھی۔ علم معقولات میں تدبر کیا اور متکلمین کے اقوال پر عبور حاصل کیا، ان کی غلطیوں پر متنبہ کیا اور سنت کی نصرت واضح اور روشن ترین دلائل سے فرمائی۔ اللہ کی خاطر تکالیف وشدائد میں مبتلا کیے گئے اور خالص سنت کی نصرت پر انہیں خوف دلایا گیا۔ لیکن اللہ نے آپ کو سربلندی بخشی اور تمام اہل تقویٰ کے دلوں کو آپ کی محبت اور آپ کے حق میں دعا کے لیے اکٹھا کردیا اور دشمنوں کو سرنگوں کردیا۔ مختلف ملل ونحل کے لوگوں کو اللہ نے آپ کے ذریعہ ہدایت بخشی اور اکثر ملوک اور امراء کے قلوب آپ کی اطاعت پر راضی تھے۔ اللہ نے آپ کے ذریعہ شام کو بلکہ اسلام کو زندگی بخشی، جب کہ یہ مٹنے کے قریب تھا خصوصاً واقعۂ تاتار کے موقع پر۔ آپ اس سے بہت عظیم ہیں کہ مجھ جیسا شخص آپ کی سیرت کو بیان کرسکے۔ اگر میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم کھاتا تو یہی قسم کھاتا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے آپ کی نظیر نہیں دیکھی اور آپ نے خود اپنا مثل نہیں دیکھا۔ [۵]

ابن فضل اللہ العمری نے اپنی تاریخ مسالک الابصار فی ممالک الامصار میں آپ کی غایت درجہ تعریف کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: آپ حدیث کے حافظ تھے۔ اس کے صحیح وسقیم میں تمیز کرنے والے اور اس کے رجال کی معرفت اور مہارت رکھنے والے تھے۔ آپ کی تصانیف اور مفید تعلیقات بہت زیادہ ہیں۔ نیز، حدیث، فقہ، اور عقائد میں سیر حاصل فتاوی کثرت سے موجود ہیں۔ اور کتاب وسنت سے رد بدعات پر بھی آپ کی تصنیفات کثرت سے پائی

---

[۵] ابن العماد نے شذرات الذہب (۶/۸۱، ۸۲) میں معجم الشیوخ سے امام ذہبی کا کلام اسی طرح نقل کیا ہے۔ معجم الشیوخ کے قلمی نسخہ میں اسی کے مثل اختصار سے مذکور ہوا ہے۔

جاتی ہیں۔ ؎

صفدی (متوفی ۷۶۴ھ) شیخ الاسلام کی مدح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نصاریٰ، روافض اور دوسرے مخالفین کی تردید میں ایک مدت صرف کر ڈالی۔ اگر آپ بخاری کی شرح یا قرآن عظیم کی تفسیر پر لگ جاتے تو اپنے کلام کے منظم موتیوں کے ہار اہلِ علم کی گردنوں میں پہنا دیتے۔ ؎

شیخ الاسلام کے بعض شیوخ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: حصولِ علم کمال جدوجہد سے کیا، ایک بڑی جماعت سے آپ نے پڑھا، حدیثوں کا انتخاب فرمایا، بہت سے اجزاء اور سنن ابی داؤد قلمبند فرمایا۔ رجال وعلل میں بحث ونظر کی اور ائمہ ناقدین اور علماء حدیث میں سے ہوگئے۔ ؎

"اعیان الاثر میں مزید لکھتے ہیں" سنت آپ کی نوکِ زبان پر تھی اور علوم حدیث آپ کے دل کے گوشے میں پیوست تھے اور علماء کے اقوال آپ کی آنکھوں کے سامنے روشن تھے۔ نہ میں نے اور نہ میرے علاوہ کسی اور نے ان کے مثل قوتِ استحضار دیکھی ہے۔ شواہد کے استخراج اور سرعت احضار میں آپ کی نظیر نہیں دیکھی گئی۔ اسی طرح حدیث کو اس کی اصل کی طرف منسوب کرنے میں کوئی اور آپ کا ہم پایہ نہیں۔ ؎

ابن شاکر الکتبی (متوفی ۷۶۴ھ) نے فوات الوفیات میں لکھا ہے: جن شیوخ سے آپ نے سماع کیا ہے ان کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے۔ مسند امام احمد کا سماع آپ نے بارہا کیا۔ اسی طرح معجم الطبرانی الکبیر اور دیگر بڑی کتابیں نیز اجزاء کا بھی سماع کیا۔ آپ نے حدیث کی طرف توجہ فرمائی۔ بہت سے لوگوں سے پڑھا اور سالوں سال سماع کرتے رہے۔ آپ نے ایک مجلس میں غیلانیات بھی پڑھی۔ اسے قلمبند کیا اور اس کا انتخاب فرمایا۔ اسی طرح روایتِ حدیث کے سلسلۂ اسانید سے متعلق کتابیں بھی نقل کیں۔ ؎

ابن رجب (متوفی ۷۹۵ھ) لکھتے ہیں: حدیث پر توجہ فرمائی اور مسند امام احمد کا سماع بارہا کیا، اسی طرح کتب ستہ معجم الطبرانی الکبیر اور دیگر بے شمار کتابوں اور اجزاء کا سماع فرمایا۔ آپ نے از خود کثرت سے مطالعہ کیا اور بہت سے اجزاء اپنے

؎ الشہادۃ الزکیہ (۵۶)

؎ الوافی بالوفیات (۱۵/۷)

؎ الوافی بالوفیات (۱۵/۷) اعیان الاثر، سیرۃ شیخ الاسلام لصلاح الدین المنجد (۱۰)۔

؎ حوالہ سابق ؎ شیخ الاسلام ابن تیمیہ سیرتہ واخبارہ (۵۶) منقول از طبع محی الدین عبدالحمید۔

میں قلمبند فرمائے۔ [۳۱]

علامہ عینی لکھتے ہیں: علم، دین اور ورع و تقویٰ کا وافر حصہ آپ کو نصیب تھا۔ بہت سے فنون میں ماہر تھے خاص طور سے علم حدیث، فقہ اور تفسیر وغیرہ میں (۳۲)

حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: آپ نے ابن عبدالدائم، القاسم الأربلی، مسلم بن علان، ابن ابی عمر فخر اور دیگر بہت سے شیوخ سے سماع کیا، خود کثرت سے مطالعہ کیا اور سنن ابی داؤد کو نقل کیا۔ بہت سے اجزاء حاصل کیے، رجال اور علل میں غور و خوض کیا۔ فقہ کی جانب متوجہ ہوئے تو اس میں مہارت و امتیاز حاصل کیا۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ درس دیا، فتویٰ دیا اور معاصرین سے ممتاز مقام حاصل کیا۔ سرعت استحضار، قوت قلبی، علم منقول و معقول میں توسع اور مذاہب سلف و خلف کی اطلاع میں عجوبۂ روزگار تھے۔ [۳۳]

حافظ ابن حجر الرد الوافر لابن ناصر الدمشقی کی تقریظ میں (جسے آپ نے بروز جمعہ ۹ ربیع الاول ۸۳۵ھ میں تحریر کیا تھا) فرماتے ہیں: شیخ تقی الدین کی امامت کی شہرت آفتاب سے بڑھ کر ہے اور شیخ الاسلام کا جو لقب آپ کو اپنے زمانہ میں دیا گیا تھا آج بھی نیک لوگوں کی زبانوں پر باقی ہے اور جیسے کل گزشتہ میں باقی تھا کل آئندہ بھی باقی رہے گا۔ اس کا انکار صرف وہی کر سکتا ہے جو آپ کی عظمت سے ناواقف ہو یا انصاف سے پہلو تہی کرتا ہو۔ کتنا غلط کیش ہے ایسا شخص جس نے آپ کی لغزشیں اچھالنا اپنا شغل بنا لیا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی سے سوال ہے کہ ہمارے نفس کے شر سے ہمیں محفوظ رکھے اور اپنے فضل و احسان سے ہمیں اپنی زبانوں کے سیئات سے بچائے۔

اس شخص کی امامت کے لیے صرف وہی ایک دلیل کافی ہے جس کی طرف حافظ شہیر علم الدین البرزالی نے اپنی تاریخ میں اشارہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اسلام میں کسی کے جنازہ پر وہ اجتماع نہیں ہوا جو شیخ تقی الدین کے جنازہ پر ہوا۔ امام احمد کا جنازہ بہت عظیم تھا۔ لاکھوں افراد اس میں شریک ہوئے تھے، لیکن اگر دمشق میں بھی بغداد کی طرح کثیر افراد ہوتے یا اس سے بھی کئی گنا زیادہ ہوتے تو ان میں سے کوئی بھی شخص شیخ تقی الدین کے جنازہ میں حاضر ہونے سے پیچھے نہ رہتا۔ نیز بغداد میں تھوڑی تعداد کو چھوڑ کر تمام لوگ امام احمد کی امامت کے معتقد تھے اور اہل بغداد اور خلیفۂ وقت اس وقت آپ سے غایت درجہ

---

۳۱ ذیل طبقات الحنابلہ (۲/۳۸۸)

۳۲ الرد الوافر (ص ۶۳)

۳۳ الدرر الکامنہ (۱/۱۴۴، ۱۴۵)

محبت اور آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ اس کے برخلاف امام ابن تیمیہ کا جب انتقال ہوا تو امیر البلد غائب تھا۔ شہر کے اکثر فقہاء آپ کے خلاف تھے۔ آپ کے خلاف ان کے تعصب ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ محبوس ہو کر قلعہ میں وفات پاگئے، اس کے باوجود آپ کے جنازہ میں حاضری اور آپ پر اظہار رحم وافسوس سے بجز تین شخصوں کے کوئی پیچھے نہ رہا اور یہ تینوں بھی عوام کی طرف سے اپنے جان کے اندیشے سے پیچھے رہ گئے۔

اس عظیم اجتماع کا باعث صرف آپ کی امامت اور برکت کا اعتقاد تھا، کسی سلطان یا دوسرے کی حاضری اس کا سبب نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طریق سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا: انتم شهداء الله في الأرض۔ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔

اصول وفروع کے کچھ مسائل کے متعلق بارہا علماء کی جماعت نے شیخ تقی الدین کے خلاف محاذ آرائی کی اور دمشق و قاہرہ میں اس کے سبب سے متعدد مجالس کا انعقاد ہوا۔ لیکن اہل حکومت کے ان کے خلاف شدید تعصب کے باوجود ان میں سے کسی سے بھی یہ بات ثابت نہیں کہ آپ کے زندقہ یا قتل کا فتویٰ صادر کیا ہو۔ یہ ضرور ہوا کہ ان کے تعصب کے نتیجہ میں انہیں قاہرہ پھر اسکندریہ میں قید کر دیا گیا۔ اس سب کے باوجود سب ان کی وسعت علم، کثرت زہد وورع، سخاوت وشجاعت، نصرت اسلام اور کھلے چھپے اللہ سے دعا وغیرہ صفات کے معترف ہیں۔

پھر ایسے شخص کی تکفیر کیوں نہیں ہوگی جو آپ کو کافر گردانے، بلکہ اسے بھی کافر گردانے جس نے آپ کو شیخ الاسلام کا لقب دیا۔ حالانکہ شیخ الاسلام سے آپ کو ملقب کرنے میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس کی مقتضی ہو۔ آپ لاریب شیخ الاسلام ہیں اور جن مسائل پر آپ کی مخالفت کی گئی انھیں آپ اپنی مرضی سے نہیں بیان کرتے تھے اور نہ ہی دلیل قائم ہو جانے کے بعد عناداً آپ ان کے بیان پر اصرار کرتے تھے۔ یہ آپ کی تصانیف ہیں جو تجسیم کے قائلین کے رد اور ان کے تبری سے پُر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ بشر تھے اور خطا وثواب اس کی سرشت میں داخل ہے۔ جن مسائل میں آپ مصیب ہیں ان کی تعداد زیادہ ہے اور ان سے استفادہ کیا جائے گا اور ان کے سبب سے وہ رحم کے مستحق ہیں اور جن مسائل میں آپ سے خطا ہوئی ہے، ان میں آپ کی تقلید نہیں کی جائے گی، بلکہ آپ کو معذور سمجھا جائے گا، کیوں کہ ان کے دور کے ائمہ نے شہادت دی ہے کہ اجتہاد کے اسباب ان میں مجتمع تھے، یہاں تک کہ ان کے خلاف سخت ترین تعصب رکھنے والے اور آپ کو تکلیف پہنچانے کے لیے سب سے زیادہ سعی کرنے والے شیخ کمال الدین الزملکانی نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔ اسی طرح شیخ صدرالدین ابن الوکیل نے بھی شہادت دی ہے، جن کے علاوہ کوئی اور آپ سے مناظرہ کے لیے نہیں ٹک سکا۔

اور سب سے عجیب بات یہ کہ آپ روافض، حلولیہ اور اتحادیہ جیسے اہل بدعت کا سب سے بڑا مقابلہ کرنے والے تھے اور اس باب میں آپ کی تصانیف بہت زیادہ اور بہت معروف ہیں، اور ان کے متعلق آپ کے فتاویٰ کا تو شمار نہیں کیا جا سکتا، پھر ان اہل ضلال کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے کیا کہنے، جب وہ آپ کے کفر کی بات سنیں گے اور ان کی خوشی کا کیا عالم ہوگا، جب وہ دیکھیں گے کہ ایک ایسے شخص کی تکفیر کی جارہی ہے جو آپ کی تکفیر نہیں کرتا۔

لہٰذا علم سے شغل رکھنے والے کے لیے لازم ہے جب کہ وہ عقل رکھتا ہو کہ اس شخص کی مشہور تصانیف میں اس کے کلام کو غور سے پڑھے یا اہل نقل میں سے جو لوگ قابل اعتماد ہیں ان کی زبانوں سے نکلے ہوئے کلمات کو سنے، پھر جو قابل انکار ہو اسے الگ کر دے، اور خیر طلبی کی نیت سے اس سے بچے اور جن امور میں اس نے صحت کو پالیا ہے۔ ان کے لیے ان کے فضائل کی تعریف کرے جیسا کہ دوسرے علماء کا معروف طریقہ ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کے اگر کوئی مناقب نہ ہوتے تو صرف ان کے مشہور تلمیذ شیخ شمس الدین ابن قیم الجوزیہ جو نافع تصانیف کے مالک ہیں، جن سے مخالف اور موافق سبھی نے انتفاع کیا ہے۔ ان کی عظمت شان کے لیے بڑی دلیل ہوتے۔ جبکہ مختلف علوم میں ان کے تفوق اور امتیاز کی شہادت حنابلہ کے علاوہ ان کے دور کے ائمہ شافعیہ اور دوسرے لوگوں نے بھی دی ہے۔

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے جو شخص آپ پر یا اس پر بھی جس نے آپ کو شیخ الاسلام کا لقب دیا ہے، کفر کا فتویٰ صادر کرے، وہ قابل التفات نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ بات آپ پر صادق آسکتی ہے بلکہ ضروری ہے کہ ایسے شخص کو خوف دلایا جائے کہ وہ حق کی طرف رجوع کرے اور صداقت کا یقین کرے۔ اللہ ہی حق کہتا ہے اور سیدھے راستہ کی ہدایت وہی دیتا ہے۔

وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

ؔ۱۵ الرد الوافر (۲۲۹، ۲۳۲)

اسلام اور فوٹوگرافی

ترجمہ وتلخیص :-
عبدالمنان محمد شفیق السلفی
اجمل خاں طبیہ کالج ،مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تحریر :-
فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق حفظہ اللہ
مجلہ "الفرقان" الکویت

آج کل قریب قریب روزانہ لوگوں کی طرف سے یہ سوالات اٹھائے جاتے ہیں کہ تصویر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیسی تصویر ناجائز ہے؟ اور کس طرح کی درست اور جائز ہے؟ اس بحث ومباحثہ کی وجہ یہ ہے کہ آج کی دنیا میں انتشار وافتراق کو عام کرنے اور برائیوں کو رواج دینے میں فوٹو ایک اہم اور کلیدی رول ادا کر رہا ہے اور حالت بایں جا رسید کہ آج فوٹو ہماری یومیہ زندگی کا ایک اہم ولازمی عنصر بن کر رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تمام ملکوں کے سکوں پر تصاویر بنی رہتی ہیں۔ اخبارات ورسائل اور میگزین میں ان کی بھرمار ہوتی ہے۔ ملبوسات ومصنوعات اور بازار کے اندر فروخت ہونے والی اشیاء پر تصویریں دکھائی دیتی ہیں اور آج کی دنیا میں بغیر فوٹو کے پاسپورٹ، ویزا اور اجازت ناموں کا حصول اور امتحانات میں شرکت ناممکن ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ پوری دنیا کے اندر بشمول اسلامی ممالک عام میدانوں، پارکوں اور سرکاری اداروں ودفاتر کے اندر تصاویر کے لگانے اور مجسمے نصب کرنے کا عام چلن ہے، اور اس پر طرہ یہ ہے عالم اسلام کے اکثر اسکول اور کالجز میں فوٹوگرافی اور آرٹ کو ایک لازمی حیثیت دیدی گئی ہے، جس کا حصول ہر طالب علم کے لیے ناگزیر ہے۔

عصر حاضر میں تصویر کے تعلق سے سب سے اہم اور نازک مسئلہ جس کے متعلق اکثر لوگ کشمکش و پیچ میں مبتلا ہیں۔

یہ ہے کہ ان تصاویر کا کیا حکم ہے جو کسی آلہ کی مدد سے روشنی کی موجودگی میں کھینچی جاتی ہیں اور پھر ان کو کاغذ یا ٹیلی ویژن کے پردے پر منتقل کردیا جاتا ہے، یا ان کو فلم کے اندر محفوظ کر لیا جاتا ہے، کیا ان کی بھی ممانعت ہے، یا وہ اس دائرہ سے خارج ہیں؟ تصویر کا شرعی حکم کیا ہے؟ قرآن وحدیث نے اس سلسلے میں ہماری کیا رہنمائی کی ہے؟ حرمت کے اسباب و وجوہات اور جواز کی بنیاد کیا ہے؟ اور موجودہ دور کی آلاتی تصاویر کے اندر شارع کے بیان کردہ اسباب حرمت پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ تصاویر کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور کیا اس کی تمام قسمیں بالکلیہ حرام و ناجائز ہیں؟ یا بعض صحیح و درست بھی ہیں؟ ان تمام سوالات کو اس مضمون کے اندر زیر بحث لایا گیا ہے اور شریعت کی روشنی میں ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآن کریم اور تصویر کشی

قرآن کریم کے اندر تمام مقامات پر "مصور" کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کیا گیا ہے اور یہ اس کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ ارشاد باری ہے:

" وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے، اس کے لیے بہترین نام ہیں۔ ہر چیز جو آسمان وزمین میں ہے اس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ زبردست و حکیم ہے۔" (پارہ ۲۸ سورہ حشر آیت ۲۴)

اس کے علاوہ قرآن کی کچھ اور آیات سے مصور کی تفسیر اور اس کے معنی و مفہوم کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) هو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء۔

وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے، بناتا ہے۔ (آل عمران پ۳ آیت ۶)

(۲) ولقد خلقناکم ثم صورناکم . . . .

ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کی پھر تمہاری صورت بنائی۔ (سورہ اعراف پ۹ آیت ۱۱)

(۳) یایها الانسان ما غرك بربك الكريم الذی خلقك فسوٰك فعدلك، فی ای صورة ما شاء ركبك

اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا، جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے مناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا، تجھے جوڑ کر تیار کیا۔

(سورہ انفطار پ۳۰ آیات ۶، ۷، ۸)

ان آیات کا واضح اور صریح مطلب یہ ہے کہ اللہ صرف آدم ہی کا نہیں بلکہ ساری کائنات کا مصور و خالق ہے۔

اور وہی منتظم و کارساز بھی ہے ، اسی نے تمام مخلوق کو ایک خاص شکل و صورت میں پیدا فرمایا اور انھیں مختلف اجناس و انواع میں تقسیم کر دیا ، یہی نہیں بلکہ ہر نوع وجنس کے اندر شامل ہر فرد کو ایک خاص وصف اور جداگانہ حیثیت عطا فرمائی ہے ، جس سے ہر نوع کا ایک فرد دوسرے فرد سے کلی طور پر تمام اوصاف و اطوار میں مختلف ہوگیا ہے ۔

تصویر ہی کی دوسری صورت مجسموں اور اسٹیچو کی ہے جن کا ذکر قرآن کریم کے اندر غیر مستحسن انداز میں کیا گیا ہے ۔ اور ان کے فنکاروں اور عبادت گزاروں کی کم عقلی کا ماتم کیا گیا ہے ۔ ارشاد ربانی ہے :

و جاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا علیٰ قوم یعکفون علیٰ اصنام لھم قالوا یٰموسی اجعل لنا الٰھاً کما لھم اٰلھۃ ، قال انکم قوم تجھلون ۰(پ۹ الاعراف ۱۳۸)	اور جب ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار پہونچا دیا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو اپنے بتوں کی پرستش کرتی تھی تو انھوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام سے انھی کے مانند اپنے لیے ایک معبود بنانے کا مطالبہ کیا ۔

بہت پہلے گزشتہ ادوار میں بھی جن بتوں کی پرستش کی جاتی تھی وہ سب لکڑی ، پتھر یا دھات کے بنے ہوئے تھے اور ان کی ساخت انسان یا حیوان کی طرح ہوتی تھی اور اللہ نے ان تمام کو برا فعل و عمل قرار دیا ہے ، فرمایا :

یاایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر و الانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ۰ (سورہ مائدہ آیت ۹۰)	اے مسلمانو! بلاشبہ شراب ، جوا ، اصنام اور ازلام شیطان کے قبیح وشنیع اعمال ہیں اور تمھارا ان سے اجتناب ضروری ہے ، تاکہ تم فلاح یاب ہو جاؤ ۔ "

اور شرک کی ابتداء سے لے کر آج تک کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس نے بتوں کی پرستش اور ان کی تعظیم نہ کی ہو ۔ ماقبل مسیح رومی اور صابی قومیں بتوں اور ستاروں کی عبادت کرتی تھیں ۔ ان کے آثار بعد میں عرصہ تک باقی رہے ۔ جس کی وجہ سے عیسائیت بت پرستی میں تبدیل ہوگئی ، یہی وجہ ہے کہ آج عیسائیت ۔ بتوں کا مذہب بن کر رہ گئی ہے اور ان کی عبادت بت پرستی کے مثل ہو کر رہ گئی ہے ، اور عیسائیت ہی کیا آج دنیا میں اکثر مذاہب کی یہی حالت ہے ۔ مثلاً بدھ مت کی بنیاد بھی یہی اصنام ہیں ، اس کے علاوہ ہندوستان ، آسٹریلیا ، امریکہ اور افریقہ میں پائے جانے والے تمام مذاہب کی بنیاد بھی انھی پر قائم ہے ۔

بتوں کی پرستش وتعظیم اس حد تک پہونچ کر ختم نہیں ہو جاتی ، بلکہ الحاد و دہریت جو انکار خدا و انکار مذاہب پر قائم تھے ، اس نے بھی اپنے لیے بت بنا لیے اور ان کی پرستش شروع کر دی ، فرق صرف اتنا ہے کہ بدھ ، اپولو ، ہبل کی جگہ

ایک دوسری شخصیت مارکس و لینن نے لی ہے اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ آج کی دنیا مادی و تمدنی ترقی کے اعلیٰ منازل طے کرنے کے باوجود عقائد و افکار کے اعتبار سے جہاں پہلے تھی وہیں اب بھی ہے بلکہ اس سے بھی بدتر حالت میں پہنچ گئی ہے اور سیکڑوں سال بعد بھی آباء و اجداد کے معبود لائق پرستش و لائق اعتنا رہے ہوئے ہیں۔

تصویر کے تعلق سے سُنّتِ نبوی کا موقف

سنت کا تصویر کے متعلق کیا موقف ہے، تصویر کی کون سی قسم ناجائز ہے اور کون سی جائز ہے اور کن مصورین کو سخت عذاب کی دھمکی دی گئی ہے، ان امور اور تصویر سے متعلق دیگر امور کی بابت احادیث کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

۱۔ حدیث عبد اللہ بن مسعود قال: سمعت النبی ﷺ یقول «ان اشد الناس عذاباً یوم القیٰمۃ المصورون» وفی روایۃ «یقال لہم احیوا ما خلقتم» (متفق علیہ)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں میں سخت ترین عذاب تصویر بنانے والوں کا ہوگا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنی طبع زاد تصاویر کے اندر روح پھونکو۔ (بخاری و مسلم)

اس کے علاوہ اسی مفہوم کی احادیث حضرت ابوہریرہ و عائشہؓ سے بھی مروی ہیں اور یہ تمام روایتیں بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔

۲۔ حدیث ابی جحیفۃ عن ابیہ انہ اشتری غلاما حجاماً فقال ان النبی ﷺ نھی عن ثمن الدم وثمن الکلب وکسب البغی ولعن آکل الربا وموکلہ والواشمۃ والمستوشمۃ والمصور۔ (اخرجہ البخاری)

حضرت ابو جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں (ابو جحیفہ) نے ایک پچھنا لگانے والا غلام خریدا تو ان کے والد نے فرمایا کہ نبی کریم نے خون کی قیمت، کتے کی قیمت اور زانیہ کی کمائی کو حرام قرار دیا ہے۔ اور آپؐ نے سود خور و اس کے موکل، گودنا گودنے والی و گودنا گودوانے والی اور تصویر گر پر لعنت بھیجی ہے۔ (بخاری)

۳۔ حدیث ابی طلحۃ رض قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لاتدخل الملٰئکۃ بیتاً فیہ کلب ولا تماثیل۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو طلحہ کی روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فرشتے ان گھروں میں داخل نہیں ہوتے جن میں کتے یا تصاویر موجود ہوں (مسلم)

۴۔ حدیث عائشۃ وفی آخرہ قال النبی ﷺ ان البیت الذی فیہ صور لا تدخلہ الملٰئکۃ (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ کی ایک طویل روایت ہے جس کے آخر میں مذکور ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ فرشتے تصویر والے گھروں میں داخل نہیں ہوتے۔ (بخاری و مسلم)

اسی معنی اور مفہوم کی کچھ اور روایتیں بھی ملتی ہیں۔ ایک روایت حضرت ابوہریرہ کی ہے، جس کی تخریج ابوداؤد، نسائی، ترمذی نے کی ہے۔ اور دوسری روایت ابن عمر کی ہے جو بخاری میں مروی ہے اور جس کو مسلم نے اپنی صحیح میں بسند عائشہؓ و میمونہؓ نقل کیا ہے۔

۵۔ حدیث ابی طلحۃؓ عن بسر بن سعید ان زید بن خالد الجھنی حدثہ ومع بسر بن سعید عبید اللہ الخولانی الذی کان فی حجر میمونۃ زوج النبی ﷺ قال لاتدخل الملٰئکۃ بیتاً فیہ صورۃ۔ قال بسر فمرض زید بن خالد فعدناہ فاذا نحن فی بیتہ بستر فیہ تصاویر فقلت لعبید اللہ الخولانی الم یحدثنا فی التصاویر؟ فقال انہ قال الارقما فی ثوب الاسمعتہ؟ قلت لا قال بلی قد ذکرہ۔

(اخرجہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوطلحہؓ کی روایت ہے وہ بسر بن سعید اور بسر بن سعید زید بن خالد جہنی و عبید اللہ خولانی سے بیان کرتے ہیں جو کہ نبی کریم ﷺ کی بیوی حضرت میمونہ کی گود میں پلے تھے کہ آپؐ نے فرمایا کہ فرشتوں کا دخول تصویر والے گھروں میں نہیں ہوتا ہے۔ بسر کا کہنا ہے کہ ایک بار زید بن خالد بیمار ہوگئے تو ہم ان کی عیادت کے لیے گئے، جب ہم ان کے گھر کے اندر داخل ہوئے تو ایک پردہ دیکھا جس میں تصاویر بنی تھیں تو میں نے عبید اللہ خولانی سے اس کا تذکرہ کیا اور کہا کہ آپ ہی نے تصویر کے متعلق مجھ سے یہ بات بیان کی ہے تو انھوں نے کہا کہ کیا تم نے نبی کریم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا ہے کہ وہ تصاویر درست ہیں جو کپڑے میں بنی ہوں میں نے کہا کہ نہیں سنا ہے تو انھوں نے کہا ہاں، یقیناً، آپ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اس سلسلے کی ایک دوسری روایت ابن عباس سے مروی ہے، جس کی تخریج بخاری نے کی ہے وہ بھی اسی معنی کی ہے۔

۶۔ حدیث عائشۃ ان النبی ﷺ لم یکن

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے گھر کے اندر

يترك في بيته شيئاً فيه تصاليب الا نقضه (اخرجه البخاری)

کوئی ایسی چیز باقی نہیں چھوڑتے تھے جس میں تصاویر بنی ہوں۔

یہ حدیث بخاری کی ہے اور کشمیہنی کی روایت میں تصاویر کے بجائے "تصالیب" کا لفظ آیا ہے اور بخاری نے اس پر باب باندھا ہے "باب نقض الصور" جس کے تحت انھوں نے اس حدیث کو لیا ہے۔ اس کے علاوہ اس معنی کی اور دیگر روایتیں بھی ہیں۔ ایک روایت ابو صیاح اسدی کی ہے جو مسلم میں مروی ہے اور دوسری روایت جابر کی ہے جس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے۔ اور ایک دوسری روایت ابواسامہ کی ہے جس کی تخریج طیالسی نے اپنی مسند کے اندر کی ہے اور حافظ نے اس کی سند کو جید بتلایا ہے۔

۷۔ حديث عائشة رضي الله عنها قالت دخل على رسول الله وقد سترت سهوة لي بقرام فيه تماثيل وفي رواية فيه الخيل ذوات الاجنحة فلما رآه هتكه و تلون وجهه وقال يا عائشة! اشد الناس عذاباً عند الله يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله وفي رواية ان اصحاب هذه الصور يعذبون ويقال لهم احيوا ما خلقتم، ثم قال: ان البيت الذي فيه الصور لا تدخله الملئكة قالت عائشة فقطعناه فجعلنا منه وسادة او وسادتين فقد رأيته متكئا على احداهما وفيه صورة۔ (اخرجه البخاري ومسلم)

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریمؐ میرے پاس تشریف لائے اور میں نے اپنے گھر پر ایک پردہ لگا رکھا تھا، جس میں تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ (ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان تصاویر کا تعلق گھوڑوں سے تھا جو بازو والے تھے۔) جب آپ کی نگاہ ان تصاویر پر پڑی تو آپؐ نے انھیں پھاڑ دیا اور آپ کا روئے مبارک زرد ہوگیا اور فرمایا اے عائشہ! تمام لوگوں میں سخت ترین عذاب قیامت کے دن ان مصورین کا ہی ہوگا، جو اللہ کی تخلیق کی نقل کرتے ہیں (ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان مصورین کو عذاب دیا جائے گا اور ان کی اپنی بنائی ہوئی تصویروں کے اندر انھیں روح پھونکنے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ تصاویر والے گھروں میں ملائکہ نہیں داخل ہوتے) عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس کو پھاڑ دیا اور اسی کا تکیہ بنالیا۔ بعد میں میں نے آپ کو اس حال میں پایا کہ

.. .. آپ ان میں سے کسی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، جبکہ اس
. ... کے اندر تصاویر موجود تھیں۔

اس معنی کی ایک دوسری روایت بھی ہے جو حضرت عائشہ ہی سے مروی ہے اور اس کی بھی تخریج بخاری و مسلم
نے کی ہے۔

۔ حدیث جابر نهى رسول الله صلى
یه وسلم عن الصورة فى البيت و
ان يصنع ذالك ۔
اخرجه الترمذى وقال حسن صحيح)

حضرت جابرؓ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت
نے گھر کے اندر تصاویر رکھنے سے منع فرمایا ہے اور اس کے
بنانے سے بھی منع کیا ہے۔ اس حدیث کی تخریج ترمذی نے کی
ہے اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

مذکورہ احادیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

قیامت کے دن تمام لوگوں میں سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کا ہوگا اور یہ معلوم ہے کہ کسی کو شدید عذاب
، دیا جاسکتا ہے، جب اس کا جرم بھی عظیم ہو اور آپ کا یہ فرمان کہ وہ "اشد الناس عذاباً" ہوگا اسی وقت صحیح
تا ہے، جب اس کا عذاب کفر، شرک اور دیگر تمام معاصی سے بڑھ کر ہو، اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر
تنا سخت عذاب کس بنیاد پر دیا جائے گا اور اس کے گناہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تصویر کشی
ہ اللہ کی تخلیق کی نقل اور اسی کے مثل بنانے کی ہو تو اس سے اس کی خاص صفت "وحدانیت" پر عدوان لازم
ور اللہ تعالیٰ کسی کی شرکت کو قطعاً پسند نہیں کرتا ہے لہٰذا اس کا عذاب بھی سب سے سخت ہوگا۔

۔ یہ تصویر گری اور مجسمہ سازی کی ہی دین تھی کہ لوگ بتوں کی پرستش میں لگ گئے اور اللہ کو چھوڑ کر ان کو معبود
بنا لیا۔

تصویروں کی خرید و فروخت حرام ہے اور یہی تمام محرمات کا اصول ہے کیونکہ خداوند قدوس جب کسی چیز کو حرام
کر دیتا ہے، تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے۔

۔ تصویروں کی تعظیم اور مجسمات کی تنصیب حرام ہے، کیونکہ یہ کفار کا عمل ہے اور اس امر میں ان کی مخالفت ضروری
ہے تاکہ مسلمان اس کے ذریعہ سے شرک میں ملوث نہ ہوں اور آپ کے پیش نظر بھی یہی مقصد تھا۔ اسی لیے آپؐ نے حضرت
عائشہ کو تصویر والے پردے کے پھاڑنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ یہ بات کہ حضرت عائشہ ان کو قابل تعظیم و محترم سمجھتی رہی ہوں

شک وشبہ سے بالا تر ہے۔

۵۔ تصویروں اور مجسموں کا ضائع کرنا ضروری ہے، خصوصاً اس وقت جبکہ ان کی تعظیم وتکریم کی جاتی ہو، جیسا کہ اس سے پہلے ابو ھیاج اسدی اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۶۔ تصویر اگر کسی ایسے کپڑے کے اندر بنی ہو جس کو آویزاں نہ کیا جاتا ہو یا کوئی مجسم (شکل وصورت والا) بچوں کا کھلونا ہو تو ان کے استعمال کی اجازت ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں اس کا تذکرہ ہے اور جن علماء کا خیال اس حدیث کی بابت نسخ کا ہے، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

۷۔ تصویروں سے آباد گھروں کے اندر رحمت کے فرشتوں کا دخول نہیں ہوتا ہے، البتہ انسانوں کی نگرانی پر مامور اور ان کے افعال وسکنات کو تحریر کرنے والے فرشتے ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ان کے تمام افعال واقوال کو ہمہ وقت قلم بند کرتے رہتے ہیں۔

۸۔ تصاویر کی حرمت کی صرف دو وجہیں ہیں:

(ا) اس سے خداوند قدوس کی مخصوص صفت تصویر کشی کی مماثلت لازم آتی ہے اور یہ عدوان اور سرکشی کے مترادف ہے۔

(ب) چونکہ غیر اللہ کی تعظیم وتکریم اور شرک کو راسخ کرنے میں ان تصاویر کا ہمیشہ سے بہت اہم کردار رہا ہے اور یہ اصنام وتماثیل کی پرستش کا بہت بڑا ذریعہ و وسیلہ رہی ہیں۔

لہٰذا اگر کسی تصویر کے اندر یہ دونوں علتیں معدوم ہیں تو وہ تصویر حلال ہوگی۔ اس کی مثال حضرت عائشہ کے ذریعہ بنائے گئے گھوڑوں کی صورتیں ہیں جن پر آپ نے نکیر نہیں فرمائی، کیونکہ حضرت عائشہ کا مقصد قطعاً خدا کی تخلیق کی مثال کا نہیں تھا اور نہ ان تصاویر کو وہ محترم ومعظم جانتی تھیں، بلکہ ان کی حیثیت صرف کھلونوں کی تھی۔

تصاویر کی قسمیں

تصویر کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم: فنی وتکنیکی تصویر: تصویر کی وہ قسم ہے جس کے بنانے میں انسان اپنی ذاتی صلاحیت ولیاقت، قدرت وطاقت اور فن کا استعمال کرتا ہے اور جس سے اس کا مقصود اپنی فنی صلاحیت کی نمائش، خدائی تخلیق کی نقل اور اپنی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس طرح کی تصویریں بنانے والے آرٹسٹ کہلاتے ہیں، ان کی اکثریت غرور وتکبر کا شکار ہوتی ہے اور ان کا خیال ہوتا ہے کہ وہ خدائی تخلیق کی بعینہٖ نقل کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں، بلکہ خدا کی تخلیق سے بھی

ہنر اور شاندار تخلیق کا نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔

اس طرح کی تصویریں جن کا مقصد محض قدرت کا اظہار اور فن کی نمائش ہوتی ہے، خواہ بصورت مجسمہ ہوں یا کاغذ و کپڑے پر منقوش ہوں، علی الاطلاق حرام ہیں اور اگر ان کا تعلق کسی قائد یا معبود سے ہے تو ان کی حرمت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسری قسم: آلاتی تصاویر:

آلاتی تصاویر کی بہت سی قسمیں ہیں کیونکہ جو آلات تصویر کشی کے کام آتے ہیں، ان کی مختلف اقسام ہیں، جن کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) کیمرہ کی تصویر:۔ کیمرہ ایک محدب عدسہ (CONVEX LENS) پلاسٹک فلم اور نظام اصل ماسکہ (FOCUSSING ARRANGEMENT) پر مشتمل ہوتا ہے اور یہی LENS کیمرے کا خاص جز ہوتا ہے جس کے اندر ایک باریک سوراخ ہوتا ہے جسے DIAPHRAGM کہتے ہیں۔ شئی مقابل پر پڑنے والی روشنی انعکاس (REFLECTION) کے بعد اس سے گزر کر تصویر کے لیے اندر لگی ہوئی فلم پر پہنچتی ہے، جس سے اس شے کی تصویر فلم پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ پھر اس پلاسٹک فلم سے روشنی گزار کر تصویر کو کاغذ پر منتقل کر لیا جاتا ہے۔

(۲) سنیمائی فلم کی تصویر:۔ سلولائڈ (CELLULOID) کی بنی ہوئی شفاف (TRANSPARENT) فلم پر تصویروں کا ایک سلسلہ ہوتا ہے، تیز روشنی ایک آلہ کے ذریعہ جسے (PROJECTOR) پروجیکٹر کہتے ہیں اس معقود PICTURED شفاف فلم پر ڈالی جاتی ہے، جس سے گزرتی ہوئی روشنی کی کرنیں پردے پر پڑتی ہیں، اس طرح اس پر بنا ہوا فوٹو پردے پر آجاتا ہے۔ فوٹو فلم چلتی رہتی ہے اور تصویر پردے پر آتی رہتی ہے۔

(۳) ٹیلیویژن تصویر: یہ تصاویر ٹیلیویژن کیمرہ کے ذریعہ لی جاتی ہیں، جس کو ٹیلی ویژن کیمرہ برقاطیسی لہروں (ELECTRO MAGNETIC RAYS) کے اندر بدل دیتا ہے اور یہ لہریں فلم پر ریکارڈ کر لی جاتی ہیں، پھر ان لہروں کو ٹیلیویژن میں لگے ہوئے RECEIVER (CATHODE TUBE) کی طرف بھیج دیا جاتا ہے، TELEVISION RECEIVER ان لہروں کو جمع کر لیتا ہے اور بعد میں روشنی کے واسطہ سے اسی شکل میں پیش کر دیتا ہے۔

(۴) شعاعی تصاویر (RADIOLOGICAL PICTURES) یہ بھی تصویر کی ایک قسم ہے جو آلہ تصویر کی

مدد سے لی جاتی ہے، اس سے مقصود جسم انسانی کے اندرونی اعضاء کی تصویر کشی ہوتی ہے۔ ان سے تشخیص امراض میں مدد لی جاتی ہے۔

۵۔ تصویر سونار (SONAR)، یہ بھی شعاعی تصویر کی ایک قسم ہے جو کہ انسانی جسم کے اندرونی اعضاء کی تصویر ٹیلی ویژن پردے پر مع اس کی حرکت کے نقل کر دیتی ہے۔ لہٰذا اس کے ذریعہ رحم کے اندر موجود بچے کا فوٹو بھی لیا جا سکتا ہے اور انسانی جسم کے اندرونی اعضاء کو کام کرتے ہوئے دکھایا جا سکتا ہے۔

تصویر کی مذکورہ بالا اقسام میں سے کوئی بھی قسم فنی و تکنیکی تصویر کے اندر نہیں آتی ہے اور نہ ہی ان کا مقصد مصوروں، سنگ تراشوں اور تصویر گروں کی صلاحیت کا لوہا منوانا۔ انسانی صلاحیت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، بلکہ ساری قدرت وصلاحیت اور لیاقت آلہ کی ہوتی ہے، لہٰذا خدائی تخلیق کی نقالی کا سرے سے کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا اور مماثلت ومشابہت قطعی طور پر پائی ہی نہیں جاتی بلکہ ایک چیز کا آلہ کی مدد سے بعینہٖ نقل کر دینا ہوتا ہے، جس کا فی الواقع وجود ہے اور کوئی بھی مصور اس سے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ فلاں تصویر کا مبدع یا خالق ہے یا فلاں تصویر میں اس نے حقیقت کی عکاسی کی ہے۔ کیونکہ مصور کا تصویر بنانے میں ذرہ برابر بھی دخل نہیں ہوتا۔

آلاتی تصاویر کا حکم

غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد ہم اس نتیجہ تک پہونچے ہیں کہ آلاتی تصویر ان تصاویر سے مختلف ہوتی ہے جن کا تذکرہ حدیث میں کیا گیا ہے، اس کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

(۱) پہلی وجہ: آئینہ میں بننے والی تصویر اور آلاتی تصویر کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ آئینہ کے سامنے سے اگر شئ مقابل غائب ہو جائے تو اس کی تصویر بھی ناپید ہو جاتی ہے جبکہ آلات کے اندر ایسا نہیں ہوتا، کیونکہ یہ آلات شئ مقابل کی تصویر کو ریل، فلم وغیرہ پر منتقل کر دیتے ہیں، جس سے تصویر بعد میں بھی باقی رہتی ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ آئینہ کے اندر بننے والی تصویر خدائی تخلیق کی نقل ہے۔ کیونکہ آئینہ شئ مقابل کا صرف عکس اخذ کر لیتا ہے اس کے علاوہ اس کا کوئی کام نہیں ہوتا لہٰذا مماثلت کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی طرح آلاتی تصویر میں بھی مماثلت نہیں پائی جاتی۔

(۲) دوسری وجہ: حرمت کے اسباب کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فی نفسہٖ تصویر اور اس کے آویزاں کرنے کے اعتبار سے تصاویر کے حرمت کی تین وجوہات ہیں:

تصویر اللہ کی تخلیق کی نقالی ہے اور اسم الٰہی "مصورہ" کے مقابلے میں سرکشی ہے۔
تصویر کشی مخلوقات کی تعظیم کا بہت اہم ذریعہ و وسیلہ ہے۔ جو کہ شرک تک پہونچا دیتا ہے۔
تصاویر کا گھروں اور مکانوں میں آویزاں کرنا گناہ ہے، جس کی وجہ سے رحمت کے فرشتے اس گھر کے اندر آنا جانا
بند کر دیتے ہیں اور گھر سے برکت جاتی رہتی ہے۔
چنانچہ آلاتی تصویر کا استعمال اگر دیواروں پر آویزاں کرنے، پردوں پر لگانے میں نہ کیا جائے تو اس کے اندر
ت کی مذکورہ بالا تینوں وجوہات زائل ہو جاتی ہیں، جس کی تشریح یہ ہے۔
اس بات کا قائل کوئی نہیں ہے کہ آلات کے ذریعہ لی جانے والی تصاویر اللہ کی تخلیق کی نقالی ہوتی ہے، بلکہ سب کا
ہے کہ یہ محض عکس ہوتا ہے جو کاغذ یا کسی دوسری شے پر بنا ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے اندر فنی صلاحیت و تکنیکی مہارت
ت ہوتی ہے، بلکہ صرف آلہ کی درستگی، اس کی حفاظت اور استعمال کرنے کے طریقہ سے واقف ہونا کافی ہے۔ اور
ن تک تصویر کے نمایاں کرنے کا ہے تو یہ محض عدسات اور روشنی کا کام ہوتا ہے، انسان کا اس میں کوئی عمل دخل
ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ آلاتی تصاویر ہمیشہ ایک جیسی ہوتی ہیں، خواہ مصور چھوٹا ہو یا بڑا، ذہین ہو یا
، عالم ہو یا جاہل۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بلکہ آج ایسے آلات ایجاد ہو گئے ہیں جو خود سے تصاویر لے سکتے ہیں
ن کی نقل یا مشابہت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ بات پہلے ہی تحریر کی جا چکی ہے کہ فنی و تکنیکی تصویر کشی
ری شے ہے جس کے اندر قابلیت و صلاحیت درکار ہوتی ہے، فنی مہارت و قدرت کی ضرورت پڑتی ہے اور جس کے
نسان ہوتا ہے کہ وہ بہت اعلیٰ صلاحیت اور لیاقت کا مالک ہے اور ہو بہو فطرت کی نقل کر سکتا ہے۔ اس سے معلوم
نوں دو الگ چیزیں ہیں، کسی ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا دونوں کا حکم جدا و مختلف ہے اور حرمت
تصاویر کی ہے۔
س طرح ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ تصویر سے منع کرنے والی احادیث کا اطلاق آلاتی تصاویر پر نہیں ہوتا ہے، کیونکہ
ن اللہ کی خلقت کو بعینہٖ نقل کر لیتا ہے اور پھر اس کو کاغذ یا کسی دوسری سطح پر منتقل کر دیتا ہے اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا
، فنکار کی بنائی ہوئی تصویر ہے۔ کیونکہ مشین سے فوٹو ایک چھوٹا بچہ بھی لے سکتا ہے، جو اپنا نام بھی لکھنا نہ جانتا
یکہ تصویر بنانا۔
ور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ فوٹو مشین سے تصویر لینا حرام ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ، آئینہ، ٹیلیویژن

اور اس طرح کی دیگر تصاویر بھی حرام ہوں، کیونکہ دونوں صورتوں میں فوٹو مشین کا استعمال ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کیمرہ پلاسٹک فلم پر شئی مقابل کی تصویر بنا دیتا ہے جبکہ ٹیلیویژن کیمرہ تصویر کو برقاطیسی لہروں کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے اور یہ لہریں مکمل شکل و صورت میں اس تصویر کو ٹیلیویژن پردے پر نمایاں کر دیتی ہیں اور جس طرح ٹیلیویژن مصور کا یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ وہ جاندار، ذی حرکت متکلم بچوں، عورتوں اور مردوں کی تخلیق کرتا ہے بلکہ اس کا کام خارج میں موجود شے کو منتقل کرنا ہوتا ہے اور وہ بھی آلہ کے ذریعہ۔ یہی کام فوٹوگرافر کا بھی ہوتا ہے البتہ فرق اتنا ہے کہ ایک الگ الگ تصویر لیتا ہے اور ہر تصویر بذاتِ خود تھوڑے سے وقفہ میں طبع ہو جاتی ہے، جبکہ دوسرا ہزاروں بلکہ لاکھوں تصاویر بہت ہی مختصر وقفہ میں لے لیتا ہے اور یہی پیہم تصاویر حرکت کا سبب ہوتی ہے جنھیں ہم ٹیلیویژن پردے پر دیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ جس طرح ٹیلیویژن تصویر اللہ کی تخلیق کی نقل نہیں ہوتی بلکہ صانع اور خالق خود اللہ ہے، اسی طرح کی یہ بھی تصویر ہے، جس کا صانع و خالق بھی اللہ ہی ہے۔ حاصل یہ کہ بایں صورت علّت و مماثلت کا سرے سے کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔

۲۔ جہاں تک دوسری علت کا سوال ہے کہ تصویر غیر اللہ کی تعظیم کا ذریعہ ہے، جس کی انتہا بالآخر شرک ہے۔ یہ کہنا بالکل برحق اور صحیح ہے۔ اسی بنا پر ہم سرداروں، قائدین، سربراہانِ مملکت کی تصاویر اور ان کے مجسموں کو میدانوں، پارکوں سرکاری دفاتر و محکموں میں آویزاں و نصب کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ شرک کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ہے اور اس مقصد کے تحت تیار کی جانے والی تصاویر خواہ ان کو کسی بھی طریقے سے تیار کیا جائے بہرحال حرام ہیں۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ یہ وبا مسلمانوں کے اندر عام ہے اور ان کے یہاں عام میدانوں، پارکوں، سرکاری و حکومتی دفتروں و محکموں اور کچہریوں کے اندر رؤسا، عظماء، قائدین اور لیڈران کی تصاویر کو آویزاں کرنے اور انھیں نصب کرنے کا عام چلن و رواج ہے اور بلاشبہ یہ سراسر شرک ہے اور مذکورہ بالا صورت میں تصویر کشی بہرحال حرام ہے خواہ کوئی بھی طریقہ اپنایا جائے۔

۳۔ جہاں تک تیسری علت کا تعلق ہے کہ فرشتوں کا دخول تصاویر والے گھروں میں نہیں ہوتا یہ بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اگر ان تصویروں کا مقصد در و دیوار کی زینت، پردوں میں نقش و نگار، ان کو آویزاں کرنا اور ان کی عزت و تکریم ہے تو اس صورت میں آلات کی تصویر اور فنی و تکنیکی تصویر کے مابین کوئی فرق نہیں رہ جاتا اور دونوں کا حکم حرمت کے اندر یکساں ہو جاتا ہے، جیسا کہ ابتداء میں مذکور حضرت عائشہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویر کا آویزاں کرنا کسی بھی صورت

میں درست نہیں کیونکہ اس سے رحمت کے فرشتے گھروں میں داخل ہونا بند کر دیتے ہیں۔ لیکن اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اس کا اطلاق فوٹو مشین کی تصاویر پر بھی ہوگا کیونکہ وہ بھی اسی کے مثل تصویر ہے، اس لیے کہ حدیث اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے مطلق نہیں ہے بلکہ اس کے اندر صرف وہی تصاویر آتی ہیں جن کو آویزاں کیا جاتا ہو اور جن کی عزت و تکریم مقصود ہو، لیکن ایسی تصویر جس کی کوئی عزت نہ ہو اور جو محترم و معظم نہ خیال کی جاتی ہو مثلاً تکیہ کی تصویر، اوڑھنے و پہننے والے چادروں، کپڑوں کی تصویر اور مجسم کھلونے، ان کے متعلق صحیح احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا استعمال اندرونِ خانہ درست ہے، کیونکہ اگر ان کا استعمال درست نہ ہوتا تو آپؐ کے گھروں کے اندر قطعاً ان کا وجود نہ ہوتا۔

بعض لوگ ایسی احادیث کے سلسلے میں نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے

حاصل یہ کہ آلاتی تصویروں کا مقصد اگر تعظیم یا تعلیق نہ ہو تو وہ مباح جائز اور حلال ہیں۔

آلاتی تصاویر اور دورِ حاضر کی زندگی

دنیا کے گرد و پیش پر نظر رکھنے والا اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ آج کے دور میں فوٹو گرافی کی کیا اہمیت ہے؟ اس کے کیا فوائد ہیں اور آج کے دور کے بنانے و بگاڑنے میں اس کا رول کیا ہے؟ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ فوٹو عصرِ حاضر میں صرف شر و فساد، بے حیائی، آوارگی اور عریانیت کا سب سے بڑا ذریعہ ہی نہیں ہے بلکہ تعلیم و تعلّم اور تہذیب و تمدن کا سب سے اعلیٰ و ارفع طریقہ بھی ہے۔ بلکہ اس کا دائرہ اس سے بھی وسیع تر ہے اور اس کی رسائی میدانِ جنگ سے لے کر زندگی کے تمام شعبوں تک ہے۔ لہٰذا آج جو نشر و اشاعت پر قادر ہیں، کیونکہ مصوّر اخبار کی تاثیر دلوں کے اندر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ فرمانِ رسولؐ ہے: قال رسول اللہ ؐ لیس المخبر کالمعاین[1] ۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ ۔ گویا صورت کا دیکھنا اصل کا دیکھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جن کے پاس نشریات کے ذرائع ہیں اور جو مختلف آلاتی تصویروں کے استعمال پر قدرت رکھتے ہیں، وہ دوسروں تک اپنے عقائد، افکار، و خیالات با آسانی پہونچانے پر قادر ہیں، اس کے برعکس جو اب بھی نقل و اعلام کا وہی پرانا طریقہ تقریر و تحریر کا اپنائے ہوئے ہیں، ان کی مثال اس شخص کی ہے جو ٹینک کا مقابلہ تلوار سے اور جنگی جہاز کا مقابلہ منجنیق[2] سے کرتا ہو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ فوٹو دورِ حاضر میں

---

[1] اس حدیث کے راوی ابو ہریرہ ہیں اور اس کی تخریج طیالسی، احمد اور حاکم نے کی ہے اور البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔
[2] پتھر پھینکنے کا ایک قدیم آلہ۔

نشرو اشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، جس سے اعراض خودکشی کے مترادف ہے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ اس کے بغیر حقائق کی عکاسی، جہاد کی خبر رسانی کیسے ممکن ہے؟ اجتماعات اور کانفرنسوں کی روداد کس طرح دی جاسکتی ہے لوگوں کے سامنے اپنے مصائب ومشکلات کس طرح رکھے جاسکتے ہیں؟ واضح ہے کہ فوٹو سے کنارہ کشی اختیار کرکے ان امور کو ہم انجام نہیں دے سکتے، بلکہ اس سے دوری اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور اس کی مثال ایسے ہی ہے جو آج کے دور میں کفار سے جہاد کو ضروری قرار دیتا ہو، لیکن بندوق اور توپ کو حرام کہتا ہو اور تلوار کو واجب۔

تعلیم کے میدان میں فوٹوگرافی آج کی بہت بڑی ضرورت ہے، کیونکہ انسان، حیوان، نباتات، جمادات کی تشریحات کا پرانا طریقہ فرسودہ ہو چکا ہے اور آج کے دور میں اس کی اہمیت وافادیت باقی نہیں رہی۔ جبکہ آج کا نیا طریقہ بہت ہی کامیاب ہے، جس کے اندر فوٹو کے ذریعہ کائناتی حقائق کو پیش کیا جاتا ہے اور تعلیم دی جاتی ہے۔ آج کے دور میں جبکہ دنیا کی تمام قومیں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف و سرگرداں ہیں، اس اہم واعظیم ذریعہ سے کنارہ کشی اختیار کرنا محال اور بے معنی ہے۔ اسی فوٹو کی دین ہے کہ آج بچے کو وہ سب چیزیں چند مہینوں کے اندر سکھائی جاسکتی ہیں، جس کے لیے پہلے ایک سال بھی ناکافی ثابت ہوتا تھا۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس سے دور رہنے کا مشورہ دینا ان کو تعلیم وتعلم کے ایک بہت بڑے ذریعہ سے محروم کردینا ہے جو مسلمانوں کے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوگا۔

نیز جنگ وامن دونوں صورتوں میں فوٹو کا استعمال بیحد ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعہ دشمن کے ٹھکانوں، کیمپوں کا پتہ لگایا جاسکتا ہے، ان کی نقل وحرکت، پیش قدمی، صف بندی اور لشکراندوزی کا موقع پر لیا گیا فوٹو ان کے عزائم، ارادوں اور ان کی حکمت عملی کا پتہ لگانے میں بیحد مددگار ثابت ہوسکتے ہیں اور یہ کام صرف آلاتی تصاویر کی مدد سے کیا جاسکتا ہے، جن کی اہمیت آجکل دوچند ہوگئی ہے اور جن کا استعمال اب مصنوعی سیاروں اور جنگی جہازوں میں ہونے لگا ہے۔ تو کیا مسلمان محض اس بنا پر اس سے کنارہ کش رہیں گے کہ آلاتی تصاویر حرام ہے اور جہاں تک ملکی اندرونی سلامتی کا مسئلہ ہے، انفرادی فوٹو کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں کیونکہ مجرمین کی شناخت اور مفسدین کی گرفتاری میں اس سے بہت مدد لی جاتی ہے اور اس کے استعمال کیے بغیر چارہ نہیں۔ اور یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس کا استعمال امن عامہ کے لیے کیا جانا چاہیے، ورنہ مسلمان اندرونی سلامتی کے ایک بہت بڑے وسیلہ سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

انھیں بنیادوں پر ہمارا کہنا ہے کہ آلات کا فوٹو جسے خدائی تخلیق کی نقل قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں عصرحاضر کی

ناگزیر ضرورت ہے اور یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو ہر چیز کی طرح دو پہلو رکھتا ہے۔ اس کا استعمال اگر خیر میں کیا جائے تو فائدہ ہی فائدہ ہے اور اگر شر میں کیا جائے تو نقصان ہی نقصان ہے۔ آج کے زمانے میں بے حیائی، عریانیت اور شر وفساد کا سب سے بڑا ذریعہ و وسیلہ فوٹو ہی ہے اور اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ عصر حاضر میں دشمنانِ اسلام نے اس ہتھیار کا استعمال مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اور عوام کو اللہ کے راستے سے روکنے میں انتہائی ہوشیاری سے کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ محض اس بنیاد پر اس کو حرام قرار دیا جائے کہ کفار ومشرکین اس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ جب تک کفار ومشرکین ٹینک، توپ اور بندوق کا استعمال اپنی جنگوں میں کرتے رہیں گے، مسلمانوں کے لیے ان کا استعمال درست نہیں۔ انھیں جیسے فتاویٰ کی بنیاد پر مسلمانوں کو زبردست نقصان سے دوچار ہونا پڑا ہے اور مبلغین ودعاۃ کو مجبوراً قدیم وفرسودہ وسائل کا سہارا لینا اور نفع بخش وسائل کو ترک کرنا پڑا ہے آخر ایک داعی کے لیے ٹیلی ویژن کے استعمال میں کیا حرج ہے اور اپنے علوم، اخبارات وواقعات کو تصویر کی شکل میں پیش کرنے سے کیا نقصان ہے اور دشمنوں سے انھیں کے طرز میں جنگ کرنے میں کیا قباحت ہے۔ انھیں تمام امور وحالات کے پیش نظر ہمارا کہنا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں تصاویر کا استعمال اور اس سے استفادہ نشریات، تعلیم، علاج ومعالجہ، جنگ وامن اور دیگر تمام نفع بخش شعبوں میں ناگزیر ہے۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مذہبی یا سیاسی قائدین، لیڈران کی تصاویر آویزاں کرنا حرام ہے اور کسی بھی طرح کی تصویر سے در و دیوار مزین کرنا اور مکاتب ودفاتر کو خوبصورت بنانا صحیح نہیں۔ جہاں تک نفع بخش ومفید امور کے اندر اس کے استعمال کا سوال ہے تو اس کا باعتبار شیٔ حکم بدلتا رہتا ہے۔ کبھی اس کا استعمال واجب ہے اور کبھی مستحب، کبھی مباح کے درجہ میں ہے اور کبھی غیر مباح۔ چنانچہ جب اس کا استعمال محض تزئین کے لیے ہو تو حرام، اور جب تعظیم وتکریم بھی مراد ہو تو اس کی حرمت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

خاتمہ

اخیر میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دو آلات کے درمیان تفریق کا نظریہ باطل فاسد قیاس پر مبنی ہے، لہٰذا جن کا یہ کہنا ہے کہ وہ فوٹو جس کو آلۂ تصویر کاغذ پر طبع کر دیتا ہے، ناجائز ہے، لیکن ٹیلیویژن پردے پر بننے والی تصویر جائز ہے کیونکہ یہ تصویر نہیں محض روشنی ہوتی ہے۔ اس کے متعلق میرا یہ کہنا ہے کہ قول لاعلمی پر مبنی ہے اور اس تفریق کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں آلہ ہی تصویر کا ناقل ہے، اختلاف محض تصویر کی نوعیت میں ہے اور جس طرح کیمرہ پلاسٹک فلم پر تصویر کو اخذ کر لیتا ہے اور وہ تصویر

باقی رہتی ہے، اسی طرح ٹیلیویژن پردے پر بھی تصویر کا باقی رکھنا ممکن ہے، اگر اس کو بنا حرکت روک کے رکھا جائے اور دونوں صورتوں میں خدائی تخلیق کی نقل کا بھی کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ لہٰذا دونوں کے درمیان تفریق کرنا بھی درست نہیں بلکہ دونوں کا حکم یکساں ہے اور دونوں جائز و درست ہیں اور ان کا استعمال ممنوعہ صورتوں کے علاوہ بقیہ تمام احوال میں گھر کے اندر و باہر کیا جاسکتا ہے۔

"ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب"

● ● ●

عالم و ما ورائے عالم میں نعمتِ امن کی اہمیت

تحریر: فضیلۃ الشیخ الاستاذ محمد سید علی البلاسی — ترجمہ: ریاض احمد محمد سعید، فاضل، جامعہ سلفیہ بنارس

وہ کون سی نعمت ہے جس کی صحیح معرفت بادشاہوں کو حاصل ہوئی تو اپنی مسندوں کو اس کی نذر کر دیا، اس کی بابت پر شرفاء کی حقیقت شناس نگاہیں پڑیں تو اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ دولت مند طبقے پر اس کی حقیقت بے نقاب ہوئی تو اپنا بیش بہا و گرانقدر اثاثہ اس پر نچھاور کر دیا، اور دشمنانِ اسلام کو اس کے مقام و مرتبے کا علم ہوا تو انھوں نے مسلمانوں سے ان کے اندر تردد و شبہات کے ذریعہ نبرد آزمائی کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا تاکہ وقتیکہ اسلامی معاشرہ میں اضطراب و اختلاف کا دور دورہ نہیں ہو گیا۔

سنو! یہ دولتِ امن ہے، جس کی تعریف میں نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یوں گویا ہوئے:

من اصبح منکم آمنا فی سربہ معافی فی جسدہ عندہ قوت یومہ وکانما حیزت لہ الدنیا۔

جسے امن و سکون کی زندگی حاصل ہو گئی اور ظاہری و باطنی امراض بدنیہ سے محفوظ ہو گیا نیز اسے ایک دن کی رزق بھی میسر ہے تو گویا کہ اسے دنیا کی تمام نعمتیں حاصل ہو گئیں۔

(رواہ الترمذی فی ابواب الزھد)

امن کا لغوی مدلول : امن، خوف کا رد ہے، کہا جاتا ہے: أمن فلان یأمن أمنا وأمنا وأمنۃ وأمانا فھو آمن۔ والامنۃ ... بھی امن کے معنی میں آتا ہے، ہاں کبھی کبھار خوف و بے چینی سے دو چار ہونے کے بعد قلبی سکون و طمانیت کے حصول پر بھی اس کی دلالت ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا (آل عمران: ۱۵۴) پھر خدا نے بعد غم کے بغرض آرام (جسمانی) نیند ڈا
دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ (الانفال: ۱۱) (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب آرام کے لیے تم پر خ اپنے فضل سے اونگھ ڈال تھی۔

اور یہ محسوس قرآنی حقیقت ہے، کیونکہ نیند دلی اضطراب و بیقراری کو قلبی سکون و طمانیت میں تبدیل کر
ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا (البقرۃ: ۱۲۵) اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور بڑے امن کی بنایا۔

ابو اسحاق فرماتے ہیں: کہ مذکورہ آیت میں "امن" سے مراد ذو امن ہے یعنی امن والا۔ تو اس میں مذکو
لفظ "امن" "آمن و امن و امین" کے معنی میں ہے۔ "رجل امن و رجل امین" دونوں ہم معنی ہے۔ قرآن عزیز بر

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ (التین: ۳) اور قسم ہے اس امن والے شہر کی (جو مکۃ المکرمہ ہے)

یعنی ایسا پرامن شہر جس کی آغوش میں امن پروان پڑھ رہا ہے اور اس کے ساکنین کے خزانے دولت ا
سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

اسی طرح ایمان بھی امن سے مشتق ہے۔ اگر امن سے ظاہری اطمینان کا حصول ہوتا ہے تو ایمانِ قلبی طمانیت
فعلی تصدیق سے عبارت ہے اور مومن جس چیز پر ایمان لاتا ہے اور جس کی تصدیق کرتا ہے، اس سے وہ پورے طور پر مط
ہوتا ہے۔ ابتدائی مرحلے میں ایمان بھی صرف تصدیق پر مشتمل ہوتا ہے، پھر بتدریج اطمینان وسکون کے منازل تک پہونچتا ہے
لفظ ایمان بمعنی تصدیق قرآن کریم میں بکثرت وارد ہوا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (البقرہ: ۲۸۵) یہ رسول اور اس کے ساتھ والے مسلمان اپنے خدا کی اتار ہوئی بات کو مان گئے۔

مزید ارشاد ہے۔

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ (آل عمران: ۱۱۰) اور اگر یہ کتاب والے بھی قرآن کو مان لیتے تو ان کے لیے اچھا ہوتا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے :

اِنَّمَا یَعمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (التوبة : ۱۸)

اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ۔

ان تینوں آیتوں میں لفظ آمن تصدیق کے معنی میں ہے ۔

حاصل کلام یہ کہ مادّہ "امن" قلبی سکون، نفسی راحت، وجدان رشک اور رضا و استقرار کا جامع ہے ۔

امن سرمایہ حیات ہے

قرآن مقدس کی وہ آیت مبارکہ جو مادہ "امن" کی مشتقات میں سے کسی ایک پر مشتمل ہیں، ثابت کرتی ہیں کہ پوری زندگی کا قوام امن ہی ہے، جو زندگی کی چمک دمک، اس کے حسن، اس کی خندہ روئی، اس تمدن اور اس کے ارتقار کا باعث ہے ۔ امن و امان کے فقدان پر خود زندگی اپنے وجود کے مہتم بالشان اسباب سے معری نظر آئے گی ۔ مفقود الامن فضا میں نہ تو دینی عقیدہ سانس لے سکتا ہے اور نہ ہی اپنے مختلف اقسام سمیت حریت، نہ آداب، اور نہ علوم و فنون وغیرہ کو ابھرنے کا موقع مل سکتا ہے ۔

اسی لیے امن کو ہر انسانی معاشرے میں بنیادی ضابطے کی حیثیت حاصل ہے ۔ جب امن کا خون ہوتا ہے تو معاشرے سے انسانیت کا جنازہ نکل جاتا ہے ۔ کیونکہ دہشت انگیز، غلام گرد اور پکڑ دھکڑ کے معاشروں کو زندگی کے حقیقی سرور و انبساط سے ہم خالی پاتے ہیں ۔ اس لیے کہ دائمی طور پر خوف زدہ رہنے والی روحیں شہوانی معاشرے میں تبدیل ہوجاتی ہیں ۔

درحقیقت امن و امان کا وجود صرف مذہب اسلام میں ہے، وہ رحمتِ الٰہی جسے اس نے اپنے دینِ برحق میں دویعت کی ہے اور جس کے ساتھ ہادی امم رحمت دوعالم کی بعثت ہوئی ۔ اس رحمت کی چھاؤں میں رہنے والے مسلمانوں کے نفوس میں اسلامی شریعت اس وقت تک امن کی روح پھونکتی رہے تا وقتیکہ نفس کے داخلی و خارجی حصے میں امن کے قدم مضبوط ہوجائیں ۔

قرآنی معاشرہ دیگر تمام انسانی معاشروں سے فائق تر ہے اور یہ تقویٰ و برتری وقوع پذیر دلائل سے ثابت ہے ۔ ہمارے سامنے ایسے بھی معاشرے ہیں جو اپنی بعض خصوصیات کے طفیل عصری علوم و فنون، تہذیب و تمدن اور کثرتِ مال و زر جیسی ایک سے زائد چیزوں میں قرآنی معاشرے کو پیچھے چھوڑتے ہوئے نظر آرہے ہیں، لیکن اس مادی ترقی کے باوجود وہ دولت امن سے یکسر محروم ہیں، وہاں چھوٹا بڑا، طاقتور کمزور، غرضیکہ ہر قسم کے لوگ نعمتِ امن

سے بہرہ یاب ہونے کے بجائے دائمی خوف و ہراس کے عالم میں سفر حیات طے کرتے ہیں۔ انھیں ہمہ وقت کسی نہ کسی انتار کے نزول کا خطرہ ہوتا ہے جو ان کی جان، مال، اولاد، عزت و آبرو وغیرہ کی ہلاکت یعنی کا باعث ہو۔

سعودی معاشرے کا دیگر تمام معاشروں سے بڑھ کر دولتِ امن سے بہرہ ور ہونا صرف اور صرف قرآن کو بحیثیت عقیدہ و شریعۃ اور واجب الاتباع والاقتدا رحرزِجان بنانے کی دین ہے اور قرآنی امن کی عمارت، لہذا اخلاقی، تقوی اشعائر اعمال صالحہ اور شریعت الٰہیہ کا عملی زندگی پر انطباق کی ٹھوس بنیادوں پر قائم ہے، اسی لیے یہ امن آرام و سکون استحکام فی الارض اور بے شمار خدائی نعمتوں سے صحیح استفادہ کی صورت میں منتج ہوتا ہے۔

اسلام کی متعین کردہ سزائیں صرف امن و امان کے استحکام اور زندگی کو سکون و طمانیت کی راہ پر گامزن کرنے کے واسطے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (البقرۃ: ۱۷۹)

اور خونی کے قتل کرنے میں تمھاری زندگی ہے، اے عقل والو تاکہ تم بچے رہو۔

بلاشبہ اسلامی احکام کی مخالفت کرنے والے مجرمین کو کیفر کردار تک پہونچانے کے بعد ان کی آلائشوں سے معاشرہ کی تطہیر ہوگی اور ان لوگوں کا انسداد ہوگا جو ان کے نقش قدم پر چلنے اور معاشرے کے امن و طمانیت اور اس کے تقدم و ارتقا کے خلاف قدم اٹھانے کی سوچ میں ہوں گے۔ تب امن کے زیر سایہ ہر شخص سفر و حضر میں مسلسل جدوجہد کر سکے گا، جس کے نتیجہ میں زندگی کے پہیے تیزی سے گھومیں گے لوگ مستفید ہوں گے اور آسانی عام ہوگی۔

دنیوی امن

امن اور خلافت ارضی کی تفویض، یہ ایسے امور ہیں جن کا اللہ رب نے ان مومنین صادقین سے وعدہ فرمایا ہے، جو احکام الٰہی یعنی عبادات، اخلاق اور جہاد وغیرہ کو برتنے والے ہیں، ان سے اللہ رب العالمین کا وعدہ ہے کہ وہ ان کے دین کی تمکین فرمائے گا جو اس کی بارگاہ میں شرف قبولیت کو پہونچا ہے اور اسے تمام ادیان پر مسلط فرما دے گا، جس دین کو رضائے الٰہی کا تمغہ حاصل ہے وہ زیغ و ضلال سے ہٹ خالص اسلام کے تمسک انحراف و تکدر سے پاک عقیدہ، بہترین طور و طریقہ، تسلیم شدہ علم اور صرف خالق کائنات کی عبادت سے عبارت ہے جس نے اس کو حرز جان بنالیا وہ دنیوی و اخروی امن سے ظفر یاب ہوگیا۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ

جو لوگ تم میں سے ایمان لاکر نیک عمل بھی کریں گے خدا وعدہ کرتا ہے کہ انھیں زمین پر حاکم بنادے گا جیسا کہ ان سے پہلے

مِنْ قبلهم وليمكنن لهُمْ دينهمُ الّذى ارتضٰى لهُمْ وَليبدّلنّهم مِن بَعْد خوفهم امنا ط يعبدوننى لايشركون بى شيئاً ط ومن كفر بعد ذٰلك فاولٰئك هُمُ الفٰسقون ۔ (النّور : ۵۵)

لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جو خدا نے ان کے لیے پسند کیا ہے مضبوط کر دے گا اور ان کے خوف زدہ ہونے کے بعد (جو اس وقت دشمنوں کی طرف سے ان کو ہو رہا ہے) ان کو امن دے گا (بس) اس کے بعد وہ میری بندگی کریں گے اور (کسی مشرک کافر کے دباؤ یا خوف سے) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد ناشکری کریں بس وہی لوگ بدکار ہیں۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا مدینہ منورہ میں ورودِ مسعود ہوا تو پوری دنیائے عرب آپ اور آپ کے اصحاب کو صفحۂ ہستی سے ناپید کرنے کے واسطے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو گئی۔ بنابریں اس وقت صحابۂ کرام ہمہ وقت ہتھیاروں سے لیس رہا کرتے تھے۔ اس اثنا میں صحابہ کرام کے مابین اس قسم کی گفتگو ہوئی کہ کیا ہم کبھی زندگی کی اس وادی میں قدم رکھ سکیں گے جہاں ہم سکون و اطمینان سے رات بسر کر سکیں، بجز اللہ کے کسی کا خوف نہ ہو اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔ اور یہ خدائی وعدہ امتِ محمدیہ کے ہاتھوں زمین کے مشرقی و مغربی حصوں کی فتح کی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

انّ اللّٰه زوى لى الارض فرأيت مشارقها ومغاربها، وأن ملك امتى يبلغ ما زوى لى منها۔

(رواہ مسلم)

اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کا مشرقی و مغربی حصہ دیکھا، اور زمین کا جتنا حصہ میرے لیے سمیٹا گیا تھا وہ پورا عنقریب میری امت کی قلمرو میں شامل ہو گا۔

آپ کے بعد اللہ نے اس پیشگوئی کو بر حق کر دکھایا۔

امن کی چند قرآنی صورتیں :

(الف) **خلیل الرحمان کی دعا** | حضرت ابراہیم علیہ السلام نے الہامِ خداوندی پر خانۂ کعبہ کے لیے امن وامان کی رب العالمین سے دعا کی تھی، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا۔ (ابراھیم : ۳۵)

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے میرے مولا اس شہر (مکہ) کو امن والا بنائیو۔

یعنی مکہ کو اہل مکہ کے لیے پرامن شہر بنا، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔

(ب) یوسف کی دعا

امن کی ضرورت و افادیت کے پیش نظر یوسف علیہ السلام نے اپنے معزز ترین والدین و برادران کے لیے دولتِ امن سے ظفریابی کی ہی دعا فرمائی۔ واقعہ یہ ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کے ساتھ مصر کے ارادے سے شہر کنعان کو خیرباد کہا اور طبی جدائی، شدید ترین غم اور اللہ کی جناب میں بیشمار شکوے شکایات کے بعد یوسف علیہ السلام کے پاس پہونچے، بعد اس کے کہ آپ کی بینائی آپ سے رخصت ہو چکی تھی، پھر جب قاصد نے یوسف علیہ السلام کا پیراہن آپ پر ڈالا تو بینائی عود کر آئی۔ ان تمام حالات سے گزرنے کے بعد شفقتوں کو برانگیختہ کرنے اور دل کو فرحت و سرور کی جلوہ گاہ بنا دینے والی ملاقات میں جب یوسف علیہ السلام پر ان لوگوں کا ورود مسعود ہوا تو اطاعت شعار بیٹے کی طرف سے باپ کا خیر مقدم اور باپ و بھائیوں کے واسطے اس کی دعا یہی تھی کہ مصر میں بحالتِ امن ان کا دخول ہو جائے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ۔ (یوسف : ۹۹)

پس وہ جب یوسف کے پاس پہونچے تو اس نے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور (سب سے مخاطب ہو کر) کہا کہ امن و امان سے شہر میں داخل ہو چلو (ان شاء اللہ تمھیں کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوگی۔

یعنی سابقہ محنت و مشقت اور معاشی بدحالی سے نجات یاب ہو کر مصر میں سکونت پذیر ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا کو واقعیت کا روپ دیا اور انھیں پرامن و پاکیزہ زندگی نصیب ہوئی۔

غزوہ بدر میں امن کا وجود

غزوۂ بدر میں جب مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی اور اس سے استغاثہ کیا تو اس نے ہزار کی تعداد میں فرشتوں کو بھیج کر ان کی پشت پناہی کی، ان کے دلوں کو طمانیت بخشی، اسے امن سے بھر دیا، اس کی طرف سے ان کا پیغامبر بن کر اونگھ نے انھیں اپنی پناہ میں لے لیا، آسمانی پانی سے ان کی تطہیر کی، ان کے دلوں کو مضبوط فرمایا۔ بحالتِ جنگ انھیں ثباتِ قدمی بخشی، فرشتوں کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ "اِنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (میں تمھارے ساتھ موجود ہوں پس

تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو) اور کفار کے دلوں کو خوف ورعب سے بھر دیا۔

اسی طرح جب بھی مسلمان اللہ کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھ کر اس کی طرف انابت کریں گے تو امن و امداد غیبی ان کے حصہ میں آئے گی۔ اس سلسلے میں اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

(الانفال: ۹-۱۳)

جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری سنی (اور وعدہ فرمایا) کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے جو پے در پے پہونچیں گے مدد دوں گا (اور حقیقت میں فرشتوں کی امداد کا تذکرہ) صرف تمھاری خوشی اور تسکین خاطر کے لیے تھا، ورنہ اصل مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ کچھ شک نہیں کہ وہ خدا غالب اور حکمت والا ہے (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب آرام کے لیے تم پر خدا نے اپنے فضل سے اونگھ ڈالی تھی، اور (آسمان سے) تم پر پانی اتارا تاکہ تم کو پاک کرے اور شیطانی نجاست (جو جنابت وغیرہ سے تم کو لاحق ہو رہی تھی) تم سے دور کرے اور تمھارے دلوں کو تسکین دے اور تمھارے قدم مضبوط کرے۔ جب تیرا پروردگار فرشتوں کو الہام (اور حکم) کر رہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ موجود ہوں پس تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو، میں کافروں کے دلوں میں مومنوں کی دہشت (اور رعب) ڈال دوں گا، پس تم (اگر موقع پڑے) تو کافروں کی گردنیں (اور جوڑ) پورا اڑا دو۔ کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اختیار کر رکھی ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے (ایسے کافروں کے لیے) اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

(۵) غزوہ احد اور امن

غزوہ احد میں مخالفت حکم نبوی کی پاداش میں اندوہناک صورتحال

سے دوچار ہونے کے بعد مسلمانوں پر رحمتِ الٰہی نعمتِ امن کو لیے ہوئے نازل ہوئی، یہ امن اونگھ کی شکل میں تھا، جس نے مخلصین صحابہ کرام کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ لیکن جماعتِ منافقین پر جن کو بجائے قتال و رسولِ خدا کے اپنی فکر لگی ہوئی تھی اس امن کا سایہ بھی نہیں پڑا۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاساً یغشی طائفۃ منکم وطائفۃ قد اھمتھم انفسھم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ یقولون ھل لنا من الامر من شیء قل ان الامر کلہ للہ یخفون فی انفسھم ما لا یبدون لک یقولون لو کان لنا من الامر شیء ما قتلنا ھھنا قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل الی مضاجعھم ولیبتلی اللہ ما فی صدورکم ولیمحص ما فی قلوبکم واللہ علیم بذات الصدور

(آل عمران: ۱۵۴)

پھر خدا نے بعد غم کے تم پر بغرض آرام (جسمانی) نیند ڈال، جو تم میں سے ایک جماعت پر غالب آرہی تھی اور ایک جماعت (منافقوں) کو جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اللہ کی نسبت جاہلانہ غلط گمان کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے ہمیں بھی کچھ (اختیار یعنی) عزت ہے تو کہدے کہ (عزت اور ذلت دینے کا) اختیار سارا اللہ کو ہے، دل میں وہ باتیں رکھتے ہیں جو تیرے سامنے بیان نہیں کرسکتے (عام مسلمانوں کے بہکانے کو یہ بھی) کہتے ہیں کہ اگر ہماری (خدا کے ہاں) کوئی عزت ہوتی تو ہم یہاں نہ مارے جاتے تو کہدے (کہ موت کے لیے تو ایک وقت معین ہے) اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو بھی جن کی تقدیر میں قتل لکھا ہوتا، اپنی قتل گاہ میں ضرور ہی آجاتے، اللہ کو تمھارے جی کی باتیں ظاہر کرنی تھیں اور تمھارے دلوں کے خیال کو نکھارنا تھا۔ اور (یوں تو) اللہ (سب کے) سینوں کے بھید جانتا ہے

امام بخاری نے حضرت انس سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ نے فرمایا کہ ہم احد کے روز ابھی ہم لوگ اپنی اپنی صفوں ہی میں تھے کہ ہم کو اونگھ نے ڈھانپ لیا، مزید فرماتے ہیں: کہ تو میری کیفیت یہ ہوگئی کہ تلوار ہاتھ سے چھوٹتی میں اسے اٹھاتا، پھر چھوٹتی پھر اٹھاتا۔

اخروی امن

جس طرح دنیا میں نعمتِ امن کو دیگر تمام نعمتوں میں امتیازی حیثیت حاصل ہے، اسی طرح آخرت میں بھی امن خدا کی نعمتوں میں سے ایک جلیل القدر نعمت ہوگی جسے اللہ تعالیٰ

اپنے تقویٰ شعار بندوں کے لیے بطور بدلہ مہیا کرے گا ۔ اس کا ارشاد ہے : إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ (الدخان : ۵۱ وما بعدها) یعنی جنھوں نے ماموراتِ الٰہی کی انجام دہی اور اس کی منہیات سے اجتناب کے ذریعہ دنیا میں خوف خداوندی سے اپنے سینے کو معمور کر رکھا ، وہ اس روز ایسی جگہ فروکش ہوں گے ، جہاں آفات و ناخوشگواری اور دکارہ کی رسائی ہی نہیں ہوسکتی ، یعنی جنت میں اسی لیے اس کے بعد ارشاد فرمایا (فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ) یعنی ہرے بھرے باغات اور بہتے چشموں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے ۔ يَلْبَسُونَ فِيهَا ثِيَاباً مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ " یعنی ریشمی کپڑے زیب تن فرمائے ہوں گے ۔ باریک ریشم کو سندس کہا جاتا ہے اور دبیز ریشم کو استبرق سے تعبیر کیا جاتا ہے " مُتَقَابِلِينَ " یعنی آپس میں حصول انس کے واسطے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے " كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ " یعنی اس طرح ان پر ہماری متنوع نوازشات ہوتی رہیں گی اور مزید برآں یہ کہ جنت کے اندر خوبصورت حوروں کو بھی ان کی زوجیت میں دیدیں گے ۔ خدا نے مذکورہ اشیاء کی شکل میں اپنی نعمتوں کو اس واسطے ظاہر کیا کہ باغات اور نہریں تفریح طبع اور اس سے انفکاکِ غم کے قوی ترین اسباب میں سے ہیں ، پھر اس کے بعد خوبصورت حوروں کا تذکرہ کیا ، کیونکہ ان سے انسانی سعادتوں کی تکمیل ہوتی ہے ، جیسا کہ مقولہ ہے کہ "تین چیزیں دل سے رنج و غم کو نکال پھینکتی ہیں : ، پانی ، شادابی اور حسین چہرہ "

نعمتوں کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے فاطر الارض والسموات نے مزید ارشاد فرمایا " يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ " یعنی جب جب انھیں پھلوں کی خواہش دامنگیر ہوگی اسے ان کے لیے مہیا کر دیا جائے گا ، انھیں ہر طرح کی امن وطمانیت حاصل ہوگی ، کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہوگا اور امن وعطیات سے اس یقین پر لطف اندوز ہو رہے ہوں گے کہ یہ ابدی زندگی کی دائمی لازوال اور غیر منقطع نوازشات ہیں " لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ " یعنی بجز اس موت کے جو ان پر دنیا میں طاری ہو چکی ہے ۔ جنت میں انھیں موت سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا بلکہ وہ زندگی ابدی وسرمدی ہوگی " وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ یعنی انھیں اللہ رب العالمین جہنم کے سخت والمناک عذاب سے نجات دے گا ۔

فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۔ یہ سب کچھ محض) خدا کے فضل سے ہوگا یہی بڑی کامیابی ہے

الٰہم تیری جناب میں دنیوی واخروی امن کے طالب ہیں ، درود وسلام ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل و اصحاب پر اور تمام قسم کی حمد وستائش رب کائنات کے لیے سزاوار ہے ۔ ●●●

وضعِ حدیث پر ایک نظر

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی
ترجمہ: امتیاز احمد سلفی

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب شدہ قول و فعل و تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے۔ بحیثیت رد و قبول حدیث کی دو قسمیں ہیں، مقبول و مردود۔ مقبول وہ ہے جو صحیح یا حسن کے درجہ میں ہو، اور مردود وہ ہے جو ضعیف ہو۔ پھر ضعیف حدیث کی کئی قسمیں ہیں، سب سے گھٹیا قسم موضوع ہے، ہر گڑھی ہوئی بات جس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے اسے موضوع کہا جاتا ہے۔ ایسی حدیث صرف اسی صورت میں بیان کرنا جائز ہے جبکہ اس کے موضوع ہونے کی علت ذکر کر دی جائے۔ بفرمان نبوی: جس نے میری طرف غیر منسوب بات بیان کی وہ کاذب ہے (مقدمہ مسلم)۔ اور آپ کی یہ سخت وعید کہ جس نے قصداً میری جانب کوئی غلط بات منسوب کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

حدیث شریف کا جو مقام شریعت اسلامیہ میں ہے وہ معلوم ہے کہ اولاً، اسلام میں حدیث کا دوسرا مرتبہ ہے نیز حدیث قرآن کی مفسر اور شارح ہے، لیکن اس بات کا اندیشہ ضرور تھا کہ کچھ بدبخت لوگ اس سے کھلواڑ کریں گے، اس واسطے اہل علم نے دور نبوی ہی سے علم حدیث کی جانب بھرپور توجہ کی، حتیٰ کہ اس کی روایت و درایت، حفظ و تذکیر میں مشغولیت اشرف علوم سمجھا جانے لگا، ایسے لوگوں کے حق میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کا چہرہ منور فرمائے گا، جس نے میری کوئی حدیث سنی، اسے محفوظ رکھا اور کما حقہ من وعن دوسروں تک پہونچا دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور آپ کی مجلس میں شرکت

سعادت اخروی تصور کرتے تھے، آپ کے شب و روز کے زبان و عمل اور حرکات و سکنات کو بغور ملاحظہ میں رکھتے تھے۔ ان تمام چیزوں کو محفوظ و ضبط کرتے، سمجھتے اور اسے دوسرے اصحاب تک مکمل طور پر پہونچاتے تھے۔ یہ مبارک سلسلہ صحابہ و تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد کے ادوار تک چلتا رہا حتیٰ کہ اس گئے گزرے دور میں بھی اس مہتم بالشان علم کے ساتھ شغف سب سے عمدہ کام تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ حدیث شریف شریعت کا مصدر ثانی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! سنو! میں قرآن اور اس کے مثل (حدیث) سے سرفراز کیا گیا ہوں، یہ دونوں چیزیں تا قیام قیامت ایکدوسرے سے جدا نہیں ہوسکتیں۔

پھر ہمیں اسلام کے بیشتر علمی میدان میں محدثین کرام کی شرکت کے دیگر اسباب بھی نظر آتے ہیں، انھوں نے قرآن کریم، سنت مطہرہ اور آثار سلف کو محفوظ رکھنے کے لیے بہت سے علوم کا اختراع کیا اور مختلف کلامی، سیاسی نظری اور فقہی فرقوں کا وجود، بلاد اسلامیہ کی وسعت اور غیر مسلموں کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے واقعات نے ان علماء کے لیے مہمیز کا کام دیا۔ اور ان علوم فنون پر ان کی توجہات اور بھی مرکوز ہوگئیں، لیکن جس وقت تحریک الحاد و دہریت اور فسق و فجور نے زور پکڑنا شروع کیا اور خود اسلامی مملکت کے اندر مسلمانوں پر فکری یلغار شروع کردی نیز اسلام اور مسلمانوں کی توہین شروع کردی تو ایسے وقت میں علماء نے قدم آگے بڑھایا اور اہل علم کی ایک ٹولی مطالعہ قرآن کے لیے تیار ہوئی، ان کی توجہات سے تجوید، تفسیر اور فہم قرآن کے اصول و ضابطے وضع کیے گئے، نتیجۃً فن علم قرآن معرض وجود میں آیا، اس طرح اہل علم کا ایک بڑا طبقہ احادیث و آثار کی حفاظت کے لیے اٹھا اور صحیح و ضعیف حدیث کی معرفت کے علمی اصول و قواعد بنائے گئے، ان کی کوششیں علم حدیث اور فن اسماء الرجال کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔ اس طرح اسلام کی خدمت کے لیے مختلف علوم و فنون کی ایجاد ہوئی اور عہد نبوت سے لے کر تابعین کے دور تک عقیدہ، سنت اور فقہ و تفسیر کے میدان میں علماء اسلام کی پیہم کوششوں کے نتیجے میں دوسری صدی کے نصف آخر میں عالم اسلام کے اندر علمی تحریک کا بول بالا ہوگیا۔ اس صدی میں علماء نے علوم اسلامیہ کی تدوین کا بیڑہ اٹھایا اور اپنی کوششیں سنت نبویہ اور آثار سلف کے مدون کرنے میں صرف کیں، کیونکہ سنت نبویہ کو اسلامی معاشرہ کے قیام میں اہم ترین مقام حاصل ہے، اس تحریک کے نتیجے میں بیشتر اسلامی ممالک میں علم حدیث کے مختلف علمی مرکز قائم ہوگئے۔

اسی کے پیش نظر وضع حدیث کے انتشار کو تدوین سنت کے عمل میں بڑا دخل ہے، محدثین نے وراثت نبوی

کے تحفظ کا اہتمام فرمایا اور ایسے ٹھوس اصول و ضابطے وضع کیے جو تدوین و ضبط کے بعد حفاظت تاریخ کا سبب اعلیٰ و ارفع اصول علم قرار پایا، بعد کے علماء نے علوم نقلیہ میں ان قواعد کی پیروی بھی کی اور در حقیقت یہی تمام علوم نقلیہ کی اساس اور بنیاد ہے، یہ علم اس قابل ہے کہ اسے اخبار و آثار کی صحت کا میزان قرار دیا جائے۔

ان اصول و ضوابط میں سب سے اہم مصطلح الحدیث کا فن ہے، اس فن سے مکمل معرفت کے بعد کسی بھی حدیث کا مرتبہ معلوم کیا جا سکتا ہے، اگرچہ محدثین نے اس حدیث کی بابت کوئی حکم نہ لگایا ہو۔

محدثین کی اس مرکوز و مکمل جدوجہد کی مثال پیش کرنے سے پوری انسانی تاریخ قاصر ہے، تاہم امت مسلمہ دور اول ہی سے ضعیف، موضوع اور واہی تباہی حکایات میں مبتلا ہوگئی اور یہ وبا عام مسلمانوں کے اندر پھیل گئی۔

جوں جوں خیر القرون سے بعد ہوتا گیا خیر و سعادت اور علم علماء کے فوت ہونے سے ناپید ہوتا گیا۔ حسرتناک طریقہ پر ضعیف اور موضوع احادیث کو ترویج حاصل ہوئی تھی کہ اس دور کے ہر خطیب و مصنف کے پاس موضوعات کا پلندہ موجود رہتا۔ رہے بیچارے عوام الناس تو ان کے نزدیک ہر سفید و سیاہ کو مقبولیت حاصل ہوتی گئی۔ مزید برآں لوگوں میں یہ اعتقاد پھیل گیا کہ ترغیب و ترہیب کے باب میں ضعیف اور موضوع پر عمل جائز ہے، چنانچہ لوگ اس اصول کو بنیاد بنا کر اس قسم کی احادیث کو حجت و دلیل میں پیش کرنے لگے، قطع نظر اس بات کے کہ محدثین و اہل علم کا یہ اصول ترغیب و ترہیب اور فضائل کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کے کیا شرائط ہیں۔ مؤلفین اور واعظین نے اپنی تالیفات اور خطبات میں موضوع و منکر احادیث سے خوب دل کھول کر کام لیا، چلتے چلاتے آخری دور میں بھی مسلمان دعوتی میدان میں کسی صحیح اور ٹھوس (یعنی کتاب و سنت) کے علم کے بغیر کود پڑے، چنانچہ یہاں بھی وہی بے شمار باطل و منکر احادیث کا تصنیفات اور تالیفات میں خوب رواج ہوا اور جرأت یہ کہ شرعی معاملات میں اسے دلیل و حجت بھی بنایا گیا اور طرح طرح کی گل افشانیاں کی گئیں۔

مسلمانوں میں ان موضوعات کی ترویج کا یہ نتیجہ ہوا کہ وحدانیت کی جگہ شرک و بدعت اور خرافات نے لے لی اور ان کے اعتقاد میں خرابی پیدا ہوگئی اور اس خرابی سے مسلمانوں میں نفاق در آیا اور اتنی خباثت پیدا ہوئی کہ توحید و سنت کے داعی ہی موضوع طعن و تشنیع بن گئے، خصوصاً ان عوام الناس کے نزدیک جو شرک و بدعت میں بری طرح مبتلا تھے، مبلغین اسلام کو جو خالص کتاب و سنت کی تبلیغ کا کام انجام دیتے تھے اور سلف صالحین کے مسلک کی ترویج میں مصروف تھے، ملعون و مطعون کیا گیا کہ یہ وہابی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول اور اولیاء اللہ سے محبت نہیں کرتے

اور دوسرے مسلمان ان کے نزدیک کافر ہیں، لطف کی بات یہ کہ متبدعین اور خرافیوں نے اپنا نام اہلسنت والجماعت رکھ چھوڑا ہے، اہل علم نے بہت پہلے ہی ان بے مظاہر کی نظر ناکی سے آگاہ کر دیا تھا اور اسے اپنی کتابوں میں بھی ذکر کردیا تھا تاکہ امت مسلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ہر قسم کے کذب وافتراء سے محفوظ رہے، حتی کہ بعض علماء نے ان موضوع روایتوں پر مشتمل مستقل کتاب تصنیف فرمائی جو واعظین اور قصہ گویوں کی زبان پر رائج ہوگئیں تھیں۔

چنانچہ علامہ ابن جوزی نے کتاب الموضوعات تصنیف فرمائی، اور اس کے مقدمہ میں حدیث: من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار، کے تمام طرق کو بیان کیا اور امت کو تنبیہ کی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے سلسلے میں کسی قسم کے جھوٹ وافتراء کی بات منسوب کرنے کی کوشش نہ کریں، اسی طرح انھوں نے کتاب القصاص والمذکرین نامی کتاب بھی لکھی، پھر علامہ عراقی نے ایک کتاب بنام "الباعث علی الخلاص من احادیث القصاص لکھی۔ اور علامہ سیوطی نے بھی موضوعات کے سلسلے میں ایک عمدہ رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام تحذیر الخواص من احادیث القصاص رکھا۔

چونکہ موضوع اور ضعیف روایات کتب تفسیر وحدیث، کتب جرح وتعدیل اجزاء واملاءات اور مجالس علمیہ میں منتشر و پراگندہ تھیں تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان تمام نصوص وروایات کو مخصوص مولفات میں یکجا جمع کر دیا جائے، جس میں ان کے موضوع ہونے کے علل واسباب اور ضعف کی طرف نشاندہی کی گئی ہو۔ چنانچہ عام مسلمانوں کی بہی خواہی اور اتمام حجت کے طور پر علماء امت نے موضوع روایات پر مشتمل کتابیں تصنیف فرمائیں، اسی طرح ایسی تصنیفات بھی معرض وجود میں آئیں جو زبان زد خاص وعام احادیث کے مجموعہ پر مشتمل تھیں۔ (جن میں موضوع، ضعیف، صحیح اور حسن ہر قسم کی حدیثیں تھیں، اس طرح کی احادیث مندرجہ ذیل اقسام کتب میں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ کتب جرح وتعدیل، واسماء الرجال، خصوصاً وہ مولفات جو خالص ضعیف ومتروک روایتوں کے عنوان پر ہیں مثلاً ابن عدی کی الکامل، عقیلی کی الضعفاء، ابن حبان کی المجروحین، ذہبی کی میزان الاعتدال اور ابن حجر کی لسان المیزان۔

۲۔ کتب زہد وورع اور رقاق

۳۔ کتب علل مثلاً علل ابن ابی حاتم، دارقطنی اور ابن جوزی

۴۔ کتب تفسیر۔

۵۔ کتب تخریج، مثلاً عراقی کی تخریج الاحیاء، تخریج الکشاف، ابن الملقن کی البدر المنیر، زیلعی کی نصب الرایہ ابن حجر کی التلخیص الحبیر وغیرہ۔

۶۔ امام طبرانی کی معاجم ثلاثہ اور امام دارقطنی، ابن حبان، اصبہانی، امام حاکم، ابونعیم اصبہانی، ابن عساکر خطیب بغدادی اور دیلمی کی کتابیں۔

۷۔ کتب شیعہ

۸۔ زبان زد خاص وعام کے موضوع پر لکھی گئی کتابیں جیسے علامہ زرکشی، ابن حجر اور سیوطی کی تالیفات، امام سخاوی کی المقاصد الحسنۃ جو اس عنوان کی سب سے جامع اور مکمل تصنیف ہے اور جس کا اختصار ابن ربیع کی تمییز الطیب من الخبیث ہے اور از روئے استفادہ سب سے مفید ترین تصنیف امام ابن القیم الجوزیہ کی المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ہے، وضع احادیث کے اسباب ومحرکات کے عنوان پر معاصر علماء نے بھی توجہ دی ہے۔ جیسے ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی کتاب بحوث فی السنۃ المشرفۃ اور ڈاکٹر عمر حسن فلاتہ کی تالیف الوضع فی الحدیث ہیں، جس کو زیادہ تفصیل مطلوب ہے، وہ ان کتابوں کا مطالعہ کرے۔

●●●

خصوصی شمارہ کی اشاعت کا فیصلہ

جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق ناظم اعلیٰ اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے سابق امیر جناب مولانا عبدالوحید صاحب سلفی رحمہ اللہ کے حیات واعمال پر مشتمل ماہنامہ محدث بنارس کے خصوصی شمارہ کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا ہے، ہم جماعت اور ملت کے اعیان، علماء اور شعراء حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ موصوف سے متعلق اپنے تاثرات، نگارشات اور مقالات ارسال فرماکر اس خصوصی شمارہ کو زینت بخشیں۔

(ادارۂ محدث)

جمہوریت اسلام کی نظر میں ؟

محمود فتح اللہ دریاآبادی متعلم جامعہ

جمہوریت اسلام کی نظر میں ایک ایسا پیچیدہ عنوان ہے، جس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ایک طویل وقت درکار ہے کیونکہ اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے اسلام اور جمہوریت کے پورے خدوخال کو سامنے رکھ کر اس کے بعد دونوں میں اس نقطۂ اتصال کو تلاش کرنے کی ضرورت ہوگی جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ جمہوریت اسلام سے کتنی دور یا کتنی نزدیک ہے۔

مسلم اسکالروں اور علماء ملت سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اسلام اس دستور حیات کا نام ہے جسے رب العالمین نے سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیائے انسان کے لیے پیش کیا ہے۔ یہ دستورِ حیات ایک ابدی ہی نہیں بلکہ فطری دستور بھی ہے جو بنیادی طور پر ناقابل تغیر ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے: فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا۔

لیکن اس کے برعکس جمہوریت ایک ایسی طرز حکومت کا نام ہے جس کی دستور سازی وہ ممبرانِ ایوان کرتے ہیں جن کا انتخاب جمہوری ملک کے عوام کرتے ہیں۔ اس طرز انتخاب میں ہر چھوٹے اور بڑے، اچھے اور برے، عالم اور جاہل، نیک اور بدکردار کے ووٹ یا رائے کی قیمت یکساں قرار پاتی ہے اور یہ نظریہ اور مزاج دین اللہ الخالد سے صرف مختلف ہی نہیں بلکہ متصادم ہے۔ مثلاً نیک اور بدکردار کو موجودہ جمہوری نظام یکساں قرار دیتا ہے اور قرآن اس کی مخالفت میں یوں گویا ہے: "أفمن کان مومنا کمن کان فاسقا لایستوون" اسی طرح مروجہ جمہوری نظام اہل علم اور باشعور آدمی کو اتنی ہی قدر و قیمت عطا کرتا ہے جتنی کہ ایک جاہل اور بے شعور کو، جبکہ ارشادِ ربانی اس کی نفی کر رہا ہے: "ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون" دوسرے مقام پر اس طرح وارد ہے: "ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر" اسی طرح اچھے اور برے میں موجودہ جمہوری نظام کے مطابق تمیز نہ کرنا بھی نا انصافی کی بات ہے، ارشاد ہے: "قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث" — ان دلائل اور براہین سے یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ

نظامہائے جمہوریت اور اسلام جداگانہ راہیں ہیں اور دونوں میں وہی فرق ہے جو خالق و مخلوق میں ہے۔

اس کے باوجود لفظ جمہوریت اس صدی کا ایک ایسا خوشنما لفظ ہے، جس کی وجہ سے بہت سے علماء اور مسلم قائدین سیاست بھی اسلام میں جمہوریت کا پیوند لگائے بغیر سیاست کی بات نہیں کرتے۔ ان میں سے کچھ اسلام میں جمہوریت اور کچھ کو جمہوریت میں اسلام نظر آتا ہے۔ اگر ہم تسلیم کریں کہ واقعی جمہوری نظام اسلامی ہے یا اس کے قریب تر ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ امریکہ و برطانیہ وغیرہ دیگر بلاد کفار میں کسی نہ کسی شکل میں اسلام نافذ ہے، جبکہ واقعات و حقائق سراسر اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان جب اسلام کو جو مکمل ضابطۂ حیات ہے چھوڑ کر سوشلزم اور مغربی جمہوریت جیسے نظاموں سے پیار کرتا ہے۔ مدینہ کی جانب سفر کرنے کے بجائے ماسکو اور واشنگٹن کو ترجیح دیتا ہے، اسے اسلام سے کوئی خوشبو نہیں آتی، سوشلزم اور جمہوریت سے کشیدہ عطر سے خوشبو آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی قوت شامہ مر چکی ہے، اس کے آپریشن کی ضرورت ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام کا فطری دستور اس رب العالمین کا بنایا ہوا ہے جو زمان و مکان کی قیود سے بلند ہی نہیں بلکہ مکان و مایکون عالم اور جملہ کائنات اور انسان کا فطرت ساز بھی ہے۔ اس لیے اس کا بنایا ہوا دستور حیات دنیائے انسان کے سارے معاشی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی مسائل کو انصاف و انسانیت اور مساوات کی بنیاد پر چھوٹے بڑے، امیر و غریب اور حاکم و رعایا کا امتیاز کیے بغیر حل کرتا ہے جو جدید جمہوریت کی سب سے بڑی آرزو ہے۔ یعنی اسلام خود ایک جمہوری اور آفاقی دستور حیات ہے۔ اس کے ساتھ اسلام کو دستور ساز ایوان نمائندگان کی کوئی ضرورت نہیں، پھر بھی اسلام کو ایک قوت نافذہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: "وأمرهم شورى بينهم" اور اس قوت نافذہ کا انتخاب مجلس شوریٰ کے ارباب حل و عقد پر ہوتا ہے۔ لیکن مجلس شوریٰ میں بھی علاقائی اور نسلی نمائندوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو دستور اسلامی کا علم رکھتے ہوں اور وقت کی عالمی سیاست سے بھی واقف ہوں۔ اسلام میں مجلس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب ان کے حامیوں کی تعداد کو گن کر نہیں بلکہ تول کر کیا جاتا ہے، جبکہ جمہوری طرز حکومت میں بقول اقبالؔ

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں		بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اسلام میں مجلس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب علاقائیت اور قبائلی کی بنیاد پر نہیں بلکہ لیاقت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یہ چیز جدید جمہوریت کے اس تصور سے بہت قریب ہے کہ ریاست کا اقتدار کسی خاندان کا موروثی حصہ نہیں، بلکہ ہر اہل اور لیاقت فرد قوت نافذہ یا اس کا معاون جو مجلس شوریٰ کا رکن ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے اور

اقتدار وقت میں بھرپور حصہ پا سکتا ہے

یہاں طول طویل بحث کا وقت نہیں اس لیے اجمال کے ساتھ جہاں تک میں نے غور کیا ہے، جدید جمہوریت میں طرز انتخاب اور ایوان نمائندگان کے ذریعہ دستور سازی اور نمائندوں کا عوامی انتخاب یہ بھی چیزیں ایسی ہیں جس میں اور اسلام میں اگر کوئی نقطہ اتصال تلاش کیا جا سکتا ہے تو وہ شوریٰ کے ممبران کے انتخاب میں ہو سکتا ہے، ورنہ اسلام کا دستور خود ان تمام جمہوری تقاضوں کو بنیادی طور پر پورا کر دیتا ہے، جس کی آرزو میں جدید جمہوریت صدیوں سے بھٹک رہی ہے اور اب اس جمہوریت سے بھی عوام کا اعتماد اٹھنے لگا ہے، کیونکہ جمہوریت کے پردے میں اکثریت نے پوری دنیا میں اقلیت کو جس طرح ظلم کا نشانہ بنایا ہے اور ان کے پرسنل لا میں تبدیلی کی ناپاک سازشیں کی ہیں، اس کے تہذیب وتمدن اور آثار قدیمہ کو مٹانے کی کوششیں کی ہیں اس کے زبان وکلچر کو ختم کرنے کی شاطرانہ چالیں چلی ہیں، اس نے جمہوریت کی مٹی پلید کر دی ہے اور اقلیت اکثریت کے مظالم کے ہوس کا نشانہ بن کر رہ گئی ہے۔ جمہوری ممالک میں جن حاکموں کو رعایا یہ سمجھ کر آگے بڑھاتی ہے کہ وہ اخلاق انسانی کی نوامیس عالیہ کے محافظ ہوں گے، انسانی تہذیب وتمدن کی اعلیٰ اقدروں کو فروغ دیں گے۔ انسان کو انسان پر ظلم کرنے سے روکیں گے وہ اقتدار کے زعم میں اپنی ایک جنبش چشم پر بستیاں کی بستیاں ویران اور آبادیاں کی آبادیاں کھنڈرات میں تبدیل کرا دیتے ہیں۔ لعنت ہے ایسی جمہوریت پر ایسی سیاست پر اور ایسے مسلمانوں پر جو پھر بھی اسلام کی جگہ جمہوریت کا ورد کرتے ہیں۔ سچ فرمایا علامہ اقبال نے ؎

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو ۔۔۔ کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

مانا کہ مغربی ممالک میں جمہوریت ہے وہ جرائم سے پاک ہیں، ان کے ملک میں امن وسکون ہے۔ مناسب ہوگا وہاں سے دریافت کر لیا جائے کہ آپ نے جمہوریت اور سوشلزم کے نفاذ سے عوام کے لیے کتنا امن وسکون حاصل کیا اور نوع انسانی کو کیا دیا؟ ۔۔۔ واقعات وحقائق کی رو سے کہتا ہوں کہ مغربی جمہوریت نے عناصر نے قوم کو ایسا مسحور کر رکھا ہے کہ اقتدار کی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی وہ جوہر دکھائے کہ اس کی مثال نہ ملے۔

چند برس پہلے نوائے وقت کی خبر کے مطابق جمہوریت کے علمبردار اور انسانی ہمدردی کے دعویدار ملک امریکہ میں فرنٹ چار برس کے اندر جمہوریت کے نام پر تین ہزار سیاسی قتل ہوئے اور دنیا کے مختلف حصوں میں گیارہ ہزار سیاسی جرائم کرائے گئے نیز نو ہزار افراد کو مختلف جھوٹے الزامات میں پھنسا کر شدید جسمانی اذیت کا نشانہ بنایا گیا۔ اسی طرح روس نے انیس چار سالوں میں سائبیریا کے میدان میں ڈیڑھ ملین افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اشتراکیت کے نام پر پندرہ ہزار

ادیب، شاعر، صحافی اور پروفیسران تشدد کا نشانہ بنے اور آج بھی ان ممالک میں انسانیت سوز جرائم کا سلسلہ رواں بلا روک ٹوک جاری ہے۔

شیطان نے جمہوریت کی دیوی کو ایسا ابدی حسن بخشا ہے جس کے لبوں پر قوم کا خون چوسنے کی سرخی نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ سیکولرزم کے دلدادہ اور جمہوریت پر یقین رکھنے والے ہندوستان میں آج مسلم اقلیت پر طوفان اُمڈ رہے ہیں دن و رات مزید در مزید خطرات پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ خزاں بہار کے راستے روک رہی ہے۔ افسانے حقیقت کا دامن اوڑھ کر بزم آرائیوں میں مصروف ہیں۔ قوم کو تباہ و برباد کر کے ان کی بہو بیٹیوں کا سہاگ لوٹا جا رہا ہے۔ یہ جمہوریت ہی کی تو دین ہے۔ جبکہ یہ وہ ملک ہے جہاں پانی پُن یعنی نیکی بنا کر پیا جاتا ہے کہ "جیو ہتیا" نہ ہو اور یہاں پر وہ لوگ بستے ہیں جو اجابت کے بعد اپنی نجاست میں ٹٹولتے ہیں کہ کہیں اس میں نیچے جراثیم نہ اتر کر مر جائیں۔ اسی لیے علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام ⁂ جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری!

جمہوریت کے پردے میں ہم اقلیت پر جو کچھ بیت رہی ہے وہ قدرت کا عذاب ادنیٰ ہے جو ہماری ضلالت و گمراہی، خود فراموشی و خدا فراموشی پر تنبیہ کر رہا ہے۔ اگر اس پر بھی ہماری آنکھیں نہ کھلیں اور ہم اپنی لغزشوں سے باز نہ آئے تو عذاب اکبر کا مزہ چکھنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: "ولنذیقنهم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر لعلهم یرجعون"

اس لیے آخر میں ان تمام نام نہاد علماء اور مسلم قائدین ریاست سے جو اس یہودی افتراع (جمہوریت) کے ساتھ لفظ اسلامی چسپاں کر کے اسے مشرف باسلام کرنا چاہتے ہیں، ان سے خصوصاً اور مسلم طبقہ سے عموماً میری گزارش ہے کہ ہمیں اپنے نظام زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی سخت ضرورت ہے اور ہمیں مغربی جمہوریت کے بجائے اسلامی جمہوریت کو اپنانا چاہیے، کیونکہ اسلامی معاشرہ توڑتا نہیں جوڑتا ہے۔ اسلامی معاشرہ ہی انسانی قدروں کا صحیح محافظ ہے اور انسانی عظمت کو برقرار رکھتا ہے۔

خدا ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور اس مغربی نظام سے جلد از جلد چھٹکارا دلائے۔

آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

• • •

ماہنامہ

بنارس

شمارہ ۱۱، ۱۲ ۔ ❖ نومبر، دسمبر ۱۹۹۰ء | ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ ❖ جلد ۸

اس شمارہ میں

خصوصی شمارہ
خلیجی بحران

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک
سالانہ تیس روپئے ۔ فی پرچہ تین روپئے

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے

افتتاحیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلیجی بحران اور امتِ مسلمہ کا فریضہ

کویت پر عراقی بعثیوں کے غاصبانہ قبضہ سے اقتصادی طور پر دنیا کے سیکڑوں ممالک متاثر ہوئے، اور کروڑوں انسان معاشی بدحالی میں مبتلا ہوگئے، لیکن خود عراق کویت کو مکمل طور پر لوٹ کر تنومند ہوگیا، اگرچہ قوانین فطرت کی روشنی میں یہ بات بالیقین کہی جاسکتی ہے کہ تاریخ کے کسی خاص مرحلہ میں جانی ومالی خسارے اور تباہ کن فتنوں کی شکل میں اسے حرام مال کے یہ لقمے اگلنے پڑیں گے اس قضیہ کے تعلق سے سب سے بڑی جو خوشی کی بات ہے وہ یہ ہے کہ پوری نوع انسانی نے عراقی بعثیوں کی مذمت کی ہے، ظالم کو ظالم کہا ہے اور مظلوم کو اس کا حق واپس دلانے کی آواز بلند کی ہے، مسرت کی بات ہے کہ انسانی ضمیر عالمگیر صداقتوں کو پہچان کر آج بھی ان کے تحفظ کے لئے ایک آواز ہوسکتا ہے، خاتم الانبیاء والرسل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی تو فرمایا ہے کہ لوگ جب ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑلیں تو جلد ہی سب پر اللہ کا عام عذاب واقع ہوجائے گا، نوع انسانی کی یہ متحدہ آواز لاریب اللہ کی رحمت ہے، اسلام کی عالمگیر صداقتوں کی امین ہونے کے ناطے امت مسلمہ کا اولین فریضہ ہے کہ وہ اس قضیہ کے متعلق خود ایک آواز ہو، اور رحمت الٰہی کی ان صداؤں کو کان کھول کر سنے جو رنگ نسل زبان اور ملک کے حدود وقیود سے بالاتر ہوکر پوری نوع انسانی کے ضمیر کی گہرائیوں سے بلند ہوئی ہیں

اگر امت مسلمہ ایک آواز ہو کر انسانی ضمیر سے اٹھنے والی ان ملکوتی صداؤں کا ساتھ دے دے، اور متحد ہو کر ظالم کا ہاتھ پکڑے، تو یہ گرفت ایٹم کے تباہ کن اسلحوں کی گرفت سے کئی لاکھ گنا زیادہ طاقت ور ہوگی، پھر بھی اللہ کے فیصلوں کو کون جانتا ہے، اس سے کم از کم اتنا ضرور ہوگا کہ امت اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیگی نوع انسانی میں اپنے اعلیٰ کردار کے سبب سرخرو ہوگی، اور آخرت میں اللہ کے یہاں سعادت مند ہوگی، ہم محدث کا یہ خصوصی شمارہ آپ کی خدمت میں اسی مقصد سے پیش کر رہے ہیں کہ سلفی جماعت کا حقیقی موقف امت مسلمہ اور پوری نوع انسانی پر واضح ہو جائے، اور اللہ توفیق دیدے کہ امت مسلمہ اپنے حقیقی فرض سے آگاہ ہو جائے، ہماری متحدہ آواز ظالم کے ہاتھوں کو بریک لگا دے، اور وہ بلا شرط کویت سے نکل جائے۔

اس میں شک نہیں کہ اس مسئلہ کے صحیح حل کے لئے ہمارا متحدہ موقف سب سے زیادہ ضروری ہے اور یہ نعمت لازوال امت کے علماء اور دعاۃ کے ذریعہ خصوصیت سے حاصل ہو سکتی ہے، اس لئے علماء کو آگے آنا چاہیئے، اور افراد امت کو اس قضیہ کی سنگینی اور اس کے حقیقی خدوخال سے آگاہ کرنا چاہیئے، اسلام سے حقیقی وابستگی رکھنے والوں اور امت مسلمہ کے سچے بہی خواہوں پر یہ بات بالکل عیاں ہے کہ عراقی بعثیوں کے ذریعہ کویت پر غاصبانہ قبضہ اور خلیجی بحران اسلام امت مسلمہ اور اسلام کے مبلغین کے خلاف دیرپا، وسیع الاطراف اور عالمگیر فتنے اور مقابلے کا ایک ایسا عملی آغاز ہے، جو مرکز اسلام اور اس کی مجاور سرزمینوں اور قلب امت میں تمام اسلامی قومی اور بین الاقوامی رشتوں، اصولوں، ضابطوں اور روایتوں کو پامال کر کے چھیڑا گیا ہے، یہ فتنے اور مقابلے اب تک شجر اسلام و امت مسلمہ کے پتوں اور شاخوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے لیکن اب اس کی جڑ سے ٹکرا رہے ہیں۔ باطل کی زور آور موجیں اب تک قصر اسلام و امت مسلمہ کے حدود و ثغور سے کھیل رہی تھیں، لیکن اب وہ ہماری آخری پناہ گاہ کی دیواروں سے ٹکرا رہی ہیں، فتنوں کی نذر ہو جانے والے لوگ بلکہ قومیں ایسے موقع پر پرانے زخموں کو کرید کر داخلی نزاعات میں مبتلا ہو جاتی ہیں، لیکن زندگی کے شیدائی اور اپنے حقیقی مشن سے سچا لگاؤ رکھنے والے سب کچھ بھول کر اپنے آخری قلعہ کی دربانی پر فخر کرتے ہوئے فدائیت کی زندہ جاوید مثالیں صفحات تاریخ پر ثبت کر جاتے ہیں۔

اسلامی اتحاد اور امت مسلمہ کے متحدہ موقف کی اگر ہمیں کوئی اور مثال یاد نہ ہو تو عبرت کیلئے انسانی بستیوں کے آفاق و انفس پر نظر ڈالنی چاہیئے، کل تک حکومت برطانیہ میں کہیں سورج غروب نہ ہوتا تھا

لیکن آج اس نے امریکہ کی اطاعت میں کسی کبر اور سرتابی کا مظاہرہ نہیں کیا، امریکہ نے بھی اس کی عظمت رفتہ کے لحاظ میں اپنے عظیم الشان تخت سلطنت سے قریب تر اس کی کرسی رکھی۔ روس کل تک اس کا برابر کا عالمی حریف تھا لیکن آج امریکہ کا تابعدار دوست بن کر اپنی تمام عالمی پالیسیوں کو امریکی دوستی کے رخ پر ڈھال چکا ہے، علماء اسلام غور فرمائیں کہ اس پورے تاریخی عمل میں کہیں روس نے امریکہ کے خلاف کھلے طور پر کبر اور سرتابی کا مظاہرہ کیا، امریکہ نے بھی اس کی عظمت کے لحاظ میں اپنے عظیم الشان تخت سلطنت سے قریب تر اس کی کرسی رکھی ہے، اس طرح کل تک دو بھیانک عالمگیر جنگیں لڑنے والا یہ انسانی خطہ مکمل طور پر ایک ہو چکا ہے۔ اور اس پوزیشن میں آچکا ہے کہ دنیا کے کسی خطہ اور کسی قوم پر اپنی سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی بالادستی کو جب اور جس طرح چاہے قائم کر سکتا ہے، دل میں ایمان کی کھیتی اگر ہری ہے تو نگاہ عبرت اسے مزید سرسبز و شاداب بنائے گی، اور امت کے ہر فرد کو مجبور کر دے گی کہ وہ اپنے پرانے زخموں کو بھول کر اسلام اور امت مسلمہ کی تاریخ کے اس نازک ترین موڑ پر متحدہ موقف اختیار کرے، اور ظالم کو اس کے ظلم و تعدی سے روک دے، تاکہ جور دیرپا اور عالمگیر فتنے ابل پڑنے کے لئے بیتاب ہیں انھیں ہمارے مرکز مقدس کی پاکیزہ سرزمین کو استعمال کرنے کا موقع نہ مل سکے، یہاں یہ توضیح بھی ضروری ہے کہ عالم اسلام کے کسی خطہ میں غیر اسلامی فوجوں کا وجود کچھ ناخوشگوار دعواقب پیدا کر سکتا ہے، لیکن یہ بات ان لوگوں کے زیادہ سوچنے کی ہے، جو اس صورت حال کا اصل سبب بنے ہیں، اور اب تک اپنے موقف پر اڑے ہوئے ہیں۔

برصغیر کے مسلمانوں کا ایک طبقہ عراق کے بعض حکمراں صدام حسین کے متعلق خوش فہمی میں مبتلا ہے، اور کویت پر اس کے غاصبانہ قبضہ کو درست بتاتا ہے، کاش ہمارے ان بھائیوں کو ایمن نور مصری کی شہرۂ آفاق کتاب " الجريمة الصدامية بالوثائق والمستندات " کے مضامین کا علم ہوتا تو اس خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی، انہیں معلوم ہوتا کہ ۲ راگست ۱۹۹۰ء کو ایک خود ساختہ بہانہ کے ذریعہ صدام حسین نے کویت پر قبضہ کیا ہے اس کی خفیہ سازش عراق کی بعث حکومت نے اخیر جولائی ۱۹۸۸ء ہی میں تیار کر رکھی تھی، اس کی بڑی دور رس تجاویز اور قراردادیں ہیں۔ ان سازشوں کے پیچھے جو ہاتھ ہیں آنے والے واقعات ان سے پردہ

اٹھا سکتے ہیں ، اگر امت مسلمہ نے اپنے متحدہ موقف کے ذریعہ اس فتنہ کو اس کے آغاز ہی میں ختم نہ کر دیا ، یعنی عراق کو مجبور نہ کیا کہ بلا شرط کویت کو خالی کر دے ، تو خوش فہم مسلمانوں کا یہ بقلم خود صلاح الدین ایوبی مرکز اسلام و امت اسلامیہ سمیت پورے عالم اسلام کو تیسری عالمگیر جنگ میں جھونک دے گا ، اور یہ منصوبہ بہت پہلے سے عالمی تخریبی قوتوں کے یہاں طے شدہ ہے ، اور یہ بحران ان ہاتھوں کے ذریعہ اور ان راستوں پر چل کر ختم ہوگا ، جن کے اور مرکز ارضی کی حقیقی عظمت کے عرفان کے درمیان صدیوں کا طویل فاصلہ ہوگا ، یہ وقت آنے سے پہلے ہم اپنے ایمان کی خبر لیں ، اپنے دین اور اپنی امت کے عروج و ترقی کے لئے کچھ کام کریں ، اور سب سے بڑی بات آخرت میں اپنی نجات کی فکر کریں ۔

بہر حال یہ خصوصی شمارہ ہم اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے پیش کر رہے ہیں ، اللہ تعالیٰ ہمیں اور پوری امت مسلمہ کو اپنے دین پر متحد رکھے ، اور ہمیں اس فتنہ سے بچائے ، جس کے متعلق اس نے ارشاد فرمایا ہے :

واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة ، واعلموا أن الله شديد العقاب ۔ (الانفال ۱۸)	مسلمانو! اس عذاب سے ڈرو جو خاص طور سے تم میں سے ظالموں ہی پر واقع نہ ہوگا ، اور جان رکھو کہ اللہ یقیناً سخت عذاب دینے والا ہے ۔

امام الہند علامہ ابوالکلام آزاد

مرکزِ ارضی

کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی، جب تک اس کا کوئی ارضی مرکز نہ ہو، کوئی تعلیم باقی نہیں رہ سکتی، جب تک کی ایک قائم و جاری درسگاہ نہ ہو۔ کوئی دریا جاری نہیں رہ سکتا، جب تک ایک محفوظ سرچشمہ سے اس کا لگاؤ نہ ہو۔

نظام شمسی کا ہر ستارہ روشنی اور حرارت صرف اپنے مرکز شمسی ہی سے حاصل کرتا ہے، اسی کی بالاتر جاذبیت نے یہ پورا معلق کارخانہ سنبھال رکھا ہے! اللہ الذی رفع السمٰوات بغیر عمد ترونها ثم استوی ع العرش، وسخر الشمس والقمر، کل یجری لأجل مسمّی۔

یہی قانون الٰہی ہے جس پر اس کی شریعت کے تمام جامع احکام مبنی ہیں، پس جس طرح اسلام نے امت کے بقا و ہدایت کے قیام کے لئے ہر طرح کے مرکز قرار دیئے، ضروری تھا کہ ایک ارضی مرکز بھی قیامت تک کے لئے قرار دے دیا جاتا۔

ان بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں، اسلام نے اس غرض سے سرزمین حجاز کو منتخ یہی ناف زمین دنیا کی آخری اور دائمی ہدایت و سعادت کے لئے مرکزی سرچشمہ اور روحانی درسگاہ قرار پائی، اور چونکہ سر ا حجاز جزیرۂ عرب میں واقع تھی، وہی اسلام کا اولین موطن، وہی اس کا سب سے پہلا سرچشمہ تھا، اس لئے ضرور تھا کہ اسلامی گردوپیش کا بھی وہی حکم ہوتا جو اصل مرکز کا ہے، لہذا یہ تمام سرزمین بھی کہ حجاز کی " وادی غیر ذی زرع " کو گھیرے ہوئے ہے، ا میں داخل ہوگئی ذالك تقدير العزيز العليم۔

" مرکز ارضی " سے مقصود یہ ہے کہ اسلام کی دعوت ایک عالمگیر اور دنیا کی بین الملّی دعوت تھی وہ کسی خاص ملک میں محدود نہ تھی، مسلمانوں کی قومیت کے اجزاء تمام کرۂ ارضی میں بکھر جانے والے اور پھیل جانے والے تھے، پس ان بکھرے ہو کو ایک دائمی متحدہ قومیت کی ترکیب میں قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی ایک مقام ایسا مخصوص کر دیا جاتا جو ان تمام منتشر اجزاء کے لئے اتحاد و انضمام کا مرکزی نقطہ ہوتا، سارے بکھرے ہوئے اجزاء وہاں پہنچ کر سمٹ جاتے، تمام پھیلی ہوئی

وہاں اکٹھی ہو کر جڑ جاتیں، ہر شاخ کو اس جڑ سے زندگی ملتی، ہر نہر اس سرچشمہ سے سیراب ہوتی، ہر ستارہ اس سورج سے روشنی اور گرمی لیتا، ہر دوری اس سے قرب پاتی، ہر فصل کو اس سے مواصلت ملتی، ہر انتشار کو اس سے اتحاد و یگانگی حاصل ہوتی۔

وہی مقام تمام امت کی تعلیم و ہدایت کے لئے ایک وسطی درسگاہ کا کام دیتا، وہی تمام کرہ ارضی کی پھیلی ہوئی کثرت کے نقطۂ وحدت ہوتا، ساری دنیا ٹھنڈی پڑ جاتی پر اس کا تنور کبھی نہ بجھتا، ساری دنیا تاریک ہو جاتی مگر اس کی روشنی کبھی گل نہ ہوتی۔ اگر تمام دنیا اولاد آدم کے باہمی جنگ و جدال اور فتنہ و فساد سے خوں ریزی کی دوزخ بن جاتی، پھر بھی ایک گوشۂ قدس ایسا رہتا جو ہمیشہ امن و رحمت کا بہشت ہوتا اور انسانی فتنہ و فساد کی پرچھائیں بھی وہاں نہ پڑ سکتی۔

اس کا ایک ایک چپہ مقدس ہوتا، اس کا ایک ایک کونہ خدا کے نام پر محترم ہو جاتا، اس کا ایک ایک ذرہ اس کے جلال و قدوسیت کا جلوہ گاہ ہوتا، خونریز اور سرکش انسان ہر مقام کو اپنے ظلم و فساد کی نجاست سے آلودہ کر سکتا، پر اس کی فضا مقدس ہمیشہ پاک و محفوظ رہتی، اور جب زمین کے ہر گوشے میں انسانی سرکشی اپنی مجرمانہ خداوندی کا اعلان کرتی تو وہاں خدا کی سچی بادشاہت کا تخت عظمت و جلال بچھ جاتا، اور اس کا ظل عاطفت تمام بندگان حق کو اپنی طرف کھینچ بلاتا۔

دنیا پر کفر و شرک کے جماؤ اور اٹھان کا کیسا ہی سخت اور برا وقت آجاتا مگر سچی توحید اور بے میل خدا پرستی کا وہ ایک ایسا گھر ہوتا جہاں خدا اور اس کی صداقت کے سوا نہ کسی خیال کی پہنچ ہوتی نہ کسی صدا کی گونج اٹھ سکتی۔

وہ انسان کی پھیلی ہوئی نسل کے لئے ایک مشترک اور عالمگیر گھر ہوتا، کٹ کٹ کر قومیں وہاں جڑتیں، اور بکھر بکھر کے نسلیں وہاں سمٹتیں، پرند جس طرح اپنے آشیانوں کی طرف اڑتے ہیں۔ اور پروانوں کو تم نے دیکھا کہ روشنی کی طرف دوڑے، ٹھیک اسی طرح انسانوں کے گروہ اور قوموں کے قافلے اس طرف دوڑتے اور زمین کی خشکی و تری کی وہ ساری راہیں جو اس تک پہونچتی ہیں ہمیشہ مسافروں اور قافلوں سے بھری رہتیں۔

دنیا بھر کے زخمی دل وہاں پہونچتے اور شفا و تندرستی کا مرہم پاتے، بے قرار و مضطرب روحوں کے لئے اس کے آغوش کرم میں آرام و سکون کی ٹھنڈک ہوتی۔ گناہ کی کثافتوں سے آلودہ جسم وہاں لائے جاتے اور محرومی و نامرادی کی مایوسیوں سے گھائل دل چیختے اور تڑپتے ہوئے اس کی جانب دوڑتے تو اس کی پاک ہوا امید و مراد کی عطر بیزی سے مشکبار ہو جاتی، اس کے پہاڑوں کی چوٹیاں خدا کی محبت و بخشش کے بادلوں میں چھپ جاتیں، اور اس کی مقدس فضا میں رحمت کے فرشتے غول در غول اتر کر اپنی معصوم مسکراہٹ اور اپنے پاک نغموں کے ساتھ مغفرت و قبولیت کی بشارتیں بانٹتے۔

شاخوں کی شادابی جڑ پر موقوف ہے، درختوں کی جڑ اگر سلامت ہے تو شاخوں اور پتوں کے مرجھانے سے باغ اجڑ نہیں

جا سکتا، دس ٹہنیاں کاٹ دی جائیں گی تو بیس نئی نکل آئیں گی، اسی طرح قوم کا مرکز ارضی اگر محفوظ ہے تو اس کے بکھرے ہو ٹکڑوں کی بربادی سے قوم نہیں مٹ سکتی، سارے ٹکڑے مٹ جائیں مگر مرکز باقی ہے تو پھر نئی نئی شاخیں پھوٹیں گی اور نئی نئی زندگیاں ابھریں گی۔

پس جس طرح مسلمانوں کے اجتماعی دائرہ کے لئے خلیفہ و امام کے وجود کو مرکز ٹھہرایا گیا، اسی طرح ان کی ارضی وسعت و انتشار کے لئے عبادت کدۂ ابراہیمی کا کعبۃ اللہ، اس کی سرزمین حجاز، اور اس کا ملک جزیرۂ عرب دائمی مرکز قرار پایا، یہی معنی ان کریمہ کے ہیں۔ کہ،

جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس۔	اللہ نے کعبہ کو جو اس کا محترم گھر ہے انسانوں کے بقا و قیام کا باعث ٹھہرایا۔
واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وأمنا۔	اور جب ایسا ہوا کہ ہم نے خانہ کعبہ کو انسانوں کے لئے اجتماع کا مرکز اور امن کا گھر بنایا۔
اور۔ ومن دخلہ کان آمنا۔	جو اس کے حدود کے اندر پہنچ گیا اس کیلئے کسی طرح کا خوف اور ڈر نہیں۔

اور علت یہی تھی تحویل قبلہ کی، نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی!

وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ۔	اور تم کہیں بھی ہو، لیکن چاہئے کہ اپنا رخ اس کی جانب رکھو۔

کیونکہ جب یہی مقام ارضی مرکز قرار پایا تو تمام افراد قوم کے لئے لازمی ہوا کہ جہاں کہیں بھی ہوں رخ ان کا اسی رہے، اور دن میں پانچ مرتبہ اپنے قومی مرکز کی طرف متوجہ ہوتے رہیں، اور یاد رہے کہ منجملہ بے شمار مصالح و حکم کے ایک بڑی مصلحت فریضۂ حج میں یہ بھی ہے کہ ساری امت تمام کرۂ ارضی اور تمام اقوام عالم کو اس نقطۂ مرکز سے دائمی پیوستگی بخش دی۔

وأذن فی الناس بالحج یأتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق۔	اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، پھر ایسا ہوگا کہ ساری دنیا کو یہ گوشۂ برکت کھینچ بلائے گا، لوگوں کے پیادے اور سوار قافلے دور دور سے یہاں پہنچیں گے،

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

مسئلہ حجاز کا تاریخی جائزہ!
اور وہابیت کے خلاف پروپیگنڈہ کی حقیقت

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی اصلاحی تحریک اور دعوت پر بے شمار تحقیقات ہوچکی ہیں، اور وقتاً فوقتاً آپ کی دعوت و تحریک کے گوشوں پر مختلف کتابوں سے مقالات اور مضامین آتے رہتے ہیں، جس میں دعوت کے طریق کار اور اصول و اہداف سے بحث ہوتی ہے یا اس کے اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے، ان سنجیدہ و مخلصانہ کاوشوں کے ساتھ ساتھ ایسی بھی کتابیں اور مقالات شائع ہوتے رہے جن کے مصنفین نے کذب و افترا کا اسلوب اختیار کیا، اور اپنی کتابوں میں اس تحریک اور دعوت اور اس کے علماء کو بہت برا بھلا کہا، اور بڑے بڑے اتہامات لگائے، اور یہ سب معاندانہ و حاسدانہ جذبہ کے تحت کیا گیا، ان کے لئے تحریف و تلبیس کو شیطان نے خوب مزین کر دیا تھا۔

تحریکوں اور دعوتوں کی زندگی میں اس طرح کا معاندانہ رویہ کوئی انوکھی چیز نہیں ہے، بلکہ ان کے بارے میں آراء و نظریات کا اختلاف تو ہمیشہ سے رہا ہے، بالخصوص اگر دعوت حق ہو اور اس کے اصحاب مخلص ہوں تو یہ دائرہ اختلاف اور وسیع ہوجاتا ہے۔

اس دینی دعوت و تحریک کی سرگرمیاں اور سیاست کی سرگرمیاں دونوں ایک ساتھ اور ایک زمانہ میں رہیں، اس لئے معاندین بکثرت ہوئے اور دشمنی میں بھی شدت رہی، اور مخالفین کی جدوجہد کا دائرہ بھی وسیع رہا، لیکن ان کا انجام ناکامی کے سوا اور کچھ نہ رہا۔

کتاب "الوہابیون والحجاز" میں وہابی دعوت کی پرزور مخالفت اور ناکامی کی تاریخ کو اپنے عہد کے علمی ترقی کے معمار علامہ سید رشید رضا مدیر مجلہ "المنار" نے قلم بند کیا ہے، یہ کتاب مقالات کی صورت میں مصر کے مجلہ المنار و جریدۃ الاہرام میں شائع ہوئے تھے، جسے بعد میں خود مؤلف مرحوم نے کتابی صورت میں شائع فرمایا۔

اس کتاب میں شیخ الاسلام کی دعوت کے مآثر و مناقب پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور حجاز مقدس پر حکمرانی کے مسئلہ پر شاہ

عبدالعزیز آل سعود اور شریف مکہ حسین کے مابین جو واقعات وحوادث رونما ہوئے تھے ان سے پردہ اٹھایا، اور دونوں میں جو صواب پر تھا اس کی نشاندہی کی ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نجد میں شیخ الاسلام کی دعوت کی کامیابی کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ :

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے بلاد نجد میں اسلام کی تجدید فرمائی، اور اہل نجد کو شرک وبدعات سے شیخ الاسلام کے طریقہ پر توحید وسنت کی طرف لوٹایا۔

دعوت کے خلاف الزام تراشیوں اور اتہامات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حرم محترم میں الحاد پھیلانے اور زمین میں والے مکہ کے امراء نے اصلاح وتجدید کی دعوت کی روز اول سے مخالفت کی ٹھان لی، اور پورے عالم اسلام میں ان کے خلاف پروپ شروع کیا کہ یہ کفر وبدعت کی دعوت اور اسلام اور مسلمانوں کی مخالف تحریک ہے۔

ان امراء مکہ نے عثمانی حکومت کو آل سعود کے خلاف جنگ پر اکسایا، جس نے مصر کی نئی علوی حکومت سے ان کے اقدام میں تعاون حاصل کرلیا۔ علامہ رشید رضا فرماتے ہیں کہ " عثمانی حکومت نے تقریباً ایک صدی تک آل سعود کی مخا عداوت اس اعتقاد کی بنیاد پر کی کہ یہ لوگ ایک مضبوط عربی حکومت کی تاسیس کرنا چاہتے ہیں جو جزیرۃ العرب سے ترک اقت ختم کردے گی، اور پھر ترکی خلافت کا عرش زمین بوس ہوجائے گا۔"

شریف مکہ حسین بن علی وہابی مذہب کا غالی ناقد اور آل سعود کا پکا دشمن تھا، اسے اس مسئلہ میں انگریزوں کی تائ حاصل تھی، اس وجہ سے شاہ عبدالعزیز آل سعود کو چاروناچار حجاز کی طرف پیش قدمی کرنی پڑی، تاکہ اس بظلم خود سے نجات د طاغوت اور اس کی مفسد اولاد سے حجاز مقدس کو آزاد کرالیا جائے۔

علامہ سید رشید رضا نے اس صورت حال سے پردہ اٹھانے کے لئے اس کتاب کی تالیف کی، آپ فرماتے ہیں :

اس صورت حال میں ہم نے اپنے لئے یہ ضروری سمجھا کہ لوگوں کو اپنی واقفیت اور علم کی حد تک صحیح صورت حال سے آگاہ کریں ہم نے چند مقالات تحریر کئے جن کا بڑا اچھا اور دوررس اثر پڑا، اور اندازہ سے زیادہ جمہور نے وہابیت کے مسئلہ کو جانا اور سمجھ

ان مقالات سے لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ نجدی جنہیں " وہابی " کے لقب سے بدنام کیا جاتا ہے، خالص سنی اور عقا میں سلف صالحین کے مذہب پر ہیں، اور فقہی فروع میں امام احمد بن حنبل کے ماننے والے ہیں، اور دور حاضر میں یہ مسلم اقوام میں سب زیادہ پابند شریعت اور بدعات ومعاصی سے سب سے زیادہ دور رہنے والے ہیں، اور شرفاء مکہ پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دو جہات پر انھیں فتح ونصرت سے نوازا۔

دعوت اور اصحاب دعوت کی اس نصرت وتائید اور فتح کے علی الرغم عداوت اور دشمنی کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بارے علامہ رشید رضا فرماتے ہیں: کہ،

" بدعتی حضرات اور حجاز کے سرتاپا غرق معاصی وشہوات فساق وفجار وہابیوں کے دشمن چلے آرہے ہیں اس لئے کہ وہابیوں کی حکومت نے ان دونوں کو بدعات وفواحش کے ارتکاب سے روک دیا"۔

وہابیوں کے اصلاحی کارناموں اور منصفانہ نقطۂ نظر کے خلاف طعنہ زن اور اتہام پرداز چاہے جتنا جھوٹ گڑھیں لیکن تاریخ نے اپنے سینے میں ان عبارتوں کو محفوظ کر دیا ہے، جن میں اس بات کی شہادت ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت نے معاشرے پر بڑے اچھے اثرات مرتب کئے ہیں، نیز سلطان عبدالعزیز کو شریف مکہ کی حجازی حکومت کے خلاف اقدام میں اللہ کی نصرت وتائید حاصل تھی۔

علامہ رشید رضا نے اس سلسلے کی دو سچی گواہیاں پیش کی ہیں۔

۱۔ ایک گواہی تو مورخ شیخ عبدالرحمٰن جبرتی کی ہے، جنہوں نے اپنی تاریخ میں حجاز مقدس میں وہابیوں کے خلاف قتال کرنے والی محمد علی پاشا کی فوج کے ایک سرکردہ افسر کا بیان نقل کیا ہے، جس سے نجدی اور مصری طاقت کے مابین فرق واضح ہو جاتا ہے، بیان میں کہا گیا ہے کہ: کامیابی ہمارا قدم کیسے چوم سکتی ہے جب کہ ہماری فوج کی اکثریت ملت اسلامیہ ہی پر نہیں ہے؟ ان میں ایسے لوگ ہیں جو کسی مذہب یا دین کو مانتے ہی نہیں، ہمارے ساتھ شراب کی بوتلوں کے صندوق ہوتے ہیں، ہمارے درمیان نہ اذان سننے میں آتی ہے، نہ کوئی فریضہ ادا کیا جاتا ہے، اور نہ ہی ان کے حاشیۂ خیال ہی میں دینی شعائر آتے ہیں۔

رہے وہابی حضرات تو نماز کا وقت ہوتے ہی ان کے مؤذن اذانیں دینے لگتے ہیں، اور ایک امام کے پیچھے انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ لوگ صف بستہ ہو جاتے ہیں، جنگ کی حالت میں وقت نماز آتے ہی مؤذن اذان دیتے ہیں اور لوگ صلاۃ خوف پڑھ لیتے ہیں، وہ اپنے لشکر میں نعرہ لگاتے ہیں کہ "داڑھی منڈے مشرکین، زنا اور لواطت کو مباح کرنے والے، شرابیوں، بےنمازیوں اور سود خواروں کے خلاف صف بستہ ہو جاؤ۔

۲۔ دوسری شہادت علامہ شیخ احمد الناصری السلاوی المغربی کی کتاب (الإستقصاء لأخبار دول المغرب الأقصیٰ) سے نقل کی ہے، جنہوں نے اس وقت کے فاسی حجاج کرام کے حجاز کے بارے میں تاثرات کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

ان حجاج کرام نے سلطان ابن سعود کے یہاں اپنی دینی معلومات کی حد تک کسی شریعت مخالف کام کو نہیں دیکھا، بلکہ جو مشاہدہ کیا وہ یہ کہ سلطان ابن سعود اور ان کے اتباع طہارت نماز روزہ وغیرہ شعائر اسلام کے قیام اور منکرات ومحرمات پر پابندی

حرمین شریفین میں بلا روک ٹوک اور ہونے والے فواحش ومنکرات اور برائیوں کے ازالے میں سرگرم اور مستعد ہیں، انہوں نے بتایا کہ سلطان عام انسانوں کی طرح رہتے ہیں، ان کا لباس اور سواری دوسروں سے مختلف نہیں ہے۔

دوسرے مقالہ کی تمہید میں علامہ رشید رضا نے ان مقالات کی ترتیب میں اپنے طریقہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ان کا مقصد صرف حق کی وضاحت اور امت اسلامیہ اور عرب اقوام کی خیرخواہی اور نصیحت ہے، پھر آپ نے اپنے موقف کے غلط ہونے کی صورت میں اس پر بحث ومناقشہ اور اس سے رجوع کر لینے کی بات بھی تحریر فرمائی ہے، مخلص علماء اور اصحاب تحقیق کا یہی طریقہ ہوتا ہے

اس مقالہ میں آپ نے وہابیوں کے حجاز پر لشکرکشی کے دس عام اسباب وعوامل کو گنایا ہے۔

پہلے سبب کے بارے میں لکھا ہے، شریف مکہ حسین بن علی اور اس کی اولاد آخری جنگ میں عثمانی حکومت کے خلاف بلاد عربیہ کو فتح کرنے کی جنگ میں برطانوی حکومت اور ان کے خلفاء کی حلیف رہی ہے، برطانوی حکومت جب اسلامی اور عربی شہروں اور علاقوں جیسے بیت المقدس بغداد دمشق میں سے کسی پر قبضہ کر لیتی تو شریف مکہ انہیں مبارکباد دیتا تھا۔

آپ نے یہاں پر جنگ اور بلاد اسلام کی فتوحات میں غیر مسلموں سے موالاۃ کے انجام بد کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎ــــ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے موالاۃ اور دوستی کا عالم عربی میں یہ انجام ہوا کہ اغیار عربی تہذیب وتمدن کے گہوارے اور ان کے موارد وثروات کے زرخیز علاقوں پر قابض ہو گئے، اور جزیرہ عربیہ کا باقی حصہ ان کی زد میں آگیا جس کی آزادی ہر وقت خطرے میں ہے، اور یہ خطرہ قدس کے ساتھ حرمین شریفین کو بھی لاحق ہے، تاکہ حرمین شریفین بغیر کسی دین اور حکومت کے بے سہارا رہ جائیں۔

دوسرے سبب میں شریف مکہ کا جریدہ القبلہ میں شائع ہونے والا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ہم برابر اپنے اور اپنے حلفاء عظام کے مابین مودت ومحبت اور روابط کے استحکام کے خواہاں ہیں۔ (عدد ۱۰ / محرم الحرام سنہ ۱۳۴۳ھ)

ساتویں سبب میں شریف مکہ کی اہل حجاز اور حجاج کرام پر زیادتیوں اور مظالم کو بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح سے وہ حجاز میں آنے والی چیزوں پر بھاری بھاری ٹیکس اور چنگی لگا کر لوگوں کو تنگ کرتا اور بنیادی غذاؤں کی ذخیرہ اندوزی کر لیتا تھا، اس نے روٹی پکانے کی بیکریوں کو بند کر کے اپنی بیکریاں کھولیں، اور حرم محترم میں بسنے والے کو من مانی داموں روٹیاں خریدنے پر مجبور کر دیا اور حدیث رسول علی صاحبہ الصلاۃ والسلام: إحتكار الطعام في الحرم إلحاد فيه. (کھانے کی چیزوں کی حرم میں ذخیرہ اندوزی حرم میں الحاد ہے) کا بھی احترام بالائے طاق رکھ دیا۔

تیسرے مقالہ میں نجدیوں کے حجاز پر لشکرکشی کے خاص اسباب بیان کئے گئے ہیں، آپ چوتھے سبب کے تحت لکھتے ہیں کہ

شریف مکہ حسین نے سارے عالم اسلام اور یورپ کو نجدیوں کے خلاف بھڑکایا، یورپی ممالک کی رعایا کے حجاج کے نامعلوم ناموں سے جھوٹے تار بھجواتا، نیز موتمر الجزیرہ نامی ادارے کے نام سے (جسے مکہ مکرمہ میں عالم عربی میں فساد برپا کرنے کی غرض سے بنا رکھا تھا) تار بھیجتا جسے وہ خود لکھتا لکھاتا اور مختلف علاقوں میں بھیجتا تھا۔

چوتھے مقالے میں طاغوت حجاز کے بارے میں نجد کے سرکاری وثائق کا تذکرہ ہے، تیسرے وثیقہ میں سلطان عبدالعزیز کی ایک تقریر ہے جس میں وہابیوں کی خلاف شریف مکہ کی جانب سے رچی سازشوں کو بے نقاب کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے اس نے حجاج کرام کو کس کس طرح سے تکلیفیں پہنچائیں اور ان کے ساتھ بدسلوکی کا مظاہرہ کیا۔

پانچویں مقالہ میں آپ نے مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ ان کو علم اور عمل میں سے کن امور کو جاننا اور کن امور پر عمل کرنا چاہیئے۔ آپ نے جزیرۃ العرب کے بارے میں شرعی احکام وواجبات پر روشنی ڈالنے والی احادیث کا ذکر فرمایا ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے اسلامی تاریخ کے واقعات میں پوشیدہ حقائق اسرار و رموز اور اس میں عبرت وموعظت کی باتوں کا ذکر کیا ہے، اور اسلام اور مشرق کے بارے میں انگریزوں کی سیاست کا پول کھولا ہے، لکھتے ہیں:

انگریز مصنفین اور ان کے آلۂ کار مصریوں نے سلطان عبدالعزیز اور اہل نجد کی گمراہیوں اور جھوٹ کے ان دفاتر کی اشاعت اس واسطے کر رکھی ہے تاکہ حجاز پر وہابیوں کے قبضہ کو ہندوستان، مصر، فلسطین اور دمشق وغیرہ کے مسلمان ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں۔

آخری دونوں مقالوں میں علامہ موصوف نے نجدی (سعودی) اور برطانوی معاہدہ پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے معاندین کے الزامات وشبہات کے تار و پود بکھیرے ہیں، اس معاہدہ کے سبب سلطان عبدالعزیز کے خلاف منسوب کئے جانے والے اتہامات اور الزامات کی تردید فرمائی ہے۔

آخر میں سلطان عبدالعزیز اور شریف مکہ کی مختصر سوانح حیات تحریر فرمائی ہے تاکہ قارئین کو دونوں شخصیتوں کے بارے میں بصیرت رہے۔ اور ابن سعود کی تعریف اور ان کے دفاع کا راز بھی جان لیں، اور برطانوی گورنمنٹ کی اس مکردہ سازش سے آگاہ ہو جائیں جس کو اس نے شریف مکہ کے تعاون سے حرمین شریفین اور دوسرے مقدسات اسلامیہ کو پامال کرتے اور حجاز مقدس اور اس سے باہر کے مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کرنے کے لئے رچی تھی۔

چھٹے مقالے کا عنوان ہے "وہابیوں نے قبر نبوی اور قبہ حرم کے ساتھ کیا کیا؟"

اس عنوان کا مقصد یہ تھا کہ ان مقالات کی اشاعت کے بعد آپ کے پاس ایک سوال آیا تھا، اس کو پیش کر کے اس کا جواب دیں

...نے لکھا تھا کہ ،

استاذ محترم ! اگر وہابیوں نے مکہ اور مدینہ کو فتح کر لیا تو کیا یہ لوگ قبر نبوی (علیٰ صاحبہ الصلاۃ والسلام) کو ڈھا دیں گے ؟ یعنی قبر مبارک کے ارد گرد کی بنی عمارتیں اور گنبد خضرا کو وہ مسمار کر دیں گے ، کیونکہ وہ ان امور کو حرام سمجھتے ہیں ، اور ان کے اعتقاد میں یہ ایسی بدعات ہیں جس کا قلع قمع کرنا ضروری ہے ؟

علامہ رشید رضا نے عرض کیا کہ اس سوال کے جواب کی ضرورت اس واسطے نہیں ہے کہ مستقبل کی بات ہے۔ وہابیوں کا قبر نبوی اور اس کے قرب وجوار کی عمارتوں کے بارے میں کیا موقف ہوگا ، انسان مستقبل میں ان کے اقدام کے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں کر سکتا لیکن اس سوال سے ایک دینی مسئلہ پر روشنی ڈالنی اور اس کی شرعی حیثیت بیان کرنے کی ضرورت ہے ، یعنی جمہور مسلمان جنہوں نے اس مسئلہ میں کتب حدیث میں وارد صحیح حدیثوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے ، ان کے سامنے اس مسئلے میں احادیث نبویہ کے ساتھ دوسرے فوائد بھی پیش کر دیئے جائیں ،

پھر آپ نے مختلف شقوں میں اس سوال کا جواب تحریر فرمایا اور حجرۂ نبویہ کے باقی رکھنے اور ختم کر دینے کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کیا۔

پھر اس کے بعد کے مقالہ میں قبروں ، اور ان سے ملحق مساجد ، اور ان قبروں پر بنائے جانے والے قبوں ، بدعتوں کے رواج اور وہابیوں کی اصلاحات پر روشنی ڈالی ، اور مقابر پر مساجد تعمیر کرنے والوں پر وارد لعنت پر مشتمل احادیث ، اور عہد شافعی میں ائمہ کے پختہ قبروں کا منہدم کرنے کا تذکرہ کیا ، اور یہ بتایا کہ قبروں کی عبادت اصنام پرستی کی مانند ہے۔

مقالہ کے اختتام پر ایک سوال مع جواب تحریر فرمایا جس پر ہر مسلمان کو اس وقت غور کرنا چاہئے ، فرماتے ہیں :

- اگر آپ یہ کہیں کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے ، کافی سرمایہ خرچ کر کے اس پر عظیم قبہ بنایا گیا ہے ؟۔
- تو میں کہوں گا کہ حقیقت حال سے یہ بڑی ناواقفیت اور جہالت ہے ، اس قبہ کو نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ، نہ صحابہ کرام نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے ، نہ علمائے امت نے اور نہ امامان ملت نے ، بلکہ اس قبہ کی تعمیر ساتویں صدی ہجری کے ایک مصری بادشاہ سلطان قلاوون صالحی معروف بہ ملک منصور (متوفی ۶۷۸ھ) نے کرائی ہے ، یہ حکومتوں کے کارنامے ہیں ، کوئی برہان ودلیل کا مسئلہ نہیں ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ پہلے لوگوں کی اتباع وتقلید کریں۔

اس تبصرہ کو پڑھ کر معاً خیال آیا کہ خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبد العزیز نے مسجد نبوی کی توسیع کا اعلان کیا ، تو بمبئی کے اہل بدعت نے بڑا شور وغل مچایا ، اور اسی اندیشہ کا اظہار کیا جو مذکور سائل نے لکھا تھا ، یا سعودی حکومت کے خلاف بہتان

تراشی کرکے مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن الحمدللہ اب یہ مسئلہ لوگوں کے سامنے صحیح صورت میں آگیا ہے، اور لوگوں نے سعودی حکومت کے موقف کی صحت کو تسلیم کرلیا ہے، نیز قبروں، قبوں اور عمارتوں کے بنانے کے مسئلہ سے بھی آگاہ ہوگئے ہیں

ہندوستان کا بدعتی ٹولا ابھی محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے خلاف الزام تراشیوں کی مہم چلائے ہوئے ہے، مسلمانوں کے عقائد کی تطہیر و تصحیح اور انہیں صحیح اسلام کی دعوت دینے والی سعودی حکومت کے خلاف بھی مہم زوروں پر ہے، ملک میں شائع ہونے والے اخبارات و رسائل اور کتابوں سے اس مذموم اور ناروا کوشش کا اندازہ ہوتا ہے۔

سب سے تعجب انگیز بات جو سامنے آئی وہ یہ کہ یہ حضرات شیعوں اور رافضیوں سے ساز باز کرکے خمینی کے برپاکئے ہوئے فتنۂ حرم کے بعد چند مطالبات کے ساتھ سعودی عرب کی شاہی حکومت کو اسلامی جمہوریہ کا نام دینا چاہتے ہیں، شاید نام کی اس تبدیلی کے مطالبہ کا راز یہ ہو کہ مملکت سعودی عرب کے نام سے دنیا بھر میں اہل بدعات وخرافات کی ناکامیابیوں اور نامرادیوں کی داستان پھیلی ہوئی ہے، اور اللہ کی توفیق وتائید پھر سعودی عرب کی صحیح عقیدہ کی اشاعت اور جاہل مسلمانوں میں پھیلے ہوئے شرک وبدعات کے استیصال کی جدوجہد اپنا رنگ لا رہی ہے، بے چارے یہ جاہل لوگ علماء سوء کا شکار ہوکر رہ گئے ہیں، جو دین کے نام پر تجارت چمکا کر لوگوں کو اسلام سے دور، اور فواحش ومنکرات اور بدعات وشرکیات میں ملوث کئے ہوئے ہیں، اور اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔

مسلمانوں کی نصرت وتائید اور اہل حق کی حفاظت کا وعدہ اللہ رب العزت کا ہے، اس لئے محمد بن عبدالوہاب کی دعوت برابر پھیلتی جارہی ہے، عقل سلیم اور فطرتِ مستقیم والے لوگ ساری دنیا سے اس دعوت پر لبیک کہہ رہے ہیں، علامہ محمد حامد الفقی اپنی کتاب "اثر الدعوۃ الوہابیۃ" میں اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :

محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کی یہ قوت اور اس کی یہ وسعت وپھیلاؤ کی وجہ اس دعوت کا حسن اور اس کی صفائی وستھرائی ہے، جس کے لئے نئے دلائل وبراہین کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، یہ دعوت قرآن اور احادیث نبویہ صحیحہ پر اعتماد کرتی ہے، قرآن ہمارے پاس بالکل محفوظ صورت میں بحمداللہ موجود ہے، اس میں سے کوئی حصہ ضائع نہیں ہوا ہے، لیکن اس کے سمجھنے والے دل ودماغ ہی اس سے دور ہیں، جب ان کو اس کی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا جائے گا اور نور قرآنی کو سامنے کردیا جائے گا تو ہدایت ورحمت سے اقتباس کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔

اس لئے اس دعوت کی مخالفت کرنے والوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی مخالفت کر رہے ہیں چاہے شیطان نے ان کے اس اقدام کو جتنا مزین کرکے پیش کیا ہو۔

اور یہ بھی جان لینا چاہئے کہ اس ناپاک منصوبہ اور ناپسندیدہ کوشش میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے، اس کی مخالفت ودشمنی

شیطانی عمل ہے، اور اللہ کے راستے سے روکنا، اور نعمت ہدایت کا کفران ہے، اس کی مخالفت کا جس نے بھی ارادہ کیا وہ نجات نہ پائے گا، اِلا یہ کہ توبہ کرے اور اخلاص نیت اور سلامتی طبع کے ساتھ اللہ کی طرف لوٹ آئے۔

محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور اس کے مؤیدین اور مخالفین پر گفتگو کرتے ہوئے ذیل میں ایک بالکل ہی غیر جانبدار شخص کی رائے ثبت کرنا بہتر سمجھتا ہوں، جس کے بارے میں اندازہ ہے کہ وہ وہابی دعوت کے مخالفین ہی میں ہے، یہ شخص محتاج تعارف نہیں، ادبار، نقاد اور انشا پردازوں نے ادب وبیان میں اس کی استاذانہ مہارت کا کامل اعتراف کیا ہے، حتی کہ اسے "عمید الادب العربی" کا خطاب بھی دے ڈالا ہے، میری مراد مشہور مصری ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین سے ہے، جاہلی شاعری کے بارے میں جن کے خیالات کا لوگوں کو علم ہے، اور ان کی تنقید پر کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں، اور طلبا وعلماء کے یہاں متداول ومشہور ہیں، اس آزاد خیال ادیب نے محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"جزیرۃ العرب کی عقلی اور ادبی زندگی پر قلم اٹھانیوالا آدمی بارہویں صدی ہجری میں وہاں اٹھنے والی قوی تحریک کو نظر انداز نہیں کرسکتا جس کی طرف مشرق ومغرب کی نگاہیں متوجہ ہوگئیں، اور اس کو اہمیت دینے پر مجبور ہوئیں، جدید دنیا میں اس تحریک نے جزیرۃ العرب پر بڑے اہم اثرات چھوڑے۔ یہ تحریک کچھ کمزور پڑ گئی تھی لیکن عہد حاضر میں اس نے دوبارہ زور پکڑ لیا ہے اور جزیرۃ العرب سے باہر پوری اقوام پر بھی اثر انداز ہوئی۔

یہ وہابیوں کی تحریک ہے جس کو نجد کے شیخ محمد بن عبدالوہاب نے برپا کیا تھا، یہ نیا مذہب معنوی طور پر قدیم اور پرانا ہے۔ معاصرین کی نسبت سے تو یہ یقیناً نیا ہے، لیکن حقیقت میں یہ قدیم ہے، اس لئے کہ شرک وثنیت کے شائبہ سے پاک دین خالص کی یہ ایک قوی دعوت ہے۔

یہ اسلام کی وہ خالص دعوت ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، اللہ اور بندوں کے درمیان ہر واسطہ کو ختم کرنے والی دعوت۔

یہ عربی اسلام کے احیاء اور جہالت اور عجم کے اختلاط کے اثرات کی تطہیر کی دعوت ہے۔

(طٰہٰ حسین کو اگر ہندوستان کے اہل بدعت کا حال معلوم ہوتا تو یہاں پر یہ کہتے کہ ان بریلیوں کے اختلاط کے اثرات ونتائج کے تطہیر کی دعوت ہے، جو اپنے کو اہل سنت والجماعۃ کا نام دیتے ہیں۔)

اگر اس تحریک کے خلاف ترکی مصری اس کے اپنے علاقہ میں جنگ نہ کرتے (جس کا اہل بادیہ کو کوئی سابقہ نہ تھا) تو اس تحریک سے بڑی قوی امید تھی کہ ۱۲ویں اور ۱۳ویں صدی ہجری میں عرب اتحاد اسی طرح قائم ہوجاتا جس طرح قرن اول میں

ظہور اسلام کے وقت عرب متحد ہو گئے تھے۔

مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے، اور زیر نظر موضوع کے بہت سے گوشے تشنۂ تحقیق و تعلیق ہیں، اس لئے کہ اس موضوع پر قیل وقال اور بہتان والزام تراشیوں کا سلسلہ دراز ہے۔

اب آخر میں ہم اس موضوع پر اصل کتاب جس کے مقدمہ کے طور پر یہ سطریں تحریر کی گئی ہیں۔ اسکے مطالعے کی سفارش کریں گے، جسے جامعہ سلفیہ نے ڈاکٹر عبد الرحمن الفریوائی کی تحقیق و تصحیح کے ساتھ شائع کیا ہے۔

(ترجمہ، ابو عمیرہ سلفی)

تحریر: شیخ محمد بن عبداللہ السبیل — ترجمہ: ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالجبار الفریوائی

جہاد میں غیر مسلموں سے تعاون

کتاب وسنت کی روشنی میں

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے یہ ثابت ہے کہ زندگی کے سارے شعبوں میں مسلمانوں کو غیر مسلموں سے مستغنی او خود کفیل ہونا چاہئے، کتاب وسنت مسلمانوں کو زندگی کے مختلف میدانوں میں حرکت وعمل اور جد وجہد پر آمادہ کرتے ہیں، اور تم ترقی کی قوتوں کی تسخیر پر ابھارتے ہیں، تاکہ مسلمان دوسرے سے ممیز اور مستقل بالذات ہوں، اور ان کو ایک مخصوص ماحول ہو، یہ چیز عزت وشوکت اور طاقت وقوت کے مختلف مظاہر میں سے ایک مظہر ہے، شارع حکیم نے اہل اسلام کو اللہ کے نزدیک سب سے باعزت، باوقار اور محترم قوم قرار دیا ہے، عزت واقتدار اور شرافت واحترام کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ ہم اغیار سے مستغنی ہوں باایں ہمہ شریعت اسلامیہ نے بوقت ضرورت اغیار سے مدد وتعاون کی اجازت دی ہے، جب تک کہ اس تعاون سے مسلمانوں کے دینی ودنیاوی امور متاثر نہ ہوں۔

احادیث نبویہ اور خلفاء راشدین وغیرہم کے تعامل سے پتہ چلتا ہے کہ اغیار سے مختلف امور میں تعاون لینا جائز ہے کیونکہ یہ دلائل ہمیں بتاتے ہیں کہ اغیار (غیر مسلموں) سے مختلف دفتری، تنظیمی اور صنعتی وجنگی امور میں تعاون حاصل کیا گیا:

احادیث نبویہ سے استعانت بالمشرکین والکفار کا ثبوت

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت ہجرت مکہ سے مدینہ تک رہنمائی کے لئے عبداللہ بن اریقط نامی مشرک سے تعاون حاصل کیا۔ (صحیح بخاری)۔

۲۔ نیز مدینہ منورہ میں ایک یہودی غلام آپ کی خدمت کرتا تھا (صحیح بخاری)۔

۳۔ مدینہ منورہ پہنچ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین معاہدہ صلح تحریر فرمایا، جس میں یہ الفاظ ہیں کہ یثرب یعنی مدینہ منورہ پر حملہ کی صورت میں باہم مل کر حملہ آوروں کے خلاف اقدام کیا جائے گا۔

۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر نادار اسیران جنگ کو دس مسلمان بچوں کو فن کتابت سکھانے کے بدلے میں آزاد کیا۔

۵۔ اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا تو ذوالحلیفہ کے پاس پہونچ کر بنی خزاعہ کے ایک جاسوس کو قریش کی خبر معلوم کرنے کے لئے بھیجا، یہ آدمی مشرک تھا۔

۶۔ نیز آپ نے غزوۂ حنین میں صفوان بن امیہ سے بہت سی زرہیں عاریۃً لیں، خود صفوان آپ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا حالانکہ وہ اس وقت مشرک تھا۔

۷۔ آپ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر بنی قینقاع کے یہودیوں سے تعاون لیا اور ان کو مال غنیمت میں حصے دیئے۔

۸۔ نیز مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں شام، عراق اور یمن وغیرہ کے کافروں اور مشرکوں سے اسلحہ، لباس اور کھانے پینے کی چیزیں برآمد کرتے اور اس کو استعمال کرتے تھے۔

صحابۂ کرامؓ بالخصوص خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعامل

اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے تعامل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی غیر مسلموں سے تعاون حاصل کیا ہے۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ "اللہ تعالیٰ نہر فرات کے کنارے اس دین (اسلام) کی حفاظت ربیعہ کے نصاریٰ کے ذریعہ کرائے گا" تو میں کسی اعرابی کو بغیر قتل کئے نہ چھوڑتا، اِلّا یہ کہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے۔

اس حدیث کی روایت حافظ بزار نے اپنی مسند میں کی ہے، حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۳۰۲/۵) میں کہا کہ: "رجالہ رجال الصحیح خلا عبداللہ بن عمر القرشی وھو ثقۃ" اس سند کے رجال میں عبداللہ بن عمر قرشی کے علاوہ دوسرے رواۃ صحیح بخاری کے رواۃ ہیں، اور قرشی بھی ثقہ ہیں۔

۲۔ خلفائے راشدین نے غیر مسلموں سے تعاون حاصل کیا تھا، اور انہیں بعض سرکاری مناصب بھی سونپا تھا۔

۳۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں متعدد گورنروں نے غیر مسلموں سے کام لیا۔

۴۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا کاتب (سکریٹری) نصرانی تھا۔

۵۔ حضرت معاویہ بن أبی سفیان رضی اللہ عنہ کا پرائیویٹ سکریٹری (کاتب) بھی نصرانی تھا۔

۶۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام ابولؤلؤۃ مجوسی مدینہ منورہ میں اسلحہ سازی کا کام کرتا تھا۔

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیوان (وزارت مالیات) کی تشکیل فرمائی تو خراج اور بیت المال کے اخراجات کے حساب کتاب کے لئے مسلمانوں میں اس کام سے واقفیت رکھنے والوں کی کمی کے باعث اہل کتاب کے لوگوں کو متعین فرمایا۔

تعاون وتعامل کا سلسلہ خلافت راشدہ سے ابتدائی اموی دور حکومت تک چلتا رہا، پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ اس شعبہ میں مسلمان خود کفیل ہو گئے تو اہل کتاب کے تعاون سے مستغنی ہو گئے یا تعاون واستفادہ کا دائرہ تنگ ہو گیا۔

علامہ ابن خلدون (صفحہ ۲۴۴ میں) فرماتے ہیں کہ:

عہد اسلامی میں دیوان الخراج والجبایات (وزارت مالیات) اپنی سابقہ پوزیشن پر برقرار رہا، یعنی عراق کا دیوان فارسی زبان میں، شام کا دیوان رومی زبان میں اور ان دونوں دفاتر کے کاتبین (سکریٹری) روم وفارس کے ذمی اور معاہد تھے۔

عبدالملک بن مروان کے عہد میں جب عرب اور ان کے موالی حساب وکتاب کے ماہر ہو گئے تو عبدالملک نے شام کے دیوان کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا حکم دے دیا۔

علامہ ابن خلدون نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

ٹیکس کی وصولی اخراجات ومصارف اور حساب کتاب کا حال غیر منظم تھا اس لئے کہ مسلمان عرب اور امی تھے جو حساب کتاب کو اچھی طرح نہیں جانتے تھے، اس لئے وہ اس مسئلہ میں اہل کتاب یا عجم کے والی کے ماہرین سے کام لیتے تھے (ص ۲۲۷)۔

جنگوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن خلدون فرماتے ہیں کہ اہل مغرب جنگی مہارت کے پیش نظر اپنی فوج میں انگریزوں کی ایک تعداد کی بھرتی کرتے تھے، باوجودیکہ اس میں اہل کفر سے تعاون حاصل کرنے کی بات تھی۔

فقہائے اسلام نے غیر مسلموں کو بعض مناسب عہدوں اور ملازمتوں کو سونپنے کو جائز کہا ہے۔ جیسے جزیہ اور خراج کی وصولی وغیرہ (ملاحظہ ہو۔ الأحکام السلطانیہ للماوردی ص ۱۲۶، الأحکام السلطانیہ للقاضی أبی یعلی ص ۲۴)۔

علامہ محمد عبدہ مفتی مصر فرماتے ہیں۔

مختلف علوم و فنون کے غیر مسلم ماہرین سے ان کے شعبۂ اختصاص میں اموی اور عباسی خلفاء کا ان سے استفادہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کا تاریخ سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والا بچہ بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ خلفاء اس گروہ سے ائمہ، علماء، فقہاء اور محدثین وغیرہم کی موجودگی میں بغیر کسی تردد و انکار کے تعاون لیتے تھے، کتاب و سنت کے دلائل اور سلف صالحین کے تعامل سے یہ ثابت ہے کہ:

مسلمانوں کی منفعت اور فلاح و بہبود والے امور میں غیر مسلموں سے اور غیر صالح لوگوں سے استفادہ جائز ہے، ہم نے اوپر جو عرض کیا اس میں واضح اور صریح دلیل اس امر پر ہے کہ بوقت ضرورت و احتیاج مسلمانوں کی مصلحت اور منفعت کے لئے غیر مسلموں سے استعانت جائز ہے۔

اوپر جو کچھ عرض ہوا یہ تو غیر مسلموں سے عام امور و معاملات میں استعانت کا حکم ہے۔ ہمارے یہاں حل طلب مسئلہ خصوصی طور پر جہاد کے کاموں میں ان سے تعاون حاصل کرنے کے جواز و عدم جواز کا ہے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ ائمہ مجتہدین اور علماء محدثین اور مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی) وغیرہ کے فقہاء کے کلام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے واضح طور پر یہ بات کہی ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کے ساتھ از خود قتال کے لئے نکلیں تو امام المسلمین پر ان لوگوں کے ضرر سے مامون و محفوظ ہونے کی صورت میں انہیں مسلمانوں کے ساتھ جانے سے روکنا واجب نہیں ہے۔

انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا ہے بلکہ واضح طور پر یہ بھی بتایا ہے کہ اگر امام کی اجازت کے ساتھ وہ شریک جہاد ہوتے اور قتال کرتے ہیں تو مسلمان اہل قتال کی طرح ان کا مخصوص و معلوم حصہ مال غنیمت میں نہ ہوگا، لیکن ان کے لئے ایک معقول معاوضہ یا عطیہ ہوگا، بعض اہل علم نے تو مقاتلین اہل اسلام کی طرح ان کے لئے باقاعدہ حصہ (سہم) کی بات بھی کہی ہے۔

امام نووی اپنی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں کہ:

اگر کافر اجازت کے ساتھ شریک جنگ ہوتا ہے تو اس کو عطیہ دیا جائے گا، سہم یعنی حصہ نہیں دیا جائے گا۔ امام مالک، امام شافعی امام ابوحنیفہ اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ امام زہری اور امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اس کو باقاعدہ حصہ (سہم) دیا جائے گا۔ واللہ اعلم،

(۱۹۹/۱۲)۔

امام ابن قدامہ اس مسئلہ پر فرماتے ہیں کہ کافر اگر ہمارے ساتھ غزوہ میں شریک ہے تو اس کو حصہ دیا جائے گا، امام احمد بن حنبل کی رائے امام کی اجازت کے ساتھ شریک غزوہ ہونے والے کافر کے بارے میں مختلف ہے۔

امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ: اس کو مسلمان کی طرح باقاعدہ شریک و سہیم بنایا جائے گا، یہی رائے امام اوزاعی امام زہری

امام ثوری اور امام اسحٰق کی ہے۔

امام جوزجانی فرماتے ہیں کہ: اہل ثغور (سرحدی علماء) اور اہل علم بالطوائف والبعوث۔ (فوجی اور عسکری امور کے ماہرین) کا یہی مذہب ہے۔

امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو شریک وسہیم نہیں بنایا جائے گا، اور یہی امام مالک امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، اس لئے کہ وہ اہل جہاد میں سے نہیں ہے، اس لئے غلام کی طرح اس کا حصہ بھی نہیں ہوگا، اس لئے غلام کی طرح اس کو عطیہ سے نوازا جائے گا (۸ / ۴۱۴)۔

فقہ حنفی کی کتاب الہدایۃ میں ہے: اگر ذمی نے قتال کیا یا راستہ بتانے میں رہنمائی کی اور قتال نہیں کیا تو اس کو عطیہ دیا جائے گا، اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ (۲ / ۱۴۸)

امام زرقانی مالکی فقہ کی کتاب مختصر خلیل کی شرح میں رقمطراز ہیں۔

صف بندی اور پیش قدمی کے وقت مشرک سے استعانت ہمارے لئے حرام ہے، لیکن اگر وہ خود بخود نکل آئے تو اسے منع نہیں کیا جائے گا۔

ان اقوال وفتاویٰ کی روشنی میں فقہاء ومذاہب اربعہ وغیرہم کے نزدیک کفار کے ضرر سے محفوظ ہونے کی صورت میں ان کی خود بخود شرکت جہاد کی صورت میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ قتال کے جواز کی بات معلوم ہوگئی۔

مسلمانوں کا غیر مسلموں سے قتال میں تعاون حاصل کرنے کا شرعی حکم

اہل علم کی ایک جماعت کے یہاں یہ ناجائز ہے کہ مسلمان غیر مسلموں سے اپنے ساتھ قتال کا مطالبہ کریں اور ان سے تعاون حاصل کریں، دلیل میں صحیح مسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کو جو آپ کے ساتھ شریک جہاد ہونا چاہتا تھا، فرمایا کہ تم لوٹ جاؤ، میں کسی مشرک سے ہرگز تعاون نہیں حاصل کروں گا "لن أستعين بمشرك"۔

مغنی ابن قدامہ میں ہے کہ: یہ قول ابن المنذر جوزجانی اور اہل علم کی ایک جماعت کا ہے۔ (۸ / ۴۱۴)

مؤلف سبل السلام اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مشرکین سے قتال میں تعاون کو ناجائز کہنے والوں کی منجملہ ادلہ میں سے یہ حدیث ایک دلیل ہے، اہل علم کے ایک گروہ کا یہ قول ہے۔

نیل الأوطار میں امام شوکانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں : علماء کی ایک جماعت مشرکین سے تعاون کو ناجائز کہتی ہے
ــ لیکن جمہور علماء اسلام یعنی ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے مذاہب اربعہ ، ہادویہ ، اباضیہ وغیرہ بشرط ضرورت وحاجت مشرکین سے استعانت کے جواز کے قائل ہیں ، بعض لوگوں نے اس کو ضرورت سے مقید کر دیا ہے اور اس کے علاوہ صورت میں اس کی کراہت یا تحریم کے قائل ہیں ۔ (۸ / ۴۴) ـ

آئندہ سطور میں ہم ضرورت کے وقت کفار سے استعانت کے جواز پر علمائے اسلام کے اقوال و مذاہب نقل کر رہے ہیں جس میں مخالفین کی آراء کا رد وابطال اور جواب بھی ہوگا ۔

سب سے پہلے محدثین کرام کے اقوال وآراء کا ذکر ہوگا ، اس کے بعد مذاہب اربعہ وغیرہ کے فقہاء وائمہ کے مذاہب بیان ہونگے اس کے بعد اس موضوع پر اہل علم کے فتاوی منقول ہوں گے ، پھر ضرورت کے وقت کفار سے استعانت کے جواز پر دلائل وبراہین ثبت کئے جائیں گے ۔

(۱) زیر بحث مسئلہ میں محدثین کرام ؒ کے اقوال کا تذکرہ

حدیث " لن أستعين بمشرك " کی شرح میں امام نووی رقمطراز ہیں ۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے ان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے تعاون حاصل کیا ، بعض علماء نے پہلی حدیث کو علی الاطلاق قبول کر لیا ہے ، امام شافعی اور دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ اگر کافر مسلمانوں کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہو اور اس سے تعاون لینے کی ضرورت پیش آجائے تو تعاون لیا جائے گا ، ورنہ اس سے تعاون لینا مکروہ ہوگا ۔ انہوں نے (یعنی شافعی نے) دونوں حدیثوں کو انہیں دونوں صورتوں پر محمول کیا ہے ۔ (۱۲ / ۱۹۸)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں حدیث " إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر " کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مہلب وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ قول حدیث " لا أستعين بمشرك " کی معارض نہیں ہے ۔ اس لئے کہ یہ یا تو اس وقت کے لئے خاص تھا یا اس سے مراد غیر مشرک فاجر ہے ، امام شافعی نے اس کے جواب میں پہلی حدیث پیش کی ہے ، اور نسخ کی دلیل حالت شرک میں صفوان بن امیہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں شرکت ہے ۔

امام عینی نے عمدۃ القاری میں حافظ ابن حجر کی بات لکھ کر اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے ہوازن میں تعاون حاصل کیا تھا ، نیز اس سے تو زرہ مستعار لی تھیں ۔ (شرح صحیح البخاری ۱۴ / ۳۰۸)

امام زیلعی نصب الرایہ میں حازمی کی الناسخ والمنسوخ سے نقل کرتے ہیں کہ اہل علم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، ایک جماعت تعاون کو ممنوع قرار دیتی ہے: اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ امام کو یہ حق ہے کہ وہ مشرکین کو اپنے ساتھ غزوہ میں شرکت کی اجازت دے، اور ان سے تعاون حاصل کرے، بشرطیکہ مسلمانوں کی تعداد میں کمی ہو اور مسلمان ان کے تعاون کے محتاج ہوں۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات میں یہ لوگ قابل اعتماد ہوں۔ پھر شافعی سے یہ قول نقل کیا کہ: امام مالک نے جو یہ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مشرکوں کو واپس لوٹادیا، اور کسی مشرک سے استعانت کا انکار کر دیا، یہ غزوہ بدر کا واقعہ ہے، پھر آپ نے بدر کے چند سال کے بعد غزوۂ خیبر میں بنو قینقاع کے یہود سے تعاون حاصل کیا، نیز ۸ھ میں غزوۂ حنین میں صفوان بن امیہ سے بحالت شرک تعاون لیا۔

پس امام مالک کی حدیث میں مشرکین کی جس واپسی کا تذکرہ ہے، وہ اگر اس لئے تھی کہ ان سے استعانت اور عدم استعانت میں آپ کو اختیار تھا جیسے کسی خوف یا اندیشہ کی وجہ سے آپ کسی مسلمان کو واپس کر سکتے تھے، تو ایک حدیث دوسری حدیث کے مخالف نہیں ہے، اور اس کو واپس کرنے کی وجہ اس کا مشرک ہونا تھا تو بعد کے مشرکین سے تعاون کے واقعات سے یہ منسوخ ہوگیا۔ (۴۲۴/۳)۔

علامہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں کہ: بحر میں عشرہ (اہل بیت) اور أبو حنیفہ واصحاب أبی حنیفہ سے منقول ہے کہ کفار و فساق سے استعانت جائز ہے، اور دلیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہودیوں سے استعانت کو پیش کیا ہے۔ کما تقدم، ایسے آپ کا صفوان بن امیہ سے غزوۂ حنین میں تعاون حاصل کرنا، نیز آپ کی پیشین گوئی کہ عنقریب مسلمانوں اور رومیوں کے مابین مصالحت ہوگی، اور وہ مشترکہ طور پر مسلمانوں کے دشمن سے جنگ کریں گے۔

بحر میں ہے کہ: منافق سے بالاجماع استعانت جائز ہے، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن أبی اور اس کے ساتھیوں سے استعانت فرمائی تھی۔ (۴۴/۸)

اعلاء السنن (۵۲/۱۲) میں ہے:

شرح السیر (۱۸۶/۴) میں ہے کہ اہل شرک سے اہل شرک کے خلاف استعانت میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں، اور یہ اس وقت جب کہ اسلام کا حکم ان پر واضح ہو، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے خلاف بنو قینقاع کے یہودیوں سے مدد حاصل کی تھی، اور صفوان بن امیہ آپ کے ساتھ حالت شرک میں نکلے، اور حنین وطائف کے غزوات میں شرکت کی، اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ ان (مشرکوں) سے استعانت میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اس کی مثال ایسی ہے

جیسے کتوں سے مشرکین کے خلاف مدد لی جائے۔

۲۔ بوقتِ ضرورت کفار سے قتال میں تعاون کے جواز پر فقہاء اسلام کے اقوال

۱۔ حنفی مذہب :

بدائع الصنائع میں ہے کہ : مسلمانوں کے لئے یہ بات نامناسب ہے کہ وہ کفار کے خلاف جنگ میں کفار سے تعاون حاصل کریں، کیونکہ ان کی غداری اور بے وفائی کا خطرہ موجود ہے، کیونکہ مذہبی دشمنی اور عداوت انہیں اس بات پر آمادہ کریگی بصورت اضطرار و مجبوری ان سے استعانت جائز ہے۔ (۱۰۱/۷)

کمال الدین ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ : کیا کافر سے مدد طلب کی جائے گی ؟ ہمارے نزدیک ضرورت کے وقت یہ جائز ہے، اور یہی امام شافعی اور ابن المنذر کا قول ہے۔ (۵۰۲/۵)

۲۔ مالکی مذہب :

التاج والاکلیل علی مختصر خلیل میں ہے۔ ابن القاسم نے فرمایا کہ قتال میں مشرکین سے تعاون نہیں لیا جائے گا، اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : لن أستعين بمشرک : لیکن ان کو خدم و حشم کے طور پر استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ہمارے بعض علماء کا قول ہے کہ ممانعت ایک خاص وقت میں تھی۔

امام شافعی، ثوری، ابوحنیفہ و أصحابہ، اوزاعی کا قول ہے کہ اہل شرک سے استعانت میں کوئی حرج نہیں۔

ابن حبیب نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ امام حربی کفار میں سے جن سے مصالحت کرلی ہے (ان کو جن سے مصالحت نہیں کی ہے) کے خلاف استعمال کرے۔

ابوالفرج امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ امام المسلمین کا بوقت ضرورت مشرکین سے قتال کے لئے مشرکین سے مدد طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۳۵۲/۳)

زرقانی شرح خلیل میں رقمطراز ہیں :

ہمارے لئے یہ حرام ہے کہ ہم صف بندی، پیش قدمی وغیرہ میں مشرکین سے تعاون طلب کریں، لیکن اگر کوئی قابل اعتماد مشرک

اپنی مرضی سے شریک جہاد ہو تو یہ ممنوع نہ ہوگا، اصبغ کا اس کے خلاف فتویٰ ہے۔

قابل اعتماد ہونے کی شرط پر مشرک سے تعاون لینے کی دلیل صفوان بن امیہ کا قبول اسلام سے پہلے غزوۂ حنین و طائف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ ہے۔ لیکن اگر مشرک سے مختلف خدمات مطلوب ہوں تو ان سے استعانت بالاتفاق جائز اور حرام نہیں، جیسے خندق کھودنا، کوئی عمارت ڈھانا، منجنیق چلانا، یا منجنیق سازی وغیرہ۔ (۱۱۴/۳)

۳۔ مذہب شافعی:

امام نووی روضۃ الطالبین میں فرماتے ہیں: اہل ذمہ اور مشرکین سے غزوات میں استعانت جائز ہے، بس شرط یہ ہے کہ امام ان کی مسلمانوں کے بارے میں نیک نیتی سے آگاہ، اور ان کی خیانت سے مامون ہو۔ (۲۳۹/۱۰)

فتح الوہاب شرح منہج الطلاب میں ہے: صرف امام کے لئے روا ہے کہ وہ کفار کو کرایہ پر لے، اور بوقت ضرورت کفار کے خلاف ان سے مدد طلب کرے بشرطیکہ ہم ان کے بارے میں یہ اعتماد رکھتے ہوں کہ وہ دشمن کے اعتقاد کی مخالفت کریں گے اور ہمارے بارے میں وہ اچھی رائے رکھتے ہوں، ان لوگوں کو مصالح کے پیش نظر لشکر اسلام کے پاس ایک جگہ رکھا جائے گا، یا لشکر اسلام میں انہیں منتشر کر دیا جائے۔ (۱۷۲/۲)

۴۔ حنبلی مذہب:

امام ابن قدامہ فرماتے ہیں: امام احمد کے اقوال سے ظاہر ہے کہ وہ مشرک سے استعانت کو جائز قرار دیتے ہیں، خرقی کا کلام بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور یہ ضرورت کے وقت ہوگا۔ (۴۱۴/۸)

حجاوی کتاب الاقناع میں فرماتے ہیں کہ: کفار سے استعانت حرام ہے، ہاں اگر ضرورت کا تقاضا ہو تو جائز ہے (۱۵/۲) اور یہی بات المنتہی میں بھی موجود ہے۔ (۳۱۰/۱)

۵۔ ھادویہ کا مذہب:

شرح الأزہار میں ہے: امام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مسلمانوں کے باغی گروہ کے خلاف جہاد میں کفار و فساق سے استعانت کرے۔ ہمارے اصحاب کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے کہ امام مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کفار و فساق سے تعاون حاصل کرے۔ (۵۳۲/۴)

۶۔ اباضیہ کا مذہب:

مصنف میں یہ مسئلہ ہے: مسلمانوں کے لئے اس میں کوئی حرج و مضائقہ نہیں کہ ان کی دعوت پر جن مشرکین نے لبیک کہا ہے

ان سے اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ میں مدد لیں، چاہے وہ حربی ہو یا معاہد، بشرطیکہ وہ طاقت ور ہوں، عہد کا پاس رکھتے ہوں، اور احکام کے پابند ہوں۔ (۱۱/ ۷۹)

۷۔ بعض اہل علم کے اقوال:

امام ابن حزم اپنی کتاب المحلی میں اپنی سند سے جابر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے شعبی سے سوال کیا کہ مسلمان اہل کتاب کے ساتھ مل کر غزوہ کرتے ہیں؟ شعبی نے کہا کہ میں نے ائمۂ کرام کا زمانہ پایا جن میں فقیہ اور غیر فقیہ سبھی تھے جو ذمیوں کے ساتھ غزوہ کرتے تھے، اور ان میں مال غنیمت تقسیم کرتے تھے، اور ان کا جزیہ معاف کر دیا کرتے تھے۔

اس مذہب کے قائلین کے لئے یہ ایک بہترین قول ہے، امام شعبی حضرت علی کے عہد میں پیدا ہوئے، اور ان کے بعد کے صحابہ کا زمانہ پایا۔ (۷/ ۳۳۴)

امام ابن قیم زاد المعاد (۲/ ۳۰۱) میں غزوۂ حدیبیہ سے فقہی فوائد و نکات بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اس واقعہ سے بوقت ضرورت جہاد میں قابل اعتماد (مامون) مشرک سے استعانت کا جواز نکلتا ہے، اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خزاعی جاسوس اس وقت مشرک تھا۔

مصنف نے یہاں پر اس قصہ کا ذکر کیا ہے جو اس سے پہلے وہ خود اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۸ پر نقل فرما چکے ہیں، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ سے بنی خزاعہ کے ایک مشرک آدمی کو اپنا جاسوس بنا کر بھیجا تاکہ وہ قریش کے بارے میں معلومات لے کر آئے، اس طرح کے آدمی کے استعمال میں یہ مصلحت بھی پوشیدہ ہے کہ وہ دشمن سے زیادہ آسانی کے ساتھ مل جل سکتا ہے، اور ان کے بارے میں معلومات بھی حاصل کر سکتا ہے۔

علامہ صدیق حسن خاں الروضۃ الندیۃ فی شرح الدرر البھیۃ میں فرماتے ہیں کہ جہاد میں مشرکین سے تعاون نہیں لیا جائے [illegible]

[illegible] کے دلائل کا ذکر فرمایا اور دونوں میں تطبیق یوں دی کہ ان احادیث کے [illegible] استعانت صرف ضرورتاً جائز ہوگی، اگر ضرورت نہ ہو تو یہ ناجائز ہے۔ (۲/ ۴۸۲)

[illegible] لکھتے ہیں کہ اتباع مذاہب اربعہ کی اکثریت نے کافر سے کافر کے خلاف استعانت کو اس صورت میں جائز کہا ہے کہ یہ کافر مسلمانوں کے بارے میں اچھے خیالات رکھتا ہو۔ (۶/ ۴۲۴)

۳۔ بوقت ضرورت قتال میں کفار سے استعانت کے جواز سے متعلق بعض فتاوے

مصر کے دارالافتاء سے متعلق مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے ازہری علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے، اور اس کی تائید مفتی مصر شیخ محمد عبدہ نے بھی کی ہے کہ بوقت حاجت ضرورت غیر مسلموں سے استعانت جائز ہے، یہ فتویٰ ۹ رمحرم الحرام ۱۳۲۲ھ کو جاری کیا گیا جو بہت طویل و عریض ہے، اس کی ایک عبارت میں یہ کہا گیا ہے کہ ملت اسلامیہ کی نصرت و تائید کے لئے کفار و اہل بدعت اور ارباب ہوا سے استعانت کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ان اللہ لیؤید ھٰذا الدین بالرجل الفاجر، میں اس امر کی طرف رہنمائی موجود ہے۔

اس فتویٰ میں یہ بھی مرقوم ہے کہ بوقت ضرورت وحاجت (جیسے مسلمانوں کے ضعف و درماندگی میں) مسلمانوں کے لئے کفار سے جہاد میں استعانت جائز ہے، چاہے دشمن مسلمان باغی ہی کیوں نہ ہو۔ (الفتاوی الاسلامیہ ۴/۱۴۲۵)۔ اسی طرح کا ایک فتویٰ الشیخ حسن مامون مفتی مصر کا ہے جو ۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ میں جاری ہوا۔ (ملاحظہ ہو الفتاوی الاسلامیہ ۷/۲۴۴۰)۔

علامہ محمد رشید رضا مصری اپنے فتاویٰ میں جنگ میں غیر مسلموں سے استعانت کے بارے میں ایک استفسار پر زیر بحث مسئلہ میں علماء کے اختلافات اور طرفین کے دلائل کے تذکرے کے بعد لکھتے ہیں کہ: مختلف روایتوں کے مابین جمع و تطبیق کے بارے میں حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر میں فرماتے ہیں کہ: اس موضوع میں سب سے مناسب بات جو کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے یہ استعانت ممنوع تھی۔ پھر اس میں اجازت دیدی گئی، امام شافعی نے یہی بات فرمائی ہے۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ ہم نے استعانت سے متعلق جتنے واقعات نقل کئے ہیں وہ سب غزوۂ بدر کے بعد کے ہیں جس کے موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "لن استعین بمشرک"۔

اس طرح کے مسائل میں قابل اعتماد بات یہ ہے کہ جیسی صورت حال ہو ویسے عمل کیا جائے، اور اختلاف احوال کی وجہ سے صورت مختلف بھی ہوتی رہتی ہے۔ (۳/۱۴۸۱)۔

اس وقت سعودی عرب کے ادارہ ھیئۃ کبار العلماء (بڑے علماء کے بورڈ) نے اور دوسرے علماء نجد و حجاز، ومصر وغیرہم نے جو فتاوے صادر فرمائے ہیں، سبھوں نے بوقت ضرورت کفار استعانت کو جائز قرار دیا ہے۔

بوقت ضرورت کفار سے قتال میں استعانت پر جواز کے دلائل۔

الی میں بوقت ضرورت کفار سے استعانت کے جواز کے قائل علماء جمہور نے مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے ۔

۱۔ ذومخبر روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا :

ستصالحون الروم صلحا أمنا وتغزون انتم وھم عدوا من ورائکم (رواہ احمد وابوداؤد کما فی المنتقی ۲/۷۶۰)۔	عنقریب تم رومیوں سے پُر امن صلح کروگے ، اوران کے ساتھ مل کر اپنے دشمن کے خلاف جنگ کروگے ۔

(مسند احمد ، و ابوداود)

م شوکانی نیل الاوطار (۸/۴۳) میں فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے ، اور امام ابوداؤد منذری نے اس کی سند پر سکوت اختیار فرمایا ہے ، اور ابوداؤد کے سند کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں ۔ (یعنی ثقہ ہیں)

۲ ۔ امام شافعی اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استعان بناس من الیھود فی حربہ ، فأسھم لھم ۔	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند یہودیوں سے اپنی جنگ میں استعانت حاصل کی اور ان کا حصہ بھی (مال غنیمت میں) لگایا ۔

ہ حدیث کو ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں امام زہری سے مرسلا روایت کیا ہے ۔ (ملاحظہ ہو ، التلخیص الحبیر ۴/۱۰۰ ، نصب الرایۃ ۴ ، نیل الاوطار ۸/۴۳) ۔

اور امام ترمذی نے بھی اسے امام زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے ، اور فرمایا ہے کہ : ھذا حدیث حسن غریب ، ث غریب اور حسن کے درجہ کی ہے)

امام ابن حزم محلی میں رقم طراز ہیں کہ : ورویناہ عن الزھری من طرق کلھا صحاح عنہ ۔ (ہم نے یث کو صحیح سندوں سے زہری سے روایت کیا ہے) ۔

واقدی مغازی میں اپنی سند سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں :

عن حزام بن سعد بن محیصۃ ، قال ، وخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعشرۃ من یھود المدینۃ غزا	حزام بن سعد بن محیصہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے دس یہودیوں کے ساتھ مل کر اہل خیبر سے جنگ لڑی ، اور

بسهم أهل خيبر، فأسهم لهم كسهمان المسلمين (نصب الراية ۴۴۲/۳) — ان کو مسلمانوں کی طرح (مال غنیمت میں) حصہ دیا۔

۳۔ حدیث: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم استعار من صفوان بن أمية يوم حنين أدرعا، فقال: أغصبا يا محمد، قال: لا، بل عارية مؤداة۔ — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں صفوان بن امیہ سے کچھ زرہیں عاریۃً لیں، تو اس نے کہا کہ کیا یہ غصب کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ: نہیں! یہ عاریۃً لے رہا ہوں، واپس کر دوں گا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ یہ زرہیں تیس سے چالیس کے درمیان تھیں، بعض روایات میں ہے کہ ان کی تعداد سو کی تھی۔

اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور حاکم نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا کہ یہ صحیح الاسناد ہے، امام ذہبی نے ان کی تصویب فرمائی، نیز علامہ محمد ناصر الدین البانی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ (ملاحظہ ہو: التلخیص الحبیر ۵۲/۳، ارواء الغلیل ۳۴۴/۵)

۴۔ ان صفوان بن أمية شهد حنينا مع النبي صلى الله عليه وسلم وكان إذ ذاك مشركا، حتى قالت له قريش: تقاتل مع محمد ولست على دينه؟ فقال: رب من قريش خير من رب من هوازن، فأسهم له النبي صلى الله عليه وسلم وأعطاه من سهم المؤلفة۔ — ابوداؤد کی اپنی مراسیل میں مذکور ہے کہ صفوان بن امیہ حالت شرک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے، مشرکین مکہ نے صفوان سے کہا کہ تم محمد کے دین کو نہیں مانتے اور ان کے ساتھ لڑائی لڑنے جا رہے ہو، صفوان نے کہا کہ قریش کے سردار ہوازن کے سردار سے بہتر ہیں، نبی اکرمؐ نے مؤلفۃ القلوب کے حصہ میں سے انہیں ایک حصہ عطا فرمایا۔

(ملاحظہ ہو: شرح النووی علی صحیح مسلم (۱۹۸/۷) فتح الباری (۱۷۹/۶)، عمدۃ القاری (۳۰۸/۱۴) المعتصر من المختصر من مشکل الآثار ۲۲۹/۱)۔

۵۔ سیر و مغازی کی کتابوں میں آیا ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب کتابا بین المسلمین وبین الیہود وادع فیہ الیہود وعاھدھم واقرھم علی دینھم واموالھم واشترط علیھم وشرط لھم -

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور یہود کے مابین مصالحت کا وثیقہ لکھا، اور ان کو ان کے اپنے دین اور مال پر رہنے کا اقرار کیا اور طرفین پر کچھ شرطیں عائد کیں -

اس معاہدہ میں یہ بھی تھا کہ:

• وان بینھم النصر علی من حارب اھل ھذہ الصحیفۃ -

اس میثاق پر دستخط کرنے والوں میں جس نے بھی جنگ مسلط کی تو اس کے خلاف متحدہ کاروائی کی جائے گی۔

اس میں یہ بھی تھا کہ: وان بینھم النصر علی من دھم یثرب -

یثرب یعنی مدینہ منورہ پر یلغار کرنے والے کے خلاف مل کر مقابلہ کیا جائے گا -

(ملاحظہ ہو، سیرۃ ابن ہشام ۲/۱۱۹) —

ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے واپسی پر مدینہ میں قیام کیا، یہود مدینہ سے آپ نے ہجرت کے وقت اس امر پر مصالحت کی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف یہود کسی کی مدد نہ کریں، اور مدینہ پر حملہ کی صورت میں مسلمان یہود کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے -

ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے اپنی کتاب المجتمع المدنی میں اس معاہدہ کی صحت پر مفصل گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ معاہدہ چند ضعیف سندوں سے مروی ہے، لیکن معاہدے کی شقیں بخاری مسلم اور دوسری کتب احادیث میں صحیح سندوں سے آئی ہوئی ہیں، اس سے استناد میں قوت حاصل ہو جاتی ہے -

۴ - ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما کان بذی الحلیفۃ فی عام الحدیبیۃ بعث بین یدیہ عینا لہ من خزاعۃ یأتیہ بخبر قریش وکان الرجل إذذاك مشركا -

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے سال ذوالحلیفہ سے بنی خزاعہ کے ایک مشرک کو جاسوس بنا کر بھیجا تاکہ وہ قریش کے سلسلے میں معلومات حاصل کر کے لائے -

(ملاحظہ ہو، جامع الأصول ۸/۲۹۷، زاد المعاد ۲/۲۸۴)

۷۔ ان خزاعۃ خرجت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح مسلمھم وکافرھم۔	فتح مکہ کے وقت بنی خزاعہ کے مسلم و کافر لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جنگ ہوئے۔

(ملاحظہ ہو، نیل الأوطار ۸ / ۴۵ والروضۃ الندیہ ۲ / ۴۸۳)

۸۔ صحیح بخاری میں ہے:

إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما أراد الھجرۃ إلی المدینۃ استاجر عبد اللہ بن أریقط الدیلی لیدلہ علی الطریق وکان خریتا ماھرا بالطریق، وکان علی دین قریش۔ (فتح الباری ۷/۲۲۲)۔	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت کے وقت راستہ بتانے کے لئے عبد اللہ بن أریقط دیلی کو باُجرت رکھا، وہ ایک ماہر رہبر تھا، اور قریش کے دین پر تھا، (یعنی مشرک تھا)۔
۹۔ حدیث: ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر۔ (صحیح البخاری مع الفتح ۶/۱۷۹)	اللہ تعالیٰ اس دین کی نصرت و تائید فاجر آدمی سے کرائے گا۔

۱۰۔ محلی ابن حزم میں ہے کہ حضرت سعد بن أبی وقاص نے یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ غزوہ کیا اور ان کو عطیات دیئے۔ (۷ / ۳۳۴)۔

۱۱۔ بخاری مسلم اور دوسری سنن و مسانید میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین سے تعاون حاصل کیا، وہ آپ کے ساتھ متعدد غزوات میں شریک بھی ہوئے۔

امیر صنعانی اور قاضی شوکانی نے صاحب بحر سے نقل کیا ہے کہ قتال میں منافقین سے استعانت باجماع امت جائز ہے۔ (سبل السلام ۴ / ۴۱۰، نیل الأوطار ۸ / ۴۴)۔

۱۲۔ اصول فقہ میں دو مشہور اصول ہیں۔ (الضرورات تبیح المحذورات) ضرورت کے پیش نظر محذور و ممنوع امور جائز ہو جاتے ہیں)۔ اور (إرتکاب أخف المفسدتین لدفع أشدھما ضررا) دو مفسدے (برائیوں) میں سے زیادہ ہلکی برائی کا ارتکاب زیادہ نقصان دہ برائی کے دفعیہ کے لئے روا ہے۔ اس کو اھون البلیتین کا التکاب بھی کہہ سکتے ہیں۔

ان قواعد کی روشنی میں کفار سے بوقت ضرورت استعانت جائز ہے ۔

خاتمۂ بحث

زیر نظر مسئلہ کفار سے استعانت کے جواز و عدم جواز کے بارے میں علماء اسلام کے اقوال و استدلالات کی
نی میں ہمارے نزدیک ضرورت کے تقاضے یا سخت ضرورت کے وقت قتال میں کفار سے استعانت جائز ہے، اور
، کی روشنی میں یہی جمہور علماء کا مذہب ہے ۔

محمد بن عبد اللہ بن السبیل
امام الحرم المکی، والرئیس العام لشئون المسجد الحرام والمسجد النبوی الشریف بالنیابۃ،
وعضو المجمع الفقہی برابطۃ العالم الاسلامی ۔
بمکۃ المکرمۃ ۔

مرحوم ناظم اعلیٰ

کے متعلق خصوصی شمارہ

جامعہ سلفیہ بنارس کے مرحوم ناظم اعلیٰ و امیر جمعیۃ اہلحدیث ہند جناب مولانا عبد الوحید صاحب سلفی رحمہ اللہ کی حیات و خدمات پر خصوصی شمارہ زیر کتابت ہے، اور توقع ہے کہ ماہ جنوری ۱۹۹۶ میں منظر عام پر آجائے گا ۔ ان شاء اللہ!

(ادارۂ محدث)

عربی سے ترجمہ! ابو عبداللہ مدنی

مسئلہ فلسطین موجودہ خلیجی بحران کے تناظر میں

عراق کے کویت پر مجرمانہ قبضہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے خلیجی بحران نے سب سے زیادہ مقبوضہ فلسطین اور اس سے متعلق اداروں کو متاثر کیا ہے، یہ معلوم ہے کہ حالیہ تحریک جہاد جو "انتفاضہ" کے نام سے مشہور ہے، اس کی روح رواں یہی تنظیمیں اور ادارے تھے۔

صدام اور اس کے فوجی ٹولہ کے مجرمانہ اقدام نے فلسطینی مسئلہ عالمی اور عربی سیاست سے اس طرح نکال دیا ہے کہ یہ مسئلہ دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے، اور صورت حال بایں جا رسید کہ عالمی سیاسی پردہ ہی سے اس مسئلہ کے غائب ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس صورت حال کے باعث اسرائیل کی حکومت کویت پر عراقی حملہ سے بہت خوش ہے۔

امریکی جریدہ "نیوز ویک" لکھتا ہے کہ اسرائیل کی دائیں بازو کی حکمران پارٹی (لیکوڈ) کے ممبران مقبوضہ فلسطین میں عراقی قبضہ سے اس لئے خوش ہیں کہ اہل مغرب کی رائیں قضیہ فلسطین میں مختلف ہو جائیں گی۔

وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ کویت پر عراقی حملہ سے لیکوڈ پارٹی کی حکومت کے خیال میں شرق اوسط میں امن وامان کے قیام کے لئے اسرائیل پر ہونے والے عربی عدوان وظلم پر قدغن لگانا ضروری ہے۔

دیکھا یہ جا رہا ہے کہ اسرائیل کے یہودی کبھی عراق سے خوف وہراس کا اظہار کرتے ہیں، اور کبھی عراق کی قوت سے استفادہ کے کوشاں ہیں، اور صہیونیوں کی حکومت صدام حسین کو فلسطین پر کیمیاوی بموں سے حملہ کی ترغیب دے رہی ہے تاکہ وہ مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں بسنے والے ۱۵ ر پندرہ لاکھ عربی مسلمانوں کو قتل یا ان کی صورت مسخ کرنے میں ملوث ہو جائے، اسرائیلی حکومت نے اپنے یہودی باشندوں کو زہریلی گیسوں اور کیمیاوی بموں کے زہریلے اثرات سے بچنے کے لئے مختلف حفاظتی لباس اور آلات تقسیم کر دیئے ہیں۔

صدام حسین سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ کویت پر اپنے قبضہ کے بعد مغربی کناروں اور غزہ کی پٹی پر کیمیاوی بمباری کر کے عراق

کے لئے نئی فتحیابی کا سامان فراہم کرے ۔

کویت پر عراقی یلغار سے مسئلۂ فلسطین پر بے شمار اثراتِ بد پڑے ہیں ، فلسطینی اسلامی تحریک جہاد (انتفاضہ) کے مالی وسائل ختم ہو گئے ، کویت کی مختلف تنظیمیں جو مقبوضہ فلسطین میں یہ کام کر رہی تھیں ، عراقی جارحیت کا شکار ہو گئیں ،

فلسطین کی آزادی کی کوشاں تحریک " حماس " کا شعلۂ آزادی کویت کی تاراجی کے بعد ماند پڑتا جا رہا ہے ۔

ابنائے فلسطین کے حالات نے عقلمندوں کے ہوش اڑا دیئے ہیں ، عراق کے ذرائع ابلاغ نے کویت پر عراقی جارحیت اور قبضے کے حق میں پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے ، اور صہیونی نشریاتی اداروں نے صدام کو ایک ایسے عربی لیڈر کی حیثیت سے پیش کرنا شروع کر دیا ہے جو کویت کے بعد اسرائیل پر حملہ کرنا چاہتا ہے ، اس طرح سے فلسطینی باشندے مقبوضہ فلسطین میں ضائع و برباد ہو گئے ہیں ، اور فلسطینی تحریک انتفاضہ کے زندہ درگور کر دیئے جانے کے سامان پیدا ہو چکے ہیں ، تاکہ کویت کے تاراج کرنے والے صدام حسین کی مجرمانہ کارروائی کو اسرائیلی مصالح کے تابع کر لیا جائے ، جس کو انتفاضہ کے پرجوش نوجوانوں ، بچوں ، بوڑھوں اور عورتوں نے ناکوں چنے چبوا دیئے ہیں ، یہ جیالے اسرائیلی بربریت کے خلاف دو سال سے زیادہ سے برسرپیکار رہیں ، اور حکومت اسرائیل اس تحریک کو کچلنے میں ناکام ہو چکی ہے ، اس نہ پسپا ہونے والی تحریک انتفاضہ کو کویت پر مجرمانہ بربریت سے صدام نے کچل کر رکھ دیا ہے ۔

فلسطینی قوم کی تحریک انتفاضہ سیاسی طور پر جب اس طرح کے ماحول سے دوچار ہو گی ، تو مقبوضہ فلسطین کے معاشی مسائل پر پڑنے والے اثراتِ بد کا کیا حال ہو گا ؟ ۔

مغربی کنارے اور غزّہ کی پٹی پر بسنے والے فلسطینیوں کی معیشت کا تمام تر انحصار کویت اور خلیجی ریاستوں میں کام کرنے والے فلسطینی مزدوروں کی بھیجی جانے والی رقوم پر تھا ، اسی طرح سے اس فنڈ میں خلیجی ممالک میں موجودہ حکومتی و غیر حکومتی اسلامی فلاحی اداروں کا تعاون بھی شامل تھا ۔

فلسطین کے اعداد و شمار کے مطابق خلیجی ممالک سے فلسطین بھیجی جانے والی رقوم ۵ ر ملین ڈالر سالانہ تقریباً تھی ، مقبوضہ قدس کی " مجموعـة التنميـة الاقتصـاديـة " (اقتصادی ترقی سوسائٹی) کے سکریٹری نے بتایا ہے کہ موجودہ خلیجی بحران سے کویت کا سرکاری و غیر سرکاری تعاون کافی حد تک محدود ہو گیا ہے ، بالخصوص یونیورسٹیوں کے بچوں اور اسپتالوں کے شعبوں میں اور کمی آگئی ہے ۔

ان کا کہنا ہے کہ ان آخری برسوں میں کویت اپنی مالی امداد مقبوضہ فلسطین میں کام کرنے والی تنظیموں اور اداروں کے ذریعہ بھیجتا تھا ۔

تحریک انتفاضہ اور اس سے متعلق افراد کو جو مالی خسارہ ہوتا تھا ہوا، کویت بہت سے اسلامی اور عربی فنڈوں کا مرکز تھا جس کی ساری دولت منجمد کر دی گئی ہے، یا عراقی دہشت گردی کی نذر ہو گئی ہے۔

کویت کے اس حادثہ نے فلسطین کی ان ساری تنظیموں کو جو انتفاضہ میں تعاون دے رہی تھیں بہت جھٹکا لگا ہے، انہیں میں سے "جمعیة المقاصد الخيرية" (ویلفیر سوسائٹی) ہے، جس کی ۷۵ رفیصد تمویل کویت سے ہوتی تھی جس کے انتفاضہ ہاسپٹل (مستشفى الانتفاضة) کے پاس کوئی بھی مالی ذریعہ نہیں بچا۔

واضح رہے کہ اس اسپتال میں اکثر ان جانباز فلسطینیوں کا علاج ہوتا تھا جو یہودی فوج اور پولیس سے مزاحمت میں زخمی ہو جاتے تھے۔ اس اسپتال کے سات سو (۷۰۰) ملازمین کی تنخواہیں مالی سرمایہ کے ٹھپ ہو جانے سے بند ہیں جن سے ان کی مالی پوزیشن بہت خراب ہو گئی ہے، "جمعیۃ المقاصد الخیریۃ" (جس کا یہ اسپتال ہے) کے سکریٹری نے یہ بتایا ہے کہ حکومت کویت اس اسپتال کے تقریباً سالے مصارف برداشت کرتی تھی۔

صدام حسین کے کویت پر مجرمانہ و باغیانہ حملہ سے فلسطینیوں کے پرائمری، ہائر سکنڈری، اور ہائی اسکول نیز یونیورسٹی سطح تک کی تعلیم بھی متاثر ہو گئی ہے، جن کالجوں کو فلسطینیوں نے بنایا تھا وہ بھی متاثر ہو گئے، غزہ پٹی کی " اسلامی یونیورسٹی " اور مغربی کنارے کی " جامعة النجاح " (نجاح یونیورسٹی) اور سائنس اور ٹکنالوجی کالج بھی اس دہشت گردی کے نتیجہ میں متاثر ہو گئے ہیں، اس لئے کہ ان اداروں کو کویت سے کافی مدد ملتی تھی، اس وقت کویت سے ہزاروں افراد کا اپنی جان بچا کر بھاگنے سے بھی ان کے خاندانوں کے افراد متاثر ہو گئے ہیں فلسطینی اب بھاری پیمانے پر بے روزگاری کا شکار ہونگے جس سے تحریک انتفاضہ پر برے اثرات یقینی طور پر پڑیں گے، بلکہ اس سے مسئلہ فلسطین پر بھی زد پڑے گی ـــــ، مندرجہ بالا جائزہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ :-

۱۔ کویت پر عراقی حملے اور قبضے سے فلسطین کی تحریک انتفاضہ بے حد متاثر ہوئی ہے، بلکہ اس تحریک کی قوت شل ہو گئی ہے اور اسکے شعلے سرد پڑ چکے ہیں، اور یہ مسئلہ دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ ـــ ۲۔ صدام کے مجرمانہ عمل سے مقبوضہ فلسطین کے اندر اور اسکے باہر فلسطینی عوام کے مصالح و مسائل کو زبردست نقصان پہونچا ہے، یہ امر تو معلوم ہی ہے کہ کویت میں رہنے والے فلسطینیوں کی تعداد ۵ لاکھ کے قریب تھی۔ ۳۔ اس مجرمانہ عمل نے فلسطین کے فلاحی ادارے اور تنظیمیں ڈھانچہ کے علاوہ اب کچھ نہیں رہ گئی ہیں کیونکہ عراق کے کویت پر حملہ کرنیکے بعد مالی تعاون کی شہ رگ کٹ چکی ہے ـــ ۴۔ اشتراکی " بعث " پارٹی کے اس مجرمانہ اقدام سے عرب اتحاد پارہ پارہ ہو گیا ہے، اب عرب دنیا میں مسئلہ فلسطین کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونیکی صلاحیت ہی نہیں رہ گئی ہے۔ صدام حسین کے کویت پر مجرمانہ حملہ سے امت اسلامیہ، فلسطین اور اسکی تحریک انتفاضہ کو جو زک پہنچی ہے کیا اس وقت عرب اس کا ادراک کر سکتے ہیں ؟۔

شعبۂ نشر و اشاعت، کویت۔
(اللجنة الكويتية الشعبية)

افغانی جہاد پر عراقی جارحیت کا اثر

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

۱۹۱۷ء میں روس کے کیمونسٹ انقلاب کے بعد دنیا کے مختلف حصوں میں اشتراکی نظریہ کی اشاعت ہوئی، اور لوگوں نے کیمونسٹ نظام کو ایک نجات دہندہ نظام کی حیثیت سے اپنایا، اشتراکی نظریہ کی سب سے شدید مخالفت مذہبی حلقوں سے ہوئی، کیونکہ اشتراکی نظام میں مذہب کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی، اشتراکی لیڈروں نے مذہبی مخالفت کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے ایسے وسائل اختیار کئے جن سے مذہبی اقدار کو پامال کرنے میں آسانی ہو، ان لیڈروں کی کوششیں عیسائی دنیا میں زیادہ بارآور نہ ہو سکیں، کیونکہ صنعتی و معاشی لحاظ سے عیسائی ممالک زیادہ مضبوط تھے، البتہ اسلامی ممالک میں ان لیڈروں کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی، کیونکہ کچھ مسلم حکمراں اسلامی اصولوں کی بنیاد پر حکمرانی کے بجائے عوام کا استحصال کرتے تھے، نیز مذہب سے ان کا تعلق ایسا نہ تھا کہ اس کی تعلیمات کو نافذ کر کے معاشرہ کی تعمیر صحیح بنیادوں پر کر سکیں، مسلم عوام ایک طرف اقتصادی پسماندگی کا شکار تھے اور دوسری طرف مغرب کی مادی تہذیب کی یلغار کے نتیجہ میں اسلام پر ان کا اعتقاد کمزور ہو چکا تھا، ان کے دلوں میں ایسے شبہات جاگزیں ہو چکے تھے کہ اسلام ان کی زندگی کے مسائل کو حل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، اور اس ترقی یافتہ دنیا میں مذہبی اقدار سے وابستگی کا ان کو کوئی فائدہ نہیں، اقتصادی پسماندگی اور ذہنی بے اطمینانی کے اس ماحول میں کیمونسٹ رہنماؤں نے مسلم ممالک میں اپنے ایسے ہمنوا پیدا کر لئے جو کھلے طور پر کیمونزم کو اسلام اور دیگر تمام نظاموں پر ترجیح دینے لگے، عرب دنیا میں بھی اس نظریہ نے ایک بڑے طبقہ کو متاثر کیا، اور اس طبقہ نے پورے طور پر اپنی وفاداریاں کیمونزم کے لئے مخصوص کر دیں جس کے نتیجہ میں کئی عرب ملکوں میں کھلے طور پر اشتراکی نظام نافذ ہو گیا۔

انیسویں صدی عیسوی میں مغربی سامراج ایشیا اور افریقہ کے مختلف ممالک میں اٹھنے والی آزادی کی تحریکوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر پسپا ہو رہا تھا، کیمونسٹ رہنماؤں نے اس خلا کو اشتراکی نظام سے پُر کرنے کی کوشش کی اور انہیں بڑی حد تک اس میں کامیابی ہوئی، کیونکہ مغربی سامراج کی جابرانہ سیاست سے ان کے زیر اقتدار تمام ممالک دل برداشتہ ہو چکے تھے، اس حالت

میں اشتراکی رہنماؤں کے خوشنما وعدے انہیں زخمی دلوں پر مرہم محسوس ہوئے اور انہوں نے عواقب سے بے خبر ہو کر اشتراکی نظام کو قبول کر لیا، اس صورت حال سے اشتراکی رہنماؤں کو حوصلہ ملا اور انہوں نے خود کو محنت کش طبقہ کے نجات دہندہ کی شکل میں پیش کرتے ہوئے پسماندہ ممالک پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کا سلسلہ تیز تر کر دیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد مشرقی یورپ اور ایشیا کا ایک بڑا حصہ روس کے زیر اقتدار آچکا تھا، روسی حکام نے اپنے دائرہ کو مزید بڑھانے کے لئے مختلف ممالک پر فوج کشی کی، جس میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔ بیسویں صدی کے نصف اول تک بیشتر عرب اور مسلم ممالک مغربی سامراج کے چنگل سے آزاد ہو چکے تھے، مشرق وسطی کا خطہ اپنی جغرافیائی اور اقتصادی خصوصیات کے پیش نظر بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس پر یورپ امریکہ اور روس سب کی نظریں لگی ہوئی تھیں، ان میں سے ہر ایک طاقت کی یہ کوشش تھی کہ وہ علاقہ میں ایسے اثر و رسوخ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرے، اقتدار کی اس رسہ کشی میں یورپ و امریکہ کا رویہ قدرے محتاط تھا، لیکن روس نے صورت حال سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، اسے یہ احساس تھا کہ تیسری دنیا کے ملکوں کے استحصال میں اس کا حصہ صفر تھا، لہذا اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اسے زیادہ تیزی سے کام کرنے کی ضرورت ہے، اس نے ایک طرف مسلم اور عرب ممالک میں کمیونسٹ نظریہ کی اشاعت کے لئے منظم و منصوبہ بند کوشش کی، اور دوسری طرف بعض کمزور ملکوں کو مکمل طور پر اپنے زیر اقتدار لانے کے لئے عملی اقدام کا آغاز کیا۔

عرب ملکوں میں مصر، شام، عراق اور یمن نظریاتی طور پر روس کے ساتھ تھے، عرب دنیا سے متصل افغانستان کا ملک جغرافیائی لحاظ سے روس کے لئے زیادہ اہم تھا، اس ملک میں اقتصادی حالت بھی نسبتاً کمزور تھی، یہاں کے عوام مسلمان ضرور تھے لیکن شعوری طور پر بہت پختہ نہ تھے، روسی رہنماؤں نے تعلیمی و معاشی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ملک میں اپنے قدم مضبوط کئے، افغانی جوانوں کی معتدبہ تعداد کو روس میں تعلیم کے لئے بلایا، اور ان کے ذہن کو بدلنے کے لئے منظم طور پر کوشش کی، تھوڑے ہی عرصہ میں افغانی جوانوں کی اتنی بڑی تعداد تیار ہوگئی جن کے ذریعہ کسی ملک کے نظام کو چلایا جاسکے۔ روسی رہنماؤں نے افغانستان کے اندرونی حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آہستہ آہستہ کمیونسٹ عناصر کو حکومت کے اہم مناصب پر متعین کر دیا۔ اور اس طرح افغانستان میں خود افغانی عوام کے ہاتھوں کمیونسٹ نظام قائم ہو گیا۔

روس کی حریف طاقتوں کو یہ کھیل پسند نہ آیا اور انہوں نے افغانی حکومت کے خلاف سرگرمیاں شروع کر دیں، امریکہ نے اس سلسلہ میں نمایاں کردار ادا کیا، روس کو جب یہ محسوس ہوا کہ افغانی حکومت پر افغانی کمیونسٹوں کی گرفت اتنی مضبوط نہیں ہے کہ وہ کسی بیرونی مداخلت کا مقابلہ کر سکیں تو اس نے کھلے طور پر افغانستان میں اپنی فوجیں اتار دیں اور اس طرح ایک آزاد ملک

کمیونزم کے چنگل میں گرفتار ہوگیا، پوری دنیا نے اس جارحیت کے خلاف آواز بلند کی، افغانی عوام اپنی بے سروسامانی کے باوجود روسی جارحیت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اور روسی فوجوں کے ساتھ باقاعدہ برسرپیکار ہوگئے، روس کے ساتھ روایتی مخالفت کی بنیاد پر امریکہ نے افغانی مجاہدین کا ساتھ دیا اور اس طرح روسی فوجوں کے ساتھ مقابلہ کا سلسلہ جاری ہوا۔

عالم اسلام کے لئے یہ صورت حال بڑی تشویش ناک تھی، لیکن بیشتر مسلم ممالک اس پوزیشن میں نہ تھے کہ افغان مجاہدین کا ساتھ دے سکیں، سعودی حکومت نے اس نازک موقعہ پر اپنا تاریخی کردار ادا کیا، اور روس کے خلاف افغانی مجاہدین کی مدد کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے سب سے پہلے یہ محسوس کیا کہ افغانستان میں روس کی مداخلت صرف ملک گیری کی کوئی فوجی کارروائی نہیں بلکہ اصول و نظریات کی باقاعدہ جنگ ہے، ایک طرف روسی الحاد ہے، اور دوسری طرف افغانی مسلمان، چنانچہ سعودی ذمہ داروں نے افغانی عوام میں یہی شعور بیدار کیا، کہ وہ اس جنگ کو کفر واسلام کی جنگ سمجھیں، اور اسلامی جذبہ کی بنیاد پر روسی سامراج سے اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لئے جان ومال کی قربانی پیش کریں، مسلم ٹکراؤ جوں جوں آگے بڑھا افغانی مجاہدین کو بھی اس حقیقت کا بخوبی ادراک ہوتا گیا کہ روسی فوجوں کے ساتھ ان کی لڑائی کفر واسلام کی لڑائی ہے، اور روسی ذمہ دار کمیونسٹ نظام کو ان کے ملک پر تھوپنے اور فوجی اعتبار سے اپنی سرحدوں کو مضبوط کرنے کے لئے افغانستان پر قبضہ کی کوششیں کر رہے ہیں۔

اس ادراک کا اثر یہ ہوا کہ افغانی عوام کی ایک بڑی تعداد مجاہدین کے ساتھ ہوگئی، اور سب مل کر روسی سامراج کا مقابلہ کرنے لگے، اس جنگ میں افغانی مجاہدین کا کل سرمایہ اسلام پر ایمان ویقین کی قوت تھی، ورنہ روس کے ساتھ ان کا کیا مقابلہ ہوسکتا ہے مسلم ملکوں میں سعودی عرب، کویت اور بعض دوسرے ممالک نے بڑی جرأت وہمت کے ساتھ افغانی جہاد کی تائید کی، اور مجاہدین کے لئے ہر طرح کی مادی واخلاقی مدد پیش کی، سعودی عرب نے حکومتی وعوامی سطح پر غیرمعمولی کردار ادا کیا، مجاہدین کی امداد کے لئے باقاعدہ مراکز قائم کئے گئے، عوام نے دل کھول کر تعاون کیا، بعض بعض تاجروں نے ایک ایک ملین ریال کی رقم یکمشت پیش کردی جس کی مثال انسانی تاریخ میں بہت کم ہوگی، سعودی عرب کے عوام نے اس سلسلہ میں مالی تعاون کے ساتھ ساتھ ایک بیمثال کارنامہ یہ انجام دیا کہ وہاں کے نوجوان عملی طور پر اس جہاد میں شریک ہوئے، اور جہاد کی تربیت حاصل کرنے کے بعد لڑائی میں حصہ لیا، ان میں سے بہتوں کو اللہ تعالیٰ نے شہادت سے سرفراز کیا، اللہ تعالیٰ کی مدد اور سعودی حکومت وعوام نیز افغانی مجاہدین کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ روس افغانستان سے اپنی فوجیں ہٹانے پر مجبور ہوا، باہمی گفت وشنید کے بعد اس کے لئے جو مدت متعین ہوئی، اس کے اندر اس نے اپنی تمام فوجوں کو افغانستان سے واپس بلالیا، لیکن ابھی اس کے کارندے اقتدار پر قابض ہیں، اور اس کی مدد سے مجاہدین کو زیر کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، مجاہدین کی افرادی قوت اور معنوی جوش وخروش میں اضافہ ہوا ہے، نیز لڑائی کا ایک

طویل تجربہ بھی انہیں حاصل ہو چکا ہے، ایسی صورت میں قوی امید تھی کہ ایک دہائی سے زیادہ جاری رہنے والی اس قربانی کا فیصلہ مجاہدین کے حق میں ہوگا، اور وہ اپنی مرضی کے مطابق افغانستان میں آزاد اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

لیکن کویت پر عراق کے قبضہ اور سعودی عرب کے لئے اس کی طرف سے دھمکیوں کے بعد اب نقشہ بدل چکا ہے، کویت اب وہ نہیں جو افغانستان کے ساتھ تعاون کرتا تھا اب اس کی پوری دولت عراق کے قبضہ میں ہے۔ اور عراق کا رویہ پہلے سے واضح ہے، عراق حکومت کمیونسٹ نظریہ کی حامل اور روس کے ماتحت ہے، اس لئے اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ افغانی مجاہدین کی مدد کرے گی اور اب تک اس نے اس سلسلہ میں کوئی مثال بھی قائم نہیں کی ہے، اور اس طرح کا کوئی اقدام اس کے اصولوں میں شامل نہیں ہے، کیونکہ کمیونسٹ نظام میں اقتصادی پہلو کی اہمیت ہے، اور افغانستان میں جہاد کی جو بنیاد ہے اس کا براہ راست اس کا تعلق نظر نہیں آتا، عراق کا بعثی نظام اپنی کمیونسٹ پالیسیوں کے ساتھ بیس سال سے جس راہ پر چل رہا ہے اس سے اسلامی اصولوں پر ضرب تو لگائی جاسکتی ہے لیکن جہاد جیسی تعلیمات کے نفاذ کی توقع ایک محال امر کی توقع ہے، پچھلے بیس برسوں میں عراقی نظام نے اپنے ملک میں اسلام پرستوں کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور جو لوگ بچ کر نکل سکے وہ باہر نکل گئے، ان لوگوں کا جرم اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ وہ اسلام کو مانتے اور اس کی تعلیمات کے نفاذ کے لئے کوشاں تھے، جب اسلام پرستوں کے ساتھ عراقی حکومت کا رویہ ایسا ہے تو اس سے اس بات کی توقع رکھنا سادہ لوحی ہوگی کہ عراق افغانی جہاد یا اس طرح کی کسی دوسری اسلامی تحریک کی مدد کرے گا۔

جہاں تک سعودی عرب کا تعلق ہے تو وہ تقریباً دس سال سے برابر افغان مجاہدین کی مدد کر رہا تھا، آخری چند سالوں میں اس مدد کا دائرہ اس حد تک وسیع ہو چکا تھا کہ سعودی نوجوان پیشاور آکر فوجی تربیت حاصل کرتے تھے، اور روسی فوجیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیتے تھے، لیکن عراق کی طرف سے حملہ کا خطرہ ہونے کے بعد صورت حال یکسر بدل چکی ہے، سعودی عرب نے اپنے دفاع کے لئے مسلم ممالک اور مغربی ممالک سے فوجیں بلائی ہیں، اب وہ مکمل طور پر جنگ کی حالت میں ہے، عراق کے رویہ میں کسی طرح کی نرمی اب تک ظاہر نہیں ہوئی ہے، اگر جنگ شروع ہوگئی تو جو تباہیاں ہوں گی ان کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن جنگ کے بغیر اسلامی سرگرمیوں کو جو نقصان پہونچا ہے وہ کم نہیں، اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کا ان سرگرمیوں سے براہ راست تعلق ہے، جو لوگ دور ہیں یا ان کے دلوں میں اسلامی سرگرمیوں کی کوئی وقعت نہیں وہ بڑی آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ صورت حال پر کوئی خاص اثر نہیں ہوگا، لیکن حقیقی طور پر افغانی جہاد کی تحریک کس قدر متاثر ہوئی ہے، اس کو جاننے کے لئے ان افغانی مجاہدین سے ملنے کی ضرورت ہے جنہوں نے اپنے وطن کو روس سے آزاد کرانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیا ہے، اب نہ تو ان کا گھر بار ہے نہ کاروبار نہ خویش واقارب نہ وطن کی سرزمین، وہ پاکستان میں پناہ گزیں ہیں، جو کچھ انہیں ملتا ہے اسی پر گذر بسر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ "فإن مع العسر يسرا"

کے اصول کے ماتحت ایک دن ان کو فتح حاصل ہوگی، اور وہ آزاد افغانستان کے معزز شہری کی حیثیت سے وہاں واپس جائیں گے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

سعودی حکومت اس وقت صدام حسین کی ناعاقبت اندیشی سے سخت بحران سے دوچار ہے، لیکن اسے مطمئن رہنا چاہئے کہ اسلامی جہاد اور دیگر دعوتی سرگرمیوں کی تائید وحمایت کے باب میں اس نے جو سنہری مثال قائم کی ہے اس کا فائدہ اسلام اور مسلمانوں کو ضرور پہونچے گا، اور جن لوگوں کی نظر میں اسلام کی اہمیت ہے وہ سعودی موقف کو زبردست خراج تحسین پیش کریں گے۔

خریداران محدث کی خدمت میں!

کویت قضیہ اور خلیجی بحران اچانک منظر عام پر آیا، اور واقعات وحوادث کا سلسلہ بندھ گیا، سانحہ اتنا عظیم تھا کہ خصوصی شمارہ کی تحریک خود بخود ہوگئی، اس لئے پیشگی ہمیں اس کے اعلان کا موقع نہیں مل سکا، نومبر کا شمارہ نہ ملنے سے متعلق قارئین کرام کے خطوط بکثرت آتے رہے، جوابی خطوط میں اگرچہ اس عذر کی اطلاع دے دی گئی ہے، لیکن اس اعلان کے ذریعہ مزید توضیح سے یہ مقصد ہے، کہ محدث کے محترم خریداران خصوصی شمارہ کو نومبر اور دسمبر ۱۹۹۰ء کا شمارہ تصور فرمائیں۔

(ادارہ محدث)

عراقی حملہ کے بعد کویت کے فلاحی اداروں اور تنظیموں کی حالتِ زار

کویت میں پندرہ سے زیادہ بڑے اور اہمیت کی حامل اسلامی اور فلاحی تنظیمیں اور ادارے تھے جن کے اپنے پروگرام اور پلان تھے، عراقی حملے کے بعد اس وقت یہ ادارے اور تنظیمیں قصۂ پارینہ بن چکی ہیں، جن کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔

یہ بہت بڑے بڑے ادارے اور تنظیمیں تھیں، جنہوں نے بڑی عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا، اور بڑے بڑے رفاہی اور فلاحی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا تھا، عملی میدان میں پختہ اور مؤثر تجربات اور عمدہ نتائج کے حامل ان اداروں نے کویت میں پٹرول کے بعد آنے والی خوشحالی اور رفاہیہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑے بڑے فلاحی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا، اور عام اسلامی کاز کے لئے مفید پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا، اور پہونچا رہے تھے جن کے موجودہ صورت حال میں ٹھپ ہو جانے یا ملتوی ہو جانے کے مضر اور برے اثرات کا علم صرف اللہ رب العزت ہی کو ہے۔

عراقی حملہ سے پہلے کویت کی پوزیشن یہ تھی کہ آزادی اور حریت کی فضا میں یک جماعتی مبنوض حکومت کے کشیدہ ماحول سے کوسوں دور ہر طرح کے پروگرام عملی جامہ پہن رہے تھے، اور خیر و فلاح کا فیض عام تھا جس سے پوری دنیا کے مسلمان فائدہ اٹھا رہے تھے۔

مذکورہ تنظیمیں اور ادارے اپنے اپنے شعبہ اور دائرہ میں مصروف عمل تھے، ۲۴ ملین ڈالر کی خطیر رقم عالم اسلام میں دعوت و تبلیغ، اور یتیموں اور بیواؤں کی فلاح و بہبود میں لگی ہوئی تھی، جو انہیں تنظیمات کی ہی شبانہ روز کی جد و جہد سے اکٹھا ہوتی اور انہیں فلاحی امور میں خرچ ہوتی، اب اس ناپاک عراقی حملہ کے بعد محسوس طور پر یہ سلسلہ ٹھپ ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ جو دوسرے سلبی آثار و نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا وہ اس پر مستزاد ہے۔

اسلامی و فلاحی جمعیات وتنظیمات
(ویلفیئر سوسائٹیز)

کویت میں اسلامی جمعیات اور فلاحی تنظیمات کی خدمات کا دائرہ بڑا متنوع اور وسیع تھا، ذیل میں ہم ان کی بعض خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان خطرات کی نشاندہی کریں گے جو ان کے بند ہو جانے کی صورت میں سامنے آئیں گے۔

اہم ادارے، جمعیتیں اور تنظیمیں یہ ہیں :-

۱۔ الهيئة الخيرية الإسلامية العالمية (عالمی اسلامی ادارہ فلاح وبہبود)

۲۔ بيت الزكاة۔

۳۔ جمعية الإصلاح الإجتماعي۔

۴۔ جمعية إحياء التراث الإسلامي۔[1]

۵۔ لجنة المناصرة الخيرية بفلسطين ولبنان (ادارہ فلاح وبہبود برائے فلسطین ولبنان)

۶۔ الإتحاد الوطني لطلبة الكويت (کویت کے طلبہ کا قومی اتحاد)

۷۔ جمعية المعلمين الكويتية (جمعیۃ اساتذۂ کویت)

۸۔ جمعية بيادر السلام

۹۔ الجمعية الطبية الكويتية (کویت میڈیکل سوسائٹی)

۱۰۔ صندوق اعانة المرضى (بیماروں کی دیکھ بھال سے متعلق فنڈ)

۱۱۔ جمعية الشيخ عبد الله النوري الخيرية۔

۱۲۔ لجنة الفلاح الخيرية

۱۳۔ جمعية النجاة الخيرية

۱۴۔ الجمعية الخيرية للتضامن الإجتماعي

۱۵۔ لجنة التضامن مع الشعب الفلسطيني

۱۶۔ جمعية الرعاية الإسلامية۔

(۱) اس جمعیۃ کا مفصل تعارف عنقریب پیش کیا جائے گا۔

بیت الزکاۃ کی خدماتِ جلیلہ

۱۷ ہزار یتیموں کی کفالت ، اور ۵۰۰ زیر تکمیل پروجیکٹ۔

ان اداروں میں سے سب سے اہم ادارہ ہے ، جو مختلف ملکوں کے ۱۷ ہزار سے زیادہ یتیموں کی کفالت کرتا ہے ، ان کے کھانے ، پینے ، پہننے رہنے اور علاج ومعالجہ اور تعلیم کی ساری ذمہ داری اس ادارہ کے ذمہ ہے۔

نیز عالم اسلام میں ۵۰۰ سے زیادہ دوسرے اہم تعلیم ، تبلیغ غربار ومساکین اور یتیموں کی دیکھ بھال ، اور صحت وطب کے اداروں کے کلی یا جزئی پروگراموں میں بھی یہ ادارہ اپنا تعاون پیش کرتا ہے۔

عراق حملہ آوروں کے نجس اور گندے ہاتھ اگر اس ادارہ تک پہونچ گئے تو یہ سارے پروگرام ٹھپ ہو جائیں گے۔

تعلیم و تربیت کے میدان میں اس ادارے سے ہزاروں طلبہ وظیفہ پاتے ہیں (جو دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں ، اور جن میں کویتی اور غیر کویتی سب شامل ہیں) اس وقت ان سارے بچوں کی تعلیم خطرے میں ہے۔

صرف گذشتہ تین ماہ میں اس ادارہ نے مقبوضہ فلسطین کے اسرائیل کے اندر اور باہر رہنے والے طلبہ پر ڈھائی لاکھ ڈالر صرف کئے ہیں ، یہ رقم اس رقم کے علاوہ ہے جو لجنۃ کفالۃ الیتیم (ادارۂ کفالت ایتام) ۵ لاکھ ڈالر سالانہ خرچ کرتی ہے۔

جریدۃ المسلمون نے ایک رپورٹ میں شائع کیا ہے کہ بیت الزکاۃ نے مقبوضہ فلسطین میں تین ماہ کے اندر چار لاکھ ڈالر فقراء ومساکین اور مظلومین کی دادرسی کے شعبہ میں صرف کئے ہیں ، نیز بیت لحم میں اسپتالوں اور مرغی فارموں کے لئے تین لاکھ ڈالر صرف کئے ہیں اس کے علاوہ اس ادارے نے بیمار اور اپاہج فلسطینیوں کے فنڈ میں گذشتہ تین ماہ میں ۲ لاکھ ۲۰ ہزار ڈالر کی خطیر رقم خرچ کی ہے۔

الهيئة الخيرية الإسلامية العالمية
(ادارۂ عالمی اسلامی فلاح وبہبود)

اسلامی امور ومعاملات اور عام انسانی مسائل سے متعلق یہ بہت بڑا عالمی ادارہ تھا ، جس کے لئے عالم اسلام کے بہترین دماغ کام کر رہے تھے ، اس ادارے نے عالمی اسلامی دعوت وتبلیغ والے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے ، فلسطین ، لبنان اور اردن کے مسلمانوں کو تعاون دیا ہے ، افریقہ کے قحط زدہ علاقوں کو سیراب کیا ہے ، پاکستان ، ہندوستان ، کشمیر اور افغانستان کو بھی نوازا ہے

وسط ایشیا اور سوویت یونین کے مسلمانوں کو تہذیبی، ثقافتی تعاون پیش کیا ہے، ان ممالک کے مسلمان اس وقت اس تعاون کا انتہائی بے صبری کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔

جمہوریہ چین میں ادارے کے مختلف منصوبے زیر تکمیل تھے جو اس انتظار میں ہیں کہ کس طرح بقیہ تعاون ملے اور یہ منصوبے پایۂ تکمیل کو پہونچ جائیں۔

اس ادارے کے افریقہ میں متعدد منصوبے تھے جس میں زیر تکمیل منصوبے یوگنڈا میں عقیل سنٹر (مرکز العقیل) اور یوگنڈا کی مساجد (مسجد کاویکی لمپالا میں) مسجد بومبو وغیرہ التواء و توقف کا شکار ہیں۔

ادارے نے زامبیا میں تین ملین ڈالر سے زیادہ خرچ کر کے مدارس، شفاخانے اور تربیتی ادارے بنوائے ہیں۔

سوڈان میں خرطوم، مدیریۃ النیل، اور شمالیہ میں ۳۳ مدرسوں کی تعمیر ہوئی، جن میں سوا دو ملین ڈالر کی خطیر رقم صرف ہوئی، شمالی سوڈان میں دس اسپتال کی تعمیر پر دو لاکھ چالیس ہزار ڈالر خرچ کئے گئے، اور دوسرے ضرورتمند علاقوں میں بڑے پیمانے پر غذا کی تقسیم کا انتظام کیا گیا، اس وقت یہ سارے پروگرام بھی معرض خطر میں ہیں۔

جہاد افغانستان میں جمعیۃ الاصلاح کی بے مثال خدمات جلیلہ

جَمعیۃ الإصلاح الإجتماعی کا شمار کویت کے نہایت اہم فلاحی اسلامی اداروں میں ہوتا ہے جس کی خدمات کا دائرہ عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں پھیلا ہوا ہے، اس ادارہ کی اہم خدمات میں سے اس کا افغانستان کے مجاہدین کی خدمت ہے، اس کی ایک ذیلی شاخ لجنۃ الدعوۃ الاسلامیۃ پشاور میں ہے جس کے چار مستقل اسپتال ہیں۔

الفوزان ہاسپٹل۔ النفیسی ہاسپٹل۔ اعظم ہاسپٹل۔ الغزالی ہاسپٹل۔

— اس کے علاوہ ۱۶ دوسرے طبی ادارے ہیں جن میں ۲۸۱ بیڈ کا انتظام ہے۔

فوزان ہاسپٹل پشاور کا بہت اہم اسپتال ہے جو خصوصی طور پر افغان مجاہدین اور مہاجرین کی دیکھ بھال کرتا ہے، جس میں مختلف آپریشن روم، اور دوسری طبی سہولیات موجود ہیں، اور جس میں بڑے بڑے آپریشن کئے جاتے ہیں، صحیح معنوں میں یہ ایک فوجی اسپتال ہے، اس اسپتال میں بہت سارے زخمی مہاجرین کا علاج ہوتا ہے، جو شفایابی کے فوراً بعد دوبارہ راہ خدا میں جہاد کے لئے بھی اپنے فوجی ٹھکانوں پر چلے جاتے ہیں۔

اس ادارہ کے زیر نگرانی مختلف مدارس میں افغانی بچے دینی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں، جیسے معہد حرا، مدرسہ معاذ بن جبل (جس میں ۲۰۰ افغانی بچے زیر تعلیم ہیں) ان سارے فلاحی پروگراموں کا اس ناپاک عراقی حملے کے استحکام کے بعد اللہ ہی مالک ہے۔

کویت کے ان فلاحی اداروں اور اسلامی تنظیموں کی اسلامی و دعوتی اور متنوع خدمات کی تعارف کے لئے اس طرح کی رپورٹ ناکافی ہے، اس لئے کہ ایک زمانہ سے یہ خدمات انجام دی جارہی ہیں اور ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں، نیز کویت کے بے شمار مخیر حضرات جو دوسرے طریقوں سے یا بنفس نفیس مختلف و متنوع خدمات انجام دے رہے ہیں یہ ان کے علاوہ ہیں۔

کویت پر اس اشتراکی بعثی (ملحد) فوجی دہشت گردی اور یلغار کے نتیجہ میں اگر ان کے مجرمانہ ہاتھ ہو گئے تو خدانخواستہ یہ سارے اسلامی انسانی اور فلاحی پروگرام یک لخت متأثر ہو جائیں گے۔

جمعیۃ إحیاء التراث الاسلامی (الکویت)

ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری

کویت کے متعدد فعال و سرگرم عمل پرائیویٹ اداروں میں "جمعیۃ إحیاء التراث الاسلامی" کا نام سرفہرست ہے۔ یہ ادارہ داخلی اور خارجی سطح پر بہت ہی منظم طریقے سے کتاب وسنت کی روشنی میں تبلیغی، رفاہی اور علمی وثقافتی خدمات انجام دے رہا تھا، ادارے کے اکثر وبیشتر افراد علماء ومشائخ کے علاوہ بڑے بڑے تاجر، ڈاکٹر، انجینئر، سرکاری مدارس کے اساتذہ، سرکاری ملازمین اور طلبہ تھے، جو خدمت دین کی سچی لگن اور اخلاص کے ساتھ رضاکارانہ طور پر ادارہ کے لئے کام کرتے تھے ان کے دلوں میں ان مسلمانان عالم کے لئے صحیح تڑپ اور بے پایاں ہمدردی کے جذبات پائے جاتے تھے، جو مختلف مسائل ومشاکل سے دوچار ہیں، یہ رضاکار بغیر کسی لالچ کے یا دباؤ کے مکمل دلچسپی کے ساتھ اپنے فرائض مختلف اوقات میں انجام دیتے تھے، کام کو منظم شکل میں ادا کرنے کے لئے مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئی تھیں، ہر کمیٹی کے لئے اس کا علاقہ اور دائرۂ عمل متعین کر دیا گیا تھا، تاکہ وہ اپنے دائرہ عمل میں رہ کر اپنے لئے متعین کردہ علاقہ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مکمل یکسوئی کے ساتھ رفاہی اور دعوتی خدمات انجام دیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ادارہ کا قیام ۱۹۸۱ء میں عمل میں آیا تھا، ۹ رسال کی مختصر سی مدت میں ادارے نے دعوت و تبلیغ، رفاہ عام اور علم وثقافت کے میدان میں بے شمار کارہائے نمایاں انجام دیا ہے، جو بسا اوقات حکومتی سطح پر بھی ممکن نہیں ہوتے، اس کی عمدہ کارکردگی کے اثرات داخل ملک اور بیرون ملک ایشیائی اور افریقی ممالک میں واضح طور پر محسوس کئے جاتے ہیں۔

ادارے کی مجلس انتظامیہ کے صدر شیخ خالد سلطان بن عیسیٰ (حفظہ اللہ ونجاہ من کید الأعداء) نے مارچ سال رواں کے اپنے

ایک بیان میں داخلی و خارجی سطح پر ادارہ کی سرگرمیوں کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہوئے کہا تھا "بحمد اللہ داخل کویت میں ہماری مختلف ایکٹیویٹیز ہیں، تعلیم و تربیت کے میدان میں نوجوان مرد اور عورتوں کو اسلامی اخلاق اور دین کے مبادیات سے روشناس کرانے اور انہیں باعمل بنانے کے لئے ادارہ پوری ذمہ داری کے ساتھ کام کرتا ہے، اور بفضلہ تعالیٰ ادارہ کی کوششیں بارآور ثابت ہو رہی ہیں، کیونکہ اس کی جدوجہد سے ایسے لوگوں کی ایک بڑی جماعت تیار ہو گئی ہے، جو دین و ملت اور صحیح عقیدہ سے اپنے آپ کو مربوط اور منسلک رکھنے کی خواہش مند اور حریص ہے، اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی پوری کوشش کرتی ہے۔

محتاجوں کی امداد و اعانت کے سلسلے میں ادارہ کی ماتحتی میں کام کرنے والی زکوۃ کمیٹیاں لوگوں سے زکوۃ و صدقات کے اموال اکٹھا کرتی ہیں، اور ضرورتمند لوگوں کے درمیان تقسیم کرتی ہیں، اور ساتھ ہی اصحاب استطاعت حضرات کو صدقہ و خیرات، اور محتاجوں اور مسکینوں کی غمگساری اور ہمدردی کرنے پر ابھارتی اور توجہ دلاتی ہیں۔

علمی شہ پاروں کی حفاظت کے سلسلے میں جمعیت نے "مرکز المخطوطات والتراث الاسلامی والوثائق" کے نام سے ایک مستقل سینٹر قائم کیا ہے، مختصر سی مدت میں سینٹر نے ۴۰۵ کتابوں کے اصل قلمی نسخے، اور دس ہزار کتابوں کے قلمی نسخوں کے فوٹو جمع کر لیا ہے، مرکز ہائر اسٹڈیز کے طلبہ کا بین الاقوامی سطح پر علمی تعاون اور رہنمائی کرتا ہے۔

اسلامی علوم و فنون اور ثقافت کی ترویج و اشاعت کے میدان میں ادارے نے دسیوں کتابیں اور پمفلٹ شائع کیا ہے اور پورے سال تقاریر، سیمنار، اور علمی مذاکرات کا سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے جس میں دین و عقیدہ سے متعلق تمام مسائل اور آئے دن ظاہر ہونے والے نئے نئے مسائل اور ضروریات پر روشنی ڈالی جاتی ہے، اور ان پر کتاب و سنت کی روشنی میں تبادلۂ خیال کیا جاتا ہے۔

اور بیرونی سطح پر بھی ادارے نے بے شمار اسلامی مراکز، مساجد و مدارس اور دوسرے بہت سے اسلامی مشاریع قائم کرکے بہترین کارکردگی کا ثبوت دیا ہے، اپنی مختصر سی زندگی میں جمعیت نے جو خدمات انجام دی ہے، ان کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے۔

۷۰۵ سے زائد مساجد کی تعمیر

۱۰۷ سے زائد اسلامی مراکز کا قیام

مختلف درجات کے ۱۰۰ سے زیادہ مدارس کی تعمیر

تمام ضروریات سے آراستہ ۷ ہاسپٹل کی تعمیر

۲۹ سے زیادہ ہیلتھ سینٹر کا قیام
افریقہ و ایشیا میں ۵۰۴ سے زائد کنوؤں کی کھدائی
فقہ و تفسیر و عقیدہ کی کتابوں پر مشتمل ۳۰۰ سے زائد لائبریریوں کی تقسیم
تقریبا ۴۵ ہزار جوڑے ملبوسات کی تقسیم
مختلف ممالک میں ۳۵۰ دعاۃ و مبلغین کی تعیین
مختلف زبانوں میں ۸ لاکھ سے زیادہ کتابوں کی توزیع
متعدد غریب اسلامی ملکوں میں ۱۲۰۰ قربانی کے جانوروں کی تقسیم۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ جمعیۃ کے ذمہ داران بیرونی ممالک میں جب بھی کوئی اسلامی مرکز یا ادارہ قائم کرتے تھے تو اس انداز سے قائم کرتے تھے کہ وہ دیرپا اور مضبوط ہو، اس کے لئے آمدنی کا کوئی ذریعہ نکالنے کی بھرپور کوشش کرتے تھے تاکہ مستقبل میں وہ خود کفیل ہو کر اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے۔

جمعیت کی بعض ذیلی کمیٹیاں اور فروعی ادارے حسب ذیل ہیں۔

۱ ــ اللجنة الرئيسية للزكوة والصدقات (صدقات و زکوۃ کی مرکزی کمیٹی)

اصحاب ثروت حضرات سے زکوۃ و صدقات کے اموال اکٹھا کرنا اور ضرورتمندوں میں تقسیم کرنا، اس کمیٹی کی ذمہ داری تھی۔

۲ ــ لجنة مساندة الأفغان (افغان اعانت کی کمیٹی)

یہ کمیٹی جمعیت کی اہم اور فعال کمیٹیوں میں سے ایک ہے، جو افغان مہاجرین کی ہر طرح امداد کرتی تھی، ان کے لئے مالی اعانت دوائیں، خوراک، ملبوسات فراہم کرتی تھی، مساجد کی تعمیر اور کنوؤں کی کھدائی کا کام کرتی تھی، اب تک اس نے ۵۷ کنوؤں کی کھدائی، اور ۸ مساجد کی تعمیر مکمل کیا تھا، ان کے لئے ۲۲ خیموں کا جرنیٹر اور دوسرے سازوسامان کے ساتھ بندوبست کیا تھا۔

۳ ــ لجنة افريقيا۔ (کمیٹی برائے افریقی امور)

کمیٹی کے صدر شیخ جاسم العیناتی حفظہ اللہ نے کمیٹی کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ، کمیٹی کی سب سے بڑی غرض و غایت افریقہ میں ان عیسائی مشنریوں کے یلغار کو روکنا اور جم کر ان کا مقابلہ کرنا ہے

جو مسلمانوں کو اپنے دین وعقیدہ سے برگشتہ کرکے عیسائی مذہب قبول کرانے کے لئے کام کرتی ہیں، ان کے ارادوں کو خاک میں ملانے کے لئے کمیٹی افریقی مسلمانوں کے درمیان عقیدۂ سلف صالحین اور کتاب وسنت کی تعلیم کو عام کرنے، ان سے بدعات وخرافات دور کرنے، اور گمراہ فرقوں کی تردید کی پوری جدوجہد کرتی ہے، اور ان میں دینی کتابوں قرآن شریف کی تقسیم، مدارس اور مساجد، اسلامی مراکز اور یتیم خانوں، ہیلتھ سینٹر کے قیام، اور کنوؤں کی کھدائی کا اہتمام کرتی ہے۔

صدر کمیٹی نے تکمیل شدہ مشاریع کا جو اجمالی خاکہ پیش کیا ہے، وہ نہایت ہی قابل اطمینان بلکہ حوصلہ افزا ہے ان کی ایک سرسری فہرست آپ کے پیش خدمت ہے۔

۱۔ ۱۶۳ سے زائد مساجد کی تعمیر

۲۔ ۷۴ سے زیادہ اسلامک سنٹر کا قیام

۳۔ تقریباً ۳۷ مکتب اور ۲۰ وقف شدہ دوکانوں کی تعمیر

۴۔ ۷۷ کنوؤں کی کھدائی

۵۔ پورے افریقہ میں ۷۰ اسلامی لائبریریوں کی تقسیم

۶۔ مختلف افریقی زبانوں میں ۳ لاکھ دینی کتابوں کی تقسیم

۷۔ ۷۵ مبلغین کی تعیین

۸۔ ۲۵ ہزار جوڑے ملبوسات کی توزیع

۹۔ تقریباً ۱۰۰ طالب علموں کو کویت میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظائف

۱۰۔ ۱۵ ہیلتھ سنٹر کی تعمیر

اسی طرح سوڈان وغیرہ میں قحط سالی یا دوسری آفتوں کے مصیبت زدہ لوگوں کی امداد واعانت میں نمایاں طور پر حصہ لیا تھا۔

۴۔ لجنة القارة الهندية (کمیٹی برائے امور برصغیر)

ہندوپاک وبنگلہ دیش اور نیپال وغیرہ سے متعلق جملہ امور اس کمیٹی کے واسطے سے پایۂ تکمیل کو پہونچتے ہیں۔

۵۔ اللجنة النسائية (کمیٹی برائے خواتین)

ایک صالح معاشرہ کی تشکیل میں خواتین کے اہم کردار کو محسوس کرتے ہوئے اس کمیٹی کا قیام عمل میں آیا، اور اسے جمعیۃ کا مکمل تعاون حاصل رہا، جمعیت نے اس کے لئے وہ تمام سہولیات مہیا کی، جن سے دعوتی میدان میں کام کرنے والی بہنوں کو اپنے سے ہم آہنگ سرگرمیاں جاری رکھنے میں مدد ملتی ہے، مذکورہ کمیٹی نے مختلف پروگراموں کے ذریعہ اپنی بحالی کی امکانی صورت کو لوگوں پر واضح کردیا، بلکہ اپنی افادیت و واقعیت کو بھی منوالیا، گذشتہ ٹرم میں کمیٹی نے " کتاب و سنت کے مطابق مسلم عورت کی تعمیر و ترقی کی خاطر " کے عنوان سے ایک ثقافتی ہفتہ منایا تھا، اور "طبق الخیر" (رفاہی دستر خوان) کے نام سے ایک رفاہی منصوبہ تیار کرنے میں حصہ لیا تھا، جس کا نفع افغان سے متعلق اعانت کمیٹی کو جاتا تھا اسی طرح اپنے مختلف پروگراموں کے ذریعہ سوڈان اور بنگلہ دیش کے مصیبت زدہ لوگوں کے لئے تبرعات وصدقات بھی اکٹھے کئے تھے، مساجد کی تعمیر اور قربانی کے جانوروں کی بیرون ملک میں تقسیم، جیسے دوسرے پروگراموں میں ان کی اعانت اور مساعدہ اس کے علاوہ ہے، کمیٹی عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لئے درسی حلقوں اور تربیتی کیمپ کا بھی اہتمام کرتی تھی ۔

۶ـ مـركـز الشبـاب (مرکز شباب)

جمعیت سے منسلک نوجوانوں میں پوشیدہ صلاحیت کو اجاگر کرنے کے لئے اس مرکز کا قیام عمل میں آیا، تاکہ نوجوان اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے ان سے پوری طرح مستفید ہوں، ۱۹۸۸ء کے نصف میں مرکز نے عملی طور پر اپنا کام شروع کیا تھا، مرکز نے بچوں کے لئے حفظ قرآن کا بندوبست کیا، تدریسی حلقے قائم کئے جن میں عقیدہ اور فقہ سے متعلق چھوٹی چھوٹی آسان کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، اسیطرح کمپیوٹر سکھانے کیلئے ٹریننگ کورس قائم کیا تھا، جس سے ۱۲۰ طلبہ مستفید ہوئے اور جسمانی ورزش کیلئے مرکز مختلف کھیلوں کا بھی اہتمام کرتا تھا ۔

۷ـ ادارة بناء المساجد (ادارہ تعمیر مساجد)

پوری دنیا میں مساجد کی تعمیر اسی ادارے کے واسطے سے عمل میں آتی تھی ۔

۸ ـ مـركـز المخطوطات والتراث (قلمی نسخوں اور نوادرات کا مرکز)

اس مرکز کا اجمالی تعارف گذر چکا ہے ۔

یہ ہے جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی اور اس کی بعض ذیلی کمیٹیاں اور ادارے، اور ان کے پروگراموں اور سرگرمیوں کا مختصر تعارفی خاکہ ـــ جو بروقت کویت پر صدام کے جارحانہ حملے کی وجہ سے معطل ہو کر رہ گئے ہیں، جمعیت کے ذمہ داران

کو اس وقت جن مشاکل اور مصائب کا سامنا ہے ، اس کی حقیقت کو وہی سمجھ سکتے ہیں ۔
ہماری اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ ظالموں کو ان کے کیفر کردار تک پہونچائے ، مظلومین کی مدد فرمائے ، اور ان کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو دوبارہ اکٹھا کرکے اس سے دین کی صحیح خدمت لے ۔ آمین !

فتنے اور ان کی سرزمین

احادیث کی روشنی میں

ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری

اسلام اللہ تعالی کا آخری اور مکمل دین ہے، کوئی نبی یا رسول نیا دین لے کر اب اس دنیا میں آنے والا نہیں ہے اس لئے پیغمبر اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین سے متعلق تمام مسائل کو پوری شرح وبسط کے ساتھ لوگوں پر واضح کر دیا ہے، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں اسلام کی ہدایت موجود نہ ہو، اور اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا —

قد تركتكم على البيضاء، ليلها كنهارها، لا يزيغ عنها بعدي إلا هالك[۱]

میں تمہیں ایک ایسے واضح راستہ پر چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کی راتیں دن کے مانند روشن ہیں، میرے بعد اس راستہ سے وہی شخص گمراہ ہو سکتا ہے جس کے حق میں ہلاکت مقدر ہو چکی ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ جہاں آپ نے دین سے متعلق تمام امور کی وضاحت فرمائی، وہیں آپ نے متعدد احادیث کے ذریعہ اپنی وفات کے بعد سے تا قیامت رونما ہونے والے بے شمار عظیم حوادث وواقعات کی پیشین گوئی بھی فرما دی ہے، تاکہ لوگ اپنے دین کے بارے میں پوری طرح آگاہ وباخبر رہیں اور اپنے لئے جو راستہ اختیار کریں مکمل بصیرت اور معرفت کے ساتھ اختیار کریں —

" ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حي عن بينة "

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ کی بہت سی پیشین گوئیاں امتداد زمانہ کے ساتھ بعینہ ظاہر ہو چکی ہیں، اور ہو رہی ہیں،

(۱) سنن ابن ماجۃ (۱/۱۶ حدیث نمبر ۴۳) علامہ البانی حفظہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی معروف کتاب سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (۲/۷۴۴ حدیث نمبر ۱۹۳۷) میں ذکر کیا ہے۔

اور جن کا ظاہر ہونا باقی ہے وہ بھی ان شاء اللہ ایک نہ ایک دن قبل از قیامت ظاہر ہو کر رہیں گی، کیونکہ آپ کے فرمودات اور خاص طور سے جن کا تعلق دین سے ہے ان میں کسی طرح شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اسلئے کہ وہ سب کے سب من جانب اللہ ہیں، قرآن کریم میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "وما ینطق عن الھوی، إن ھو إلّا وحی یوحی"[1]

امتِ مسلمہ کیلئے کثرت فتن کی پیشین گوئی!

انہیں پیشین گوئیوں میں سے ایک پیشین گوئی آپ کی یہ بھی ہے کہ امت محمدیہ آپ کی وفات کے بعد مختلف فتنوں میں مبتلا کی جائے گی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سیلان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم. يقول: ورفع بصره إلى السماء، سبحان الله! ترسل عليكم الفتن إرسال القطر.	انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کی طرف نگاہ کرکے کہتے ہوئے سنا، سبحان اللہ! تم لوگوں پر بارش کی طرح فتنے برسائے جائیں گے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ ابن أبی عاصم اور بغوی رحمہما اللہ کے حوالے سے اس حدیث کو نقل کیا ہے، اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے[2]۔ اسی طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أشرف النبي صلى الله عليه وسلم على أطم من آطام المدينة، فقال: هل ترون ما أرى؟ قالوا: لا، قال: فإني أرى الفتن تقع خلال بيوتكم كوقع المطر[3]	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے کسی ایک ٹیلہ پر چڑھے، اور صحابۂ کرام سے فرمایا: کیا تمہیں وہ چیز نظر آرہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں، لوگوں نے عرض کیا نہیں، اللہ کے رسول ہم کو وہ چیز نہیں دکھلائی دے رہی ہے تو آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے مکانوں کے درمیان بارش کیطرح نازل ہو رہے ہیں۔

(۱) سورۃ النجم، آیت ۳، ۴۔ (۲) الاصابۃ (۲/۳۲۳) لفظوں میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ ابن سعد نے بھی طبقات (۶/۵۸) میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(۳) صحیح بخاری (۱۳/۱۱ حدیث نمبر ۷۰۶۰) وصحیح مسلم (۴/۲۲۱۱ حدیث نمبر ۲۸۸۵)

ایک دوسری حدیث میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

واللہ! إني لأعلم الناس بكل فتنة هي كائنة فيما بينه وبين الساعة وما بي أن يكون رسول الله صلى الله عليه وسلم أسرّ إليّ في ذلك شيئا لم يحدثه غيري، ولكن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: وهو يحدث مجلسا أنا فيه عن الفتن، وهو يعد الفتن -" منها ثلاث لا يكدن يذرن شيئا، ومنهن فتن كرياح الصيف منها صغار، ومنها كبار. قال حذيفة فذهب أولئك الرهط كلهم غيري."(۱)

بخدا مجھے ان تمام فتنوں کے بارے میں سب سے زیادہ علم ہے جو قیامت سے پہلے رونما ہوں گے، اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس بارے میں کسی ایسی چیز کا راز بتایا ہے جس کی میرے علاوہ کسی دوسرے شخص کو خبر نہیں دی۔ البتہ ایک مجلس میں آپ فتنوں سے متعلق گفتگو کر رہے تھے میں بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ آپ نے فتنوں کو گنتے ہوئے فرمایا: ان میں تین فتنے ایسے ہوں گے جو کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے اور کچھ فتنے ایسے ہوں گے جو موسم گرما میں چلنے والی ہواؤں کے مانند ہونگے، ان میں کچھ چھوٹے ہونگے اور کچھ بڑے ہونگے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مجلس سے تمام لوگ اٹھ کر چلے گئے سوائے میرے۔"

ایسی ہی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ مختلف فتنوں سے دوچار ہوگی، اور ان حدیثوں پر نظر ڈالنے سے ان کے بھیانک اور خطرناک نتائج کا بھی پتہ چلتا ہے، اور ایسے موقعوں پر ایک مؤمن کا کیا موقف اور رویہ ہونا چاہئے اس کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

ستكون الفتن، القاعد فيها خير من القائم، والقائم خير من الماشي، والماشي فيها خير من الساعي، من تشرف لها تستشرفه، فمن وجد ملجأ

عنقریب فتنے برپا ہوں گے، ان میں بیٹھنے والا کھڑے ہونیوالے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، (جو جتنا حصہ لے گا اسی اعتبار سے ماخوذ ہوگا) جو شخص ان

(۱) صحیح مسلم (۴/ ۲۲۱۶ حدیث نمبر ۲۸۹۱) و مسند احمد (۵/ ۳۸۸)

أو معاذا فليعذ به ۔(۱) میں سر اٹھائیگا اسے وہ آدبوچیں گے، اگر کسی کو کوئی ٹھکانہ یا پناہ گاہ میسر آجائے تو وہ ان سے پناہ حاصل کرلے۔

فتنوں کی سرزمین

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی خبر دی کہ امت محمدیہ آپ کی وفات کے بعد مختلف فتنوں سے دوچار ہوگی، اور یہ واضح کردیا کہ ایسے مواقع پر ہر مؤمن کو اپنے آپ کو بچا کر رکھنا چاہئے وہیں آپ نے اس سرزمین کی بھی نشاندہی فرمادی جہاں یہ فتنے سب سے زیادہ جنم لیں گے، آپ نے ایسا اس لئے کیا تاکہ لوگ اور خاص طور سے اس سرزمین میں رہنے والے غفلت کی وجہ سے ان فتنوں کا شکار نہ ہوجائیں، اور جب اس سرزمین کی تعیین وتحدید کے لئے احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان میں تین طرح کے الفاظ ملتے ہیں، اور یہ ایک امر مسلم ہے کہ احادیث بھی قرآن کریم کی طرح (یفسر بعضہا بعضا) آپس میں ایک دوسرے کی تائید وتشریح کرتی ہیں، لہذا تنہا کسی ایک حدیث کو لے کر اپنی مرضی کے مطابق کسی ایک خطہ کو بدنام کرنا کبھی بھی دانشمندی کی بات نہیں ہوسکتی، بلکہ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ہم ان مختلف احادیث پر غور کریں اور شارحین حدیث کے اقوال کی روشنی میں کوئی فیصلہ کریں۔

چونکہ اس موضوع سے متعلق احادیث بکثرت مروی ہیں، ہر ایک کا ذکر باعث طوالت ہوگا اس لئے ہر لفظ کے ساتھ اس سے متعلق دو تین حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا۔ سب سے پہلا لفظ جو ہمیں ان احادیث میں ملتا ہے وہ ہے۔ "مشرق" اور یہی لفظ بکثرت احادیث میں مذکور ہے۔ اس سے متعلق احادیث حسب ذیل ہیں،

ا- عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو مستقبل المشرق يقول: ألا إن الفتنة ھا ھنا من حيث يطلع قرن الشيطان۔(۲)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرق کی جانب اپنا روئے مبارک کرکے فرماتے ہوئے سنا خبردار! بے شک فتنہ یہاں ہے جہاں سے شیطان کا سینگ نمودار ہوگا۔

ب- عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ كان قائما عند باب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

(۱) صحیح بخاری (۳۰/۱۳ حدیث نمبر ۷۰۸۲)۔
(۲) صحیح بخاری (۴۵/۱۳ حدیث نمبر ۷۰۹۳) وصحیح مسلم (۲۲۲۸/۴ حدیث نمبر ۲۹۰۵)۔

عائشة، فأشار بيده نحو المشرق فقال: الفتنة هاهنا حيث يطلع قرن الشيطان (۱)

دروازے کے پاس کھڑے تھے، آپ نے مشرق کی جانب اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا اور فرمایا فتنہ یہاں ہے جہاں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا،

ج ـ عن سالم بن عبد الله بن عمر قال: يا أهل العراق! ما أسألكم عن الصغيرة وأركبكم الكبيرة سمعت أبي عبد الله بن عمر يقول: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الفتنة تجيئ من هاهنا، وأومى بيده نحو المشرق من حيث يطلع قرنا الشيطان، وأنتم يضرب بعضكم رقاب بعض، وإنما قتل موسى الذي قتل من آل فرعون خطأ، فقال الله عز وجل له: وقتلت نفسا فنجيناك من الغم وفتناك فتونا ـ" (۲)

حضرت سالم بن عبد اللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے اہل عراق کو مخاطب کرکے فرمایا، اے اہل عراق! تم چھوٹے چھوٹے گناہوں کے بارے میں پوچھتے بہت زیادہ ہو، اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب بھی بہت زیادہ کرتے ہو، میں نے اپنے والد محترم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا، بلاشبہ فتنہ یہاں سے آئیگا، اور آپ نے اپنے دست مبارک سے مشرق کی جانب اشارہ کیا جہاں سے شیطان کے سینگ نمودار ہونگے، تم آپس میں ایکدوسرے کی گردن زدنی کرتے ہو، حالانکہ موسیٰ نے فرعون کے خاندان کے جس شخص کو قتل کیا تھا غلطی سے قتل کیا تھا، اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: تم نے ایک آدمی کو قتل کردیا تھا تو ہم نے تمہیں مصیبت سے نجات دلائی اور طرح طرح کے فتنوں سے آزمایا۔

دوسرا لفظ "نجد" ہے، اس کے تعلق سے جو حدیث ہمیں ملتی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

عن ابن عون، عن نافع، عن ابن عمر قال: ذكر النبي صلى الله عليه وسلم فقال: اللهم بارك لنا في شامنا اللهم بارك لنا في يمننا، قالوا: وفي نجدنا

عبد اللہ بن عون روایت کرتے ہیں نافع سے، اور وہ روایت کرتے ہیں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرتے ہوئے کہا، اے اللہ! تو ہم کو ہمارے شام میں برکت عطا کر، اے اللہ! تو ہم کو ہمارے یمن میں

(۱) صحیح مسلم (۴/ ۲۲۲۹) حدیث نمبر (۲۹۰۵) و مسند احمد (۲/ ۱۸) مذکورہ لفظ امام احمد کا ہے۔ (۲) صحیح مسلم (۴/ ۲۲۲۹) حدیث نمبر (۵۰/۲۹۰۵)

قال: اللّٰهم بارك لنا في شامنا	برکت عطا کر، لوگوں نے عرض کیا، اور ہمارے نجد میں ؟
اللّٰهم بارك لنا في يمننا، قالوا:	آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو ہم کو ہمارے شام میں برکت عطا کر،
يارسول الله! وفي نجدنا؟ فأظنه قال	اے اللہ! تو ہم کو ہمارے یمن میں برکت عطا کر، لوگوں نے پھر
في الثالثة: هناك الزلازل والفتن	عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمارے نجد میں بھی؟ (راوی کہتے
وبها يطلع قرن الشيطان۔	ہیں) میرا خیال ہے کہ تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا، وہاں تو زلزلے اور
	فتنے ہیں، اور وہیں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کے اندر کتاب الفتن "باب الفتنۃ من قبل المشرق" کے تحت ذکر کیا ہے[1]۔ اور اس طرح موصوف نے حدیث میں موجود لفظ "نجد" کے معنی کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا ہے۔ تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی، یہاں جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ کہ صرف یہی ایک حدیث ایسی ہے جس میں "نجد" کا لفظ وارد ہوا ہے، اس کے علاوہ مجھے دوسری کوئی حدیث تلاش کے باوجود نہیں مل سکی۔

علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تقریبا ۵ طرق سے ذکر کیا ہے[2]۔ لیکن سب طرق عبداللہ بن عون میں جاکر مل جاتے ہیں، اس لئے وہ ایک ہی حدیث مانی جائے گی۔

تیسرا لفظ "عراق" ہے۔ اس سے متعلق جو احادیث ہمیں ملتی ہیں ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عن ابن عمر أن النبي صلى الله	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ
عليه وسلم قال: اللهم بارك لنا	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، اے اللہ! تو ہم کو
في شامنا، اللهم بارك لنا في	ہمارے شام میں برکت عطا کر، تو ہم کو ہمارے یمن میں برکت عطا
يمننا، فقالها مرارا، فلما كان	کر، کئی بار آپ نے اس جملہ کو دہرایا، تیسری یا چوتھی
في الثالثة أو الرابعة قالوا:	مرتبہ صحابہ کرام نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! اور ہمارے
يارسول الله! وفي عراقنا؟ قال:	عراق میں بھی، تو آپ نے فرمایا: وہاں تو زلزلے
إن بها الزلازل والفتن، وبها	اور فتنے برپا ہوں گے، اور وہیں سے شیطان
يطلع قرن الشيطان۔	کا سینگ نکلے گا۔

(۱) صحیح بخاری (۱۳/۴۵ حدیث نمبر ۷۰۹۴) (۲) تاریخ دمشق (۱/۱۲۱) مکتبۃ الدار بالمدینہ۔

اس حدیث کو علامہ طبرانیؒ نے روایت کیا ہے۔[1] اور علامہ ہیثمیؒ نے اس کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں، سوائے عبدالرحمن بن عطار کے، وہ بھی ثقہ ہیں، ان کے بارے میں تھوڑا سا اختلاف ہے جو غیر مضر ہے۔[2]

ب ۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: اللّٰہم بارک لنا فی صاعنا ومدنا ومکتنا ومدینتنا ۔ و بارک لنا فی شامنا ویمننا، فقال رجل: وعراقنا؟ قال: ان فیہا قرن الشیطان وتہیج الفتن وان الجفاء بالمشرق[3]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! تو ہمارے صاع اور مد میں، ہمارے مکہ و مدینہ میں برکت عطا کر، ہمارے شام و یمن میں برکت عطا کر۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ اور ہمارے عراق میں؟ آپ نے فرمایا: وہاں شیطان کے سینگ ہیں، اور فتنوں کی بھرمار ہے، بلاشبہ سنگ دلی مشرق میں ہے۔

ج ۔ عن سالم بن عبد اللہ عن أبیہ قال: صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ الفجر، ثم انفتل فأقبل علی القوم. فقال: اللّٰہم بارک لنا فی مدینتنا وبارک لنا فی مدنا وصاعنا، اللہم بارک لنا فی حرمنا وبارک لنا فی شامنا

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ دعا فرمائی، اے اللہ! تو ہم کو ہمارے مدینہ میں، ہمارے مد اور صاع میں برکت عطا کر، اے اللہ! تو ہم کو ہمارے حرم میں، ہمارے شام اور یمن میں برکت عطا کر،

(۱) المعجم الکبیر (۱۲/ ۳۸۴ حدیث نمبر ۱۳۴۲۲) امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن ان کے یہاں "مشرقنا" کا لفظ وارد ہوا ہے۔ مسند احمد (۲/ ۹۰)۔ (۲) مجمع الزوائد (۱۰/ ۵۷)۔

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی (۱۲/ ۸۴ حدیث نمبر ۱۲۵۵۳) اس حدیث کی سند میں اسحاق بن عبداللہ بن کیسان ضعیف ہیں۔ دیکھئے: مجمع الزوائد (۳/ ۲۸۷) لیکن یہ دوسری سندوں سے بھی مروی ہے۔ جس سے اس کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

ويمننا، فقال رجل: والعراق؟ يارسول الله! فسكت ثم أعاد، فقال: اللهم بارك لنا ..... (وقال في الثالثة) من ثم يطلع قرن الشيطان، وتهيج الفتن۔

ایک صحابی نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! اور عراق میں بھی؟ آپ خاموش رہے۔ (پھر آپ نے وہی دعا فرمائی اور صحابی نے عراق کو بھی دعا میں شامل کرنے کی درخواست کی لیکن آپ نے سکوت فرمایا، تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا) وہاں سے شیطان کے سینگ طلوع ہونگے اور فتنے سر اٹھائیں گے۔

اس حدیث کو علامہ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں متعدد سندوں سے روایت کیا ہے[1]

عراق سے متعلق اور بھی بہت سی حدیثیں مروی ہیں، انہیں تاریخ دمشق میں دیکھا جا سکتا ہے۔

لفظ نجد و مشرق کے معنی کی تحدید

اسی لفظ " عراق " سے سابقہ دونوں لفظوں " مشرق " و " نجد " کے معنی کی تعیین ہو جاتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اکثر شارحین حدیث اس امر پر متفق ہیں کہ احادیث میں " مشرق " سے مراد عراق ہے۔ اور " نجد " سے نجد عراق، نہ کہ نجد یمامہ جس سرزمین سے شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے دعوت توحید اور اصلاح و تجدید کا علم بلند کیا تھا۔

علامہ خطابی کا قول: جن علماء سے اس قسم کی وضاحت منقول ہے ان میں علامہ حمد بن محمد الخطابی شارح سنن ابی داؤد وصاحب غریب الحدیث (ت ۳۸۸ھ) رحمہ اللہ سرفہرست ہیں، حافظ ابن حجر ان سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " نجد مشرق کی جانب واقع ہے، اور مدینہ میں رہنے والوں کے لئے عراق کے گرد و نواح اور اس کے علاقے " نجد " کہلاتے ہیں، کیونکہ وہی اہل مدینہ کے لئے مشرق کی سمت میں واقع ہیں، دراصل نجد زمین کے بالائی حصے کو کہتے ہیں۔ وہ لفظ " غور " کا ضد ہے، کیونکہ غور زمین کے زیریں حصے کو کہتے ہیں، تہامہ پورا کا پورا غور ہے، اور مکہ مکرمہ تہامہ ہی کا ایک حصہ ہے۔

حافظ ابن حجر کا قول: خطابی کی اس وضاحت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر نے علامہ احمد بن نصر داؤدی (ت ۴۰۲ھ) رحمۃ اللہ علیہ پر کڑی تنقید کی ہے، کیونکہ انہوں نے نجد کو ایک خاص مقام کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ " اس سے (یعنی خطابی کی تشریح سے) یہ بات پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ داؤدی کا قول غلط ہے، جو اس طرف گئے ہیں کہ نجد عراق میں واقع ہے انہیں اس سلسلے میں وہم ہو گیا ہے، کہ نجد ایک مخصوص جگہ کا نام ہے، کیونکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے، صحیح بات یہ ہے کہ نجد زمین کے بالائی حصے

(۱) تاریخ دمشق (۱/۵۸-۵۹)

کو کہتے ہیں، اور اس سے ملحق زیریں علاقہ کو غور کہتے ہیں (۱)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری حدیث مروی ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "رأس الکفر نحو المشرق" (۲)۔ اس کی تشریح میں حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ: اس حدیث میں مجوسیوں کے شدت کفر اور ان کی سرکشی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کیونکہ اہل فارس اور ان کی ماتحتی قبول کرنے والے عربوں کی حکومت وسلطنت بہ نسبت مدینہ کے مشرق ہی کی جانب واقع تھی، اور وہ سب سنگدلی، کبر ونخوت اور ظلم وتشدد میں حد سے متجاوز تھے، حتیٰ کہ ان کے بادشاہ وقت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارسال کردہ نامۂ مبارک کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا، اور ہمیشہ مشرق ہی کی جانب سے فتنے سر اٹھاتے رہے ہیں (۳)

علامہ عینی کا قول: علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیث نجد کی شرح کرتے وقت خطابی کا سابقہ قول نقل کیا ہے، اور اس کی تصویب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "فتنے مشرق ہی کی جانب سے ظاہر ہونگے، اور اسی جانب سے یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا" کعب الأحبار سے منقول ہے کہ "مشرق میں۔ داء عضال۔ یعنی دین کی تباہی ہے" (۴)

علامہ کرمانی کا قول: علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی زیر نظر حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ "نجد زمین کے بالائی حصے کو کہتے ہیں اور اس کے بالمقابل "غور" زمین کے پست علاقے کو کہتے ہیں، مدینہ طیبہ میں رہنے والوں کے لئے عراق کے گرد ونواح اور اس کے دیہی علاقے نجد کہلاتے ہیں، اور وہ ان کے مشرق میں واقع ہے" (۵)

علامہ نووی کا قول: اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے "قرن الشیطان" کی تفسیر وتشریح کرتے وقت جو اسلوب اپنایا ہے، اس سے واضح طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نجد سے مراد ان کی نظر میں بھی عراق ہی کی سرزمین ہے، عنقریب ان کے قول کا مفصل ذکر آئے گا۔

علامہ البانی کا قول: محدث عصر علامہ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث "اللهم بارك لنا في شامنا" کے مختلف طرق واسانید کو جمع کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "ان تمام طرق سے یہی پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ

(۱) فتح الباری (۱۳/۴۷)۔ (۲) صحیح بخاری (۶/۳۵۰ حدیث نمبر ۳۳۰۱)۔

(۳) فتح الباری (۶/۳۵۲)۔ (۴) عمدۃ القاری (۱۱/۳۵۳) علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی خطابی کا قول نقل کیا ہے اور اس کی روشنی میں داؤدی کے قول کی تردید کی ہے۔ دیکھئے، ارشاد الساری (۱۰/۲۵۳)۔

(۵) شرح الکرمانی لصحیح البخاری (۲۴/۱۶۸)۔

کی روایت میں " نجد " کا جو لفظ وارد ہوا ہے اس سے وہ علاقہ مقصود نہیں ہے جو آج اس نام سے معروف ہے، بلکہ اس سے مراد سرزمین عراق ہے۔ امام خطابی اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی ثابت ہو چکی ہے کیونکہ متعدد بڑے بڑے فتنے اسی سرزمین سے رونما ہوئے ہیں، اور اس طرح مذکورہ حدیث آپ کے معجزات میں شمار ہوتی ہیں، اور یہ آپ کی نبوت کی صداقت پر ایک زندہ وجاوید دلیل ہے۔(۱)

نجد بعض علماء لغت کی نظر میں

شارحین حدیث کے اقوال ذکر کرنے کے بعد عربی لغت کی بعض قدیم کتابوں پر بھی ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا تاکہ یہ پوری طرح واضح ہو جائے کہ مذکورہ تشریح لغت کی کتابوں سے بھی مکمل طور سے میل کھاتی ہے، چنانچہ علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نجد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "نجد زمین کے بلند حصے کو کہتے ہیں، اور حجاز کے بعد عراق کی جانب جو زمین واقع ہے اسی پر نجد کا اطلاق ہوتا ہے۔"(۲)

اور صاحب تاج العروس علامہ زبیدی نے نجد کا بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ " نجد غور ۔یعنی تہامہ (زیریں علاقہ) کا ضد ہے، عربستان میں نجد اس خطے کو کہتے ہیں جو عالیہ کے بالائی حصے پر واقع ہے، اور عالیہ کا اطلاق اس سرزمین پر ہوتا ہے جو نجد کے بعد سے تہامہ تک واقع ہے، اور تہامہ کی حد مکہ کے بعد تک ہے، اس کے علاوہ عراق تک کا پورا علاقہ نجد کہلاتا ہے۔"(۳)

اہل بدعت کا دعویٰ اور اس کی تردید

ان تمام صراحتوں اور وضاحتوں کے باوجود اہل بدعت اور مفاد پرست علماء مذکورہ احادیث کا مصداق شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کو قرار دیتے ہیں، اور بزعم خویش دعویٰ کرتے ہیں کہ احادیث میں نجد یا مشرق سے مراد نجد یمامہ ہے، یعنی جس سرزمین سے شیخ محمد بن عبد الوہاب نے اپنی عظیم ترین اصلاحی دعوت کا علم بلند کیا تھا، اور اس افتراپردازی میں فتنۂ خوارج سے متعلق احادیث کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں، گویا محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی اصلاحی اور تبلیغی دعوت کو فتنۂ خوارج کے قبیل سے شمار کرتے ہیں اور سرزمین یمامہ کو فتنہ وفساد کی سرزمین تصور کرتے ہیں، اور اس طرح اس عظیم دعوت کو بدنام کرنے، اور شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی شخصیت کو مسخ کرنے کی غرض سے لوگوں میں گمراہیاں پھیلائی گئیں، دل آزار باتیں کی گئیں، غلط پروپیگنڈوں کا سہارا لیا گیا، احادیث کی تحریف کرکے وہابی دعوت پر منطبق کرنے کی کوشش کی گئی، اور اسے حدیث نجد قرن الشیطان کا مصداق قرار دیا گیا

(۱) تخریج احادیث فضائل الشام (ص ۲۵) ۔

(۲) النہایۃ (۱۹/۵) ۔ (۳) تاج العروس (۲۰۹/۹) ۔

اور اس سلسلہ میں مفتی مکہ احمد زینی دحلان (ت ۱۳۰٤ھ) کا نام سرفہرست ہے، انہوں نے اس طرح کی خرافات کو " الدرر السنیۃ فی الرد علی الوھابیۃ " کتاب لکھ کر لوگوں میں عام کیا، کتاب کی ترویج و اشاعت میں اس وقت کے امراءِ مکہ نے دل کھول کر حصہ لیا، اور اطراف عالم سے آئے ہوئے حجاج و معتمرین سے بھی کافی تعاون حاصل رہا۔ ان کے پروپیگنڈوں خاص طور سے حدیث نجد قرن الشیطان کو کافی رواج حاصل ہوا، اس کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ مدت سے کتاب ناپید ہونے کے باوجود ان پروپیگنڈوں کی بازگشت آج بھی جاہل عوام تک میں سنائی دیتی ہے، شیخ زینی دحلان یا ان کے ہم مشرب دوسرے علماء کی جانب سے محمد بن عبدالوہاب اور ان کی تحریک کے خلاف لگائے جانے والے تمام الزامات بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں، ان کا یہ دعویٰ کہ " حدیث میں نجد سے مراد نجد یمامہ ہے، اور اس کا مصداق شیخ محمد بن عبدالوہاب اور انکی دعوت ہے " بھی سراسر جھوٹ اور افتراء پردازی پر مبنی ہے، علماء حدیث کے اقوال اور لغت کی کتابوں سے اس کی نفی ہوتی ہے، درحقیقت اس قسم کی بات وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں دعوت توحید کے خلاف بغض و حسد نے جڑ پکڑ لی ہے۔

علامہ محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ نے اپنی گراں قدر تالیف " صیانۃ الإنسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان " میں، اور حکیم محمد اشرف سندھو نے اپنی مستقل تالیف " أکمل البیان فی شرح حدیث نجد قرن الشیطان " میں ان مبتدعہ کی افتراء پردازی، اور ان کے شبہات کی مکمل طور سے قلعی کردی ہے، اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے تمام مزاعم اور دعاوی کی بنیاد ہوی پرستی اور بغض و حسد پر ہے[1]، کیونکہ اتنی عظیم اصلاحی اور تبلیغی دعوت جس کا نصب العین کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تعلیمات کو اجاگر کرنا، اور لوگوں کو خرافات و بدعات سے باز رکھنا ہے، وہی شخص اس کو فتنوں کی قبیل سے شمار کر سکتا ہے، جس کے دل میں کجروی اور انحراف پایا جاتا ہوگا، ورنہ جس کا دل اس طرح کے مرض سے پاک ہوگا کبھی بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ یا ان کی دعوت کے بارے میں ایسا تصور کر ہی نہیں سکتا، بلکہ وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا وہی مطلب سمجھے گا جو اس کے راوی حضرت سالم بن عبداللہ ابن عمر نے سمجھا تھا، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ انہوں نے اہل عراق کو مخاطب کر کے کہا۔ اے عراق والو! تم چھوٹے چھوٹے گناہوں کے بارے میں پوچھتے بہت زیادہ ہو، اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب بھی بہت زیادہ کرتے ہو، میں نے اپنے والد محترم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے

---

(۱) علامہ محمد رشید رضا مصری نے زینی دحلان کے کتاب پر صرف ایک جملہ میں تبصرہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے جملہ مسائل صرف دو محور پر گھومتے ہیں۔ افتراء پردازی اور جہالت۔ دیکھئے۔ ان کا مقدمہ علامہ سہسوانی کی کتاب صیانۃ الإنسان پر (ص ۲۹)۔

ہوئے سنا ہے، آپ نے فرمایا: بلاشبہ فتنہ یہاں سے آئے گا، اور آپ نے دست مبارک سے مشرق کی جانب اشارہ کیا۔۔۔"(۱)

اس حدیث کے ذریعہ ان دوسری تمام احادیث کی جن میں لفظ مشرق یا نجد واقع ہوا ہے، مکمل طور سے تشریح اور تحدید ہو جاتی ہے کہ ان سے مراد سرزمین عراق ہے۔

اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مذکورہ احادیث میں نجد یا مرہی کو فتنوں کی سرزمین کہا گیا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس سے سرزمین نجد میں رہنے والے تمام لوگ مراد ہیں؟، اگر ایسی بات ہے تو مدینہ طیبہ کے بارے میں بھی ایک حدیث آئی ہے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے کسی ٹیلے پر سوار ہوئے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو مخاطب کر کے فرمایا: کیا تمہیں وہ چیز نظر آرہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں، لوگوں نے نفی میں جواب دیا، تو آپ نے فرمایا: کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں کے درمیان بارش کی طرح نازل ہو رہے ہیں۔(۲)

تو کیا اس حدیث کے پیش نظر یہ کہنا درست ہو گا کہ مدینہ فتنوں کی زمین ہے، اس میں بسنے والے تمام لوگ فتنہ پرور ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلك)، میرے خیال میں کوئی صاحب عقل وخرد اس طرح کی بات سننا گوارا نہیں کرے گا، چہ جائے کہ ایسی بات اپنی زبان سے نکالے، تو یہی معاملہ سرزمین نجد کا ہے، اگر ہم اسے سابقہ احادیث کا مصداق تسلیم کرتے ہیں۔

دو حدیثوں کے درمیان تعارض اور اس کا ازالہ:

یہاں کسی کے ذہن میں اگر یہ خلجان پیدا ہو کہ ایک طرف مشرق کو فتنوں کا منبع کہا گیا ہے، دوسری طرف طیبہ کی گلیوں کو بھی فتنوں کی جولان گاہ قرار دیا گیا ہے، بظاہر دونوں میں تعارض کی شکل نظر آتی ہے، اس خلجان کے ازالہ کے لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو یہاں نقل کرنا ان شاء اللہ سودمند ہو گا، چنانچہ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث میں مدینہ کو خاص طور سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تھا، اس کے بعد ہی دوسرے شہروں میں فتنوں نے سر اٹھانا شروع کیا تھا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سب سے اہم سبب آپ کے مقرر کردہ گورنروں سے لوگوں کی ناراضگی تھی، اور چونکہ آپ نے ہی ان کو گورنری کے منصب پر فائز کیا تھا، اس لئے بالواسطہ آپ بھی لوگوں کی نظر میں مطعون ہوئے، اور یہ صورت حال سب سے پہلے عراق ہی میں منظر عام پر آئی تھی اور وہ مشرق میں واقع ہے، اس لئے جس حدیث میں مشرق کو فتنوں کی سرزمین کہا گیا ہے، اس میں اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ

(۱) حدیث مع عربی متن نقل کی جا چکی ہے۔ (۲) حدیث مع عربی متن نقل کی جا چکی ہے۔

کی حدیث میں کوئی منافاۃ یا تعارض نہیں ہے۔[۱]

"قرنا الشیطان" کا معنیٰ

زیر بحث احادیث میں "قرن الشیطان" یا "قرنا الشیطان" کا لفظ وارد ہوا ہے، مزید وضاحت کی خاطر اس لفظ کے معنیٰ پر بھی غور کرلیں تو بہتر ہوگا۔

عربی لغت کے اعتبار سے قرن کا استعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے، مثال کے طور پر سینگ، سر کے بال کی چوٹی، صدی، مطلق زمانہ، ایک زمانہ کے لوگ (اوسط درجے کی عمر کے اعتبار سے) آخری معنیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اقتران سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ ملنا اور اکٹھا ہونا ہے، گویا قرن اس مدت کو کہتے ہیں جس میں لوگ اپنی عمروں اور احوال وظروف کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ہم پایہ اور برابر ہوتے ہیں۔[۲]

احادیث میں "قرنا الشیطان" سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں علماء حدیث کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تین اقوال ذکر کیا ہے۔ ۱ اس سے مراد شیطان کے سر کے دونوں جانبی حصے، ۲ شیطان کے وہ دونوں گروہ جنہیں وہ لوگوں کو راہ راست سے ہٹا کر گمراہی کے راستے پر لگانے کے لئے اکساتا ہے، ۳ کفار کی دو جماعتیں۔

تینوں اقوال ذکر کرنے کے بعد علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرق پر شیطان کا کافی غلبہ اور کفر کا مکمل تسلط ہوگا، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا: رأس الکفر نحو المشرق۔ یعنی کفر کا گڑھ مشرق کی جانب ہے، جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا اس وقت صورت حال بالکل ایسے ہی تھی، اور یہی حال ہوگا، جس زمانہ میں مشرق کی جانب سے دجال کا خروج ہوگا اور اس کے مابین وہ ہمیشہ ہی بڑے بڑے فتنوں کی آماجگاہ اور کفار تراک کی ریشہ دوانیوں کا مرکز رہا ہے، جو فسق وفجور اور سرکشی وطغیانی میں حد سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔[۳]

صاحب مجمع بحار الأنوار علامہ فتنی رحمۃ اللہ علیہ نے "قرنا الشیطان" کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس سے شیطان کے دو معنوی گروہ، یا کفار کی دو جماعتیں مراد ہیں، اس کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مشرق میں شیطان کا کافی تسلط ہے، اور آپ کے زمانے میں مشرق کی حالت بالکل ایسی ہی تھی، اور اس وقت بھی ویسی ہی رہے گی، جب مشرق کی طرف سے دجال کا خروج ہوگا، اور اس کے مابین وہ ہمیشہ ہی بڑے بڑے فتنوں کا گڑھ اور سرکش ترکوں کی ریشہ دوانیوں کا مرکز رہا ہے۔[۴]

---

(۱) فتح الباری (۱۳/۱۳)۔ (۲) دیکھئے النہایۃ فی غریب الحدیث (۴/۵۱-۵۲) ولسان العرب (۱۳/۳۳۱-۳۳۴)۔

(۳) شرح النووی لصحیح مسلم (۲/۳۴)۔ (۴) علامہ شہسوانی نے اسے نقل کیا ہے۔ دیکھئے صیانۃ الإنسان (ص ۵۲۶)۔

شیخ تویجری حفظہ اللہ نے اس بارے میں مزید دو احتمالات کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ اس سے مراد ابتدائی اور آخری اور ان کے مابین رونما ہونے والے عظیم فتنے۔ ۲۔ قتل وغارت، اور باطل فرقوں کے فتنے، اور یہ امر مسلم ہے کہ قتل وخونریزی کے اکثر بڑے بڑے فتنے، اور اسی طرح ان باطل آراء کے فتنے جن میں ہوی پرستی کا بڑا دخل ہے سب سے پہلے عراق کی ہی سرزمین میں ظاہر ہوئے ہیں۔ (۱)

آخری احتمال دل کو لگتا ہوا محسوس ہوتا ہے، کیونکہ تاریخ کے صفحات اس بات کا مکمل ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ عراق ہمیشہ سے دونوں طرح کے فتنوں کا مرکز اور منبع رہا ہے، لیکن علماء سلف میں سے کسی نے اس قول کو اختیار کیا ہے یا نہیں، اس کا مجھے علم نہیں ہو سکا۔ تاریخ کی جو بات کہی گئی، تو اس کا اعتراف علامہ نووی وغیرہ نے کیا ہے، جیسا کہ پچھلی سطروں میں ان سے نقل کیا جا چکا ہے، حافظ ابن حجر ایک جگہ بعض اہل علم سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: چونکہ اہل مشرق اس زمانے میں کفر پر تھے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ فتنے اسی جہت سے آئیں گے، اور ایسا ہی ہوا۔

سب سے پہلا فتنہ مشرق ہی کی جانب سے آیا جو مسلمانوں کے درمیان شدید اختلاف وافتراق کا باعث بنا اور یہی ہمیشہ سے شیطان کی دلی تمنا اور خواہش رہی ہے، اور اسی طرح بدعات وخرافات نے بھی اسی علاقہ میں جنم لیا۔ (۲)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی سازش عراق میں رچی گئی، اور عراقیوں نے ہی بعض مصری دہشت گردوں کے تعاون سے ان کو شہید کیا، اسی طرح جنگ جمل وجنگ صفین سرزمین عراق ہی میں لڑی گئی جس کے نتیجہ میں بے شمار صحابہ کرام وتابعین عظام کی جانیں ضائع ہوئیں، نواسہ رسول حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور اس خاندان کے متعدد افراد کی شہادت بھی اسی سرزمین میں واقع ہوئی، مختار بن ابی عبید الثقفی حجاج بن ابی یوسف زنج قرامطہ اور بالآخر تاتاری فتنہ جس نے خلافت اسلامیہ کی بساط لپیٹ کر رکھ دی، یہ سب کے سب سرزمین عراق ہی کی پیداوار ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ جب ہم عراق کو ماضی اور حال کے آئینہ سے دیکھتے ہیں تو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ یہ سرزمین ہمیشہ ہی انسانی خون سے سیراب کی گئی پھر بھی اس کی پیاس نہیں بجھ سکی۔

اسی طرح خرافات وبدعات کا بازار عراق کی سرزمین میں سب سے زیادہ گرم رہا، چنانچہ وہیں انکار قدر کا فتنہ پیدا ہوا،

---

(۱) اتحاف الجماعۃ بما جاء فی الفتن واشراط الساعۃ (۱/۱۱۶)

(۲) فتح الباری (۱۳/۴۷)

فتنۂ رفض وتشیع، فتنۂ خوارج، فتنۂ جہمیہ، فتنۂ اعتزال، فتنۂ خلق قرآن، فتنۂ تصوف جس کی وجہ سے حلول ووحدت الوجود جیسے باطل افکار ونظریات اسلام میں راہ پاگئے۔

یہ تمام اور ان جیسے دوسرے بے شمار فتنے عراق ہی کی دین ہیں۔ انھیں تمام امور کی بناء پر علماء سلف عراق کے بارے میں ایک خاص موقف اور نظریہ رکھتے تھے، ہمارے ایک عزیز ساتھی اور میرے ہم نام مولانا رضاء اللہ بریلوی مدنی نے اپنی کتاب "فتنوں کی سرزمین تجدیا عراق" میں بعض ائمہ کے اقوال کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ حقیقت حال کو سمجھنے کے لئے نہایت ضروری اور مفید ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

آخر میں ہمیں ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ عراق کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس سرزمین میں پیدا ہونے والے یا بسنے والے تمام افراد قابل مذمت ہیں، اس طرح کی بات کسی مسلمان شخص کے ذہن میں بھی نہیں آسکتی، چہ جائیکہ وہ اپنی زبان سے ایسی بات نکالے، کیونکہ اس سرزمین میں بے شمار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم وتابعین وتبع تابعین نے سکونت اختیار کی، امام ابوحنیفہ وامام احمد بن حنبل رحمہما اللہ جیسے محدثین عظام وفقہاء کبار اسی سرزمین میں پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی کو دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا، اور اس راستہ میں مختلف اذیتیں ومصائب جھیل کر ایسی خدمات انجام دیں، جنہیں پوری امت تاقیامت یاد رکھے گی اور ان کی احسان مند رہے گی۔

علامہ سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: "اگر کسی شخص نے اس طرح کے شہروں میں صرف سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے کسی کی مذمت کی تو گویا اس نے امت کے بیشتر افراد کو ان کے نا کردہ غلطی پر برا بھلا کہا، ان کی عیب جوئی کی اور ان کو اذیت پہونچائی"[1]۔

(۱) صیانۃ الإنسان (ص ۵۱۵)۔

ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ عرب

۲راگست ۱۹۹۰ء ۱۰رمحرم ۱۴۱۱ھ کی تاریخ امت مسلمہ کے موجودہ احوال وظروف میں ایک سیاہ
ـکی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھی جائے گی، جب عین فجر کے وقت ایک لاکھ ۲۰ ہزار عراقی فوجوں نے برادر اسلامی
ـ کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ عراقی صدر صدام حسین نے اس کارروائی سے پوری دنیائے انسانیت کو عموماً
ملتِ اسلامیہ کو خصوصاً، یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ عراق کی مٹی میں آج بھی وفاداری، اخلاق ومروت اور تقویٰ
ـلاح کا عنصر ضعیف ومغلوب ہے۔ فتنہ وفساد، جارحیت وعدوان اور بے وفائی وبے مروتی کا
ـر قوی وغالب ہے اور یہ زمین سیکڑوں تباہ کن فتنہ وفساد اور غداری وبے وفائی کے انتہائی سیاہ داغ
ـہے جو ہزاروں برس سے اس کی پیشانی اور دامن پر لگے ہوئے ہیں آج بھی دھلنے کے لیے تیار نہیں ہے۔
ـام حسین نے اس کارروائی سے پوری دنیا میں اسلام کو رسوا کرنا اور امت مسلمہ میں تفرق پیدا کر کے اس کا مذاق
ـنا چاہا ہے۔ قبضہ کے دوسرے دن اس نے اعلان کرایا کہ عراقی افواج کویت سے واپس آ رہی ہیں، لیکن تیسرے
ـ اعلان کرایا کہ کویت عراق ہی کا ایک حصہ ہے اور وہاں ایک ناجائز حکومت قائم کرادی۔ ایک مسلمان ملک کے
ـقہ، جھوٹ، فریب، بدعہدی، ظلم وعدوان اور قتل ونہب کی یہ غیر اسلامی روش کسی مسلمان حکمراں کے شایان
ـن نہیں۔ اگر اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ادنیٰ خیال بھی اس کے دل میں بحیثیت مسلم حکمراں
ـہوتا تو محسن انسانیت رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک حدیث اسے اس جارحانہ کارروائی سے
ـرکھ سکتی تھی " کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ "، تمام مسلمانوں پر دوسرے
ـمانوں کا خون، ان کا مال اور ان کی عزت حرام ہے"۔ لیکن یہ صدام حسین اس ظلم وتعدی کے لیے تنہا نہیں
سے تائید
ـ۔ لاکھ مسلمانوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ مسلمانوں کے مال سے بے پناہ سامانِ حرب تیار کرتا ہے، تاکہ اس سے مسلمانوں

کا خون بہائے، ان کا مال چھینے، ان کی زمینوں پر قبضہ کرے اور ان کی عزت و آبرو کو برباد کرے۔
صدام کی یہ جارحانہ غداری حالیہ ملی تاریخ کا سیاہ باب اس لیے ہے کہ اس نے یہ کارروائی ایک ایسے اہم موڑ پر انجام دی ہے یا اس سے دلوائی گئی ہے۔ جب عالم عرب جو پوری دنیا کی ملت اسلامیہ کا دھڑکتا دل ہے اپنے بیشتر اہم داخلی نزاعات کو تقریباً ختم کرکے ایک ناقابل تسخیر سپر پاور کے مرحلہ میں داخل ہونے کے لیے پر تول رہا تھا اور خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد جدید اسلامی نشاۃ ثانیہ کے تقاضہ کے مطابق پھر سے ایک عرب اسلامی خلافت کا نقشہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل و دماغ میں ابھرنے لگا تھا، لیکن اس محسن کش کے ذریعہ جو کارروائی انجام پائی ہے، اس سے ملت اسلامیہ کے بندھتے ہوئے شیرازہ کے پھر سے نامعلوم عرصہ کے لیے بکھرنے کے اندیشے پیدا ہوگئے ہیں، صدام حسین کے اس اعلان سے ساری دنیا کے مسلمانوں پر سکتہ سا طاری ہوگیا ہے جب ایک طرف تمام مسلم حکمران قاہرہ چوٹی کانفرنس میں کویت قضیہ کے حل کی تدبیریں کررہے تھے، دوسری طرف وہ عرب عوام کو بغاوت پر آمادہ کررہا تھا۔ اس نے نہایت پرشور نعرہ بلند کیا تھا کہ اب وقت آچکا ہے کہ عرب عوام مکہ اور مدینہ کو سامراجی ایجنٹوں کے تسلط و اقتدار سے آزاد کرالیں۔ اس اہم مرحلہ پر ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر کرنے کے لیے عراق کے جارحیت پسند قائد کا یہ نعرہ بعینہ وہی نعرہ ہے جو اس سے پہلے ایرانی توسیع پسند رہنما نے حدود حرم میں خونریزی کراتے ہوئے بلند کیا تھا اور ایران نے غالباً اسی مقصد کے لیے تین سال سے اپنے آدمیوں کو حج کرنے سے بھی روک رکھا ہے آٹھ سال کی تباہ کن جنگ اور لاکھوں انسانوں کی خونریزی ابھی کل کی بات ہے لیکن یہ دونوں منافق خلیج میں بحران پیدا ہوجانے کے بعد اپنے رستے ہوئے زخموں کو بھول کر گلے مل چکے ہیں۔ ایسے مشکل اور نازک حالات میں جبکہ دشمن زبردست قوت کے ساتھ سرحد پر تیار کھڑا ہو، امیر المومنین پر شریعت اسلامیہ واجب قرار دیتی ہے کہ حرمین شریفین اور مقدسات اسلامیہ کے تحفظ کے لیے زبردست قوت تیار کرے اور ایسے لوگوں سے مدد لے جو زبردست قدرت و طاقت رکھتے ہوں اور ان سے تحفظ کا مقصد حاصل ہوجائے۔ عرب اور مسلم ممالک کی افواج کے ساتھ امریکا اور دیگر اہل کتاب ممالک کی افواج سعودی عربیہ کے ساحلی علاقوں میں اسی لیے بلائی گئی ہیں کہ وہ عراقی حملے کا دفاع کریں اور سعودی عربیہ اور دیگر خلیجی ممالک کا تحفظ کریں۔
صدام کی اس جارحانہ کارروائی کو پوری دنیا نے انتہائی شرمناک قرار دیکر ملامت کررہی ہے، اقوام عالم کا سب سے بڑا عالمی متحدہ پلیٹ فارم "اقوام متحدہ" اعلان کرچکا ہے کہ صدام کی کارروائی غلط ہے، وہ کویت سے فوجیں ہٹالے ورنہ اس کا تجارتی اور اقتصادی بائیکاٹ کیا جائے گا۔ ہر طرف سے اس کا بائیکاٹ ہو بھی رہا ہے۔

(باقی صفحہ پر)

عراقی جارحیت کے خلاف جامعہ سلفیہ بنارس

کا اہم اجلاس

جامعہ سلفیہ بنارس کی مسجد میں مورخہ ١٩ ستمبر ٩٠ء کو بعد نماز عشاء موجودہ خلیجی بحران کے موضوع پر ایک اجلاس منعقد ہوا، جس کی صدارت شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی حفظہ اللہ نے فرمائی۔

اس اجلاس سے اساتذہ جامعہ میں سے درج ذیل اساتذہ نے خطاب فرمایا اور مسئلہ کی صورت حال سے سامعین کو آگاہ کیا، تاکہ وہ کسی قسم کی ذہنی کشمکش اور فکری انتشار کا شکار نہ ہوں: مولانا محمد عابد رحمانی، مولانا محمد رئیس ندوی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا عبدالسلام مدنی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی، مولانا عبدالوہاب حجازی، ڈاکٹر رضاء اللہ مدنی، شیخ احمد مجتبیٰ سلفی۔

اس اجلاس کے انعقاد کا محرک یہ احساس تھا کہ خلیجی بحران کا کوئی منفی اثر اسلامیان ہند پر نہ پڑ سکے، حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام میں جب بھی کوئی نئی صورت حال پیدا ہو جس سے مسلمانوں کے باہمی اتحاد کو ٹھیس پہونچنے کا اندیشہ ہو، تو ایسے وقت علمائے کرام کا فرض ہے، کہ وہ مل جل کر بیٹھیں، غور کریں اور قوم وملت کے لئے صحیح راہ کی تعیین کریں اور ان راستوں کو مسدود کریں جن کے ذریعے اس طرح کے نازک مواقع پر دشمنانِ اسلام فائدہ اٹھاتے ہیں، مذکورہ اجلاس میں جن گوشوں پر روشنی ڈالی گئی وہ درج ذیل ہیں۔

١۔ بلاشبہ خلیج کا حادثہ پورے عالم اسلام کے لئے قیامت صغریٰ سے کم نہیں، اس کے اثرات پوری دنیا پر منعکس ہو رہے ہیں اور نت نئے مسائل سر اٹھا رہے ہیں، سب سے زبردست اقتصادی ضرب اس واقعہ سے یہ پڑی کہ کویت میں آباد کار کئی لاکھ لوگوں کا اقتصادی مسئلہ کھٹائی میں پڑ گیا، کتنوں کا قتل ناحق ہوا، بہتیرے بچے یتیم ہوئے، کتنی عورتوں کا سہاگ لٹ گیا، ان کی عزت وناموس کو محض مادی فائدے کے لئے داؤ پر لگایا گیا، حتی کہ ان کے کان کی بالیاں تک نوچ لی گئیں، قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوا عربوں کی طاقت انتشار کا شکار ہوئی، غرض پورے عالم اسلام کو رسوا اور شرعی احکام کو پامال کیا گیا۔

دینی نقطۂ نظر سے ہر مسلمان کی عزت و آبرو، جان و مال کی حفاظت کرنا بے حد ضروری ہے، ان کی عزت و ناموس پر حملہ، آبرو ریزی وقتل و خونریزی کو حرام بتایا گیا، لہذا عراق کا یہ گھناؤنا اقدام سراسر جارحیت پر مبنی ہے، اس لئے ہمارا مطالبہ ہے کہ عراقی فوج فوراً بلا کسی تاخیر و شرط کویت کی سرزمین کو خالی کرے، تاکہ علاقہ میں موجود مغربی فوجوں کی روانگی عمل میں آسکے، اور دوبارہ امیر کویت کی جائز حکومت بحال ہوسکے، اور جن نقصانات و مشکلات سے وہاں کے لوگ دوچار ہوئے ہیں اور جس کی تشویش پوری دنیا کو ہے اس کا تدارک ہو، مقررین نے زور دیا کہ علاقہ میں امریکہ کی آمد کا ذمہ دار عراق ہے، یقیناً مغربی افواج کی موجودگی باعث تشویش ہے، لیکن بات کو جو لوگ کہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ عراق پر دباؤ ڈالیں کہ وہ کویت چھوڑ کر واپس جائے یہی عالم عرب کے لئے اور پوری دنیا کے لئے اچھا ہے۔

۲۔ اس حادثۂ فاجعہ سے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ سعودی عرب اور کویت نے منظم طور پر پوری دنیا میں مبلغین کا ایک جال بچھا دیا تھا، ان کا خرچ یہی دونوں حکومتیں برداشت کر رہی تھیں، ان کے اس مستحسن اقدام سے تبلیغ اسلام کا اہم کام انجام پا رہا تھا، یہ کام اتنے وسیع پیمانے پر ہو رہا تھا کہ عیسائی مشنریاں ان کے بڑھتے ہوئے اثرات کو دیکھ کر متفکر تھیں، اور ان کی اپنی تحریک خطرے میں نظر آتی تھی، سعودی عرب و کویت کی ان کوششوں سے اہل اسلام پُرامید تھے کہ اب اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا وقت آگیا ہے، کیونکہ ایسی ایسی جگہوں پر انہوں نے اپنے مبلغین کو بھیجا تھا جہاں پر دین کی تبلیغ کے لئے پہونچنا بے حد مشکل تھا، وہاں باقاعدہ اسلامی تحریک پیدا ہوگئی تھی، اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے عالم اسلام کو متحد کرنے کی بھی کوشش کی اور اپنی بساط بھر ملت اسلامیہ کو اسلام کے جھنڈے تلے اکٹھا کر رہے تھے۔

انہیں سب خدمات کے نتائج و اثرات سے اسلام دشمن طاقتوں کو خطرہ محسوس ہوا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سلفی تحریک جڑ پکڑ رہی تھی، لہذا دشمن عناصر کا اونٹ جب کسی کروٹ بیٹھتا ہوا نظر نہیں آیا تو عراق کو آلۂ کار بنا کر کویت پر جارحانہ قبضہ کے لئے برانگیختہ کیا، تاکہ عرب قوم پر ان کا تسلط قائم ہو، منصوبہ یہ تھا کہ حرمین شریفین ہماری مٹھی میں ہوں، اور جب حملہ ہوگیا تو ایران سے عراق نے فوراً دوستی کرلی کہ اس کے بھی ناپاک عزائم پورے ہوتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔

اس کے برعکس آپ ملاحظہ فرمائیں کہ عراق نے اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کا کونسا کام انجام دیا ہے، وہاں پر بعث پارٹی کا اقتدار ہے، اہل اقتدار کے یہاں دین و مذہب نام کی کوئی چیز نہیں، کیمونزم اور سوشلزم کا بول بالا ہے، طرح طرح کے تخریبی فرقے شیعہ، قرامطہ، حلولیہ وغیرہ وہاں آباد ہیں، صدام کا یہ قول اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اگر اللہ بھی بعث پارٹی کی طرف ہاتھ اٹھائے گا تو (نعوذ باللہ) میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔ الامان والحفیظ۔

ایک منصوبہ یہ بھی ہے کہ دس لاکھ فلسطینیوں کو بروقت کویت میں آباد کیا جائے، یہ ایک عالمی سازش اور مکر ہے، پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ حق و باطل کی جنگ ہے، اس میں شرکت سے شہادت کا درجہ ملے گا، اور یہ کہ صدام حسین عالم اسلام کا قائد اور ہیرو ہے۔ مسلمانوں کو اس فتنے سے باہوش رہنا چاہیئے، اور کسی طرح کے پروپیگنڈہ کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت — ایمانی تقاضا ہے کہ خیر کی بات کہی جائے ورنہ خاموش رہا جائے۔

اس قسم کا چرچا اس واسطے بھی کیا جارہا ہے کہ عراق اپنی اصلی صورت چھپا سکے، اور اتنا جھوٹ بولا جائے کہ واقعہ کی پھی تصویر پر دبیز پردہ پڑجائے، تاکہ شرک وبت پرستی، مزارنوازی، قبروں کی پوجاپاٹ جیسے خرافاتی کام کو رواج دیا جائے، کیا ان سب عزائم سے اس توحید کی سرزمین کے تقدس پر آنچ نہیں آئے گی؟۔

۳۔ عراقی جارحیت اور اس کے ظلم وستم کو روا رکھنے کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سعودی عرب میں مغربی فوجوں کی موجودگی سے حرم محترم کے تقدس پر ضرب پڑتی ہے، جب کہ امریکی فوج مکہ مدینہ سے تقریباً ڈیڑھ ہزار کیلومیٹر کی دوری پر ہے، ظاہر ہے کہ اتنی دوری کے بعد حرمین کے تقدس کے لئے اندیشہ کی بات کرنا سراسر گمراہی ہے، فقہ کی کتابوں کے مطابق حرمین شریفین کے اندر غیر مسلم داخل ہوسکتے ہیں، پھر جب وہ دور ہیں تو طبقہ "اہل سنت" کیوں شور مچاتا ہے؟

۴۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ غیر مسلموں سے تعاون لینا درست نہیں ہے، آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت واشگاف ہوجائے گی، کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں سے تعاون لیا ہے، اور پھر سعودیہ نے امریکہ سے اضطراری حالت میں مدد طلب کی ابھی مکہ میں منعقدہ کانفرنس میں علمائے اسلام کی ایک بڑی جماعت نے الإستعانة بالقوات الأجنبية کو بوقت ضرورت جائز قرار دیا ہے، اور یہ واضح کیا کہ امریکی افواج کی موجودگی اتنی قباحت کی حامل نہیں، جتنی کہ عراقی جارحیت وتسلطائیت ہے، اگر بالفرض مان لیا جائے کہ غیر مسلموں سے تعاون ناجائز ہے، تو عراق کو کیا کہیں گے جس نے روس سے ہر قسم کے کیمیاوی اور مہلک ہتھیار حاصل کئے ہیں، کیا یہ درست ہے کہ ایک مسلم اور پڑوسی ملک کو ان ہتھیاروں سے ہراساں اور خوفزدہ کیا جائے؟۔

تین گھنٹے کا یہ اجلاس اس دعاء پر ختم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عالم اسلام کو ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے، اور موحد مسلمانوں پر طعن وتشنیع کرنے والوں کو ہدایت فرمائے۔۔۔ والسلام

(مرتب، امتیاز احمد سلفی)

قرارداد و تجاویز

۱۔ جامعہ سلفیہ بنارس کا یہ اجلاس خلیج کی موجودہ صورت حال پر اپنے گہرے دکھ اور تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کویت پر عراق کے غاصبانہ قبضہ کی شدید مذمت کرتا ہے، اور عراق کی حکومت سے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کسی شرط و تاخیر کے بغیر کویت پر اپنا قبضہ ختم کرکے وہاں سے اپنی فوجیں واپس ہٹالے تاکہ اسلامی شریعت اور بین الاقوامی قانون کے مطابق کویت کی سالمیت و خودمختاری بحال ہوسکے۔

۲۔ کویت پر غاصبانہ قبضہ کے بعد کویت سے متصل سعودی عرب کی سرحد پر عراق نے جس طرح اپنی فوجیں جمع کی ہیں اجلاس اس کو علاقہ میں بحران کا اصل سبب تصور کرتے ہوئے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ سعودیہ کویت سرحد سے تمام عراقی فوجیں فوراً ہٹالی جائیں تاکہ عرب ملکوں کے سر سے بیرونی مداخلت کا خطرہ ٹل جائے اور علاقہ سے مغربی فوجیں واپس جاسکیں۔

۳۔ عراق کے کویت پر ناجائز قبضہ اور دیگر پڑوسی ملکوں کے حق میں جارحانہ کارروائیوں کی دھمکی کے بعد سعودی عرب نے اپنی سرزمین اور عوام کی جان و مال اور عزت و آبرو کی دفاع کے لئے مسلم و عرب ممالک نیز دیگر دوست ممالک کی فوجوں سے جو مدد لی ہے اسے یہ اجلاس اسلامی شریعت کی رو سے اضطراری حالت میں ایک جائز اقدام تصور کرتے ہوئے ان تمام حلقوں کی پر زور مذمت کرتا ہے جو اس اقدام پر سعودی حکومت کے خلاف الزام تراشی کرتے ہیں، اور سعودی ذمہ داروں کے تئیں اجلاس اپنے اس یقین کا اظہار کرتا ہے کہ موجودہ بحرانی صورت حال ختم ہوتے ہی یہ فوجیں سعودی عرب کی سرزمین سے واپس بھیج دی جائیں گی۔

۴۔ اجلاس یہ محسوس کرتا ہے کہ خلیج کی صورت حال ۲/اگست ۱۹۹۰ء سے قبل معمول کے مطابق تھی، اور علاقے کے عوام ہر طرح کے امن وامان اور اطمینان وسکون کی نعمت سے بہرہ ور تھے لیکن عراقی صدر کی جارحانہ کارروائی کے نتیجہ میں خلیج کا امن وسکون غارت ہوگیا، اور پوری دنیا میں تشویش و بےچینی کی ایک لہر دوڑ گئی، اس صورت حال کے پیش نظر اجلاس یہ تجویز کرتا ہے کہ موجودہ خلیجی بحران اور اس کے آثار و عواقب کی پوری ذمہ داری موجودہ عراقی صدر پر ڈالی جائے، اور پوری عالمی برادری اس گستاخانہ اقدام پر عراقی صدر اور عراقی حکومت کی پر زور مذمت کرے اور جو لوگ سعودی عرب سے کسی عناد یا عراق سے

ں مصلحت کے پیش نظر عراقی جارحیت کی حمایت کرتے ہیں ان کے مجرمانہ فعل کی شناخت کو بے نقاب کیا جائے۔

۵ ۔ شاہ عبدالعزیز ابن سعود رحمہ اللہ کے عہد سے آج تک سعودی حکام نے حرمین شریفین میں جس طرح امن و امان
ئم کیا ہے، اور عبادت کی غرض سے سرزمین حجاز کا قصد کرنے والوں کے لئے جن عظیم سہولتوں کا بندوبست کیا ہے ان کے لئے
جلاس خادم حرمین شریفین ملک فہد بن عبدالعزیز ایدہ اللہ تعالیٰ کا شکر گذار و مؤید ہے، اور موجودہ انتظام پر اپنے مکمل اطمینان
ظہار کرتے ہوئے ان غرض مند حلقوں کی سخت مذمت کرتا ہے جو حرمین شریفین کو کسی بین الاقوامی انتظام میں دینے کی بات کرتے
،، اجلاس یہ سمجھتا ہے کہ سرزمین حجاز کو شرک و بدعت اور الحاد و بے دینی کی آماجگاہ بنانے کے لئے دشمنانِ اسلام کی طرف سے
ا طرح کے مطالبے مسلمانوں کے ذہن میں ڈالے جاتے ہیں اور وہ اپنی سادہ لوحی میں انہیں دہراتے ہیں۔

۶ ۔ سعودی عرب اور کویت نے پوری دنیا میں پھیلی ہوئی اسلامی تحریکات و تنظیمات کو اب تک ہر طرح کا اخلاقی و
ں تعاون پیش کیا تھا جس سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام غیر معمولی طور پر آگے بڑھا، اسی طرح دونوں ملکوں نے قضیۂ
سطین اور افغانستان میں اسلامی جہاد کی بھرپور مدد کی، نیز فلسطین پناہ گزینوں کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا، اب عراق
ہ جارحانہ اقدام سے سعودی عرب اور کویت کی مذکورہ خدمات یا تو بالکل ختم ہوجائیں گی یا انہیں زبردست نقصان پہنچے گا
ہذا اجلاس یہ مطالبہ کرتا ہے کہ تمام مسلم ممالک اسلامی سرگرمیوں کو برقرار رکھنے کے لئے عراق کو مجبور کریں کہ وہ اپنے جارحانہ عزائم
م کرکے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے۔

۷ ۔ اجلاس مسلم حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ موجودہ صورتِ حال کا لحاظ کرتے ہوئے ایسی مضبوط اسلامی فوج تشکیل
ے جو تنظیم اسلامی کانفرنس کی نگرانی میں مسلم ممالک کے دفاع کی خدمت انجام دے، اور علاقائی نزاع میں تصفیہ کرائے۔

۸ ۔ مسلم نوجوانوں کے سلسلہ میں اجلاس تجویز کرتا ہے کہ ان کو ایمان و عمل اور اخلاق و معاملات میں اس طرح تربیت
ی جائے کہ وہ ملت کی ضرورت پر اپنا کردار ادا کرسکیں، اور رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کریں۔

۹ ۔ اجلاس ضروری سمجھتا ہے کہ مسلم ممالک کے اربابِ حل و عقد اور پوری دنیا کے مسلمان خلیج کے موجودہ فتنہ کو اس
ح فرو کرنے کی کوشش کریں کہ امت اسلامیہ کے دوسرے بنیادی مسائل (مثلاً بیت المقدس، فلسطین، افغانستان اور
سلم اقلیات وغیرہ) متأثر نہ ہوں، اور ان سے لوگوں کی نگاہیں ہٹنے نہ پائیں۔

۱۰ ۔ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ امت کے علماء، دعاۃ اور مفکرین خلیجی بحران اور اس نوعیت کے دوسرے پیچیدہ مسائل
ں امت کے افراد کی اس طرح رہنمائی کریں کہ وہ کسی فکری گمراہی اور انتشار کا شکار نہ ہوسکیں، اور معاملات کی اصل حیثیت ان

کے سامنے واضح ہو ۔

۱۱ ۔ عراقی جارحیت کے نتیجہ میں کویت اور دیگر ملکوں کے مسلم عوام کو سخت مصیبت اور مختلف نوعیت کی الجھنوں کا سامنا ہے، لہذا اجلاس تجویز کرتا ہے کہ ان کی مدد کے لئے ہر مسلمان اور تمام رفاہی تنظیمات فوری طور پر تمام ضروری امداد فراہم کریں، تاکہ کسی حد تک بیکسوں کی مدد اور مظلوموں کی دادرسی ہوسکے ۔

۱۲ ۔ اجلاس ضروری سمجھتا ہے کہ موجودہ بحران کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے تمام مسلمان توبہ کریں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، اور تمام مسائل ومعاملات میں کتاب وسنت کی مکمل پابندی کا عہد کریں، کیونکہ شریعت کی مکمل پابندی کے بغیر کسی طرح کی بہتری توقع فضول ہے ۔

۱۳ ۔ مذہب اسلام نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی بھی انفرادی یا اجتماعی مسئلہ میں اختلاف کی صورت میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کریں، اور ہمیشہ اسلامی اخوت واتحاد کے تقاضوں کو پورا کریں، اس لئے اجلاس ضروری سمجھتا ہے کہ خلیجی بحران سے متعلق تمام فریق اس بحران کو اسلامی شریعت کی روشنی میں حل کریں، اور حتی الامکان کسی ایسے اقدام سے گریز کریں جس میں ملت اسلامیہ کا نقصان ہو یا اس کے عمومی مقاصد کو ٹھیس پہونچے ۔

اخیر میں اجلاس دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلم عوام اور اسلامی ممالک کو ہر طرح کے فتنہ وفساد سے محفوظ رکھے، مسلمانوں کو کتاب وسنت کی پابندی کی توفیق بخشے، اور ملت اسلامیہ کے خلاف ہر طرح کی سازشوں کو ناکام بنائے ۔ آمین ! ۔

منظور کردہ !

اراکین واساتذہ، جامعہ سلفیہ، بنارس ۔

خلیجی بحران سے متعلق

ایک اخباری مراسلت

اخباری مراسلت افکار وخیالات کی اشاعت اور عقائد ونظریات کی تصحیح وتغلیط کا بڑا موثر ذریعہ ہے، اس صنف تحریر یمانداری سے استعمال کیا جائے تو اس سے بیحد مثبت نتائج برآمد ہوسکتے ہیں، لیکن اس کے برعکس اگر ضمیر کی آواز کے خلاف دجل وتلبیس ،کام لیا جائے تو اس موثر صنف تحریر کے اثرات بیحد ناخوشگوار اور منفی ہوتے ہیں، مراسلت کی اشاعت اگر کسی غیر جانبدار اخبار یا پرچہ میں تو اس سے اس کی افادیت میں اضافہ ہوتا ہے، اور اگر اخبار جانبداری سے کام لے تو پھر عام حالات میں کوئی ایک ہی نقطۂ نظر ابھر کر منے آپاتا ہے اور دوسرے نقطہائے نظر دب جاتے ہیں۔

مراسلات کی صنفِ تحریر میں زیادہ دلچسپی اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ بالعموم فریقین دو مختلف نظریات کے حامل ہوتے ، اور دونوں اپنے اپنے مدعا اور دلائل کو پوری قوت سے معرض تحریر میں لاتے ہیں، لیکن اگر فریقین یا ان میں سے کوئی ایک موضوع ،ہٹ کر کسی دوسری جانب بہک جائے یا اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے کسی دوسرے مسئلہ کو ابھارنے کی کوشش کرے تو پھر ایسی مراسلت ناہٹ یا نفرت کا سبب ہوتی ہے، اور قارئین کی طرف سے اس کو روکنے کے مطالبے شروع ہوجاتے ہیں، موضوع ہی کی طرح لہجہ اور اسلوب متانت کا مسئلہ بھی اہم ہے، مراسلہ اسی وقت تک باعث توجہ رہتا ہے جب تک لکھنے والے شریفانہ لہجہ اور سنجیدہ اسلوب میں اپنی بات ،تے ہیں، اگر مراسلہ میں سوقیانہ الفاظ استعمال کئے جائیں یا الزام تراشی ودریدہ ذہنی سے کام لیا جائے تو پھر ایسی صورت میں اس تحریر کا ئرہ بیحد محدود ہوجاتا ہے اور کسی خاص نقطۂ نظر کے لوگ ہی اسے پڑھتے ہیں۔

اعلیٰ اور متوسط درجہ کے اخبارات میں مختلف اہم سیاسی، سماجی، تعلیمی اور اقتصادی امور مراسلات کا موضوع ہوتے ہیں۔۔۔، ہ مسلمانوں سے متعلق کوئی مسئلہ زیر بحث آجاتا ہے، تو ان مراسلات میں گرمی اور دلچسپی پیدا ہوجاتی ہے، معمولی درجہ کے اخبارات میں سلات بھی اسی معیار کے ہوتے ہیں، لیکن جب تک ان مراسلات کا موضوع ایسے مسائل ہوتے ہیں جن سے کسی خاص طبقہ یا جماعت کی

دل آزاری مقصود نہ ہو تو صورت حال گوارا ہوتی ہے ، لیکن جب کوئی ایسا مسئلہ زیر بحث آجائے جس میں کسی فرقہ کی تائید اور دوسرے کی مخالفت مقصود ہو تو پھر بہت سی ناخوشگوار چیزیں سامنے آجاتی ہیں ۔

مذہب کی بہت سی باتیں ایک ہونے کے باوجود مسلمانوں کے درمیان تفریق پرانی ہے ، ان کے مختلف فرقوں کے مابین جب کوئی مسئلہ اٹھتا ہے تو اس کا اثر اخبارات کی مراسلت پر بھی پڑتا ہے ، آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر سلطان عبدالعزیز ابن سعود رحمہ اللہ نے جب حجاز پر قبضہ کر کے حرمین شریفین کی سرزمین کو شرک وبدعت سے پاک وصاف کیا تھا تو ہندی مسلمانوں پر اس "تحریک تطہیر" کا دوگونہ اثر ہوا تھا اکثر مسلمان اس کے خلاف تھے ، اور سعودی حکومت کے خلاف اخباری مضامین ومراسلات میں وہ سب کچھ کہہ جاتے تھے جو ایک دشمن دوسرے دشمن کے خلاف کہہ سکتا ہے ، مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت سعودی حکومت کے مذکورہ اقدام کی مؤید تھی ، اور اپنی تحریروں کے ذریعہ دفاع کیا کرتی تھی ، اس جماعت کی تحریریں بھی شائع ہوتی تھیں ، لیکن ان کا دائرہ بہت زیادہ وسیع نہ ہوتا تھا ، یہ مسئلہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اخباری سطح سے تو غائب ہوگیا ، لیکن جن ہندی مسلمانوں یا فرقہ کو سعودی عرب سے عناد اور کدورت تھی ان کے دل سعودی حکام سے صاف نہ ہوسکے ، ہر مناسب اور نامناسب موقع پر وہ اپنے عناد کا اظہار کرتے ہیں ، اور اس طرح کی تحریریں اخبارات ورسائل میں شائع کرتے ہیں جن میں کھلے طور پر سعودی عرب کے حکام وعلماء کو سب وشتم کا نشانہ بنایا جاتا ہے ۔

پچھلے دنوں ایران عراق جنگ ہوئی تو مذکورہ فرقہ کھلے طور پر ایران کا حامی بن گیا ، حالانکہ وہ خود کو " اہل سنت " کا نام دیتا ہے اور مسئلہ صرف ایران کی حمایت تک محدود نہیں رہا ، بلکہ سعودی عرب کے خلاف تحریروں ، مراسلوں اور مظاہروں کا ایک بے مقصد سلسلہ شروع کر دیا ، اور اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے ، اس معاندانہ اقدام کا محرک وہی قدیم دشمنی ہے جو مذکورہ فرقہ کو سعودی عرب کے ساتھ ہے ۔

موجودہ دور میں کویت پر عراقی قبضہ کے بعد خلیج میں جو بحران شروع ہوا اس میں دنیا کے تقریباً سبھی ملک عراق کے خلاف ہیں ، سعودی عرب براہ راست عراقی دھمکیوں اور جارحانہ اقدامات کی زد میں ہے ، اس لئے اس کی دشواری زیادہ سخت ہے ، ایسی صورت حال میں شریعت اسلامی کا تقاضہ اور عقل ومنطق کا مطالبہ خواہ کچھ ہو لیکن " ہندوستانی اہل سنت " کا مذکورہ فرقہ اس بار عراق کی تائید میں سعودیہ کے خلاف کھڑا ہوا ہے ، جب کہ ایران عراق جنگ میں وہ اسی عراق کی مخالفت اور ایران کی تائید میں سرگرم تھا ، البتہ دونوں مسئلوں میں " مشترکہ دشمن " سعودیہ ہی تھا ، کیونکہ مذکورہ فرقہ کا عقیدہ ہے کہ شیعوں اور بعثیوں کے ساتھ سمجھوتہ ممکن ہے ، لیکن وہابیوں کے ساتھ ممکن نہیں ۔

آج جب کہ مذکورہ فرقہ کی وفاداریاں عراق کے ساتھ ہوگئی ہیں تو ایک بار پھر اس کا اثر اخبارات کے مضامین ومراسلات

میں نمایاں ہو رہا ہے ، کیونکہ سعودی عرب کی موحد و اسلام پرست حکومت کے خلاف پروپیگنڈے کا عمل اخباری دجل و تلبیس کے بغیر ممکن نہیں ، اس وقت جب موجودہ بحران رونما ہوا تو مذکورہ فرقہ کے زیر اثر اخبارات اور ان کے مراسلین حرکت میں آگئے ، اور سعودیہ کے خلاف الزام تراشیوں کا سلسلہ پچھلے دور کی طرح دوبارہ شروع ہو گیا ، مجھے مشرقی یوپی کی حد تک توقع تھی کہ علاقہ کے اخبارات سعودیہ مخالف پروپیگنڈے میں کوئی خاص حصہ نہ لیں گے ، لیکن ایسا ہو نہ سکا بلکہ کسی مصلحت یا دباؤ کے نتیجہ میں دیگر اخبارات کی طرح مشرقی یوپی کے اخبارات بھی سعودیہ مخالف پروپیگنڈے میں شریک ہوئے ۔

بنارس کے بعض روز ناموں میں شروع میں ایک دو مراسلے اور خبریں بڑی سادگی اور معصومیت کے ساتھ یہ تاثر دینے کے لئے شائع کی گئیں کہ سعودیہ کی طرف سے مغربی فوجوں کو اپنے علاقہ میں بلا لینے سے حرمین شریفین کا تقدس پامال ہو گیا ہے ، اس لئے ہندوستانی مسلمانوں کو اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہئے ۔

اس نوعیت کے مراسلوں کی اشاعت کے بعد بھی مناسب یہ سمجھا گیا کہ سعودیہ کے معاندین کی جانب سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ آگے نہ بڑھے ، اس لئے ایک مراسلہ میں یہ اپیل کی گئی کہ اسلامی اخوت و اتحاد کا تقاضا یہ ہے کہ دو مسلم ملکوں میں اگر کسی طرح کا اختلاف رونما ہو جائے تو ہم ہندوستان میں کسی ایک ملک کے ساتھ کھڑے ہونے کے بجائے دونوں کے لئے جذبۂ خیر کا اظہار کریں ، اور واقعات جانبداری کے بجائے عدل و انصاف کی عینک سے دیکھیں ، پھر ایک دوسرے مراسلہ کے ذریعہ اس الجھن کو دور کرنے کی کوشش کی گئی کہ سعودی عرب نے بدرجۂ مجبوری مغربی فوجوں کو بلایا ہے ، اور ایسا کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے ، اس بات کے لئے عالم اسلام کے مسلم و محترم عالم و محقق اور وقت کے سب سے بڑے مفتی علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کی ایک تحریر کا بھی حوالہ دیا گیا ، اور توقع ظاہر کی گئی کہ مغربی فوجوں کا حوالہ دے کر ذہن میں تشویش پیدا کرنے کا عمل ترک کر دیا جائے گا ۔

اس مراسلہ کی اشاعت کے بعد خود کو " اہل سنت " کہنے والا فرقہ بپھر گیا ، اور سعودی عرب نیز " ہندوستانی وہابیوں " کے خلاف " تاریخی حقائق " کا نام دے کر کذب بیانی ، الزام تراشی اور بہتان طرازی کا مکروہ سلسلہ شروع کر دیا ، مراسلات کی اشاعت کے سلسلہ میں لوگوں نے محسوس کیا کہ بعض اخبارات سعودیہ کے خلاف مراسلات کو زیادہ اہمیت کے ساتھ بلا تاخیر شائع کرتے ہیں ، جب کہ اس کی تائید و حمایت والے مراسلے دیر سے شائع کئے جاتے ہیں ، یا شائع ہی نہیں کئے جاتے ۔

مراسلات کا ہجوم ہوا تو جس چیز کو سب نے محسوس کیا وہ یہ تھی کہ اصل موضوع یعنی کویت پر عراقی جارحیت کو چھوڑ کر ایک فرقہ کے مراسلہ نگاروں نے دوسرے مسائل کا تذکرہ چھیڑ دیا ، معلوم نہیں ایسا کس مصلحت سے کیا گیا ؟ ۔

دوسری بات یہ نوٹ کی گئی کہ " فرقۂ اہل سنت " مولوی احمد رضا خاں کو مسلمانوں کے امام اور سب سے بڑے عالم و دانشور

کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، اور اس درجہ کے دوسرے ہندوستانی علماء کے لئے اس کے دل میں اتنی جگہ نہیں، بلکہ افسوس ہے کہ علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز جیسے مستند ومسلم عالم کو بھی تسلیم کرنے کے لئے یہ فرقہ تیار نظر نہیں آتا، ایسی صورت میں سوال یہ ہوتا ہے کہ دوسرے فرقے والے کس منطق سے مولوی احمد رضا کو تسلیم کریں گے؟

" سنی مراسلوں " میں کہیں کہیں مسلمانوں کی کثیر تعداد کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ سعودیہ کے مخالف ہیں، اس لئے وہاں کے لوگ ناحق ہیں۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ کثرت وقلت کی بنیاد پر حق و ناحق کے فیصلہ کی بات پرانی ہوگئی، کثرت کا رعب ڈال کر شرک وبدعت کے لئے جواز فراہم کرنا مشکل ہے، خود حدیث نبوی میں اشارہ ہے کہ " غثاء کغثاء السیل " سواد اعظم کے چکر میں پھنسنے والوں کو اس نکتہ سے سبق لینا چاہئے، ابراہیم علیہ السلام تنہا تھے پھر بھی ان کو امت کے وصف سے موصوف کیا گیا، اکیلا موحد انسان شرک وبدعت میں مبتلا جم غفیر سے زیادہ وزن رکھتا ہے، کثرت وقلت کی منطق پر چلنے والے عصر نبوت میں مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں کیا حکم لگائیں گے؟ اس وقت دنیا میں مسلمانوں سے زیادہ نصرانی ہیں اور ہندوستان میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو ہیں، اور روس میں کلمہ خوانوں سے زیادہ ملحد ہیں، اس پر کون سا حکم لگے گا؟۔

سعودیہ مخالف مراسلوں میں کچھ اور باتیں قابل توجہ ہیں لیکن ان کو نظر انداز کرکے اب ہم ان مراسلات کو پیش کرنا چاہتے ہیں جو خلیجی بحران سے متعلق بعض حقائق کو واضح کرنے اور مخالفین کی افتراء پردازیوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے لکھے گئے تھے، ان میں سے بعض شائع ہوئے اور بعض شائع نہ ہوسکے، دونوں طرح کے مراسلے ترتیب وار پیش خدمت ہیں۔

مراسلہ (۱)

نازک حالات میں اسلامی اخوت کا تقاضا

محترمی! السلام علیکم۔

پچھلے دنوں جب آٹھ سالہ عراق ایران جنگ کا خاتمہ ہوا تو پوری دنیا اور بالخصوص مسلمانوں کو بیحد خوشی ہوئی، کیونکہ علاقہ میں عرب اسرائیل تنازعہ سے مسلسل بے چینی رہتی تھی، اسرائیل کے جارحانہ عزائم اور ظلم وتعدی کی سیاست نے لبنان کو بھی اکھاڑ میدان کارزار میں تبدیل کردیا تھا، ایسے حالات میں عراق ایران جنگ کے اثرات بہت زیادہ ہولناک تھے، مگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہوا کہ دونوں مسلم ملکوں نے جنگ بند کردی، اگرچہ لبنان وفلسطین میں اسرائیلی جارحیت کا سلسلہ جاری رہا۔

ایران عراق جنگ کے خاتمہ کے بعد دنیا بھر کے مسلمانوں کو توقع تھی کہ مذکورہ دونوں ملک دیگر مسلم ممالک کے ساتھ اب اپنے وسائل کو اسرائیلی جارحیت کے خاتمہ کے لئے مرکوز کردیں گے، لیکن بے حد افسوس وحیرت کی بات ہے کہ ۲/اگست ۹۰ء کو عراق نے اچانک پڑوسی ملک کویت پر منظم حملہ کردیا، اور صرف حملہ ہی نہیں بلکہ اس ملک پر پورے طور پر قبضہ کرکے اسے اپنا ایک حصہ بنالیا، بہتوں نے سنا ہی نہیں اور جس نے سنا اسے ابھی یقین نہیں ہوا، لیکن ایک ملک وجود سے عدم کے پردہ میں چلا گیا، لوگوں نے صدر صدام حسین سے درخواستیں کیں، سمجھایا اور طرح طرح کے قوانین ومعاہدوں کے حوالے دیئے، بعض نے دھمکی بھی دی، لیکن اب صورت حال جوں کی توں ہے۔

ایران عراق جنگ کے دوران ہندوستانی مسلمانوں کے ردعمل کی روشنی میں میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مذہبی رشتہ کی بنیاد پر باہر کی دنیا سے ہمارا تعلق فطری ہے، وہاں جو کچھ ہوتا ہے اس سے ہم ضرور متاثر ہوتے ہیں، لیکن خلیج کی موجودہ صورت حال میں یہ مناسب نہیں کہ اسلامی اخوت کو ہم نظر انداز کرتے ہوئے کسی ایک فریق کی حمایت اور دوسرے فریق کی تردید اس طرح کریں کہ خود ہمارے درمیان عداوت ودشمنی کے جذبات برافروختہ ہوں، یہ مسئلہ کئی اعتبار سے بے حد نازک ہے، کسی کی مصیبت پر خوشی یا کسی پر بے جا لعن طعن ہماری اخلاقیات کے خلاف ہے، اس طرح کے مسائل میں اگر کوئی کسی فریق کی حمایت کرے گا تو لازماً دوسرے کی طرف سے بھی کوئی نہ کوئی کھڑا ہوگا، بعض مراسلوں میں اس نوعیت کے اشارے چونکہ آچکے ہیں، اس لئے میری گذارش ہے کہ ہم مسلمانانِ ہند کو اس نازک صورت حال میں اپنی اسلامی اخوت کی رعایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے کہ وہ عرب اور مسلم ممالک کو عدل وانصاف اور مساوات وہمدردی کے اصولوں پر قائم رکھے، علاقہ کے اندر اصل خطرہ کو سمجھنے کی توفیق دے، ان کو ایسے تمام اقدامات سے دور رکھے جن سے باہم عداوت واختلاف پیدا ہو، اور مقدسات اسلامیہ نیز پوری اسلامی دنیا کو اسلام

کے دشمنوں اور بدخواہوں سے اور ان کے فتنہ و فساد سے ہمیشہ محفوظ رکھے ۔

والسلام

۲۳ / اگست ۱۹۹۰ء ۔

مراسلہ (۲)

خلیج کی موجودہ صورت حال پر عالم اسلام کے مایۂ ناز عالم شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ تعالیٰ کی توجیہ و تلقین

کویت پر عراقی جارحیت کے نتیجہ میں خلیج کی صورت حال بے حد کشیدہ ہو گئی ہے، متعدد عرب ملک اس جارحیت سے متاثر اور اپنے مستقبل کے سلسلہ میں تشویش کا شکار ہیں، چونکہ صدر صدام حسین کے جارحانہ عزائم بے حد خطرناک محسوس ہو رہے تھے، اور انہوں نے کھلے طور پر اپنی فوج کو نقل و حرکت کا حکم دے دیا تھا، اس لئے علاقہ کے کمزور ممالک نے اپنے تحفظ کے لئے بعض دفاعی اقدامات کئے جن میں غیر ملکی فوجوں کی علاقہ میں آمد بھی ہے ۔

اس نازک صورت حال میں پوری دنیا کے مسلمانوں کا بالعموم اور برصغیر کے مسلمانوں کا بالخصوص یہ فرض ہے کہ وہ خلیج کی کشیدہ صورت حال پر کسی ایسے رد عمل کا اظہار نہ کریں جس سے مسلمانوں کی باہمی اخوت اور اتحاد و تعاون کے اصول کو ٹھیس پہونچے، اور سیاسی حلقے مسلمانوں کو مختلف دھڑوں میں تقسیم کر کے اپنے مفادات حاصل کریں ۔

اس موضوع پر روزنامہ قومی مورچہ (۱۰ اگست ۱۹۹۰ء) میں ایک مثبت مراسلہ شائع ہو چکا ہے، جس میں گروہبندی اور انتشار سے بچنے کی بات کہی گئی تھی، اور مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس طرح کے نازک موقع پر کسی ایک فریق کی مذمت اور دوسرے کی تائید سے بچنا چاہئے، کیونکہ اس سے صورت حال مزید خراب ہو گی ۔

مراسلہ کی اشاعت کے بعد ہمیں توقع تھی کہ اس موضوع پر اگر کوئی چیز شائع ہو گی تو وہ مثبت رجحان کی ہی نمائندگی کرے گی لیکن آج (۴ / ستمبر ۱۹۹۰ء) کے آواز ملک میں ایک مراسلہ دیکھ کر افسوس ہوا، اس میں عراقی جارحیت کی مذمت کئے بغیر غیر ملکی فوجوں کے وجود کی بنا پر سعودی عرب کی مذمت کا مطالبہ کیا گیا ہے ۔

ہمیں اس مسئلہ میں جس رجحان کے ابھرنے کا اندیشہ تھا مذکورہ مراسلہ کی بنیاد وہی رجحان ہے، مختلف مذہبی و سیاسی بنیادوں

پر ایک حلقہ سعودی عرب سے سخت عناد و دشمنی رکھتا ہے، اور کوشش کرتا ہے کہ ہر معاملہ میں خواہ وہ کسی بھی نوعیت کا ہو اسے بدنام کیا جائے اور اگر کوئی بنیاد نہ مل سکے تو موہوم امور کا سہارا لے کر اس پر کیچڑ اچھالا جائے، اس وقت چونکہ دنیا کی توجہ خلیجی علاقہ پر مرکوز ہے، اس لئے مذکورہ حلقہ غیر ملکی فوجوں کے وجود کو بہانہ بنا کر سعودی حکومت کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اور تعجب کی بات ہے کہ قارئین کو وہ یہ بتانے کی زحمت نہیں گوارا کرتا کہ خلیج میں موجودہ صورت حال کا سبب کون ہے؟ فوجیں کس مقام پر ہیں؟ مقامات مقدسہ سے فوجوں کا فاصلہ کتنا ہے؟۔ ان سوالات پر اگر روشنی ڈالی جاتی تو مراسلہ نگار کا مقصد فوت ہو جاتا، اس لئے اس نے خاموشی کو ترجیح دیا۔

مسلمان تمام امور میں اپنے دین کے پابند ہیں، اور ان کا فرض ہے کہ فکر و عمل کے میدان میں ہمیشہ اسلامی تعلیمات کے مطابق قدم بڑھائیں، اس موقعہ پر میں عالم اسلام کے بے حد معروف عالم اور علوم کتاب و سنت کے بے مثال محقق علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کے ایک مقالہ سے چند اقتباسات پیش کرنا چاہتا ہوں جسے موصوف نے اس موقعہ پر مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے شائع کیا ہے۔

شیخ موصوف نے خطبہ مسنونہ کے بعد وہ آیت کریمہ ذکر کی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو ہر حال میں اپنی عبادت اور اطاعت و تقویٰ کا حکم فرمایا ہے، نیز باہمی اتحاد و محبت اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر کو واجب کیا ہے۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے کویت پر عراقی حملہ اور اس کے نتیجہ میں پیش آنے والے قتل، لوٹ پاٹ اور آبرو ریزی کے واقعات کی مذمت کی ہے، اور مسلمانوں سے مظلوموں کی حمایت کا مطالبہ کیا ہے، اور جن لوگوں نے طاقت کے زور پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب کیا ہے ان کو توبہ و استغفار کی تاکید کی ہے۔

مذکورہ امور کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد شیخ ابن باز نے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے جسے کچھ لوگ ذکر کر کے سعودی حکومت کو مطعون کر رہے ہیں، شیخ موصوف لکھتے ہیں کہ اضطراری حالت میں سعودی حکومت نے اپنی سرزمین مقامات مقدسہ اور مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کے لئے متعدد مسلم و غیر مسلم افواج سے جو مدد لی ہے اس میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں، اس سلسلہ میں علامہ موصوف نے اس بیان کا حوالہ دیا ہے جسے سعودی عرب میں علماء کی سب سے بڑی اور مستند مجلس "ھیئۃ کبار العلماء" ریاض نے اس موضوع سے متعلق جاری کیا ہے، اس بیان میں علماء نے سعودی حکومت کے مذکورہ اقدام کی تائید کی ہے، اور آیت کریمہ (یاأیھا الذین آمنوا خذوا حذرکم، یعنی اے مسلمانو! اپنے دشمن سے بچاؤ لے لیا کرو) سے استدلال کیا ہے۔

علامہ موصوف نے آگے واضح فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے دفاع و تحفظ کے لئے غیر مسلموں سے مدد کا حصول نہ صرف جائز بلکہ ضرورت کے وقت واجب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس طرح کے واقعات موجود ہیں، فتح مکہ کے موقعہ پر قبیلہ خزاعہ کے لوگوں نے جس میں مسلمان و کافر دونوں تھے، کفار مکہ کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تھی۔

ابوداؤد کی ایک صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم رومیوں سے پرامن صلح کروگے، اور پھر تم دونوں اپنے مشترکہ دشمن سے جنگ کروگے جس میں تمہیں فتح و غنیمت حاصل ہوگی۔

علامہ موصوف نے مقالہ کے اختتام میں اہل کویت اور دیگر تمام مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ سب لوگ توبہ کرکے اسلام کے احکام کی پابندی کریں، کیونکہ تمام فتنوں اور مصیبتوں کا سبب انسان کے برے اعمال ہوتے ہیں، جب تک انسان اپنے عمل کی اصلاح نہ کرلے گا اس کو سکون کی زندگی نہ ملے گی۔

ہماری بھی قارئین سے یہی گذارش ہے کہ وہ اس طرح کے مسائل و معاملات کو حقیقی پس منظر میں دیکھیں، اور ایسا کوئی اقدام نہ کریں جس سے گروہ بندی کے جذبات بیدار ہوں، اگر آج کویت پر عراقی قبضہ کی تائید کی جائے گی تو کل کوئی شخص اس سے بڑی جرأت کا مرتکب ہوگا، پورا عالم اسلام اسرائیل کے وجود اور عربوں کے ساتھ اس کی زیادتیوں پر تلملا رہا ہے، لیکن اس کے ظلم و جارحیت کا جواب دینے کے بجائے ایک عرب ملک دوسرے عرب ملک ہی کو نشانہ بنا رہا ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے، اور ان کے حکام و قائدین کو اسلام کی سربلندی کے لئے عمل کی توفیق بخشے۔ والسلام

۴ ستمبر ۱۹۹۰ء

مراسلہ (۳)

مکرمی! ایڈیٹر صاحب / زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

عراق کے کویت پر ناجائز قبضہ کے بعد آپ کے روزنامہ میں مراسلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا ہے، ان مراسلات کی اشاعت میں آپ نے بڑے تحمل اور وسعت ظرفی کا ثبوت دیا ہے کہ ایک ہی نوعیت کے مراسلوں کو بالاقساط شائع کیا، لیکن عام طور پر محسوس کیا جاتا ہے کہ یہ مراسلات اصل موضوع اور موجودہ بحران سے ہٹ کر دیگر مختلف فیہ مسائل کی جانب مڑ گئے ہیں، مسئلہ یہ تھا کہ کویت پر عراق کا قبضہ صحیح ہے یا غلط، اس اقدام سے اسلام کو فائدہ پہونچے گا یا دشمنان اسلام کو، اور سعودی عرب نے اپنی سرزمین پر مسلم و غیر مسلم فوجوں کو بلایا ہے، تو اس کے آثار و عواقب کیا ہوں گے؟ اس ضمن میں کسی مراسلہ میں ملک عبد العزیز بن سعود کا انگلستانیہ کے ساتھ سازباز کا الزام دہرایا گیا تھا۔ جوابی مراسلہ میں مولانا احمد رضا بریلوی کے انگریزوں کے تئیں نرم رویہ کا ذکر آیا اس پر عبد المجتبیٰ صاحب نے طویل اقساط میں

ہندوستانی علماء اور زعماء کے ایسے مواقف کا ذکر کیا جو ان کی نظر میں غلط ہیں، اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے مسلک کی کتابوں کا حوالہ سے اپنے امام کے موقف کو برحق اور مؤمنانہ فراست پر مبنی قرار دیا ہے، اور دوسرے لیڈروں حتی کہ ابوالکلام آزادؔ کو بر سر غلط اور انجام سے بے خبر ثابت کیا ہے، اس طویل بیان بازی کے بعد انہوں نے جس طرح اپنے فرقہ کی تائید کی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس سے کم مشقت سے سعودیہ والے اپنے رویہ کو صحیح ثابت کرلیں گے۔

اس موقع پر ایک چبھتا ہوا سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں جس وقت تحریک شہیدین سکھوں اور انگریزوں کے ساتھ برسرپیکار تھی، اس وقت میں عبدالمجتبیٰ صاحب کے ممدوحین کیا کررہے تھے؟ اور وہ کون لوگ تھے جن پر مقدمے چلائے گئے کالے پانی بھیجا گیا اور پھانسیاں دی گئیں؟ علماء صادق پور پر جو کچھ بیتی کیا اس کا سبب انگریز کی حمایت اور ہمدردی تھی؟ مختلف فیہ مواقف وآراء کی تاویل وتصویب جس طرح عبدالمجتبیٰ صاحب نے کی ہے، اسی طرح دوسرے لوگ بھی کرسکتے ہیں اور ان سے کم محنت سے۔ اس کے لئے میں آپ کو صرف ایک کتاب کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہوں جس کے مؤلف علامہ رشید رضا مصری ہیں، انہوں نے "الوہابیون والحجاز" کے نام سے مقالات کا جو مجموعہ شائع کیا ہے، اسے پڑھ کر آپ کو اس حقیقت کا اندازہ ہوگا کہ ابن سعود اور شریف مکہ میں سے کون انگریزوں کا بہی خواہ تھا اور کون دشمن، نیز یہ بھی معلوم ہوگا کہ ابن سعود نے حرمین شریفین کا انتظام بہتر طور پر کیا تھا، یا شریف مکہ نے، اسی طرح بعض دیگر کتابوں سے کچھ اقتباسات پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین کو اندازہ ہوسکے کہ عبدالمجتبیٰ صاحب نے جس فرقہ کو بری کرنے کی کوشش کی ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور جہاں تک "لا تقربوا الصلاۃ" کی نوعیت کے استدلال کا تعلق ہے تو اس وادی میں شاید دوسرے لوگ وہابیوں سے بہت زیادہ آگے ہیں، اور اس کا ثبوت اس موضوع کی کتابوں میں موجود ہے، ان کو ذکر کرکے مراسلہ کو طول دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

"سوانح مولانا فضل الہٰی مرحوم" کے مصنف مولانا خالد گھرجاکھی ہندی مسلمانوں کے ایک فرقہ کی طرف سے انگریز کی حمایت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"انگریز نے مجاہدین کے خلاف ایک ایسی پارٹی کو کھڑا کیا جو مجاہدین کو کافر کہیں، جن میں سے شاذ و نادر آج بھی ایسے لوگ ملیں گے جو حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو کافر کہتے ہیں۔ اگرچہ نہایت قلیل ہیں مگر انگریزی ذہن کے پروردہ ضرور ہیں۔

اگرچہ وہ مذہباً قادیانیوں کے ہم عقیدہ نہیں ہیں، لیکن سیاسی طور پر انگریز کے لئے بہت مفید تھے، ان کے نزدیک ہر وہ لیڈر جس نے ذرہ بھر بھی آزادی حاصل کرنے کی اور انگریزی غلامی سے نکلنے کی کوشش کی ان پر کفر کا فتویٰ لگایا، خصوصاً جب میں مقابلتاً دیکھتا ہوں کہ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو صرف اللہ کی رضا کے لئے گھربار، اہل وعیال، عزیز واقارب، کاروبار وغیرہ سب کچھ چھوڑ کر

جا رہے ہیں، اور وہاں جا رہے ہیں جہاں خشک پہاڑوں کے سوا ہے ہی کچھ نہیں، وہ تو کافر ہیں، اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو تدین کو اختیار ہی صرف اس لئے کئے بیٹھے ہیں کہ اس میں ان کی پیٹ پرستی کی تمام آسانیاں موجود ہیں اور پھر جنت کے ٹھیکیدار بھی یہی ہوں تو ذہن کوئی کام نہیں کرتا کہ انہیں کیا کہا جائے۔"

" مولانا مزید رقم طراز ہیں "۔ نیز قادیانیوں کی طرح انہوں نے بھی انگریز کی کاسہ لیسی کی، انگریز فوج میں بھرتی کے لئے فتوے شائع کئے، بھرتی ہو کر عراق عرب بغداد اور حرمین پر گولیاں چلانے والوں کو تعویذ دیئے، چنانچہ شورش کاشمیری ظفر علی خاں صاحب مرحوم کا ایک ہدف متصوفین کا وہ قبیلۂ نامراد ہے، جس کے افراد ہندوستان میں برطانوی سلطنت کے سایۂ ہما پایہ کو ظل الٰہی سمجھتے اور اپنے عقائد کی شطحات کے باعث مسلمانوں میں ایک جان لیوا مرض کی صورت اختیار کر چکے تھے، اس "طائفہ مقدسہ" کے خلاف مولانا نے سب سے زیادہ جہاد اس وقت کیا جب زمیندار بند کر دیا گیا اور اس کی جگہ ستارۂ صبح نکالا یا پھر زمیندار کے ثانوی دور میں ان بزرگوں کی کاسہ لیسی کا منتہائے کمال یہ تھا کہ انہوں نے سر مائیکل اوڈوائر کو جلیانوالہ باغ کے قتل عام پر سپاسنامہ پیش کیا اور جنگ عظیم میں خلافت اسلامیہ کی بیخ کنی کو اپنے تعویذی کرامات کا نتیجہ کہا، ان کے نزدیک ترک کافر تھے جن کی گولیاں ان کی تعویذوں کی برکت سے برطانوی سپاہ کے ہندوستانی اجیروں پر کوئی اثر نہ کر سکتی تھیں۔

یہی نہیں کہ صرف مجاہدین پر ہی کفر کے فتوے لگائے گئے بلکہ ہر وہ شخص جس نے ذرہ بھر بھی انگریز کی غلامی سے نکلنے کی کوشش کی اس پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا تاکہ لوگ ان لیڈروں سے کنارہ کش رہیں۔ اور انگریز کے خلاف کوئی تحریک کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک مستقل کتاب بریلی کے پریس سے شائع کروائی گئی جس کا نام " تجانب اہل السنۃ من اہل الفتنۃ" تھا اور کسی سیاسی لیڈر کو کفر کی مشین سے مستثنیٰ نہ رہنے دیا۔" (سوانح فضل الٰہی ص ۵۵)۔

مسلم لیگ کے قائد محمد علی جناح کے بارے میں تحریر ہے:

" بحکم شریعت مسٹر جناح اپنے عقائد کفریہ یقینیہ کی بناء پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ (خالص الاعتقاد ص ۱۲۲)

علامہ احسان الٰہی ظہیر رقم طراز ہیں: نیز احمد رضا صاحب نے تحریک ترک موالاۃ کی شدید مخالفت کی، کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہ تحریک انگریز کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ اس مقصد کے لئے تحریر کئے گئے رسالے " المحجۃ المؤتمنۃ ص ۱۵۵" میں اعتراف کرتے ہیں کہ " اس تحریک کا ہدف انگریز سے آزادی کا حصول ہے "۔

احمد رضا کی انگریز دوستی اور مجاہدین آزادی کی پیہم مخالفت کی وجہ سے ان کے اپنے پیروکار بھی ان سے بدظن ہو گئے تھے، چنانچہ بریلوی اعلیٰ حضرت کے ایک پیروکار لکھتے ہیں: " مسلمان احمد رضا سے بدظن ہو گئے تھے (مقدمہ دوام العیش ص ۱۸)۔

ایک اور مصنف لکھتے ہیں ، " مسئلہ خلافت سے ان کو اختلاف تھا ۔ انتقال کے قریب ان کے خلاف مسلمانوں میں بہت چرچا ہو گیا تھا ، اور ان کے مرید اور معتقد اختلاف خلافت کے سبب ان سے برگشتہ ہو گئے تھے ، (مقدمہ دوام العیش صفحہ ۱۵ ، کتابی دنیا مقالہ حسن نظامی صفحہ ۲) ۔

: احمد رضا کی انگریز دوستی کا اعتراف انگریز بھی کرتا تھا چنانچہ مستشرق فرانسس رابنس نے احمد رضا صاحب کے متعلق لکھا ہے ، " احمد رضا بریلوی انگریزی حکومت کے حامی رہے ، انہوں نے پہلی جنگ عظیم میں بھی انگریزی حکومت کی حمایت کی ، اسی طرح تحریک خلافت میں بھی ۱۹۲۱ء میں وہ انگریز کے حامی تھے ، نیز انہوں نے بریلی میں ان علماء کی کانفرنس بھی بلائی جو تحریک ترک موالات کے مخالف تھے ۔ (INDIAN MUSLIMS صفحہ ۴۴۳) ۔

ان حوالوں کی روشنی میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ انگریزوں کے تئیں عبد المجتبیٰ صاحب کے ممدوحین کا موقف کیا تھا ، اور اہلحدیث جماعت کے موقف کو سمجھنے کے لئے ہنٹر کا درج ذیل بیان پڑھئے :

" وقت گذرتا گیا لیکن جب بھی وہ دیکھتے کہ ان کی تحریک تباہ ہو رہی ہے تو وہ جہاد کا علم بلند کر دیتے ، وہ اپنی حفاظت سے بے نیاز تھے ، ان کی زندگی داغوں سے پاک تھی ، ان کے سینے میں ایک شعلہ فروزاں تھا کہ انگریز کافروں کا تختہ الٹ دیا جائے اور جہاں تک روپیہ اور رنگروٹ فراہم کرنے کے لئے ایک مستقل نظام کا تعلق تھا ، وہ اس کے بہت ماہر تھے ، پٹنہ کے خلیفہ ایک فرقہ میں ایک نمونہ کی شخصیت کے مالک تھے ، ـــــــــ ، ان کی تعلیمات عموماً اغلاط (بدعات) سے پاک تھیں انہوں نے ہزارہا ہم وطنوں کو خدا کے ایک بہترین تصور سے آشنا کیا ، اور انہیں زیادہ سے زیادہ پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر ابھارا ، میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک میرے تجربہ کا تعلق ہے اس فرقہ کے سب سے زیادہ روحانی اور کم از کم خود غرض نمونہ کی نمائندگی صرف وہابی مبلغ ہی کر سکتا ہے ، ایک وہابی کے سامنے صرف ایک چیز ہے وہ یہ کہ دین محمدی کی تطہیر کا عظیم الشان کام سرانجام دیا جائے ، اس راستے پر گامزن ہوتے ہوئے ، وہ نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی پر رحم کر سکتا ہے زندگی میں اس کا راستہ واضح ہے اور کسی قسم کی تنبیہ یا سزا اسے راستہ سے ہٹانے پر مجبور نہیں کر سکتی ۔

(سوانح حضرت مولانا فضل الہٰی مرحوم صفحہ ۵۰ ،)

خلیجی بحران سے متعلق ایک مراسلہ کا جواب!

مکرمی! یہ جوابی مراسلہ بنارس سے شائع ہونے والے ایک اردو روزنامہ "آوازِ ملک" میں اشاعت کے لئے بھیجا گیا تھا، لیکن روزنامہ مذکور نے اسے کسی وجہ سے شائع نہیں کیا اس لئے اسے آپ کے موقر جریدہ ماہنامہ محدث میں اشاعت کے لئے پیش کر رہا ہوں، امید کہ شائع فرما کر مشکور فرمائینگے

والسلام / مراسلہ نگار، اصغر علی امام مہدی السلفی،

روزنامہ آوازِ ملک مورخہ ۱۱ر ستمبر میں جناب اشفاق احمد صاحب گوپی گنج کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے، جس میں مراسلہ نگار نے حقائق کی پردہ پوشی کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں بے جا الزامات کا پشتارا لگا رکھا ہے، اور اصل موضوع سے ہٹ کر اپنے دیرینہ حسد و کینہ کی خوب خوب بھڑاس نکالی ہے، چنانچہ عراقی جارحیت اور اس کے نتیجہ میں خلیجی بحران کے وقوع پر کلام کرنے کے بجائے علمار سعودی عرب کو برا بھلا کہہ کر دل کا غبار نکالا ہے۔

مراسلہ نگار دوسروں کو ذہن صاف کرنے کی نصیحت کرتے ہیں اور لگے ہاتھوں سعودی عرب کے حکمرانوں سے شدید اختلافات کا اقرار بھی کرتے ہیں وہ بھی مذہبی بنیاد پر جبکہ مذہبی اختلاف ان کے مذہب کے لئے رحمت ہی نہیں بلکہ عین دین ہے۔ دین کو چار خانوں میں تقسیم کئے بغیر ان کے یہاں دین مکمل ہی نہیں ہوتا ہے، پھر انہیں حصہ داروں سے جن کے بغیر ان کا وجود بے معنیٰ ہے کیونکر اتنا عناد ہے؟ یہ سعودی لوگ جن سے آپ کو ابدی دشمنی ہے اور اسی دشمنی کی وجہ سے ان پر ہر طرح کا بے جا الزام روا سمجھتے ہیں آپ کو اتنی بھی خبر نہیں کہ آپ کے پیران پیر حضرت عبدالقادر جیلانی حنبلیؒ کی طرح یہ لوگ بھی حنبلی المسلک ہیں، حدیث و قرآن ہی ان کا مصدر تھا، اور ان کا بھی وہی منبع و مرجع ہے، مگر آپ کے مسلک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بے شمار جھوٹ بولنا اور آپ

کی ذات اقدس کی طرف ہر مطلب کی بات منسوب کرنا عین دین ہے تو آپ سے تعجب نہیں کہ ان کے ایک امتی عبدالقادر جیلانی کی طرف ان کے ہی مذہب و اعتقاد کے خلاف خود ساختہ باتوں کو منسوب کر دیں تاکہ ان کا اصل مسلک لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ ہندوؤں کے دیوی مالائی قصے مراسلہ نگار کے مذہب کے حکایات خانہ ساز کے سامنے بہرحال ہیچ ہیں۔ تعجب ہے کہ ان ہی میں کا ایک فرد آپ کا پیران پیر کیسے ہو گیا، اور دوسرے اسی مسلک کے ماننے والے آپ کے ابدی دشمن کیسے ہو گئے۔

سعودی عرب کے حکمرانوں سے آپ کو مذہبی مخالفت ہے تو آپ یہ سب کچھ روا سمجھتے ہیں جیسا کہ آپ نے دعویٰ کیا ہے، مگر کویتی حکمرانوں سے آپ کو کون سی مذہبی عداوت ہے کہ آپ ان کے درپئے آزار ہیں۔ راتوں رات ان پر بے خبری میں حملہ کیا گیا، ان کو ترک وطن پر مجبور کیا گیا، مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا گیا، اول وھلہ میں ہی سات صد کویتی قتل کئے گئے، اور ان کے اموال و املاک کو مال غنیمت سمجھ کر لوٹ لیا گیا، عراق کے کمیونسٹ فوجی مسلمان عورتوں کی عصمت دری کر رہے ہیں، بھلا ان معصوموں سے کون سی مذہبی عداوت ہے؟ مجھے اصغر مہدی کی یہ بات صد فیصد صحیح معلوم ہوتی ہے کہ آپ کو اور آپ کے حلقہ کو واقعی عربوں سے پرخاش ہے، اور آپ ان کو بدنام کرنے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

محترم مراسلہ نگار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا اور دوسروں کے آنکھ کے تنکے نظر آتے ہیں، آپ کے یہاں تو دین کے نام پر جتنی بدعتیں خود ساختہ قبریں اور مزارات پر بیٹھ کر حلوے مانڈے اور پیسے اینٹھنا عین دین ہے، مگر دوسروں کا مسلک قرآن و حدیث ہو تو وہ آپ کو خود ساختہ نظر آتا ہے، مجھے افسوس ہے کہ آپ کے حلقے سے اب تک علمی انداز کی کوئی تحریر اس بات کی ثبوت کے لئے نہیں آئی کہ سعودی حکمرانوں کا مذہب خود ساختہ کیسے ہے، سوائے تبرا بازی اور الزامات کے؟

آپ نے احکام میں امام ابوحنیفہ رح کی تقلید کا راستہ اپنایا تو وہ تثلیث کا شکار ہو گیا، عقیدہ کے معاملہ میں امام صاحب کو چھوڑ کر اشعریت و ماتریدیت کے چکر میں پڑ گئے لیکن پھر کسی مصلحت کی بنیاد پر عام احناف سے کٹ کر بریلویت کا خود ساختہ عقیدہ آپ کا ایمان ٹھہرا اور اب آپ الٹے چور کو توال کو ڈانٹے کے مثل پر عمل کرتے ہوئے سعودی حکمرانوں کے مبنی بر کتاب و سنت مسلک کو خود ساختہ کہنے سے نہیں تھکتے۔ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد۔

سنت نبوی تو آپ نے ترک ہی کر دیا ہے مگر امام ابوحنیفہ رح کی طرف بھی آپ کا انتساب منصف مزاج پر بہت گراں گذرتا ہے، آپ اپنے کو استعماری ایجاد بریلویت کی طرف ہی منسوب کرنے پر اکتفا کریں تو اچھا ہے۔ ورنہ چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔

سعودی حکمراں اپنے آپ کو خدائی فوجدار نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہوں تو یہ حق بجانب ہے، آپ دنیا کے نقشے پر نظر

ڈال کر دیکھیں تو آپ کو بہت سے اسلامی ممالک نظر آئیں گے لیکن شریعت اسلامیہ کا نفاذ کہیں نظر نہیں آئے گا، صرف آپ کو یکا و تنہا یہی ایک حکومت نظر آئے گی جہاں اسلامی حکومت کا نفاذ ہے، حدود شرعیہ قائم ہیں، جس کا ہر خاص و عام کو اعتراف ہے، آپ کی نجی مجلسیں بھی وہاں کے امن و امان اور عدم جرائم کی ثنا خواں ہیں، جو حقیقت میں صحیح اسلامی شریعت اور احکام نبوی کے اجراء کا ہی نتیجہ ہے، لیکن بھلا آپ کو اس میں دین کیوں کر نظر آئے، یہ سب چیزیں تو آپ کے حلوے مانڈے اور عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے اڑے آتی ہیں۔

سعودی حکمران کسی پر اپنا مذہب نہیں تھوپتے اور نہ ہی زور و زبردستی کرتے ہیں یہ تو آپ کا شیوہ ہے کہ مسجدوں سے اللہ کے بندوں کو روکتے ہیں، آپ سے اختلاف رائے رکھنے والا مسجد میں داخل ہو جائے تو آپ مسجد دھلنے سے بھی دریغ نہیں کرتے آپ کی نظر میں خود آپ کے دیوبندی بھائی، جماعت اسلامی تبلیغی جماعت اور اہل حدیث سب کے سب کافر ہیں اور جو ان کو کافر نہ جانے وہ بھی کافر ہے، یہ سب کچھ عاجزی، درماندگی اور مظلومیت کے عالم میں کرتے ہیں، خدانخواستہ آپ کو اقتدار کی کرسی مل گئی تو آپ اختلاف رائے رکھنے والوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھیں گے اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کیا آپ چاہتے ہیں کہ پھر وہی تاریک دور لوٹ آئے جس میں خانۂ کعبہ کے اندر ایک مصلی کی جگہ چار متفرق مصلے قائم ہو جائیں بلکہ پانچ کیونکہ آپ نے جمہور احناف سے الگ ہو کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ تعمیر کر لی ہے، اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ پھر شریفی دور کی بدعتوں اور متفرق مصلوں کا دور دورہ ہو تو یقین جانئے مسلمانان عالم میں اتنی شدھ بدھ تو ہو ہی گئی ہے کہ ایسی تفریق وہ روا نہیں سمجھتے وہ وحدت ملی کے خواہاں ہیں، لہذا وہ پھر اس منکر کو خانۂ کعبہ میں پنپنے کی اجازت نہیں دیں گے،

عوام الناس اتنے بے خبر ہیں نہ انسانی حافظہ اتنا کمزور کہ آپ کی کل کی بات کو بھول کر آپ کے جھانسے میں آجائیں، آج آپ جن طاقتوں کے وجود سے ڈرا رہے ہیں کل تک آپ ہی ہندوستان سے لے کر برطانیہ تک تحفظ گنبد خضرا کا ڈھونگ رچا کر حرمین شریفین کی تدویل اور اس کو کھلا شہر قرار دینے کی پیہم کوشش کرتے رہے ہیں، جس کی تردید تمام مسلمانان عالم نے کی ہے۔

آپ کے مذہب میں جو شدت ہے واقعی اس کی مثال دنیا کے کسی گوشے میں بھی نہیں ملے گی، آپ ہی کا حلقہ ہے جو خود اپنے حنفی ہم مسلک بھائیوں کو مسجد اور گاؤں سے بھی گذرنے دینا گوارہ نہیں کرتا، خدا کا فضل ہے کہ سعودی حکومت اس قسم کی سختی سے پاک ہے، جہاں تک غیر شرعی داڑھی اور گمراہ و فاسق اماموں کے پیچھے زبردستی نماز پڑھوانے کی آپ کی لن ترانیاں ہیں تو خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے، اب تو آپ کے عوام بھی آپ کو جھوٹا کہنے لگے ہیں کیونکہ آپ کے ہزار روکنے کے باوجود حج بیت اللہ کو جاتے ہیں اور آپ کی پیہم کوشش کے باوجود مزاروں کی زیارت کو کافی نہیں سمجھتے، سعودی عرب جا کر وہاں مشاہدہ کر چکے ہیں

ائمہ مساجد شرعی داڑھی سے متصف ہیں، آپ کو جھوٹ کہنا ہی تھا تو پھر باوزن جھوٹ بولتے اتنے سفید جھوٹ کے قبول کرنے کی گنجائش تو بہرحال عوام میں نہیں ہے، ائمہ حرم میں سے کئی ایک ہندوستان اور پاکستان بارہا آچکے ہیں اور عوام الناس نے انہیں قریب سے دیکھا بھی ہے، آپ جیسے لوگوں کو شرم آنی چاہئے کہ آپ کے عوام اس جھوٹ کا کیا نوٹس لیں گے، کیا آپ ہمت کرکے حرم مکی یا مدنی کے کسی امام کو ڈاڑھی منڈا دکھا سکتے ہیں ؟ ۔

جہاں تک ان تقویٰ شعار ائمہ پر فسق و ضلالت کا اتہام ہے تو ہم آپ کو اس سلسلے میں مجبور گردانتے ہیں، کیونکہ آپ کے شرعی لغت میں اختلاف رائے رکھنے والوں کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی لفظ ہے ہی نہیں ۔

سعودی عرب کی حمایت کا دم بھرنا کوئی برا کام نہیں، جو حمایت کے لائق ہو اس کی حمایت کرنی چاہئے، البتہ عراق کی مذمت پوری دنیا کر رہی ہے، وہ آپ کی نظروں سے اوجھل ہے تو اس کا علاج کیا ہے

گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم ✤ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ؟

۱۱ر ستمبر سے ۱۷ر ستمبر تک قومی مورچہ کا اداریہ پڑھ جائیے وہ آپ ہی جیسے لوگوں کا جواب ہے، آپ کا عراقی کمیونسٹ ہیرو پتہ نہیں اپنی تمام تر جارحیت اور ہٹ دھرمی کے باوجود آپ کو اتنا محبوب کیوں ہے، کیا اس لئے کہ اس نے اپنے ایک مسلم پڑوسی ملک پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے، اور دوسروں کو خوفزدہ کر رہا ہے، دیار مقدس میں ملحد کمیونسٹ پارٹی کی بالادستی چاہتا ہے، پتہ نہیں اس کے قوت کا نشہ بے دست و پا فلسطینیوں کے لئے کیوں سرد رہا ہے، بیت المقدس کی بازیابی کے لئے اس کا کوئی کردار نظر نہیں آتا، روس کے یہودی ارض فلسطین کو اپنا مستقر بنا رہے ہیں، اس کے باوجود روس کی سرپرستی اس کو منظور ہے، بلکہ اس کے الحادی مشن کی تکمیل کے لئے کوشاں ہے، اور اسی کے نتیجے میں عراق میں دینی حلقوں کا قاتل ہے، صدام کی پارٹی ہی نے بیت المقدس کو بازیاب کرنے والے صلاح الدین ایوبی کے خاندان سے متعلق کردیوں کو بے دریغ تہہ تیغ کیا ہے، حقائق سے چشم پوشی کرکے بچ نکلنا بہت مشکل ہے، افغانستان میں اسی قسم کے روس کے پٹھو اسلامیان افغانستان پر عرصۂ حیات تنگ کر رہے تھے جس کی پاداش میں جہاد افغانستان کا فتویٰ سب سے پہلے علماء سعودی عرب نے دیا تھا، ان کمیونسٹوں نے لاکھوں انسانوں کو قتل کیا اور لاکھوں کو بے گھر کر دیا، ان کی صحیح مدد اگر کسی نے کی ہے تو یہی سعودی عرب اور کویت کے حکمراں اور عوام ہیں، ان کے ہزاروں نوجوان افغانستان میں شہید ہوئے اور ہزاروں ہنوز برسرپیکار ہیں، ادھر فلسطینی انتفاضہ کا سارا خرچ سعودی عرب و کویت برداشت کر رہے ہیں، جس سے روس اور اسرائیل کا ناطقہ بند ہو گیا تھا، ایسے وقت میں صدام کو آلۂ کار بنا کر ان ہر دو اسلامی جہاد کو سرد کرنے کی سازش کویت پر عراقی جارحیت ہے، آخر آپ ان حقائق سے گریز کیوں کر رہے ہیں ۔

آپ ایک طرف یہ اقرار کرتے ہیں کہ جارحیت خواہ کسی کے خلاف ہو قابل مذمت ہے اور ساتھ ہی عراق کی جارحیت کو لائق صد ستائش قرار دیتے ہیں، اس تضاد بیانی پر انسان جتنا بھی سر پیٹے کم ہے،

رہی امریکہ اور دوسرے ممالک کے مفادات کے پورا ہونے کی بات، تو کیا یہ بحران سعودی عرب یا کویت نے پیدا کیا ہے؟ دنیا کا ہر فرد بخوبی جانتا ہے کہ یہ بحران عراق نے پیدا کیا اور غیروں کے مفادات پورے کرنے کا موقع بھی اسی نے دیا ہے۔

مراسلہ نگار عراقی جارحیت کی ثنا خوانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: صدام حسین کا یہ اقدام قابل صد ستائش ہے، کہ اس نے امریکہ پر کاری ضرب لگانے کی جرأت کی اور عالم اسلام کے سربلند کرنے کی کوشش کی ؛ کیا کویت کے مسلم عوام اور حکمراں پر یہ کھلی ہوئی جارحیت، ان کا قتل عام، اور مسلمان عورتوں کی آبروریزی اور عصمت دری اور دنیا کی سب سے بڑی ڈکیتی اور احسان فراموشی اور غداری مراسلہ نگار کی نظر میں امریکہ پر کاری ضرب ہے۔ ایک محسن اسلامی ملک پر غاصبانہ قبضہ اور ظلم و بربریت میں اسلام کی سربلندی ہے، مسلمانوں کا ہر فرد مسلم ممالک کے اتحاد کا خواہاں اور ان کے روشن مستقبل کا آرزومند ہے ایسے وقت میں عراقی ڈکٹیٹر کے ذریعہ عالم اسلام کے قلب میں اس قسم کا بحران پیدا کر دینے میں مراسلہ نگار کو اسلام کی سربلندی کی کوشش نظر آرہی ہے، فیا للعجب۔

مراسلہ نگار لکھتے ہیں، "امریکہ کسی بھی اسلامی ملک کو طاقت ور نہیں دیکھنا چاہتا۔" مگر ان کے کمیونسٹ ہیرو تو سرے سے اسلامی ممالک کے وجود ہی کو مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں، تو وہ مراسلہ نگار کی نظر میں اسلامی ممالک کو طاقت ور دیکھنا چاہتے ہیں۔

اگر آپ کو اندیشہ ہے کہ امریکہ واپس نہیں جائے گا تو سب سے پہلے آپ کو عراق کو مشورہ دینا چاہئے کہ امریکہ کے خلیج میں وارد ہونے کی وجہ تم ہی ہو اور تم ہی اپنی مزید ضد اور ہٹ دھرمی ترک کر وگے تو امریکہ واپس جائے گا۔

انسان بسا اوقات جب غلط بیانی پر اتر آتا ہے تو بے شمار تناقضات اور مغالطات کا شکار ہو جاتا ہے، چنانچہ مراسلہ نگار اور ان جیسے فکر انگیز مضامین شائع کرنے والے لوگ سعودی حکومت کو روز اول ہی سے بڑی طاقتوں کا آلہ کار گردانتے نہیں تھکتے، اور حرمین شریفین کا صحیح محافظ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، دوسری طرف اقرار و اعتراف بھی کرتے ہیں، کہ سعودی عرب کسی کا آلہ کار نہیں اور حرمین شریفین کا صحیح تحفظ بھی انہی کے دور حکومت میں رہا ہے جو ایک مسلمہ حقیقت ہے جیسا کہ مراسلہ نگار نے لکھا ہے کہ: "اگر سعودی حکومت نے ذرا بھی آنکھ دکھائی تو امریکہ اس کا تختہ پلٹنے اور اپنی کٹھ پتلی حکومت قائم کرنے سے باز نہیں آئے گا اور پھر مقامات مقدسہ کا تحفظ بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔"

مطلب صاف ظاہر ہے کہ آپ اقرار کرتے ہیں کہ سعودی حکومت حرمین شریفین اور مقامات مقدسہ کا صحیح محافظ رہا ہے اور ہے، اور اس نے امریکی افواج کو حرمین شریفین سے ہزار کیلو میٹر کی دوری پر رکھا ہے، اب تک اس کے تقدس پر کوئی آنچ نہیں آئی، مجھے خوشی ہے کہ آپ کی اس تحریر سے آپ ہی کے حلقے سے حرمین شریفین کی پامالی کے پروپیگنڈے کی تردید ہوگئی، بتا کیا آپ نہیں فرماتے کہ " دوسری حکومت آئے گی تو وہ امریکہ کی کٹھ پتلی حکومت ہوگی اور مقامات مقدسہ کا تحفظ بے معنی ہو کر رہ جائے گا." اسی کو کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر پر چڑھ کر ناچے ۔

مراسلہ نگار نے مفتی اعظم شیخ ابن باز پر چلتے چلتے یہ الزام بھی لگا دیا کہ عراق نے ایران پر حملہ کیا تو اس وقت ان کے منہ پر تالا لگا ہوا تھا، لیکن آپ یاد رکھئے ایسا کبھی نہیں ہوا، عراق کے اس حملے کو بھی سبھوں نے ناپسندیدہ کہا، بھلا شیخ ابن باز کب پیچھے رہ سکتے تھے، مگر جنگ شروع ہونے کے بعد ایرانی لیڈر ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے، اسرائیل کی بھرپور مدد حاصل کی اور حرمین شریفین پر قبضہ کا خواب دیکھنے لگے اور اپنے اس ارادہ کا برملا اظہار کیا کہ روضۂ نبوی کے پاس سے صدیق اکبر اور عمر فاروق کی قبروں کو جب تک اکھاڑ نہیں پھینکیں گے جنگ بند نہیں کریں گے، کیونکہ ان کی نظر میں وہ طاغوت ہیں، اور اس طرح جنگ طول پکڑ گئی اور عربوں کو عراق کی مدد کرنی پڑی ۔

آج وہی ہٹ دھرمی عراق کر رہا ہے، اگر وہ اپنی ضد سے باز آجائے اور کویت کو چھوڑ کر واپس چلا جائے تو امریکہ اور دوسرے سب کے سب اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں گے، عراق پہلے حقیقت پسندی کا ثبوت تو دے ۔

اصغر علی امام مہدی السلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

جامعہ عالیہ عربیہ مئو

میں خلیجی بحران کے مسئلہ پر عظیم اجتماع

تجاویز اور قراردادیں

بتاریخ ۸ راکتوبر ۱۹۹۰ء جامعہ عالیہ عربیہ مئو کے لائبریری ہال میں خلیجی بحران کے مسئلہ پر اساتذہ، طلبہ اور ذمہ داران جامعہ کا ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا، اس کی صدارت کے فرائض ملک کے مایہ ناز صحافی جناب مولانا عبدالحکیم صاحب مجاز اعظمی نے انجام دیئے تلاوت کلام پاک کے بعد صدر جامعہ مولانا محمد صاحب اعظمی نے مقصد اجتماع پر روشنی ڈالی، اور پھر صدر جلسہ نے مشرق وسطیٰ بالخصوص عراق، کویت اور سعودیہ عربیہ کا تاریخی اور نظریاتی پس منظر پیش کیا، موجودہ بحران کی سنگینی سے رونما ہونے والے عالمی اور اسلامی مشکلات ومصائب پر جامع تبصرہ کیا، صدر جلسہ کے علاوہ جامعہ کے معزز اساتذۂ کرام نے اسلامی تعلیمات اور اخلاقی روایات کی روشنی میں مذکورہ مسئلہ پر مختلف ناحیوں سے اپنے گرانقدر اور مدلل خیالات کا اظہار فرمایا، تمام تقریروں کے دلائل کی روشنی میں عراق کے صدر صدام حسین کے اسلام دشمن کارناموں پر استنکار نمایاں تھا، کیونکہ کسی بھی نقطۂ نظر سے کویت پر حملہ جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، خصوصًا ان حالات میں جب کہ وہ عراق کا دیرینہ محسن اور معاون رہا ہے، ظلم وبربریت کی انتہائی سطح ہے، جس کی مثال چنگیزی تاریخ ہی میں مل سکتی ہے، تمام مقررین نے اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ جو عناصر جمہوریت وغیرہ خوشنما اصطلاحات کے حوالے سے ظالم کی حمایت اور مظلوم کی ملامت کر رہے ہیں وہ سطحیت کا شکار ہیں ان کی حمایت کا مقصد دراصل الحاد پسند طبقہ کو تقویت دینا ہے، دین پسندوں اور اباحیت پسندوں کے حلقے سے عراق کی حمایت کے پس پردہ مختلف خرافات جھلک رہے ہیں، دین پسندوں کا ایک طبقہ اپنی شرکیہ اور مبتدعانہ خرافات کے لئے اور الحاد پسندوں کا طبقہ دین بیزاری کو عام کرنے کے لئے کویت اور سعودیہ عربیہ کو اپنے لئے سنگ راہ سمجھتے رہے ہیں، اور اس وقت ان کی دیرینہ آتش غضب موقعہ ومحل کے اعتبار سے بھڑکنے پر مجبور کر رہی ہے، اس لئے مقررین نے ان تمام تاریخی عوامل کا جائزہ لے کر پر زور انداز میں عراق

کے موجودہ اقدام پر بھرپور ضرب لگائی، اور خلیجی بحران کو تمام ملت اسلامیہ کے لئے بالخصوص اور عالم انسانیت کے لئے عام طور پر مشکلات کا پیش خیمہ بتایا اور عراقی صدر کو اپنے ظالمانہ و ملحدانہ فعل سے تائب ہو کر سلامت روی اختیار کرنے کی تاکید کی، آخر میں شاہ فہد بن عبدالعزیز محافظ حرمین شریفین اور رئیس دارالافتاء کے ٹیلی گرام اور مکتوب کو سنایا گیا جس میں جامعہ کی طرف سے سعودی اقدام کی حمایت میں جو تار اور مکتوب بھیجے گئے تھے ان کا شکریہ ادا کیا گیا ہے، آخر میں مندرجہ ذیل تجاویز باتفاق رائے منظور کی گئیں

نمبر ۱ جامعہ عالیہ عربیہ مئو کا یہ اجلاس خلیج کی موجودہ صورت حال پر اپنے گہرے دکھ اور تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کویت پر عراق کے غاصبانہ قبضہ کی پرزور مذمت کرتا ہے اور عراق کی حکومت سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بغیر کسی شرط و تاخیر کے کویت پر اپنا قبضہ ختم کر کے وہاں سے اپنی فوجیں واپس عراق بلالے تاکہ کویت کی سابقہ پوزیشن بحال ہو۔

نمبر ۲ اس غاصبانہ قبضہ کے بعد کویت سے متصل سعودی عرب کی سرحد پر عراق کی فوجوں کے اجتماع کو تشویش کی نظر سے دیکھتے ہوئے ان کو فوراً ہٹانے کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ مغربی اور دوسری بیرونی فوجوں کو وہاں رہنے کا جواز ختم ہو اور وہ فوراً سعودی عرب سے واپس چلی جائیں۔

نمبر ۳ عراق کے جابرانہ عزائم کے خدشہ کے پیش نظر سعودی عرب نے اور خلیج کے دیگر ممالک نے جو مغربی اور دوسری ملکوں سے احتیاطی امداد بشکل فوج طلب کی ہے یہ اسلامی نقطۂ نظر سے درست ہے اگر اس میں کوئی قباحت ہے تو ظالم اول عراق اس کا تنہا ذمہ دار ہے۔

نمبر ۴ اجلاس کو احساس ہے کہ ۲ راگست سے قبل خلیج میں جو سکون تھا عراق نے اس کو غارت کر دیا اور یہ بے چینی پوری دنیا پر محیط ہو گئی ہے، یہ عراق کی وہ مجرمانہ حرکت ہے جس کی تائید کوئی اصلاح پسند شخص نہیں کر سکتا، یہ اجلاس اس حرکت سئیہ کی سخت مذمت کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ حق پسند حضرات اس کی شورش پسندی کو بے نقاب کر دیں۔

نمبر ۵ یہ اجلاس سعودیہ عربیہ کے ساتھ اپنے اس دینی تعلق کو یاد کرتا ہے جو سلطان عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہد سے رہا ہے، اور سعودی فرماں رواؤں نے حرمین شریفین میں جو امن و سکون کے قیام و استحکام اور دین خالص کی پاسداری و تحفظ کا ثبوت دیا ہے اور زائرین کے لئے جتنی خدمات انجام دی ہیں ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ مرکز توحید میں شرک و بدعت کی بے دخلی ہی ان لوگوں کو کھل رہی ہے جو آج عراق کے اقدام کی ہمنوائی کر رہے ہیں۔

نمبر ۶ سعودی عرب اور کویت نے دنیا بھر کی اسلامی تحریکات کو جو اخلاقی و مالی تعاون پیش کیا ہے ہم اس کی قدر کرتے ہیں، اور فلسطین و افغانستان میں مجاہدین کے ساتھ جو گرانقدر تعاون کیا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان

موجودہ بحران کے پسِ منظر میں ان دونوں محسن ملکوں کی تائید کریں، اور مذکورہ خدمات میں خلل ڈالنے والے عراق کی پرزور مذمت کریں،

آخر میں اجلاس دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلامی ممالک سے یہ فتنہ مٹا دے، اور تمام ممالک کو کتاب وسنت کے مطابق چلنے کی توفیق دے۔ آمین! ۔

مَنظور کردَہ

منتظمین، اساتذہ و طلبا ر جامعہ عالیہ عربیہ مئو ناتھ بھنجن ۔ یوپی ۔، (الہند)

۸ ر اکتوبر ۱۹۹۰ء

بقیہ صـ ۶۹ کا ۔

لیکن یہ جنونی اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے۔ بائیکاٹ میں آگے آنے والے ملکوں کے ان افراد کو یرغمال بنالیا ہے جو عراق میں رہتے تھے ۔ صدام کی یہ کارروائی بھی پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی رسوائی کا سبب بن رہی ہے ۔ چنانچہ موجودہ امریکی صدر نے اپنی ایک تقریر میں یہ پھبتی بھی صدام پر کسی ہے کہ کیا اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ ناکردہ کار لوگوں کو ناحق حراست میں لے کر انہیں خوفزدہ کیا جائے ۔ ؟

●●●

(ابن حبیب اشرف)

بے وقت کی راگنی

> " محدث کا زیر نظر شمارہ خلیجی بحران کے لئے خاص ہے، درج ذیل تحریر ۹ر محرم ۱۴۱۱ھ کی لکھی ہوئی اب تک شائع نہ ہوسکی، جب کہ حالات اس کی اشاعت کے متقاضی تھے۔ مزید تاخیر سے بچنے کے لئے اسی شمارہ میں اسے دیا جارہا ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام اتنی بے ربطی گوارا فرمالیں گے "

ماہنامہ محدث بنارس کی حالیہ اشاعتوں میں جماعت کی تبلیغی خدمات کی تدوین و ترتیب سے متعلق اپیل ا[illegible] سوال نامہ شائع ہوا ہے جس میں علماء اور اہل قلم سے درخواست کی گئی ہے کہ اس اہم اور ضروری پہلو کی جانب توجہ مبذول فرمائ[illegible] یہ اپیل درحقیقت نئی یا ہمارے ذہن کی پیداوار نہیں، ماضی قریب کے متعدد علماء اور ہمدردان جماعت اس نوعیت [illegible] تجویز پیش کرچکے ہیں، اور کچھ حوصلہ مند افراد نے اس موضوع پر کسی حد تک کام بھی کیا ہے، اسی کو دیکھتے ہوئے جامعہ سلفیہ کے ذمہ د[illegible] پرامید تھے کہ مذکورہ موضوع پر اس وقت نئے سرے سے کام شروع ہوجائے گا، لیکن جماعتی صحافت کا موجودہ رخ دیکھ کر کچھ تو ا[illegible] ہو رہا ہے اور کچھ اپنے اوپر تعجب ! ۔

جماعتی مجلات اس وقت اپنے بجائے دوسروں کے احتساب میں لگے ہیں، باریک پیمانوں سے اخلاص نیت اور عملی محر[illegible] ومقاصد کو ناپا جارہا ہے، مدارس اور ان کے ذمہ داران مورد طعن ہیں، بعض حلقے ہینڈ بلوں سے اپنے جذبۂ عداوت کو تسکین دینے کی کو[illegible] کر رہے ہیں، جماعت کے ذمہ داران اور سربرآوردہ حضرات کے اور بھی دوسرے افسوسناک اقدامات ہیں جن کا تذکرہ شرم کے باعث نہیں کیا اس صورتحال میں ہمارا ذہن بار بار مذکورہ اپیل اور اس پر پیدا ہونے والے تاثر کی جانب منتقل ہو رہا ہے، جو لوگ اس وقت "بیجا احتساب" کے عمل میں مصروف ہیں، ہماری اپیل پڑھ کر ضرور یہ مصرع گنگنائیں گے ؎

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

ایسے افراد کو مذکورہ اپیل بے وقت کی راگنی معلوم ہوگی، ان کی نظر میں اس وقت کرنے کا کام کچھ اور ہے ۔۔ ایسے تمام حضرات سے ہم معذرت خواہ [illegible] جو لوگ جماعتی تاریخ کی ترتیب سے دلچسپی رکھتے ہیں ان سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی تحریروں، مشوروں اور دعاؤں سے سرفراز فرمائیں، اللہ [illegible] انھیں اجر جزیل سے نوازے گا۔ ان شاء اللہ ۔

(مقتدیٰ حسن ازہری ۔ ۹ر محرم ۱۴۱۱ھ)

NOV. & DEC. 1990 Vol. VIII • No. XI, XII

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

مطبوعات جامعہ سلفیہ
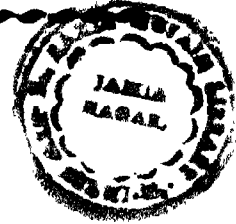
ازمة الخليج في ميزان الشرع والعقل

بقلم

مجموعة من العلماء والمشايخ

قیمت ۰۰/ Rs. 25

مکتبہ سلفیہ ، ریوڑی تالاب ، وارانسی

Published by: Abdul Auwal Ansari, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama
B. 18/1 G. Reori Talab, Varanasi. Editted by : A. W. Hijazi.
Printed at Salafia Press, Varanasi.